شرح جوامع الکلم

مجموعہ ملفوظات

حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رح

جمع کردہ

حضرت سید محمد اکبر حسینی رح فرزند شاں

تحقیق، ترجمہ و شرح

کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری
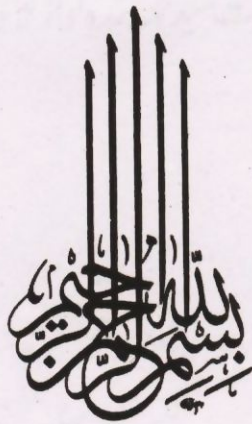
شرحِ جوامعُ الکلِم

مجموعہ ملفوظات

حضرت سیّد محمد بندہ نواز گیسُو دراز رح

جمع کردہ

حضرت سیّد محمد اکبر حسینی رح فرزند شاں

تحقیق، ترجمہ و شرح

مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری

الفیصل

ناشرانِ و تاجرانِ کُتب

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

297.4 Muhammad Bandah Nawaz Gesoodraz, Syed
Sharah Jawame-alkalam" Syed Muhammad
Bandah Nawaz Gesoodraz.- Lahore: Al-Faisal
Nashran, 2010.
602P.

1. Tasawaf 1. Title.

ISBN 969-503-496-6

جولائی 2010ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/350 روپے

AI-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

فہرست مضامین

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم

مقدّمہ

از: مترجم

تصّوف یعنی مسلک اولیاء اللہ کیخلاف بے بنیاد اعتراضات

اسلامی ممالک پر غیر مسلم بیرونی حکمرانوں کا تسلّط قائم رکھنے کے لئے اُن لوگوں کی پراپیگنڈہ مہم کا ایک اہم باب یہ بھی تھا کہ اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور اکابرِ اسلام کو جس قدر بدنام کیا جائے کم ہے۔ اس مہم کو چلانے کے لئے مغربی ممالک میں ایک جماعت قائم ہوگئی جو مستشرقین (ORIENTALISTS) کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ ان لوگوں نے دل کھول کر اسلام اور اکابرِ اسلام کی عیب جوئی کی اور ایسے لغو اعتراضات کئے جن کی بنیاد نہ تاریخ میں ملتی ہے نہ ان کو عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے۔ لیکن چونکہ دو سو سالہ سامراجی دورِ حکومت سے محکوم مسلم اقوام کو جان بوجھ کر بدترین قسم کے احساس کمتری میں جکڑ دیا گیا تھا، مغرب کی طرف سے جو کچھ آیا، سادہ لوح اور مغرب زدہ مسلمانوں نے اسے قبول کرنے سے انکار نہ کیا۔

نیز چونکہ دنیا میں اسلام پھیلانے کی مہم میں زیادہ تر ہاتھ اولیائے اسلام، صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کا تھا۔ اہل مغرب کی اُس مخصوص جماعت نے سب سے زیادہ ملامت اور مذمّت کا نشانہ ان حضرات کو بنایا اور ان کے مسلکِ تصّوف کے خلاف ایسی کیچڑ اُچھالی کہ اپنے اور پرائے، بلا سوچے سمجھے اس کی زد میں آگئے اور تصّوف کے خلاف شکوک وشبہات جنم لینے لگے۔

غیر ملکی حکمرانوں نے مستشرقین کے ذریعے اولیاء اللہ کے خلاف یہ پراپیگنڈا چلایا کہ چونکہ تصّوف کا لفظ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں عروج نہیں تھا۔ یہ بیرونی اثرات کی پیداوار ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور انہوں نے بیرونی اثرات کے چار نظریات قائم کیے۔

تصّوف پر بیرونی اثرات کے چار نظریات

تصّوف پر بیرونی اثرات کا پہلا نظریہ جو بعض مستشرقین نے قائم کیا ہے، یہ ہے کہ یہ

(تصوف) عیسائی مسٹی ازم (فلسفۂ روحانیت) کا مرہون منت ہے۔ بعض مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ تصوف ہندو مسٹی ازم کی پیداوار ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ یونانی اثرات کی پیداوار ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ بدھ مت سے لیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو یہ چاروں متضاد نظریات ایک دوسرے کی خود تردید کر کے اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں۔

اِن بے بنیاد نظریات کا دندان شکن جواب راقم الحروف نے اپنی انگریزی زبان کی کتاب اسلامک صوفی ازم (ISLAMIC SUFISM) میں دیا ہے۔ اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ:۔

جس طرح دیگر اسلامی علوم مثل تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ رسول خدا ﷺ کے زمانہ مبارک میں مرتب وعروج نہیں ہوئے تھے کیونکہ صحابہ کرامؓ ہمہ تن جہاد فی سبیل اللہ ہی میں منہمک تھے۔ اسلام کا علم، روحانیت (تصوف) بھی اس زمانے میں باقاعدہ علم کی صورت میں مرتب ومروج نہیں تھا۔ لیکن صحابہ کرامؓ بعد میں آنے والی نسلوں سے زیادہ قرآن، حدیث اور فقہ اور علم روحانیت کے عالم اور عامل تھے۔ اور سب سے زیادہ مقرب، واصل باللہ، عارف باللہ، فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ اس بابرکت زمانے میں جسے حضور اکرم ﷺ خیر القرون قرنی کا اعزار بخشا ہے۔ الفاظ نہیں تھے لیکن ذاتِ حق تک ہر مسلمان کی رسائی تھی اور بعد میں جہاد سے فرصت ملتے ہی تمام علوم اسلامیہ مرتب ہوئے۔ جن حضرات نے قرآن مجید کے معانی ومطالب میں مہارت حاصل کی ان کو مفسرین کہا گیا ہے۔ جنہوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کی محدیثیں کے نام سے موسوم ہوئے جن حضرات نے قانون اسلام کو مرتب کیا وہ فقہا کہلائے اور جنہوں نے فن روحانیت کو باقاعدہ علم کی صورت میں مرتب کر کے قرب ومعرفت الٰہی کا راستہ آسان بنایا وہ صوفیاء کے نام سے موسوم ہوئے۔

۲۔ اسلامک صوفی ازم میں مغربی مصنفین کی کتابوں سے دوسری بات یہ ثابت کی گئی ہے کہ نہ صرف عیسائی مسٹی سزم نو افلاطونیت (NEOPLATONISM) کی مرہون منت ہے۔ بلکہ خود نو افلاطونیت ہندو مسٹی سزم کی مرہونِ منت ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ثابت کی گئی ہے کہ عیسائی مسٹی سزم ہو یا ہندو مسٹی سزم بدھ مسٹی سزم ہو یا افلاطونیت یہ تمام غیر اسلامی، روحانی علوم' اسلامی تصّوف کے مقابلے میں بالکل نامکمل اور خام ہیں اور اس قابل ہی نہیں کہ علم تصّوف کی بلندیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

۴۔ چوتھی اور سب سے زیادہ اہم بات جو اسلامک صوفی ازم میں مغربی مصنفین کی اپنی ریسرچ سے ثابت کی گئی ہے یہ ہے کہ ہندو مسٹی سزم اور عیسائی مسٹی سزم خود اسلامی تصّوف کی پیداوار ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کو چھپانے کے لئے مغربی حکمرانوں اور مستشرقین نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا اور سرکاری خزانوں سے اس کام کے لئے اہلِ قلم لوگوں کو بڑی بڑی رقومات دی گئیں اور بہت غلط اور بے بنیاد لٹریچر وجود میں آیا۔

اسلامک صوفی ازم میں جا بجا ڈاکٹر نکلسن' آبریری اور ماسینو اور ڈاکٹر تاراچند جیسے منصف مزاج اور متوازن دماغ مصنفین کی کتابوں کے حوالہ جات دے کر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی تصّوف غیر اسلامی علوم روحانیت (MYSTICISM) سے ماخوذ نہیں ہوا بلکہ ان غیر اسلامی روحانی علوم کا ماخذ ہے اور سینٹ ایکوٹی ناس' ایکہارٹ' ڈانٹے' گوئٹے جیسے مغربی روحانی پیشوا اور شنکراچاریہ' رامانوجا' رامانند' بھگت کبیر اور ان کے بے شمار چیلے اولیائے اسلام سے روحانی تربیت حاصل کر کے اتنی بلندی کو پہنچے۔ لیکن پھر بھی میدانِ روحانیت میں جو بلندیاں اولیائے اسلام کو نصیب ہوئی ہیں ان کا عشرِ عشیر بھی عیسائی اور ہندو روحانی پیشواؤں کو حاصل نہ ہو سکا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مصطفٰے علیہ السلام پر ایمان لائے بغیر قلب کے دروازے نہیں کھل سکتے۔ سائنس اور مادی ترقی کے میدان میں منکرینِ رسالت کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے۔ وہ تو فیضان نبوی ﷺ کا نتیجہ ہے کیونکہ یورپ کے تمام مورخین اور دانشور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تہذیب وتمدّن' علم وفنون اور سائنس کے میدان میں اہلِ مغرب کے تمام اصول ان کو مسلم سپین' بغداد' دمشق اور بخارا کے حکمت خانوں سے ملے ہیں۔ عصرِ حاضر کے مشہور نو مسلم سکالر محمد مار ماڈیوک پکتھال اپنی کتاب کلچرل سائیڈ آف اسلام میں لکھتے ہیں کہ اہلِ مغرب اسلام کے مادی' ترقی اور سائنس کی تعلیمات کو قبول کر کے ایک حد تک مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب ان کو پوری طرح مسلمان

بننے کے لئے اسلام کی روحانی تعلیمات کی ضرورت ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اہلِ مغرب کو جس قدر ظاہری مادی ترقی حاصل ہوئی ہے وہ رسالت ﷺ کے انکار سے نہیں بلکہ رسالت کے جزوی اقرار سے ہوئی ہے۔ اور جب تک اسلام کی باقی ماندہ روحانی تعلیمات پر عمل نہیں کریں گے نہ مکمل ترقی کر سکتے ہیں نہ آپس میں اس ہولناک جنگ وجدال کو ختم کر سکتے ہیں۔

روحانیت کے میدان میں بھی اہلِ مغرب اور اہلِ ہنود کو جو تھوڑی بہت ترقی حاصل ہوئی وہ اسلام کی مرہونِ منت ہے لیکن چونکہ یورپ میں پادریوں کی حکومت تھی جو شخص اسلام کا نام لیتا تھا اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا تھا یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ تاریخ یورپ شاہد ہے کہ چرچ کی عدالتوں میں جن لوگوں کو سزائے موت ملی۔ اُن کی تعداد سوا تین لاکھ اور جن کو زندہ جلایا گیا اُن کی تعداد تیس ہزار سے زائد ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں بھی چونکہ برہمن راج زوروں پر تھا۔ شنکر اچاریہ' رامانوجا' رامانندا' بھگت کبیر اور اُن کے تمام چیلوں نے اولیائے اسلام سے خفیہ طور پر روحانی تربیت حاصل کی جس کی وجہ سے ہندو دھرم کے تمام مشرکانہ عقائد مثل بت پرستی' تناسخ' ذات پات' چھوت چھات' مردے جلانا وغیرہ ترک کر دیئے تھے۔ اور مسلمانوں کی طرح وحدانیت اور رسالت کے قائل ہو چکے تھے' دن میں پانچ وقت خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرتے تھے' مردے دفن کرتے تھے۔ مسلمانوں کی طرح مل کر کھانا کھاتے تھے' بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔ ستی کے دشمن تھے۔ یہ تمام تفصیلات ہندو محقق ڈاکٹر تاراچند نے اپنی کتاب (انفلوئنس آف اِسلام آن ہندو کلچر) میں دی ہیں۔

اب چونکہ ہندو اور عیسائی ارباب روحانیت نے یہ روحانی تعلیمات' صوفیائے اسلام سے حاصل کی تھیں اور ان کے عقائد' نظریات اور نتائج چونکہ اسلامی تصوف جیسے تھے اس لئے دشمنانِ اسلام نے عجب چالاکی اور بے مثال عیاری سے پلٹا کھا کر یہ جو مشہور کر دیا ہے کہ صوفیوں نے تصوف ہندوؤں اور عیسائیوں سے حاصل کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ بات مشہور ہے کہ داراشکوہ نے ہندو فلسفۂ روحانیت کے ذرائع سے روحانی ترقی حاصل کی تھی حالانکہ وہ حضرت میاں میر لاہوریؒ کے خلیفہ حضرت ملاں شاہ بدخشیؒ کے مرید تھے۔ یہ بات ضرور ہے کہ وہ تبادلہ خیالات کے لئے نیز ہندو روحانیت اور اسلامی تصوف کے مابین مشابہت اور مماثلت کے زیادہ سے زیادہ شواہد کی تلاش میں تھے۔ اس سلسلے میں وہ اکثر ایک ہندو روحانی پیشوا بابا لال کے پاس جا کر تبادلہ خیال

کرتے تھے۔اس تبادلہ خیال کے بعد داراشکوہ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام (نادرالنکات) ہے۔
ڈاکٹر تارا لکھتے ہیں کہ بابالال اور لال داس دونوں سندرداس کے چیلے تھے' سندرداس' دادودیال کا چیلہ تھااور دادودیال بھگت کبیر کا چیلہ تھا۔اور بھگت کبیر کا نام بھی اسلامی ہے اس کے بیٹے کا نام کمال تھا۔یہ بھی اسلامی نام ہے۔اس کی بیٹی کا نام کمالی تھا۔یہ بھی اسلامی نام ہے۔

ڈاکٹر تاراچند لکھتا ہے کہ خود بھگت کبیر نے مسلم صوفیاء کی بہت صحبت اختیار کی لیکن ان کی تربیت زیادہ تر حضرت شیخ تقی سے ہوئی جن کی خدمت میں وہ عرصہ دراز تک رہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر تارا کہتے ہیں کہ بھگت کبیر نے الہ آباد کے قریب جام پور اور جھوسی کے مقام پر مسلم فقراء اور صوفیاء سے بکثرت تربیت حاصل کی۔وہ لکھتے ہیں کہ ان مقامات پر اکیس مشائخ بیک وقت رہتے تھے جن سے بھگت کبیر نے روحانی تربیت حاصل کی۔بھگت کبیر نے اپنی کتابوں میں اسلامی عقائد اور نظریات کی پرچار کی ہے۔صوفیائے کرام کے ذریعے وہ عالم ناسوت' عالم ملکوت' عالم لاہوت اور عالم باہوت سے بھی آشنا ہوئے۔چنانچہ اپنی ایک نظم میں کبیر کہتے ہیں کہ

''ناسوت اندھیرا ہے' ملکوت فرشتوں کا جہان ہے۔ جبروت میں نور جلال الٰہی ہے اور باہوت عالم حق یعنی عالم قدس کا نام ہے''۔

ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ بھگت کبیر کا مسلک صوفیائے کرام کی طرح عشق الٰہی (بھگتی) تھا۔
''اپنی نظم جس کا عنوان دس مقامی ہے۔بھگت کبیر نے معراج النبی کا پورا واقعہ بیان کیا ہے''۔

ڈاکٹر تاراچند کے مطابق کبیر کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:۔

''بت پرستی چھوڑ دو۔بت خانوں میں مت جاؤ۔برہمنوں کی بات نہ سنو' مردے مت جلاؤ۔ بلکہ دفن کرو۔دن رات میں پانچ وقت خدا کی عبادت کرو۔سب مل کر کھانا کھاؤ۔بیواؤں کی شادی کرو۔تناسخ غلط ہے اس میں یقین نہ رکھو''۔

کبیر کے بارہ چیلوں میں سے دادودیال سب سے زیادہ نامور اور عارف ہیں اور اسلامی رنگ میں بھی سب سے زیادہ رنگے ہوئے ہیں۔صوفیائے کرام کی صحبت میں انہوں نے پانچ ہزار شعر کہے ہیں۔جن میں کافی فارسی زبان میں ہیں۔وہ صوفیا کرام کے زیر تربیت رہ کر تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب پر بہت زور دیتے ہیں۔ایک جگہ پر وہ کہتے ہیں کہ:۔

''میرے پیروں نے مجھ مرید کے قلب میں محبوبِ حقیقی کا راستہ پیدا کر دیا ہے''۔

ایک جگہ پر وہ کہتے ہیں کہ:۔

''دادو کے قلب میں محبوب کی طلب پیدا ہو گئی ہے اور میں وضو کر کے خدا کے سامنے نماز پڑھتا ہوں''۔

''میرا جسم مسجد ہے۔ جہاں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔ امام بھی میرے اندر ہے ملاّ بھی میرے اندر ہے اور خدا میرے سامنے ہے۔ جس کے آگے میں رکوع اور سجود کرتا ہوں۔ میرا جسم میری تسبیح بن گیا ہے۔ جس پر میں کریم کا نام پکارتا ہوں۔ وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے اور کلمہ وہ خود ہے''۔

ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ:۔

''میں مکمل توجہ سے حق تعالیٰ کی جانب پرواز کرتا ہوں اور عرش معلیٰ کے اُوپر جاتا ہوں۔ جہاں رحمٰن مقیم ہے''۔

اُن کے اس قول میں آیۂ قرآن ''الرحمٰن علی العرش استویٰ'' کی طرف اشارہ ہے۔ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ:۔

''تمام ہندو فقراء میں سے دادو دیال سب سے زیادہ تصوف کا علم رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کمال کے شاگرد ہیں (جو بھگت کبیر کے بیٹے ہیں) اور جو اسلامی علوم وعقائد کے بہت زیادہ گرویدہ تھے۔ کیونکہ مغربی ہندوستان یعنی احمد آباد اور اجمیر کے صوفیاء کا ان پر بہت گہرا اثر تھا''۔

ایک جگہ پر دادو دیال لکھتے ہیں کہ:۔

''یا الٰہی تو بے نام ونشان الٰہی ہے۔ تو رحمٰن اور رحیم ہے تو میرا حسین مالک ہے۔ تیرا نام کساوا اور کریم ہے''۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ دادو دیال کا چیلہ کہل تھا اور کہل کا چیلہ ملکوداس تھا۔ ملکوداس کہتا ہے کہ:۔

''جو کوئی درجہ عناصر سے نکل جاتا ہے۔ خدا کا محبوب ہو جاتا ہے اور جو کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے، محمد ﷺ کا پیارا بن جاتا ہے''۔

دادو دیال کا ایک اور چیلہ سندر داس ہے جو جے پور کا باشندہ تھا اور صوفی شعرائے اسلام مثل نواب

الف خان، دولت خان، صابر خان کی صحبت میں رہ کر صوفی ہو گیا تھا۔ سندرداس بھی کبیر کا علمبردار تھا۔

''دادودیال کا ہم عصر ویر بھان تھا جو ستنامی سکول کا بانی تھا۔ اُس نے بارہ اصولوں پر مبنی ایک کتاب تالیف کی ہے، جس کا نام پوتھی ہے۔ پوتھی میں تمام تصوف کے اصول و آداب دہرائے گئے ہیں جو روزانہ باجماعت پڑھ کر سُنائی جاتی ہے''۔

ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ دھرنا داس اور پران ناتھ بھی سترہویں صدی کے سادھو ہیں جن پر اسلامی اثرات نمایاں تھے۔ دھرنا داس کہتے ہیں کہ:۔

''چراغ دل کے اندر ہے، جس کے لئے نہ تیل کی ضرورت ہے نہ بتّی کی، نہ آگ کی''۔

یہ آیۂ قرآن **اللہ نور السموات والارضِ** کا ترجمہ ہے۔

دھرنا داس یہ بھی کہتے ہیں کہ:۔

''قلب عرش ہے اور اس پر سُلطان بیٹھا ہے''۔

یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے۔ **قلب المومن عرش اللہ تعالےٰ**۔

دھرنا داس نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ''قیامت نامہ'' ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے۔

''اُمت سے جا کر کہو کہ قیامت آنے والی ہے۔ یہ قرآن کی خبر ہے''۔

وُہ کہتے ہیں کہ:۔

''پہلے اللہ کے نبی عیسیٰؑ آئے ان کے بعد محمد ﷺ آئے اور ان کے بعد امام آئے''۔

ایک مقام پر وہ کہتے ہیں کہ:۔

''دونوں جہانوں میں جنگ جاری ہے اور شریعت کا حکم غالب آ گیا ہے''۔

وہ کہتے ہیں کہ:۔

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے حقیقت اور معرفت کا راستہ دکھایا ہے''۔

ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں کہ اٹھارویں صدی کے صوفی سادھوؤں میں سے جگ جیون داس، بھلا صاحب، اور چندرداس زیادہ مشہور ہیں۔ جگ جیون داس لکھتے ہیں کہ:۔

''فکر کو چھوڑ دو اور ذکر میں مشغول ہو جاؤ''۔

بھلا صاحب کا اصلی نام بلاقی رام تھا۔ وہ ایک مسلم صوفی حضرت ''یارے صاحب'' کا مرید

تھا۔انکی تعلیمات بھی بھگت کبیر جیسی ہیں۔

بھگت کبیر کے سلسلہ کا ایک ہندو فقیر غریب داس تھا جو رہتک کا باشندہ تھا۔غریب داس اپنے مناجات میں یوں کہتے ہیں۔

''او صاحب! میری عرض اپنے عظیم عرش پر سنو! تو میرا پدر ہے۔
تو میری مادر ہے، تو کریم ہے۔ مجھے اپنا دیدار کراؤ''۔

مادر، پدر، کریم، دیدار یہ تمام غریب داس کے اپنے الفاظ ہیں۔

ڈاکٹر تار چند لکھتے ہیں کہ:۔

''اس سلسلے کا ایک اور سادھو فقیر رام چرن ہے جس کی تعلیمات مسلمانوں جیسی ہیں اور اس کے چیلے روزانہ پانچ وقت عبادت کرتے تھے''۔

ہندو فقراء میں سے ایک تکارام ہے جس کی تعلیمات یہ ہیں:۔

''میرے دوست اللہ کا ذکر کرو۔اللہ کے ناموں میں ہے بڑا نام اللہ ہے۔اسے مت بھول''۔

ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:۔

''اللہ ایک ہے اور نبی ایک ہے۔اس بات کو نہ بھول جانا''۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر تار چند نے ہندو دھرم کے سب سے بڑے فقیر، شنکر اچاریہ رامانو جا پر اسلامی تصوف کے اثرات بیان کئے ہیں۔جن کو طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کیا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی تصوف کا کس قدر گہرا اثر ہندو فقراء نے قبول کیا۔یہاں تک کہ ہندو مذہب کے مشرکانہ عقائد چھوڑ کر وہ اسلامی شریعت کے عقائد پر کاربند ہو گئے تھے اور روحانیت اسلام کو ہر زمانے میں فروغ دیتے رہے۔

اب چونکہ ہندو فقراء کی تمام تعلیمات اسلامی تصوف اور صوفیائے کرام کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔اس مشابہت کو دشمنانِ اسلام نے الٹا رنگ دے کر یہ پراپیگنڈہ چلا دیا ہے کہ تصوف ہندو اثرات کی پیداوار ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر نکلسن نے پتے کی بات کہی ہے۔دیوان شمس تبریز کے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں:۔

''ہماری ریسرچ تا حال اس قدر آگے نہیں بڑھی کہ ہم تصوف کی اصل معلوم کر سکیں۔اب تک ہماری راہ میں ناقابل تسخیر مشکلات حائل ہیں۔لیکن اتنا کہا جا سکتا

ہے کہ دو قسم کے عقائد ہیں۔ اگر مشابہت پائی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک پیداوار ہے دوسرے کی۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دونوں عقائد کسی تیسرے عقیدہ کا نتیجہ ہوں۔ اگر ان میں باہمی تعلق بھی ثابت ہو جائے تو یہ کہنا ناممکن ہے کہ ان میں سے کون باپ ہے اور کون بیٹا''۔

اسلامی تصوف کے ساتھ دشمنان اسلام نے بعینہ یہی ستم روا رکھا ہے جیسا کہ ڈاکٹر تاراچند نے ثابت کیا ہے' ہوا یہ کہ ہندو ارباب روحانیت مثل شنکراچاریہ' رامانوجا' رامانند' کبیر اور ان کے تمام چیلوں نے اولیائے اسلام سے تربیت حاصل کر کے جس طریق تصوف کی بنیاد ڈالی وہ چونکہ اسلامی تصوف سے ماخوذ اور ہو بہو اسلامی تصوف کی شکل وصورت میں تھی۔ یار لوگوں نے نہایت ہی عیاری اور چالاکی سے باپ کو بیٹا بنا دیا اور بیٹے کو باپ کہنا شروع کر دیا۔ لیکن اب تازہ ترین ریسرچ نے ان کی کھوپڑیوں کو سیدھا کر دیا ہے اور حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

عیسائی مسٹی سزم پر اِسلامی اثر

یہی حال عیسائی مسٹی سزم کا ہے جو زبردست اِسلامی اثرات کی پیداوار ہے لیکن یار لوگوں نے یہاں بھی باپ کو بیٹا اور اور بیٹے کو باپ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نکلسن جیسے محقق کا بیان حسب ذیل ہے' وہ اپنی آخری عمر کی کتاب ''اسلام میں تصور باری تعالیٰ'' میں لکھتے ہیں:۔

''سب سے پہلے میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ باقی تحریکات کی طرح صوفی ازم (تصوف) بھی قرآن اور سنت نبویؐ پر مبنی ہے اور تصوف کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ ہم اس کے اصلی ماخذ قرآن اور حدیث کو نہ سمجھیں۔ اس کے بعد میں وہ اعلان کرتا ہوں جیسے بعض لوگوں نے شک کی نگاہ سے دیکھا ہے اور بعض نے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ وہ یہ کہ محمد ﷺ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور قرآن خدا کی سچی وحی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کے بغیر یہ شاندار اسلامی تاریخ ہرگز وجود میں نہیں آسکتی تھی۔۔۔۔ لوگ خواہ کچھ کہیں قرآن میں کثرت سے ایسی چیزیں ہیں جو تصوف کی بنیاد ہیں''۔

آگے چل کر ڈاکٹر نکلسن لکھتے ہیں کہ:۔

''علم روحانیت کے میدان میں اہل مغرب اب بھی اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ عیسائی یورپ نے قرون وسطیٰ میں مسلم سپین سے کیا کچھ سیکھا ہے۔ کیونکہ یہ وُہ زمانہ تھا کہ جب مسلم فلسفہ اور سائنس کی شعاعیں عیسائی یورپ کو روشن کر رہی تھیں۔ لیکن اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یورپ نے جو کچھ اسلام سے حاصل کیا بہت زیادہ تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ ٹامسن اکوئی ناس، ایکہارٹ اور ڈانٹے جیسے عیسائی ارباب روحانیت کو اس سے کچھ حصّہ نہ ملا ہو۔ کیونکہ روحانیت وُہ سرزمین تھی۔ جہاں عیسائیت اور اسلام ایک دوسرے سے قریب تر ہوئے۔۔۔۔ یہ بات تو پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں تحریک گلڈ کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اسلامی دنیا کی صوفی تحریکِ فتوی کا نتیجہ ہے''۔

اسی طرح عصرِ حاضر کے محقق ڈاکٹر آربری اپنی کتاب ''تعریف صوفی ازم'' میں لکھتے ہیں:۔

''صوفی ازم اُس قرآن کی پیداوار ہے جسے مسلمان بار بار پڑھتے ہیں۔ جس پر وہ غور وخوض کرتے ہیں اور جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔ تصوف کی تمام خصوصیات اِس سرچشمہ سے سیراب ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ شطحیات (مثل انا الحق) بھی قرآن پر مبنی ہیں۔ جہاں سالک ذات حق میں فنا ہو کر ذاتِ حق کی زبان سے بات کرتا''۔

آسنِ پلے سیوس عصرِ حاضر کے ایک اور مصنّف ہیں جن کا شمار مستشرقین میں ہوتا ہے۔ وہ سپین کے باشندہ ہیں۔ جو تصوّف پر عیسائی اثرات کی تھیوری کے علمبردار ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک شاندار کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے (اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی) اس کتاب میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اٹلی کے مایۂ ناز صوفی ڈانٹے کی نظم (کامیڈیا ڈیوائنا) میں ابن عربی کی تصنیف فتوحاتِ مکّہ کی نقل اتاری گئی ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر آربری لکھتے ہیں کہ یہ کتاب لکھ کر آسن پے سیوس نے اپنی تھیوری پر آپ پانی پھیر دیا ہے اور گنگا کو الٹے رُخ بہانے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ جہاں وہ تصوّف پر عیسائی اثرات کی تھیوری کے قائل ہیں۔ اپنی کتاب مذکورہ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ڈانٹے جیسے عیسائی ارباب روحانیت صوفیائے اسلام سے اثرات قبول کر رہے تھے۔

آگے چل کر ڈاکٹر آربری لکھتے ہیں کہ:۔

''جب ہم سپین کے عیسائی شاعر (سینٹ جان آف دی کراس) کا عارفانہ کلام دیکھتے ہیں تو

لامحالہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ اسلامی تصّوف کی پیداوار ہے''۔

ابنِ عربیؒ کی عظمت آربری کی نظر میں

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے متعلق ڈاکٹر آربری لکھتے ہیں کہ:۔

''ابن عربی کے متعلق ہماری ریسرچ ابھی تک اپنے بچپن کے زمانے میں ہے۔ابن عربی کی مثال ایک ایسے بُلند پہاڑ سے دی جاسکتی ہے کہ جس کو آج تک کسی نے سرنہیں کیا اور نہ ہی ہمیں آج تک یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن عربی کے علم یا معرفت کا سرچشمہ کن بلندیوں پر ہے کہ جس سے حقائق و معارف کے بڑے بڑے دریاؤں نے نکل کر عیسائی اور مسلم دونوں مکاتیب روحانیت کو صدیوں تک سیراب کیا۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔اُمید قوی ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ ریسرچ کی موجودہ سٹیج پر تصّوف کی اصل کے متعلق کوئی نظریہ قائم کرنا بالکل بے فائدہ ہوگا''۔

فرانس کے مایہ ناز مصنّف لوئی ماسینو عصر حاضر کے وہ ریسرچ سکالر ہیں۔ جو شیخ منصور حلاج پر سند (اتھارٹی) مانے جاتے ہیں۔وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیکنڈ ہینڈ اطلاعات پر عمل نہیں کیا بلکہ مسلم ممالک میں جا کر نایاب تصّوف کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے' صوفیائے اسلام سے گفتگو کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تصّوف کی ہر چیز شطحیات سمیت قرآن اور حدیث نبوی پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنا ہیرو منصور حلاج کو بنا کر اس پر ریسرچ کی ہے۔

اگرچہ منصور کے نعرہ انا الحق کی وجہ سے مستشرقین نے اسے خارج از اسلام قرار دے رکھا تھا۔ ماسینو نے ثابت کر دکھایا ہے کہ تصّوف کی ہر چیز یہاں تک حلّاج کا نعرہ انا الحق بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ ماسینو نے حلاج پر ایک شاندار کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے (لا پیشن ڈے الحلّاج)۔اس کتاب نے تصوف کے متعلق یورپ کی ریسرچ کا منہ موڑ دیا ہے۔اور تمام آنے والے محققین کے لئے اس کے نظریات سے روگردانی کرنا اب ناممکن ہے۔

اسی طرح یورپ کے دیگر مصنفین مثل ولیم سٹوڈارڈ' مارگریٹ سمتھ اینمیری شمیل وغیرہ نے بھی اپنی تصانیف میں ثابت کر دیا ہے کہ تصّوف کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔تصّوف اصل اسلام' جان اسلام اور روح ایمان ہے اور اس کے متعلق تمام غیر اسلامی اثرات کے نظریات بے بنیاد ہیں

۔طوالت کے خوف سے ان سب کا اعادہ یہاں ناممکن ہے۔شائق حضرات راقم الحروف کی کتاب (اسلامک صوفی ازم) میں تفصیلات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

تصّوف کے خلاف بعض مٹھی بھر علماء کے اعتراضات

مستشرقین یورپ کے علاوہ کچھ چند مٹھی بھر مسلمانوں کی طرف سے بھی تصوف پر اعتراضات ہوئے۔اگر چہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔اوران کی مخالفت کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علماء، اولیاء، صلحاء اور مشائخ اسلام کی بھاری اکثریت تصوف کی حامی ہے تاہم ان کے اعتراضات کا بھی یہاں جواب پیش کیا جاتا ہے۔تا کہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں اُور اُمت میں یکجہتی اور اتحاد قائم رہ سکے۔

ان معترضین کا کہنا ہے کہ اکابر صوفیاء کرام کے مسلک سے تو ہمیں کوئی اختلاف نہیں لیکن بعد میں تصوف کے ساتھ جو غیر شرع اُمور شامل کر دیئے گئے ہیں وہ قابل اعتراض اور صریحاً بدعت ہیں۔مثلاً مزارات کی زیارت، مزارات پر پھول چڑھانا، چڑھاوے چڑھانا، منت ماننا، اگربتی جلانا، غلاف چڑھانا، مزارات کو بوسے دینا، سجدے کرنا وغیرہ۔

معترضین میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

''انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خُدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری قسم (یعنی بت) تو رخصت ہوگئی۔مگر انبیاء، اولیاء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللھوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکلتی رہی۔۔۔۔ایک طرف مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارت، نیاز، نذر، عرس، صندل، چڑھاوے، نشان، علم، تعزیئے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔دوسری طرف بغیر کسی علمی ثبوت کے ان بزرگوں کی ولادت، وفات، ظہور، غیاب، کرامات، خوارق، اختیارات و تصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرّب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری (میتھالوجی) تیار ہوگئی۔جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے۔ تیسرے توسل، استمداد اور روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ کے خوش نماء پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں۔ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے''۔

یہ پورا کا پورا بیان جہالت اور تعصب سے بھرا ہوا ہے۔اس لئے کہ مندرجہ بالا تمام اُمور یعنی

زیارت قبور، غلاف چڑھانا، پھول چڑھانا، اگربتی جلانا وغیرہ کی نہ کہیں قرآن مجید میں ممانعت آئی ہے نہ حدیث میں۔ اور نہ ہی کوئی مسلمان، انبیاء، اولیاء، قطب، ابدال کو خدا سمجھتا ہے۔ البتہ ان کو ہر معتمد خدا کا پیارا اور مقرب بارگاہ ضرور مانتا ہے اور یہ ازروئے شریعت کوئی گناہ نہیں بلکہ مومنین اور مقربین کے ادب واحترام کی قرآن وحدیث میں تاکید وارد ہوئی ہے۔

جہاں تک زیارت قبور کا تعلق ہے، رسول خدا ﷺ نے خود اپنی قبر مبارک پر مسلمانوں کو آنے اور زیارت کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس معاملے میں متعدد احادیث کتاب صحیحہ میں درج ہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ ہر سال صحابہ کرامؓ کو بھی شہداء اُحد کی قبروں پر لے جاتے تھے۔

اسی طرح عرس بھی بزرگان دین کی یاد میں ایک یوم منایا جاتا ہے۔ جیسے لوگ یومِ اقبالؒ، یومِ سرسیدؒ وغیرہ مناتے ہیں۔ تاکہ ان کی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے۔ مزارات پر بوسہ دینے کے خلاف قرآن، حدیث میں کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ اسی طرح پھول اور اگربتی کے خلاف بھی کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ اس جہاں سے چلے جاتے ہیں وہ بھی خوشبو کو اس تیزی سے سونگھ سکتے ہیں جیسے ایک گھوڑا۔

جہاں تک رسوم ورواج وروایات کی میتھالوجی کا تعلق ہے تو معترضین حضرات کو جاننا چاہیے کہ ہر قوم اور مذہب وملت میں ان کی قدیم روایات، آداب ورسومات ہوتے ہیں۔ جن سے قوم وملت کے کارنامے اور عقائد ونظریات نسلاً بعد نسلاً زندہ ہوتے رہتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ہماری نماز، روزہ، حج وغیرہ کی رسومات یعنی احرام باندھنا، سر مونڈانا، ننگے سر پھرنا، طوائف کرنا، صفا وعروہ کے درمیان سعی کرنا، شیطانوں کو پتھر مارنا وغیرہ۔ غیر مسلم لوگوں کے سامنے ایک میتھالوجی نظر آتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے پاس ان رسومات وروایات کا قرآن وحدیث سے ثبوت موجود ہے اور رومن گریک اور ہندو میتھالوجی میں ان لوگوں کے پاس رسومات وروایات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور محض سُنی سُنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔

جہاں تک مسائل استمداد، توسل اور اکتساب فیض کا تعلق ہے۔ یہ چیزیں بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہیں مثلاً قرآن مجید میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ کونوا مع الصادقین (صادقین کی صحبت اختیار کرو) کیونکہ ان کی صحبت سے انسان کو ہدایت ملتی ہے۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ

سے توسّل بھی ثابت ہو گیا اور استمد اد بھی۔ نیز فرمایاو ابتغو الیه الوسیله (اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ یعنی ذریعہ تلاش کرو) اس سے بھی توسل اور استمد اد ثابت ہے اور اکتساب فیض خود بخود آ گیا کیونکہ ہدایت کی خاطر ان مقربان بارگاہ کا قرب اور وسیلہ اختیار کرنا' اکتساب فیض نہیں تو اور کیا ہے۔ اکتساب فیض کے تو دیو بندی حضرات بھی قائل ہیں جو شریعت کے معاملات میں سب سے زیادہ مُشد د مشہور ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی شمائم امدادیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پیر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ کے پیر و مرشد مولانا نور محمد جھنجانویؒ کی قبر بوسیدہ ہو گئی ہے اگر اجازت ہو تو مرمت کرا دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس قبر سے ہم نے برسوں فیض حاصل کیا ہے اس کا مرمت کرانا تو ہمارے لئے فرض ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' آپ کے والد شاہ عبدالرحیم اور بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' استمداد' توسل اور اکتساب فیض کے قائل ہیں۔ یہ حضرات فن حدیث میں ماہرین کا درجہ رکھتے تھے۔ اور انہوں نے استمداد توسل جیسے مسائل کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ انفاس العارفین' مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حیرت ہے کہ اوپر کے اقتباس میں معترض نے مقربین بارگاہ حق تعالیٰ کی کرامات کے واقعات کو بھی میتھالوجی کہا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں جابجا معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء کا ذکر ہے

بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ سب آزاد خیالی اور عدم تقلید' انکارِ حدیث' انکارِ سنت اور انکارِ آداب مقربین کا نتیجہ ہے جس سے ہم خداوند عالم سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان ظاہر پرست حضرات کے نزدیک اسلام اس لئے اچھا ہے کہ اس سے اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور مسلمانوں کو دنیا میں شان وشوکت حاصل ہوتا ہے اور بس۔

کتاب جوامع الکلم

کتاب ہذا جو جوامع الکلم کے نام سے موسوم ہے۔ نانویں صدی ہجری میں وجود میں آئی۔ یہ بندہ نواز سیّد مُحمّد گیسو دراز علیہ الرحمتہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے بڑے فرزندار جمند حضرت شیخ مُحمّد اکبر حسینی نے قلمبند کئے ہیں۔ اور جن کا ملاحظہ حضرت شیخ نے خود کر کے فرمایا کہ بہت اچھا لکھا ہے اگر میں خود بھی لکھتا تو یہی کچھ لکھتا۔ اگر چہ یہ کتاب نویں صدی ہجری کی پیداوار ہے تاہم اس میں جو عقائد' نظریات اور مسائل زیر بحث آئے ہیں وہ بعینہ اُسی طرح ہیں جس طرح پہلی صدی ہجری کی کتابوں میں صوفیاء کرام نے بیان فرمائے تھے اور جس طرح آج چودھویں' پندرھویں صدی کے بزرگانِ بیان کر رہے ہیں۔ ذرہ بھر نہ کمی ہے نہ بیشی۔ اس سے علمائے ظواہر کے ان شکوک وشبہات کی تردید ہوتی ہے۔ جن کی بناء پر یہ حضرات کہتے تھے صوفی لوگ اسلام کی شکل بگاڑ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ کوئی نیا مذہب پیدا کر دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء کرام نے ایک تو حرف بحرف سنّت نبوی پر عمل کیا۔ دوسرے روح اسلام کو قائم رکھا جو قرب ومعرفتِ حق اور وصول الی اللہ اور تعلق باللہ کا دوسرا نام ہے۔ اس سے تبلیغ دین کو چار چاند لگ گئے اور ان کی بدولت دیہات اور قصبے نہیں' ملک کے ملک مشرف با اسلام ہوئے۔ اس کے برعکس علمائے ظواہر نے اسلام کے بطون کو نظر انداز کر کے حرف ظاہری رسومات پر اکتفا کیا جس سے اسلام ایک بے جان ڈھانچہ بن کر رہ گیا اور مسلمانوں کو دنیا میں تنزلی اور انحطاط کا منہ دیکھنا پڑا۔

جہاں علمائے ظواہر کی اکثریت نے شاہانِ اسلام کے درباروں سے وظائف لے کر شاندار محلات میں زندگیاں بسر کیں' صوفیائے کرام نے رسول اکرم ﷺ کی سُنت پر عمل کرتے ہوئے فقر وفاقہ میں زندگی بسر کی' چیتھڑوں میں ملبوس رہے اپنے اہل خانہ کو بھوکوں مارا۔ لیکن تبلیغ اسلام جیسے اہم فریضہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

خانقاہی نظام کی عظمت

لیکن پھر بھی ظاہر بین اور سطح نظری کے شکار مسلمان ان حضرات کے عظیم الشان خانقاہی نظام کی مذمت کرتے ہیں اور اسے اسلام کے تنزل اور جمود کا سبب قرار دینے سے دریغ نہیں

کرتے۔ حالانکہ یہ وہ نظام ہے کہ جس نے ہزاروں لاکھوں مقربین، عارفین اور واصلینِ حق کو جنم دیا۔ اور اسلام کی جڑیں لوگوں کے قلوب میں اس قدر مضبوطی سے لگائیں کہ دنیا میں اسلام کے خلاف بادِ سموم کے جس قدر طوفان چلے ان جڑوں کو ذرہ برابر نہیں ہلا سکے۔

سطحی نظر کے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ صوفیا اسلام نے کیوں ایسا فقر و فاقہ اختیار کیا اور کیوں گوشہ نشینی اختیار کی کہ جس سے اسلام کو تنزل ہوا۔ اوّل تو یہ بھی غلط ہے کہ صوفیائے کرام کی گوشہ نشینی اور فاقہ کشی سے اسلام کو انحطاط ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی فاقہ کشی سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور قلیل عرصے میں صوفیائے کرام کی جان نثاریوں اور قربانیوں کی بدولت اسلام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔

اسلام کو جو انحطاط اور تنزل ہوا ہے۔ وہ درحقیقت درویشوں کے فقر و فاقہ کا نہیں بلکہ سلاطین و امراء اور روساء کی عیش پرستی، تن پروری اور نفس پرستی کا نتیجہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ زبردست خلافت بنی عباس، خلاف آل عثمان اور زبردست مغلیہ سلطنت کا خاتمہ سلاطین کی بدعنوانیوں اور عیش و عشرت اور دنیا پرستی کی وجہ سے ہوا۔ تاریخ عالم کے طالب علم کا تو یہی خیال ہے۔ دشمنانِ اسلام خواہ کچھ کہتے رہیں۔

کیا دنیا میں کوئی ایسا مسلمان ہے جو اس بات کا دعویٰ کرے کہ رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے فقر و فاقہ سے اسلام کو نقصان ہوا ہے۔ بلکہ ساری دنیا اس بات کی قائل ہے کہ اسلام کو جس قدر فروغ ہوا وہ رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے فقر و فاقہ، ایثار اور عظیم الشان قربانیوں کا نتیجہ ہے اور اسلام کو جس قدر نقصان ہوا وہ شاہان اسلام اور امراء و روساء کی عیش پرستی اور تن پروری سے ہوا۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے کیوں فقر و فاقہ اختیار کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تبلیغ دین اور خدمت اسلام ہمہ وقتہ کام ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے دوسرا کام نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر رسول خدا ﷺ اور خلفائے راشدینؓ یا اولیائے کرام تبلیغ کے ساتھ روزی کمانے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرتے تو تبلیغ کا کام ناممکن تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے قلوب میں حق و انصاف کے جذبات خلق خدا کی محبت اور مساوات انسانی کے جذبات اس قدر غالب تھے کہ کسی غریب اور نادار سے نہ زیادہ اچھا کھانا پسند کرتے تھے نہ اچھا کپڑا جائز کرتے تھے اور نہ اچھا مکان جائز سمجھتے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے انسانیت کا سب سے بڑا اُصول مسلمانوں کو یہ تعلیم دلانا تھا کہ:

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وُہ دوسروں کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے غلام بھی آقا بن گئے تھے اور آقاؤں کی طرح کھاتے تھے' پیتے تھے اور کپڑے زیب تن کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جنگی قیدیوں کے متعلق بھی مسلمانوں کے ہاں یہی اُصول کارفرما رہا۔ جنگ کے بعد قیدیوں سے جو سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق قیدی لوگ یہ کہتے تھے کہ خدا سلامت رکھے مسلمانوں کو یہ خود جَو کی روٹی کھاتے ہیں اور قیدیوں کو گندم کی سفید روٹی کھلاتے ہیں۔

اب آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ جن حضرات کے دلوں میں خلقِ خدا کے متعلق اس قسم کے پاک جذبات موجزن ہوں وہ کیسے محلات میں رہنا اور عمدہ کھانے کھانا اور قیمتی لباس پہننا برداشت کر سکتے تھے۔

یہ ہے اولیائے اسلام کے فقر و فاقہ کی وجہ جس سے عالم اسلام کو تنزل نہیں بلکہ عظیم الشان ترقی حاصل ہوئی۔ اور اسلام کو جس قدر تنزل اور انحطاط ہوا ہے' وہ علمائے ظواہر شاہانِ اسلام' اُمراء روساء کی دنیا پرستی و نفس پرستی' تن پروری اور باہمی عناد کا نتیجہ ہے۔

صاحب ملفوظات

صاحب ملفوظات کی زندگی کے حالات بھی اس کلیہ کے عین مطابق تھے۔ آپ نے اپنے مشائخ عظام کی سنت فقر و فاقہ جو دراصل رسول خدا ﷺ کی سنت فقر و فاقہ ہے کو جاری رکھا اور اسلام کو یعنی حقیقی زندہ و پائندہ اسلام کو اپنے مشائخ سے لے کر جوں کا توں آنے والی نسلوں کے حوالہ کر دیا۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی ہمارے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ بچپن سے لے کر آخر عمر تک آپ کی زندگی عشقِ الٰہی' ریاضت و مجاہدہ' شب بیداری اور فقر و فاقہ میں بسر ہوئی۔ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ اہم بات سنت شیخ تھی۔ جو دراصل سنت رسول ﷺ اور سنت شیخ یا سنت رسول ﷺ صرف عبادات اور فقر و فاقہ تک محدود نہ تھی بلکہ آپ کے ہر فعل ہر قول ہر کام حتٰی کہ لباس' بود و باش' اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' چلنا پھرنا' حجامت بنوانا۔ لوگوں سے ملاقات کرنا' شدید افلاس کے باوجود لوگوں کو تحائف پیش کرنا' خوش خلقی' خندہ پیشانی' مصائب و آلام میں صبر و شکر غرضیکہ تمام اُمور میں مشائخ عظام کی تقلید ان کی زندگی کا جزو اعظم تھا۔

مشائخ کی تقلید کے برکات

بعض حضرات خانقاہی نظام کی طرح تقلید کی بھی مذمت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ کسوٹی ہے کہ جس سے آنے والی نسلیں راہ راست پر قائم رہ سکتی ہیں۔ قرآن حکیم میں رسول خدا ﷺ کے اتباع یعنی تقلید کی بے حد اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی میں اتباع رسول ﷺ اور اتباع صحابہ اور اتباع مشائخ پر زور دیا گیا ہے۔ جو لوگ تقلید کو ترقی کے میدان میں سدِ راہ خیال کرتے ہیں۔ ان کو ہم بتانا چاہتے ہیں کہ یہ علوم تقلید یعنی آزاد خیالی کا نتیجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے رافضی اور خوارج وجود میں آئے۔ اس کے بعد جب سلاطین بنی عباس کا دور آیا تو جن لوگوں نے عدم تقلید کو اپنا شیوہ بنایا وہ معتزلہ تھے۔ اسکے بعد عدم تقلید کی وجہ سے حسن بن صباح نے میدان میں آکر اپنی بہشت اور دوزخ بنائی اور مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ چند صدی بعد آئمہ اربعہ کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے لوگ پیدا ہوئے۔ جن کو غیر مقلد کہا جاتا ہے۔ ان حضرات نے اسلام کی باطنی تعلیمات یعنی حُصول قرب الی اللہ کو ترک کر کے ظاہری صوم وصلوٰۃ پر اکتفا کیا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں۔ کیونکہ اسلام کی حقانیت اس کی روحانیت اور قرب ومعرفت الٰہی سے قائم ہے۔ جو اولیائے کرام کا مسلک ہے۔ اولیائے اسلام کی مخالفت کر کے اہل ظواہر نے اسلام کو تقویت نہیں پہنچائی بلکہ کمزور کر دیا ہے۔

نیز عدم تقلید کی وجہ سے فتنۂ مرزائیت نے جنم لیا اور فتنۂ انکار حدیث وجود میں آیا۔ یہ سب آزاد خیالی اور عدم تقلید کا نتیجہ ہے اسی آزاد خیالی نے اب دہریت کو جنم دیا ہے۔ جس نے آج دنیا کے نصف سے زائد حصہ پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔

جو حضرات اسلام میں عدم تقلید اور آزاد خیالی کے علمبردار ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں عیسائیت اور ہندو مذاہب میں عدم تقلید اور آزاد خیالی کی اشد ضرورت تھی، کیونکہ بنی نوع انسان بدترین توہم پرستی اور آباواجداد کے کفر وشرک میں مبتلا تھی۔ اسلامی دنیا میں عدم تقلید زہر قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ آج کل ضرورت اجتہاد پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ لیکن نام نہاد مجتہد کیلئے عربی زبان کا ماہر ہونا، قرآن کے معانی ومطالب پر عبور، حدیث پر عبور فقہا کی آراء پر عبور، صرف ونحو پر عبور لازمی ہے۔ لیکن کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ یار لوگ قرآن وحدیث کے اُردو تراجم پڑھ کر اجتہاد کا دعوہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

نیز جولوگ اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اور اس کو ترقی کے لئے لازمی کہتے ہیں ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ جب عدم تقلید کا رواج چھ سات صدیوں سے چلا آ رہا ہے تو اصحاب عدم تقلید نے آج تک کون سی ایسی ترقی حاصل کر لی ہے کہ جس سے بیچارے مُقلد لوگ محروم ہیں۔ بلکہ عدم تقلید نے جس قدر لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کیا ہے اور روافض، خوارج، معتزلہ، منکرینِ ختم نبوت و منکرین حدیث پیدا کئے ہیں اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ آزاد خیالی سے حد درجہ تقلید بہتر ہے کیونکہ تقلید ی سنّت نبوی اور سنّت اکابر اسلام پر عمل کرنے کا دوسرا نام ہے۔

حالاتِ زندگی

صاحب ملفوظات حضرت بندہ نواز سیّد مُحمّد گیسودراز قدس سرہ، نسباً حسینی سیّد ہیں اور طریقت میں چشتی ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب بائیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جاملتا ہے۔ آپ کی ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوسکی۔ تاہم سنِ ولادت ۷۲۱ھ ہے۔ آپ کی تاریخ وصال ۱۶ ذیعقد ۸۲۵ھ ہے۔ حضرت اقدسؒ کے پیرومرشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ ہیں جو حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ تھے اور آپ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ تھے، آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کا کیؒ کے اور آپ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ خواجگان حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری سلطان الہند غریب نواز قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ تھے۔ یہ سلسلہ حضرت گیسودراز علیہ رحمتہ کے بعد بیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

آپ کے جدّ اعلیٰ سیّد ابوالحسن جنیدیؒ ہرات سے دہلی تشریف لائے اور جہاد میں شریک ہوکر شہید ہوئے۔ آپکا مزار دہلی میں مسجد ایاز کے احاطہ میں واقع ہے۔ جب آٹھویں صدی ہجری میں بادشاہ مُحمّد تغلق نے دیوگری کو اپنا دارالخلافہ بنانا چاہا تو دہلی کے علماء مشائخ وامراء کو وہاں منتقل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت بندہ نواز کے والد ماجد سیّد مُحمّد یوسف حسینی نے بھی اپنے رفقاء کے ساتھ دہلی سے جاکر دولت آباد (دیوگری) میں قیام فرمایا۔ آپ کے والد ماجدؒ کی بیعت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ سے تھی۔ جب آپ کی عمر پندرہ برس ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ، حضرت اقدس کے بھائی اور آپ کو لے کر دہلی تشریف لے گئیں۔

بیعت

سولہ سال کی عمر میں حضرت سیّد محمد گیسودراز نے اپنے بھائی سمیت حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ آپ کے بھائی تو دنیاوی اُمور میں مشغول ہو گئے لیکن آپ نے ساری عمر اپنے شیخ علیہ الرحمت کی خدمت میں بسر کی۔ جہاں آپ نے شدید مجاہدات' عبادات اور ریاضت کے ذریعے سلوک الی اللہ میں تکمیل حاصل کی اس کے ساتھ ظاہری علوم بھی دہلی کے معروف اساتذہ سے پڑھتے رہے اور ان پر عبور کامل حاصل کر لیا۔

آپ کے سوانح نگار سیّد محمد سامانی (سیر محمدیؒ) میں لکھتے ہیں کہ خلوت کی خاطر حضرت مخدومؒ نے گھر کی سکونت ترک کر کے احاطہ شیر خان میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی جہاں آپ کو اطمینان قلب سے اذکار و مشاغل پر عمل پیرا ہونے کا موقعہ میسر آیا۔ آپ نے اس ہمت اور استقلال سے کام کیا کہ تیس سال کی عمر میں سلوک تمام کر لیا اور انتہائی بلند مقامات تک پہنچ گئے۔

خلافت

۱۵ رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو حضرت شیخ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کا وصال ہوا۔ اس سے کچھ تھوڑے دن پہلے آپ نے حضرت مخدوم علیہ رحمتہ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خلافت سے مشرف فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی۔

دہلی سے دکن کو روانگی

آپ اسی سال کی عمر تک دہلی میں مسندِ خلافت پر متمکن ہو کر ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ امیر تیمور دہلی پر حملہ آور ہونے والا تھا کہ حضرت اقدس نے غیبی اشارہ پا کر ۷ ربیع الاول ۸۰۱ھ کو دکن کا سفر اختیار کیا۔ جب سلطان فیروز شاہ نے لشکر سمیت باہر آ کر آپ کا استقبال کیا اور گلبرگہ میں سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی تو آپ نے قبول فرمائی۔ گلبرگہ میں آپ نے بائیس سال مقیم رہ کر ہدایتِ خلق کا فریضہ انجام دیا اور ۱۶ ذیعقدہ کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

اولاد

آپ کے دو صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی سیّد محمد اکبر حسینیؒ اور سیّد محمد اصغر حسینیؒ

تھے۔سیّد اکبر حسینی جامع ملفوظات کو آپ نے خلافت عطا فرمائی۔لیکن ان کا ۱۵ ربیع الثانی ۸۱۲ھ کو وصال ہوگیا۔آپ بڑے عالم، فاضل اور عارف باللہ تھے۔حضرت اصغرؒ بھی بڑے عالم و فاضل تھے۔ان کو بھی آپ کے والد ماجد سے خلافت ملی تھی۔آپ پر اکثر استغراق طاری رہتا تھا۔حضرت مخدوم کے وصال کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔

خلفاء

حضرت بندہ نواز سیّد مُحمد گیسوراز کے پچیس خلفاء تھے جن کی تفصیلات کتاب (سیر مُحمدی) میں درج ہیں۔

حضرت مخدومؒ کا مسلک

اگر چہ آپ سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے۔عقائد کے لحاظ سے آپ اپنے مشائخ عظام کی طرح حنفی المذہب تھے اور اصحاب ثلاثہ کے زبردست حامی اور مداح تھے۔آپ نے اپنے ملفوظات میں بار بار خلفاء راشدین کی فضلیت اس ترتیب سے بیان فرمائی ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان بن غفانؓ حضرت علی المرتضیٰؓ۔

طریقت کے میدان میں آپ کا مسلکِ شدّت سے عشقیہ تھا جو خاصہ ہے۔مشائخ چشت اہل بہشت کا۔آپ فارسی کے شاعر بھی تھے اور آپ کی عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی غزلیں جوامع الکلم میں جابجا پائی جاتی ہیں۔جیسا کہ عشاقِ الٰہی کا مشرب ہے۔آپ سلوک الی اللہ کے انتہائی بلند مراتب پر فائز ہونے کے باوجود ہر آن اور ہر لحظہ (ھل من مزید) کے نعرے لگاتے رہتے تھے اور ہر وقت بلند سے بلند تر منازل قرب پر پرواز کرتے رہتے تھے۔آپ کو مقام جامعیت حاصل تھا۔جس کی بدولت آپ بیک وقت فانی اللہ بھی اور باقی اللہ بھی رہتے تھے۔اس لئے آپ عین قرب و وصال کی حالت میں بھی مہجور تھے۔

اس لئے سعدیؒ کا یہ شعر اکثر آپ کی زبان پر رہتا تھا:

عجب این نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست
عجب این است کہ من واصل و مہجورم

یہ شان بقا باللہ اور عبدیت ہے جو خاصہ ہے سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ ﷺ کا۔ آنحضرت ﷺ کا مقام عبدیت تھا جو عروج بشری کی آخری حد ہے۔ جہاں تک دیگر مذاہب میں مقام فنافی اللہ آخری مقام خیال کیا جاتا ہے اسلام میں آخری مقام فنافی اللہ سے گزر کر اور صفات الہیہ سے متصف ہو کر دوئی اور کثرت میں واپس آنا ہوتا ہے اس وقت چونکہ وہ بمصداق حدیثِ قدسی حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور بِی یَسمَعُ اور بِی یَبصرُ کی بدولت خلافت الہیہ کا متحمل ہو جاتا ہے۔ تاج خلافت ارضی اس کے سر پر رکھ کر منصب رشد و ہدایت یا دیگر تکوینی فرائض اُن کے سپرد کیے جاتے ہیں۔

حضرت مخدوم کا مقام اس قدر بلند ہے کہ خائمہ تصوّف میں آپ لکھتے ہیں کہ اگر ابن عربی میرے زمانے میں ہوتے تو میں ان کو اور اُوپر لے جاتا حتیٰ کہ وہ یہ باتیں نہ کہتے جو انہوں نے کہی ہیں۔

یہ ہے مقام خواجگان چشت اہل بہشت کا جوامع الکلم کے مطالعہ سے قارئین یہ بھی دیکھ لیں گے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ نے اپنے ایک خلیفہ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے سلسلہ کا بایزید ہے۔ نیز حضرت محبوبِ الٰہی نے یہ بھی فرمایا کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ہمارے سلسلہ کا ابراہیم بن ادھم ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ خواجگان چشت کی نسبت عشقیہ ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ نسبتِ چشتیہ اور نقش بندیہ میں کیا فرق ہے۔ آپ نے جواب فرمایا کہ نسبت نقشبندیہ افیون کی پنک کی طرح ہے جس سے خاموشی سے مراتب طے ہوتے ہیں۔ نسبت چشتیہ کا نشہ شراب کی طرح ہے جس میں جوش وخروش سوز وگداز اور ذوق وشوق کی شدت سے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ چونکہ اسلام کی اصل بھی شدت عشق ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَالـذّین آمنو ااشد حُبّا لِلّٰہِ (مسلمان وہ ہیں جن کو اللہ سے شدت کا عشق ہے)۔ نیز فرمایا:

قل اِنکنتم تُحبُّون اللہ فَاتَّبعُونیِ یُحُببکم اللہ

(فرمادیجئے کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا یعنی نبی ﷺ کا اتباع کرو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے)

ان اور دیگر بے شمار آیات و احادیث سے ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق عشق پر ہوئی ہے اور اسلام بھی مذہب فطرت اور مذہب عشق ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

من لا محبته، لا ایمان له' (جس کے دل میں محبت نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے)

مشائخ چشتیہ کے بلند ترین مراتب کا راز یہی ہے کہ ان حضرات کے دل میں عشق الٰہی شدت سے موجزن ہوتا ہے لہذا وہ قرب کی کسی منزل سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ جس قدر ترقی کرتے ہیں ہر لحظہ اور ہر لمحہ مزید قرب کے طلب گار ہوتے ہیں اور غایت شوق میں ھل من مزید کے نعرے لگاتے رہتے ہیں۔

مرزا بیدل نے اسی حالت ہجرنی الوصل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ہمہ عمر باتو قدح زدیم ونرفت رنجِ خمارِ ما　　چہ قیامتے کہ نمے رسی زکنارِ بکنارِ ما

محبوب آغوش میں ہے اور محبوب کی تلاش ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس حالت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

خواجہ غلام فریدؒ نے اپنی ایک کافی میں اس مقام کو یوں بیان فرمایا ہے۔

جتھاں خود قرب ہے دُوری　　اُتھاں کیا وصل و مہجوری

انانیّت تھئی پوری　　ہے انسانوں تے رحمانوں

جب سالک راہ حقیقت اس قدر عروج کرتا ہے کہ وصل بھی ہجر بن جاتا ہے تو اسوقت انانیت دونوں طرفین سے زور پر ہوتی ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے بھی اور بندہ کی طرف سے بھی۔ یعنی فنا کی حالت میں بھی شان بقا قائم رہتی ہے۔ اسی حالت کو آپ نے ایک کافی میں یوں بیان فرمایا ہے۔

شدہ عکس در عکس این بنا　　کہ فنا بقا ہے بقا فنا

میری حالت میں دو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، یعنی فنا بقا ہوگئی ہے اور بقاء فنا۔

اسی طرح حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ کو ایک خط میں لکھا کہ حضور اب میری یہ حالت ہے کہ میرے لئے قُرب بھی بُعد بن گیا ہے۔ اس مقام کو علم تصوف کی اصطلاح میں جامعیّت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں سالک بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہوتا ہے۔ اور باقی باللہ بھی۔ یعنی بیک وقت واصل بھی ہوتا ہے اور مہجور بھی۔ اس لئے اکابر مشائخ ہمیشہ اس قسم کے اشعار کا ورد رکھتے ہیں۔

من لذّتِ دردِ تو بہ درماں نفروشم　　کفرِ سرِ زلف تو بہ ایماں نفروشم

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو لذت وصل سے لذت درد زیادہ محبوب ہوتی ہے اور یاد رہے کہ یہی

مقام عبدیت ہے جو رسول خدا ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھا اور آپ کی اتباع میں اکابر مشائخ کا بھی یہی مسلک رہا ہے اور یہی سلوک الی اللہ میں بلند ترین مقام ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔ کمترین بندگان احقر عاصی واحد بخش ربانی

جوامع الکلم

مجموعہ ملفوظات حضرت بندہ نواز سیّد محمّد گیسودراز قدس سرہٗ العزیز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

الحمدُلِلّٰہ الّذی خَصَّصَ عامتہ نوع الانسان نجاصتِہ حُسن الملفوظ • وَاعطا ہ العقل اللحاظ فی کُلِّ مایُسکِنُ فیہ اللُّحوظ • ثُمَّ جَعَّظہ' جِعطاءَ اللظی کَیلا یکون جو اظافی شِنا طِمعرفتہٖ فرَعَظَ وَعَظوظَ وھو عنہ مَبھُوط • فَسبحان من الَّظ الحجز المُلَظُّ فی مَعرفتہٖ وھو غالِتہ' القُصوىٰ و اَمدِ العلماءِ وخظھَمُ الکامل المحظوظِ • وذالِکَ ھو من ھو المضُطنعُ لِنفِسہٖ المتُخَنُ لِا جلہٖ بعد ان تفسخُ اِجعِیظاظُ جِیفتہِ نفسہٖ بالکا ظۃِ الشدیدۃِ • وَبِکُلِّ مکروہِ مَشظوظ لا الا جعیظاظ الغلیظ الغنظُ الملفوظ • وَلذالک نصَبَ الادلۃُ وَ آضحَ البراھین عندکُلِّ ساطم و مشموظ. وبعث الانبیا ء و المرسلین و العلماءَ الدٰعین لِیَھُہُ وا الیٰ ھذ العزیز الشّانِ المحمیٰ المحفوظ فیھدی کل من ھو فی طلبہ مَدّوظ • وفی ظھرہٖ مقروظ وَفی شدائن ہ مکظوظ • کیلا یُسلبُہ القیّوظ • وھو عِن مطلبہٖ و مھواہُ مَد لُوظ • ویستفی بِہٖ قیط الکید الحری المغنوظ • واَنَّھم سلام اللہِ علیھم اصابو فی دعوتھم الکظَّ الملظوظ • و قدر فَرَضَ بِہٖ حَقَ اللہٖ تعالیٰ محمد'' سَیِدُ کل معصوم و مراد'' محفوظ . بقولہٖ لا اُحصِی ثناءَ علیکَ وَاَنت کما اثنیت علیٰ نفسک وَانت حکیم الضنایَع حتی تدابی طَرق الطرف والجعوظ • فصلوٰۃُ اللہٖ وَ علیھم وَعَلیٰ آلہٖ المتبتل عن غیر اللہ و فیہٖ اللغموظ • التّعِظ بِھم ھَذِہٖ فی الاکناف الِیٰ مضوعِ وَّموعوظ وصحابتہٖ المفصَحِ عنہ

افضلهم بقولهِ العجز عن درک الادراک ادراک فیا حَسرتی علی من اجتلظ فی ھادیتہِ اضلال و قضی علیه القیوظ • وَقال اسبقھُم • من عرف نفسه فقد عرف ربّه وھو اسد الله الکاظم الغیوظ • وَما ادنیٰ مدیا و کیط المو کوظ •

(ترجمه) تمام تعریف، حمد وثنا حضرت حق تعالیٰ کوزیبا ہے جس نے بنی نوع انسان کوزیورحسنِ کلام سے مزین فرمایااورحقائق ومعارف سمجھنے کے لیے جوہرعقل عطافرمایا۔اس کے ساتھ انسان کونکتہ چینی کا مادہ بھی عطا فرمایا جس کے ذریعے وہ اپنے علم کے غرور سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اور اپنے عجز و انکساری کا اعتراف کرتا ہے۔اوریہی عجز کا اعتراف علماء کے علم اور کاملین کی معرفت کا کمال ہے۔ اوریہی وہ چیز ہے کہ جس سے انسان اپنے نفس کی نجاست سے بچ کرمنزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

نیز حق تعالیٰ نے انبیاء مرسلین علیہم السّلام، علماء اور صلحاء کو پیدا فرمایا تا کہ خلقِ خدا کوحق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرائیں اور گمراہی سے بچائیں۔ اگرچہ ان حضرات نے ہدایت خلق کی خاطر بے حد مشکلات ومصائب برداشت کیں تاہم جدوجہد میں کامیاب ہوئے اور تمام انبیاء کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے **لا احصی ثناء علیکَ اَنتَ کما اثنیت علیٰ نفسکَ** (میں تیری حمد وثناء کا حق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں، تو وہ ہے جیسا کہ تو نے خود اپنا تعّرف کرایا ہے) فرما کر خداوند عالم کی الوہیّت کا اقرار کیا۔ جس سے حق تعالیٰ کی معرفت کی منزل آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان تمام حضرات پر ہمیشہ رحمتیں نازل فرمائے اوران کی آل واولاد پر بھی سلامتی ہو جنھوں نے دنیائے دُوں کو پسِ پشت ڈال کر حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کی۔ اور دوسروں کو بھی حق تعالیٰ تک پہنچایا۔

نیز سلام ہو اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ انہوں نے العجز عن درکِ الادراک، ادراک (معرفتِ حق میں اقرار عجز ہی دار صل معرفت ہے) فرما کر حقِ معرفت ادا کیا۔ اور سلام ہو حضرت علیؓ پر جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور **من عرف نفسہَ فقد عَرفَ ربّه** (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رَبّ کو پہچانا) کہہ کر خلقِ خدا کی راہنمائی فرمائی۔

امّا بَعد

یہ کلمات جومخزن اسرار الٰہی ہیں' یہ الفاظ جو معدنِ (خزانہ) علوم لامتناہی ہیں' یہ حروف جو مجموعہ لطائف ربانی ہیں' یہ عبارات' جومجمعِ حقائق حقانی ہیں' یہ جملے کہ جن کی طرف حدیث "العِلم نُقطَۃ"۔۔۔(علم ایک نقطہ ہے جسے جاہلوں نے زیادہ کردیا ہے) کا اشارہ ہے' یہ کلمات کہ جن کی طرف حدیث "اُوتِیتُ جَوامِعُ الکِلَم" (مجھے جامع کلام عطا ہوا ہے یعنی جس سے ہر استعدادِ علم والا مستفیض ہوسکتا ہے) کا اشارہ ہے' یہ صفاتِ الٰہی کی معرفت کا خزانہ' یہ ذاتِ الٰہی کے معلومات کی کان' یہ کفروبدعت کے زنجیر توڑنے والے' یہ دین اور سنت کی بنیادیں محکم کرنے والے' یہ پیشوائے علم و تحقیق' یہ امام اہل فکر وتدقیق (تحقیق) یہ حُجت اہل شریعت وطریقت یہ اہل حقیقت کی دلیل' یہ اہل اللہ کے احوال کے محافظ' یہ مردان خدا کے مقاصد' یہ سالکین کے لئے راہِ ہدایت' یہ مشہد مشاہد خدا' یہ مظہر الٰہی' یہ دریائے علوم لدُنی اور منطقی دلائل سے بے نیاز' یہ محرم رازِ اہل توحید' یہ مونس جان اہل تفرید' یہ ہادیٔ طالبان صادق' یہ قدوۂ عارفان حاذق' یہ کارساز اسیران بندِ بلا' یہ چارۂ بے چارگان' یہ داروئے دردمندان' یہ مرہم ریش (زخم) سینہ سوزان' یہ دوائے ابتلائے سوختہ جان جن کے آبِ دیدہ سے عالم حیران ہے' یہ آسائش دل ہائے کباب شدہ'

یہ وہ تعلیم ہے جس کے ذریعے خلق کا مکروہ فریب عیاں ہوتا ہے' اور جس سے حق تعالیٰ کی معرفت کے رموز کھلتے ہیں۔ ایسے آقا کی زبان درفشاں سے نکلتے ہیں کہ جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی یعنی سلطان العاشقین' رحمتِ خلائق' ملجاء الطالبین والسالکین' منجاء العرفاء واصلین' سیّد مُحمّد ﷺ حُسَینی جن کا سایہ اس وقت تک حق تعالیٰ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ جب تک زمین ثابت' پہاڑ برقرار اور ستارے روشن ہیں۔ یہ وہ صورت ہے کہ جس کا معنی حق ہے اور وہ معنی ہے کہ صورت مطلق ہے۔ وہ صورت ہے جس کا معنی نبی ﷺ ہے وہ معنٰی ہے جس کی صورت علیؑ ہے۔ وہ شاہد ہے وہ ہی مشہود ہے۔ وہ واجِد (پانے والا) ہے وہ ہی موجود ہے۔ وہ طالب ہے۔ وہ ہی مطلوب ہے' وہ راغب ہے' وہ ہی مرغوب ہے۔ وہ حاصل ہے وہ ہی محصول ہے۔ وہ واصل ہے وہ ہی موصول ہے۔

۱ آں کس کہ خطاب او مقرر ہم صادق وہم ولی اکبر
۲ آں راحت جانِ پاک حیدر آں گلشنِ سینہ پیغمبر

۳ آں مرشد حق و پیر پیران پیرے نبو چناں بہ کشور

۴ نطق شکر نیش راحتِ جاں خاک در اوست تاج و افسر

۵ آں عالی ہمت و قوی دل کونین بہ پیش محقر

۶ آں قرۃ دیدۂ محمد ﷺ مسعود جہاں و صاحب امر

۷ بر عارض او دمے نظر کن ماہے نبود چناں منور

۸ اے دشمنِ او بہ خاک پامال اے مخلص او بہ دہر سرور

۹ خوش باد در حیات خوش باد بااہل و ولد و غلام و چاکر

۱ وہ ہستی کہ جس کا خطاب مستحکم وصادق ہے اور وہ ولی اکبر ہے

۲ وہ حیدار کرار کے لئے راحتِ جان ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے سینہ (رموز سینہ) کا باغ ہے۔

۳ وہ مرشدِ حق اور پیروں کے پیر ہیں۔ایسے پیر کہ جنکی دنیا میں مثال نہیں۔

۴ جن کا کلام راحتِ جان ہے اور جن کے در کی خاک تاج شاہی سے زیادہ قیمتی ہے۔

۵ وہ عالی ہمت اور مضبوط دل جس کے آگے کائنات مسخر ہے۔

۶ وہ مُحمد ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک' مقبول جہان اور صاحبِ امر۔

۷ اس کے رخ انور کو دیکھو چاند بھی اس قدر روشن نہ ہوگا۔

۸ اس کے دشمن پامال ہوں اور دوست سرفراز۔

۹ خوش رہو۔زندگی میں خوش رہو اپنے اہل وعیال اور خدام اور غلاموں سے خوش رہو۔

مقصد کتاب

دین کی محبت اور روشنی طبع سے یہ گوارا نہ ہوا کہ اس انمول خزانہ حکمت ومعرفت سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ ہر روز' ہر ماہ' ہر سال محنت شاقہ سے اس کام میں منہمک رہا تا کہ طالبان حق کے لیے حقائق ومعارف کا یہ خزینہ کشادہ ہو جائے۔اُمید ہے کہ ان عشق آمیز حروف کے مطالعہ سے قلوب تشنہ کی سیرابی ہوگی۔مقصودِ حقیقی تک رسائی ہوگی۔جان شکستہ کو تسکین ہوگی۔اسرار ورموز حقانی سے آگاہی ہوگی۔۔بے قراری کی جگہ قرار آجائے گا۔اور محرومی کی جگہ اقبال لے گا۔شاید اس کام سے حضرت شیخ کی نظر رحمت اس خراب حالی پر ہو جائے کہ جس کا نام مُحمد اکبر حسینی ہے اور

حضرت شیخ کے ادنی ترین وابستگان میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ کام ایک نظر سے بنتا ہے۔ **نظرۃ منک یکفینی** (میرے لئے تیری ایک نظر کافی ہے) جس سے چشم دل منور ہوتی ہے اور لوح دل مصّفا ہوکر محبوب کی صورت **کالنقش فی الحجر** (پتھر کی لکیر کی طرح) اس کے اندر بیٹھ جاتی ہے۔ حضرت شیخ کے کرم عمیم اور لطیف عظیم سے یہ کتاب اپنے تمام حروف، الفاظ اور جملوں کے ساتھ پیش خدمتِ قارئین ہے۔ اگر کسی مقام پر کوئی کمی نظر آئے تو تصحیح کردی جائے۔

اوصاف شیخ

حضرت اقدس کے محامد واوصاف بیان کرنے سے قلم قاصر، زبان گنگ اور عقل دنگ ہے۔ یہاں صرف چند اشعار پر قناعت کی جاتی ہے۔

۱ او مظہر نور مصطفٰے ہست — او نور دو چشم مُرتضٰے ہست

۲ او نسخہ صورت خدا ہست — او مشہد و مظہر خدا ہست

۳ او گنج معارف الٰہی است — او وارث علیم انبیاء ہست

۴ او زبدۂ آلِ جدّ خویش است — او سرورِ دین مصطفٰے ہست

۵ آں خواجہ خواجگان محمد ﷺ — او مرشد خلق و رہنما ہست

۶ آں سرور سرداراں ابو الفتح — او راحتِ جان و دلکشا ہست

۷ مخدوم جہاں و صدرِ دین است — او قدوۂ اہل اقتدا ہست

۸ از خورد و بزرگ جملہ عالم — در ہر نفسے دریں دعا ہست

۹ داروبہ جہاں خدا رورا — تاذرۂ ریگ و مہر وماہست

۱ وہ نور مصطفٰے کا مظہر (جائے ظہور) ہے اور وہی علی مرتضٰے کی آنکھ کا نور ہے۔

۲ وہ صورت حق تعالٰی کا نقشہ ہے اور اس کی ذات وصفات کا مظہر ہے۔

۳ وہ علوم الٰہی کا خزانہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کا عارم کا وارث ہے۔

۴ وہ اپنے جدِ امجد کی آل کا خلاصہ ہے اور دین مصطفٰے کا سردار ہے۔

۵ وہ اُمت محمد ﷺ کے خواجگان کا خواجہ ہے اور خلقت کے لئے ہادی ورہنما ہے۔

۶ وہ سرداروں کا سردار ابوالفتح راحتِ جان اور دلکشا ہے۔

۷ جہاں کا سردار اور دین کا صدر ہے وہ ہادیان جہان کا مرشد ہے۔

۸۔۹ ہر چھوٹے بڑے کے دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے وہ تا قیام قیامت زندہ رہے۔

حضرت اقدس کی منقبت میں چند اشعار عربی بھی درج کتاب ہیں۔ جو بوجہ عدم استعداد علمی خلائق متروک کئے گئے ہیں۔

وجہ تسّمیۂ کتاب

چونکہ ان مختصر الفاظ میں بے شمار ظاہری و باطنی معانی پوشیدہ ہیں اور چونکہ ہر باطن کا ایک اور باطن ہے اور چونکہ ان کا منبع فیضان نبوی ﷺ، مخزنِ علویؓ اور معدنِ بتول ہے۔ حدیث مصطفٰے علیہ السلام اوتِیتُ جَوامِعَ الکِلِم (مجھے جامع کلمات عطا ہوئے) کے مطابق اس کتاب کا نام ''جَوامِعَ الکلم'' رکھا گیا ہے۔ جو اسم بامسمّٰی ہے۔ خدا کرے یہ سایہ ہمیشہ خلقت کے سروں پر قائم و دائم رہے اور خادمانِ درگاہ کو سعادت خدمت گاری اور شرف ملازمت و بندگی میّسر رہے۔ ان ملفوظات کے جمع کرنے کی توفیق اور یہ سعادت سرمدی حق تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

فحسب العبد المفطریه عوا و یستعطف والرّبُ الہ ئوفُ یجیب و یلطف

بندہ مفطرب کا یہ کام ہے کہ لطف و کرم کی درخواست کرتا ہے اور خداوند کریم کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

رُباعی

حسینی خستہ و مسکین ضعیفے ندارد جزورت دیگر پناہے
ہمیشہ سر نہادہ بردرِتست بکن لطفے بحالش گاہ گاہے

حسینیؔ، خستہ، ضعیف اور مسکین ہے جس کا تیرے در کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ وہ ہمیشہ تیرے ہی در پر سر رکھے ہوئے دعا کرتا رہتا ہے کہ کبھی کبھی اس بندۂ ضعیف پر نظرِ شفقت ہو جائے۔

اَللّٰھُمَّ وُقِّفنا لِاتمامہ

(الٰہی اس کے اتمام کی توفیق دے)

روز دوشنبہ بتاریخ ۱۸ رجب ۸۰۲ھ

مومن کیوں دوسروں کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

یہ ضعیف، اس ضعیف کا بھائی اور جملہ اصحاب حاضر خدمت تھے۔ اس آیہ پاک اِنَّ المسلمین والمسلمات، و المومنین والمومنات، والقانتین و القانتات و الصادقین والصادقات ۔۔۔ الی آخرہٖ کے متعلق حضرت اقدس نے فرمایا کہ رئیس الطائفہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ المومنِ من یُحِب لِاَخیہ ما یُحِبُّ لِنفسہٖ (مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے) یعنی مومن جب قید نفس سے خلاصی پاتا ہے اور حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اور رابطہ ہم جنسی اور یگانگت سے آگاہ ہوتا ہے تو ساری خلقت کو یک نفس اور یک ذات دیکھتا ہے۔ پس ضرور وہ دوسروں کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حکایت

ایک دفعہ کسی (شبان (جانوروں کو پالنے والا) نے گائے کی پیٹھ پر چابک لگایا۔ اس سے شبلیؒ کی چیخ نکل گئی۔ شبان نے کہا ایسے واویلا کر رہے ہو کہ گویا تمہاری پیٹھ پر چابک لگا ہے۔ شبلیؒ نے پیٹھ سے کپڑا اٹھایا تو واقعی وہاں اس چابک کا اثر تھا۔

حکایت

ایک عاشق تھا جس کے معشوق کے پاؤں میں بچھو نے ڈنگ لگایا۔ عاشق کے پاؤں میں اسی جگہ درد اٹھا اور فریاد کرنے لگا۔ حالانکہ وہ دور تھا اور معشوق کی اُسے کچھ خبر نہیں تھی۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ معشوق کے پاؤں میں بچھو نے ڈنگ لگایا تھا اور عاشق کے پاؤں میں اُسی مقام پر درد ہو رہا تھا۔

ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے

حدیث لیلتہ المعراج میں حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حطیم[1] کعبہ میں سویا ہوا تھا کہ اچانک کوئی شخص آیا اور اس نے میرے سینے کو اُوپر سے

[1] حطیم کعبہ شریف کا وہ حصہ ہے جس کے گرد دیوار ہے لیکن اُوپر چھت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس مقام پر بیٹھ کر جو دُعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ میزابِ رحمت بھی اسی علاقے میں ہے۔

لے کرناف تک چاک کیا۔ پھر میرے سامنے ایمان سے بھرا ہوا سونے کا طشت لایا گیا اور میرے قلب کو دھو کر ایمان سے بھر دیا گیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ "ایمان سے بھرا ہوا" کیا ایمان کوئی مادی چیز ہے جسے طشت میں بھرا جا سکے۔ علماء کرام اسے متشابہات[1] میں شمار کرتے ہیں۔ وہ اس کے حقیقی معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ہر چیز جو موجود ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت نے اُسے کچھ شکر، پانی اور طعام دیا ہے۔ وہ عورت دنیا کی صورت ہے اور شکر اور پانی کا مطلب یہ ہے کہ اُسے دنیا کی نعمتیں ملیں گی۔ لہذا خواب دیکھنے والا جب خواب میں یہی شکر دیکھتا ہے تو اس سے مراد دنیا کی نعمت ہے۔

یہی حال صورتِ ایمان کا ہے۔ اسی طرح جب کسی عابد و زاہد آدمی کو خواب میں مصلّٰی، تسبیح اور پانی ملتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے بلند درجات نصیب ہوں گے۔ چنانچہ پیغمبر علیہ السلام کا ایمان کی صورت کو طشت میں دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ایمان کے بلند درجے ملنے ہیں۔ جس طرح شکر کے دیکھنے سے مراد ہے۔ اس لئے فرمایا کہ "میں نے طشت میں ایمان بھرا ہوا دیکھا"۔

ایک دفعہ میں نے اپنے شیخ علیہ رحمہ سے عرض کیا کہ خواب میں آپ نے مجھے کوئی میوہ لعاب دہن سے تر کر کے میرے منہ میں دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہماری طرف سے تجھے کچھ نعمت ملنے والی ہے۔

فضیلت اہل بیتؓ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ بہت لوگ، امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں مبالغہ کرتے ہیں اور نبی اور خدا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے بہت گروہ ہیں۔ جن کا نام غرابیہ، صحابیہ، حابیہ ہیں۔ ہر گروہ کے مختلف عقائد ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ لیکن مذہب حق یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سب صحابہ سے افضل ہیں۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ آپ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور آپ کے بعد حضرت علیؓ کا درجہ[2] ہے۔ نیز تمام صحابہ کرام خدائے برتر کے اولیاء اور مقرب بارگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے عقائد وہم اور گمراہی ہیں۔

---

[1] متشابہات قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن کا بطون سے تعلق ہے اور ظاہری معنی نہیں ہو سکتے۔

[2] یاد رہے کہ حضرت بندہ نواز سیّد محمّد گیسو دراز قدس سرہ، حسینی سیّد ہیں اور افضلیت صحابہ کا مسئلہ آپ کی زبانِ دُرفشاں سے قابل ذکر ہے، شیعہ حضرات کو اس سے سبق لینا چاہیے۔

حضرت علیؓ کے اعداء

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علیؓ کے دشمن چار گروہ ہیں، بنی اُمیہ، یزیدیہ، مردانیہ اور خوارجیہ۔ جب جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی فتح ہونے لگی تو امیر معاویہؓ نے عمر بن عاصؓ سے مشورہ کیا کہ اس کی فتح قریب ہے اب کیا کرنا چاہیے۔ عمر بن عاصؓ نے کہا کہ قرآن مجید کو نیزوں پر باندھ کر حَکَم بنایا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان قرآن حَکَم ہے (یعنی قرآن کا فیصلہ دونوں کو منظور ہونا چاہیے)

کوفیوں کی بے وفائی

یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کی فوج میں سے ایک ہزار آدمیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ بے شک انہوں نے انصاف کی بات کی ہے[1]۔ غرضیکہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمر بن عاصؓ اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسٰی اشعریؓ حَکَم مقرر ہوئے۔ معاہدہ کے آخیر میں حضرت علیؓ نے لکھا ''میں امیر المومنین علی بن ابی طالب''۔ مخالفین نے کہا اگر ہم آپ کو امیر المومنین سمجھتے تو مخالفت نہ کرتے۔ چنانچہ آپ نے بعد میں یہ لکھا ''میں علی ابن ابی طالب'' جس طرح صلح حدیبیہ کے وقت حضرت علیؓ نے جو کاتب تھے لکھا تھا۔ ''میں مُحمد رسول اللہ'' تو اس پر کفار مکہ نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھتے تو مخالفت کیوں کرتے۔ چنانچہ آپ نے یہ لکھوایا۔ ''میں مُحمد بن عبداللہ'' لیکن بعد میں اس بات یعنی حَکَم کی تجویز پر کوفیوں نے اعتراض کیا۔ جب حضرت علیؓ رضامند نہ ہوئے تو اُن میں سے تیس ہزار آدمیوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا۔ ان کے ساتھ لڑائی ہوئی اور سب کے سب مارے گئے۔ اس سے امیر معاویہؓ کو تقویت مل گئی۔

محبّت اور دشمنی موروثی ہے، حدیث

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اَلْحُبُّ یتوارث

---

1 مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ حَکَم کی تجویز قبول نہیں کر رہے تھے کیونکہ ان کی فتح قریب تھی اور حَکَم کی تجویز کو آپ حیلہ و بہانہ سمجھتے تھے۔ لیکن آپ کی فوج نے آپ کو صلح پر مجبور کیا اور پھر انہی لوگوں نے حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ آپ نے صلح قبول کیوں کی۔ جب آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے مجبور کرنے پر میں نے صلح کی تو وہ لوگ ناراض ہو کر آپ سے علیحدہ ہو گئے اور خارجی کہلائے۔

والبغض یتوارث (محبت موروثی ہے اور دشمنی بھی موروثی ہے) امیر معاویہؓ کا لشکر حضرت علیؓ کے لشکر سے بہت زیادہ تھا۔ لیکن امیر المومنین حضرت حسینؓ کے ساتھ پچاس یا قدرے زائد آدمی تھے اور یزید کے ساتھ سارا جہان تھا۔ اہل بیت کے دشمن زیادہ تر اُن کے احباب میں سے تھے۔ اہل بیت کی امامت خفیہ تھی اور لوگ خفیہ اُن سے بیعت کرتے تھے اور خراج ادا کرتے تھے۔

حضرت امام اسماعیل ابن امام جعفر صادق کا دوبارہ زندہ ہونا

فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کا ایک فرزند تھا جس کا اسم گرامی حضرت اسماعیل اعرج تھا۔ آپ نے اپنے بعد امامت کے لئے ان کو نامزد فرمایا ہوا تھا۔ لیکن ان کا انتقال آپ کے سامنے ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت امام موسیٰ کاظم کو امامت کے لئے مامور فرمایا۔ جس روز حضرت اسماعیلؒ کا انتقال ہوا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے کاغذ لکھ کر حاکم مدینہ سے اُس پر دستخط کرالئے۔ چند روز کے بعد حضرت امام اعرج کوفہ کے بازار میں ظاہر ہوئے اور ساری خلقت نے ان کی زیارت کی۔ آپ کی کرامت سے نابینا بینا ہو گئے۔ لنگڑوں کو پاؤں مل گئے۔ بیمار شفایاب ہونے لگے۔ مردے زندہ ہو گئے۔ خلق خدا اسماعیل اسماعیل پکارتے ہوئے پیچھے پڑ گئی۔ کچھ عرصے کے بعد آپ اچانک گم ہو گئے۔ جب یہ بات حاکم کے پاس پہنچی تو اس نے حضرت امام جعفر صادقؒ کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے ان کی موت کے کاغذ پر دستخط کر دیئے تھے۔ لہٰذا ان کی موت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ حاکم نے کہا واقعی درست ہے لیکن پھر زندہ کس طرح ہو گئے۔ امام صاحب نے فرمایا۔

"هکن ایکون بأَ ولا د رسول الله"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ایسی ہی باکرامت ہوتی ہے)

حضرت علیؓ کا مشہد اور مدفن

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا مشہد یعنی حضرت علیؓ کا جہاں مدفن ہے وہ آپ کا مقتل نہیں ہے۔ (یعنی آپ وہاں شہید نہیں ہوئے تھے۔) اس وجہ سے کہ مشہد کوفہ سے دور ہے اور آپ شہر کوفہ کے اندر شہید ہوئے تھے۔ جب آپ شہید ہوئے تو امیر المومنین حضرت امام حسنؓ اور امیر

المومنین حضرت امام حسینؓ نے آپ کو غسل دیا اور نمازِ جنازہ پڑھی۔ دشمنوں کے خوف سے انہوں نے گھر کے اندر نعش مبارک کو چھپائے رکھا۔ جب رات ہوئی تو شہر سے باہر لے جا کر خفیہ طور پر دفن کیا۔ اور زمین ہموار کر دی تا کہ قبر کا نشان نہ رہے۔ کئی سال تک آپ کی قبر کا علم کسی کو نہ ہوا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ رات کو گھر سے نکل کر صحرا میں ایک جگہ پر بیٹھ جاتے تھے اور لوگوں سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ جب اس بات کا علم حاکم کو ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ حضرت علیؓ وہاں دفن ہیں۔ جب وہاں کی زمین کھودی گئی تو تین مزارات برآمد ہوئے۔ حضرت آدم صفی اللہ، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت علیؓ کا مزار۔ چنانچہ وہاں باقاعدہ قبر تیار کر کے گنبد بنایا گیا۔ اُسی روز سے مشہد علیؓ وجود میں آیا (مشہد بمعنی جائے شہادت)

دین کے معاملہ میں جلد بازی اچھی چیز نہیں

نماز کے وقت کھنبائت سے ایک واعظ آیا۔ پند و نصیحت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابو عثمانؒ نے ابو حفصؒ سے وعظ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے پوچھا کس نیّت سے وعظ کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا خلق خدا کے ساتھ شفقت کے لئے۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ایک دن وہ وعظ کر رہے تھے کہ حضرت ابو حفصؒ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ ان کا حال معلوم کرنے کی خاطر ایک سُتون کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی سائل نے حضرت ابو عثمانؒ سے پیراہن کی درخواست کی۔ انہوں نے فوراً اپنا پیراہن اتار کر اس کی طرف پھینک دیا۔ حضرت ابو حفصؒ نے ستون سے باہر آ کر فرمایا، اے جھوٹے نیچے اتر آ ؤ' نیچے آ ؤ۔ انہوں نے کہا۔ اے شیخ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ خلقِ خدا کے ساتھ شفقت کروں گا۔ انہوں نے کہا میں نے کیا بے شفقتی کی۔ آپ نے فرمایا کہ سائل نے پیراہن طلب کیا۔ تم نے فوراً دے دیا۔ دیر کیوں نہ کی۔ کیونکہ دین میں توقف کرنا مسلمانی ہے۔ تعجیل (جلد بازی) اچھی چیز نہیں ہے۔ شاید آپکی گفتگو سے اسکو فائدہ ہوتا۔

فراغ دل کے ساتھ اللہ کے ہاں ایک ساعت ہزار بہشت سے بہتر ہے

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ شبلی وعظ کر رہے تھے۔ شیخ جنیدؒ کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ

نے مجلس میں آ کر فرمایا اے ابوبکر جس چیز سے تم سیراب ہوئے ہو۔ وہی دوسروں کو دے رہے ہو۔ وہ فوراً ممبر سے نیچے اُتر آئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے سُنا ہے کہ ایک واعظ تھا جس کے وعظ سے لوگوں پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ کپڑے پھاڑ دیتے تھے۔ اور بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ بعض جاں بحق ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ زیارت خانہ کعبہ کے لئے گئے اور چند سال وہاں رہ کر واپس آ گئے۔ لوگوں نے ان کی خدمت میں وعظ کی درخواست کی۔ انہوں نے وعظ کیا لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا اور تو مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ البتہ ایک نماز بغیر جماعت ادا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے فلاں تم نے میرے کام میں غفلت کی ہے۔ تیری سزا یہ ہے کہ ہم نے تجھ سے حلاوتِ سخن چھین لی ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر کلام میں حلاوت نہیں تو مبارک ہے۔ کیونکہ صوفی کا سرمایہ فراغ[1] دل اور جمع خاطر کے سوا کچھ نہیں۔ اگر ایک ساعتِ لطیف فراغ دل کے ساتھ حق تعالیٰ کے ساتھ میّسر آ جائے تو آٹھ بہشت بلکہ اٹھارہ ہزار بہشت اس ایک ساعت پر قربان کئے جائیں تو پھر بھی مفت ہے۔ اس وقت حضرت اقدس نے آبدیدہ ہو کر یہ رباعی پڑھی۔

ملک طلبش بہر سلیمان ندہند   منشور غمش بہر دل و جان ندہند
درماں طلبان ز دَرد محرومند   کیں دَرد بطالبانِ درماں ندہند

طلب حق کی دولت (نعمت) ہر شخص کو نہیں ملتی۔ اس کے غم کا پروانہ ہر دل کو نہیں ملتا۔ مرہم طلب کرنے والے درد سے محروم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ درد دوا طلب کرنے والوں کو نہیں ملتا۔

آپ نے فرمایا کہ دولت آباد میں ایک واعظ تھے جن کا نام مولانا اختیار الدین تھا۔ ایام طفلی

---

[1] حضرت خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر اس مضمون کے مطابق ہے

بفراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے
بہ ازاں کو چترِ شاہی ہمہ عمر و ہادھوئے

سرمد کی یہ رُباعی بھی اسی چیز کو ظاہر کرتی ہے۔

سرمد غمِ عشق بوالہوس راند ہند   سوزِ دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار   ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

اے سرمد عشق کا غم ہر حریص کو نہیں ملتا۔ پروانے کے دل کا سوز مکھی کو نہیں ملتا۔
ساری عمر کی جدوجہد کے بعد دوست کا کوچہ نصیب ہوتا ہے۔ یہ دائمی دولت ہر شخص کو نہیں ملتی۔

میں ایک دفعہ میں اُن کے وعظ میں شامل ہوا۔ان کی تمام باتوں میں سے مجھے صرف ایک بات یاد ہے۔انہوں نے کہا کہ ہمارا گھر دہلی کہنہ کے دروازہ بالم کے نزدیک تھا۔ایک سوداگر تھا جو کنیزوں کی خرید وفروخت کا کام کرتا تھا۔اس کے پاس ایک کنیز تھی۔جس پر ایک جوان آدمی کی نظر پڑی اور وہ بے تاب ہو گیا۔یہ دیکھ کر سوداگر نے کنیز کو باہر جانے سے روک دیا۔لیکن جوان پر عشق غالب تھا۔اس نے اس کے گھر کا طواف شروع کر دیا۔چونکہ اس کے جگر میں عشق کا تیر لگ چکا تھا۔چند ایام کے بعد وہ بیمار ہو کر چلنے پھرنے سے مجبور ہو گیا۔اس کے گھر والوں نے بہت سے طبیب بلائے لیکن مرض کی تشخیص کوئی نہ کر سکا۔اس کی ماں نے اس سے کہا کہ میں تیری ماں ہوں۔تجھے پالا ہے اور تیری خدمت کی ہے۔مجھ سے شرم نہ کرو اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے صاف صاف بتا دو۔اس نے کہا کہ فلاں سوداگر کے پاس ایک کنیز ہے۔جس سے میرے دل کا تعلق ہو گیا ہے۔اس کی ماں نے کہا یہ تو آسان بات ہے۔ہم اس کنیز کو خرید لیتے ہیں۔چنانچہ انہوں نے سوداگر کے پاس پیغام بھیجا لیکن اس نے قبول نہ کیا۔انہوں نے زیادہ رقم بتائی لیکن پھر بھی وہ راضی نہ ہوا۔اس سے اس لڑکے کے دل میں محبت کی آگ اور بھی زیادہ بھڑکنے لگی۔اُدھر لڑکی بھی سوزشِ عشق سے نہ بچ سکی۔اُسے تپ دق ہو گیا۔لوگوں نے سوداگر کو سمجھایا کہ کنیز مر جائے گی اور تجھے نقصان ہوگا۔فروخت کیوں نہیں کرتے۔آخر وہ رضامند ہو گیا۔جس روز کنیز کو لڑکے کے پاس لایا گیا خلقت جمع ہو گئی کہ دیکھیں کس طرح ملتے ہیں۔لیکن لڑکے نے اشارہ کیا کہ سب لوگ چلے جائیں۔چنانچہ وہ آئی اور اس نے اپنے بازو کشادہ کئے۔وہ جوان کے سینہ پر گر گئی اور اس نے دونوں بازوؤں سے اُسے دبا کر سینے سے لگایا۔کافی دیر تک اس کے سینے سے لگی رہی۔لوگوں نے خیال کیا کہ لڑکا کمزور ہے اب ان کو علیحدہ کیا جائے۔کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جان بحق ہو گیا ہے۔یہاں پر حضرت اقدس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ عاشقوں کی عاقبت بخیر ہوتی ہے۔اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

این طرفہ نگاہ کہ مرا باساقی ہست　　　یار ہمہ از مے و من از ساقی مست

یہ دوست کی چشمِ مست کی برکت ہے کہ لوگ شراب سے مست ہیں اور ہم اس کی چشمِ مست سے۔

روز چہارشنبہ ۲۰ ماہ رجب ۸۰۲ھ

طعن و تشنیع سے بزرگوں کے مراتب بلند ہوتے ہیں

یہ عاجز اور دیگر اصحاب سبق خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع سے صوفیاء کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ ایک آدمی تھا جس کا نام غلام الخلیل تھا۔ وہ کچھ عرصہ صوفیاء کی خدمت میں رہا۔ لیکن بعد میں بدظن ہو کر بادشاہ کے دربار میں چلا گیا اور رفتہ رفتہ وزیر ہو گیا۔ وزیر ہوتے ہی اس نے صوفیاء کو ایذا پہنچانا شروع کیا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ لوگ (صوفی) خوب کھاتے ہیں، عیش کرتے ہیں، سوتے ہیں اور کفر کی باتیں کرتے ہیں۔

ایک دن اس نے ابن عطار رحمتہ اللہ سے بحث کی۔ لیکن شیخ سے ناراض ہو کر اس نے حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ قتل کے وقت حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک دن تجھے بھی اسی شہر میں قتل کیا جائے گا۔ پہلے تیرے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اس کے بعد پاؤں کاٹے جائیں گے، پھر تیری آنکھیں نکالی جائیں گی اور تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیا جائے گا۔ کچھ عرصے کے بعد غلام الخلیل پر حرم شاہی نے الزام لگایا اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں، آنکھیں نکالی جائیں اور ناک کاٹا جائے۔ اس پر صوفیاء کرام نے ابن عطار کو ملامت کی کہ یہی ایک شخص تھا جو ہماری عیب جوئی کر کے ہمارے مراتب بڑھا رہا تھا۔ آپ کی بددعا سے وہ مر گیا اور ہماری ترقی بند ہو گئی۔

غلام کی بداخلاقی آقا کی خوش خلقی کی دلیل ہے

اس کے بعد حسن اخلاق اور بداخلاقی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خادم کو آواز دی لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ آپ نے تین بار آواز دی اور اس نے جواب نہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کیا بات ہے۔ خادم جواب نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا۔

سُوء خلقِ الغلام یَدُلُّ علی حُسنِ خلق اسیّد

غلام کی بداخلاقی آقا کی خوش خلقی کی دلیل ہے۔

ایک دفعہ دنیا اور اہل دنیا کی مذمت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ دنیا بہتر ہے یا آخرت تو وہ جواب دے گا کہ آخرت۔ لیکن اگر چند پیسے اس کے ہاتھ سے چلے جائیں تو اس قدر غمناک ہوتا ہے کہ آنکھوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں اور حلق خشک ہو جاتا ہے۔ لیکن جب نمازیں فوت ہو جاتی ہیں تو کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ہاں اگر کوئی دیندار آدمی ہے تو ایک دو دفعہ استغفر اللہ کہہ کر چپ ہو جاتے اور اُسے کوئی صدمہ نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بات زبانی تھی، دل سے نہیں نکلی تھی لوگوں نے دین کو رسماً اور عادتاً لے لیا ہے۔ حق تعالیٰ نے شراب اور سُور کا گوشت حرام قرار دیا ہے۔ شراب سے توبہ کرنا لوگوں کے لئے بہت دشوار ہو گیا ہے۔ لیکن سور کے گوشت سے رسمی طور پر لوگوں کو نفرت ہو گئی ہے۔ جس طرح ہندوؤں کو گائے کے گوشت سے رسمی طور پر نفرت ہے۔

افسوس صد افسوس

روز پنجشنبہ ۲۱ ماہ مذکور

نرخ بڑھنے کی خاطر غلہ روکنا باعث گناہ ہے

چند سوداگر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ سوداگری اور اس کے دین کے معاملہ میں سود و زیان کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجارت میں تمام تر توجہ دل مال کی حفاظت اور اس کے جمع کرنے میں صرف نہ ہوئی تو مبارک بات تھی۔ حق تعالیٰ نے انسان کو دو چیزیں عطا فرمائی ہیں ایک نہایت نازک و لطیف، دوسری نہایت سخت و کثیف، یعنی چشم اور کفِ پا (پاؤں کا تلہ) اگر آنکھ میں ذرا سی چیز چلی جائے قرار نہیں آتا۔ لیکن کفِ پا کے نیچے جو کچھ آتا ہے کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی دولت آباد میں ایک قوم آباد ہے جن کو بیڈر کہتے ہیں۔ یہ لوگ پاؤں سے کانٹا نہیں نکالتے اور نہ جوتا پہنتے ہیں۔ وہ اس صفت پر نازاں ہیں اور انسان کے باطن میں دو چیزیں ہیں ایک دل اور دوسرا نفس۔ دل اس قدر نازک ہے کہ ایک چیز سے زیادہ کا متحمل نہیں ہوتا۔ لیکن نفس پر جتنا بوجھ ڈالا جائے برداشت کر لیتا ہے۔

حکایت

ایک دفعہ ایک سوداگر تھا جو کوفہ سے مصر یا مصر سے کوفہ کی طرف اپنا مال کسی دلّال کے ذریعے بھیجا

کرتا تھا۔ دلاّل نے چند دن کے لئے غلہ روک دیا اس سے نرخ بڑھ گیا اور بہت فائدہ ہوا۔ اس نے مالک کو خوش خبری کا خط لکھا۔ مالک نے جواب دیا کہ اے بے انصاف تم نے میرا غلہ زیادہ نفع کے خیال سے کیوں روک دیا۔ اس سے میں گنہگار ہو گیا ہوں اور میرا سارا مال مشکوک ہو گیا ہے۔ اب سارا مال راہِ خدا میں دے دو تا کہ آئندہ میرا مال خراب نہ ہو۔ اس کے بعد اس ضعیف کی طرف توجہ ہو کر دریافت فرمایا کہ تمہاری رائے میں کیا بہتر ہے۔ توکل اور درویشی کی شہرت یا روزی کما کر فراغ دل کے ساتھ یادِ خدا میں مشغول ہونا۔ میں نے عرض کیا کہ کسبِ معاش بفراغِ دل بہتر ہے۔

ایک دن حضرت شیخ بیٹھے ہوئے تھے اور مختلف قسم کے لوگ آ کر ملاقات کر رہے تھے۔ جب قیلولہ (چاشت کے وقت آرام کرنا) کا وقت آیا تو آپ اٹھنے لگے۔ مولانا زین الدین مجھے آپ کی خدمت میں لے گئے۔ اور عرض کیا کہ حضور یہ قدم بوسی کر کے واپس آنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھے کسی نے یاد نہ دلایا اس روز آپ نے اس نالائق پر بے حد مہربانی فرمائی۔ میں کافی دیر تک آپکی خدمت میں بیٹھا رہا۔ یہ دیکھ کر خادم لوگ بے قرار تھے اور اِدھر اُدھر جا رہے تھے۔ کیونکہ قیلولہ میں دیر ہو رہی تھی۔ آپ نے چند حکایات بیان فرمائیں۔ ان میں ایک حکایت یہ تھی۔ اگرچہ آپ نے صفیہ غیب میں بات کی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنی حکایت بیان فرما رہے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کے دل میں خیال آیا کہ خدا تعالیٰ سے تحقیق کرے کہ اس کا دوست کون ہے تا کہ اس کی صحبت اختیار کرے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مخصوص اوراد و وظائف پڑھنے اور نمازِ استخارہ ادا کر کے سو گئے۔ خواب میں ان کو بتایا گیا کہ صبح کی نماز میں جو شخص تمہارے دائیں ہاتھ پر کھڑا ہو کر نماز کی نیت باندھے گا وہی ہمارا دوست ہے۔ یہ سُن کر وہ بزرگ خوش ہوئے۔ جب صبح صادق ہوئی تو وہ سنت پڑھ کر مسجد گئے اور نماز کی نیّت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ دائیں طرف ایک شخص آیا۔ اس نے نیّت باندھی اور نماز میں شامل ہو گیا۔ سلام پھیر کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو ایک نیل گر ہے جو وہاں کے ایک نیل گر کا شاگرد تھا۔ اس سے وہ بہت غمگین ہوئے اور خیال کیا کہ شاید خواب پریشان دیکھا تھا۔ دوسری رات پھر وہی عمل کیا اور وہی خواب دیکھا اور صُبح کو نماز میں اسی شخص کو دیکھا۔ اسی طرح تیسری رات بھی یہی خواب دیکھا اور نماز میں اسی آدمی کو دیکھا۔ اب انہیں خیال ہوا کہ میرے عمل میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے حق تعالیٰ میری دعا قبول

نہیں کرتے۔ اور میں خواب پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اس ذہن میں گھر سے باہر نکل گئے۔ تا کہ شہدا اور صلحاء کی زیارت کریں۔ جونہی وہ گھر سے روانہ ہوئے۔ ایک تیز و تند طوفان آیا اور اڑا کر ان کو ایک ایسے ویرانے میں جا پھینکا۔ جہاں نہ کوئی راہ تھا نہ راہبر۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے آذان سنی۔ آواز کی طرف جا کر دیکھا کہ ایک چھوٹی مسجد ہے جس کے اندر پانی کی مشک بھری پڑی ہے اور ایک آدمی مسجد کی چھت پر کھڑا آذان دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگل میں بھی میری نماز باجماعت فوت نہیں ہونے دی۔ چنانچہ انہوں نے وضو کیا۔ اس آدمی نے اذان سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر صلوٰۃ بآواز پڑھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی اور بھی آنے والے ہیں۔ صلوٰۃ سنتے ہی کچھ درویش ایک ایک دو دو کر آنے لگے اور تقریباً دو سو آدمی جمع ہو گئے۔ جن میں بعض قبا پوش تھے اور بعض دستار بند یہ دیکھ کر اس بزرگ کے دل میں خیال آیا کہ یہی خدا تعالیٰ کے دوست ھیں اور میری دعا قبول ہو گئی ہے۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ اکثر درویش قبا پوش ہوتے ہیں۔ لیکن دستار پوشوں میں سے کم لوگ ولی اللہ ہوتے ہیں۔ الغرض جب موذن نے تکبیر کہی اور صفیں تیار ہوئیں اور تمام لوگ دائیں بائیں دیکھنے لگے تو ناگاہ سب پر ہیبت طاری ہوئی اور سب لوگ بکھر گئے۔ اس وقت وہی شخص یعنی نیل گر کے شاگرد مصلّٰی بغل میں لئے نمودار ہوئے۔ سب لوگوں نے ان کی قدم بوسی کی۔ اور انہوں نے آگے بڑھ کر امامت کرائی۔ سلام کے بعد اس بزرگ نے امام کا دامن پکڑ لیا۔ لیکن انہوں نے دو انگلی سے اشارہ کیا کہ دو سنت پڑھ لو۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ جلدی سے ان تمام لوگوں کی دست بوسی اور قدم بوسی کر لو۔ یہ سب ابدال، اوتاد، نجباء، نقباء[1] ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس بزرگ سے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں شک کی نگاہ سے دیکھا اور میرے حق میں کیوں بد اعتقادی کی۔ کیا نیل کے رنگ نے تمہیں بدظن کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ فرمایا۔ ہاں تجھے کیا معلوم۔ اس کے بعد اس بزرگ نے تمام آدمیوں کی دست بوسی اور قدم بوسی کی۔ اس کے بعد نیل گر نے فرمایا کہ میرے ساتھ بغل گیر ہو جاؤ اور آنکھیں بند کر لو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ آنکھیں کھولو۔ جب میں نے

---

[1] ابدال وغیرہ حضرات نظام باطن میں حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کا کام چلانے کے لئے عہدیداروں کے نام ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب "سرِّ دلبراں" حضرت مولانا سیّد محمد ذوقی شاہؒ۔ ملنے کا پتہ۔ الفیصل ناشران، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے محلے میں پایا۔اس کے بعد میں اس نیل گر کے شاگرد کے پاس زیارت کی خاطر گیا۔وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ جمع ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بزرگ باہر سے آئے ہیں۔دوگانہ نماز ادا کیا اور جاں بحق ہو گئے ہیں۔یہ حکایت بیان کر کے حضرت شیخ آبدیدہ ہوئے۔اور یہ اشعار پڑھے۔

رُباعی

آں بہ کہ نظر باشد و گفتار نباشد تا مدعی انرد پسِ دیوار نباشد
خواہم کہ با معشوق زمینے و زمانے من باشم و او باشد و اغیار نباشد

بہتر یہ ہے کہ آدمی دوست کو دیکھتا رہے۔لیکن بات نہ کرے۔ممکن ہے رقیب دیوار کے پیچھے بیٹھا ہو۔میری خواہش یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ ایسی جگہ پر اور ایسے وقت میں بیٹھوں جہاں میں ہوں، وہ ہو اور غیر نہ ہو)

بیت المقدس کی تباہی کے متعلق پیغمبرؑ وقت سے حق تعالیٰ کا وعدہ

اس کے بعد بیت المقدس کی خرابی کا ذکر ہونے لگا۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ نے پیغمبر اُرمیا علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم تجھے پیغمبری عطا کرنے والے ہیں تو انہوں نے سوچ کر جواب دیا کہ پیغمبری اس شرط پر قبول کروں گا کہ جب تک میں راضی نہ ہوں بیت المقدس کو برباد نہ فرمائیں۔حضرت نے فرمایا جس طرح تم کہتے ہو اُسی طرح ہوگا۔جب لوگوں کے گناہ بڑھ گئے تو ایک فرشتے نے انسان کی صورت میں آ کر پیغمبر ارمیاؑ سے کہا کہ اے پیغمبر خدا فلاں نے فلاں پر اس قدر ظلم کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔بخش دے گا۔جب لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا تو فرشتے نے آدمی کی صورت میں آ کر کہا اے پیغمبر خدا یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں نے قتل کر دیا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ توبہ کر لیں گے۔ایک دفعہ کسی شخص نے غیر محرم عورت سے صحبت کی تو فرشتے نے آ کر شکایت کی۔ارمیاؑ نے فرمایا کہ اپنی جزا خود پا لے گا۔اس کے بعد بادشاہ بخت نصر کو حکم ہوا کہ بیت المقدس پر حملہ کرے۔اس نے حملہ کر کے شہر کو تباہ کر دیا۔پیغمبر اُرمیا علیہ السلام نے سر بسجود ہو کر عرض کی کہ بار خدایا آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہاری رضا

کے بغیر شہر کو تباہ نہیں کروں گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں کب راضی ہوا تھا۔ فرمان ہوا کہ جب تم نے کہا تھا۔ "اپنی جزا خود پائے گا"۔

سرود کے متعلق حکم

اس کے بعد ہندو عورتوں کے گانے کی آواز آئی تو سرود کی اباحت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کا گزر چند قریش کی لڑکیوں پر ہوا جو سرود (باجے) کے ساتھ ایام جاہلیت کے اشعار گا رہی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا۔

وَفِیناَ نبیّ "یَعلَمُ مَا فِی غَبِ

(ہمارے درمیان میں ایسے نبی ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں)

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھیں۔ صاحب وجہ مشارق نے لکھا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ غیر محرم عورتوں کی آواز سننا جائز ہے۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بشرطیکہ یہ خلق کی توجہ کا محل اور لوگوں کا عام دستور نہ بن جائے۔ اس کے بعد آپ نے یہ رُباعی پڑھی۔

بیرون شده زخویشتن مے باید　　برخواسته زجان و تن مے باید
در ہر گامے ہزار افسونست　　زیں کرم او بند شکن مے باید

آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ بے خود اور بے نفس رہے اور اپنی جان وتن سے آزاد رہے۔ قدم قدم پر ہزاروں فتنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کی تمام مشکلات دور کرتا رہے گا)

یہ اشعار پڑھ کر حضرت شیخؒ نے آہِ سرد کی اور فرمایا تمام قیود سے آزاد ہونا آسان ہے لیکن قید شرع بہت مشکل ہے۔

روز شنبہ ۲۳۔ ماہ مذکور ۸۰۲ھ

اختلاف صحابہ کرامؓ

رسول خدا ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ میں جو اختلاف رونما ہوا اس کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول خدا ﷺ کی قبر

مبارک کی مٹی برابر کر چکے تو ہمارے قلوب میں تزلزل پیدا ہوا۔ ہمارے قلوب کی جو بلند حالت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تھی وہ نہ رہی[1]

مرضِ موت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاغذ لاؤ تا کہ میں تم کو گمراہی سے بچانے کے لئے ایک تحریر لکھ دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ درد کیوجہ سے یہ الفاظ ارشاد فرمارہے تھے۔ اس لئے نہ کاغذ لایا گیا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم تحریر ہوا۔ حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ دین میں جو بدعت اور گمراہی رونما ہوئی کیا اس کی وجہ بھی اختلاف صحابہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب فضیلت صحابہ کا ذکر ہوتا ہے تو میں خاموش ہو جاتا ہوں اس خیال سے کہ کسی صحابی کے متعلق میری زبان سے کوئی نازیبا کلمہ سرزد ہو۔ لیکن اپنے قریبی حلقے میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ صحابہ کرام کی فضیلت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ کہ سب سے زیادہ افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں ان کے بعد حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور اُن کے بعد حضرت علیؓ ہیں۔ لیکن عوام کے سامنے میں یہ بات بھی نہیں کہتا۔

حیات بہتر ہے یا ممات

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں میں اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا زندگی بہتر ہے یا موت۔ بعض نے حیات کو بہتر کہا ہے بعض نے موت کو۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں حیات بہتر تھی۔ اس کے بعد موت بہتر ہے۔

فال اور علم نجوم

اس کے بعد فال اور علم نجوم کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ جب سلطان فیروز تغلق دہلی سے جاجنگر کی طرف روانہ ہوا تو بعض نجومیوں اور درویشوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ

---

1 یعنی آنحضرتؐ کے فیض صحبت سے جو ارفع و اعلیٰ حال و مقام حاصل تھا۔ اس میں کمی محسوس ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی اور پردہ پوشی کا فرق دکھایا گیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے یہ حالت صرف حضرت انس بن مالکؓ کی خصوصی حالت ہو دیگر صحابہ کی نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ رحلت کے فوراً بعد انبیاءؑ اور اولیاء کو حقیقی معنوں میں وصال حق نصیب ہوتا ہے یعنی حسب مراتب جس کی وجہ ان پر اس قدر محویت طاری ہوتی ہے کہ پس ماندگان کی طرف نہ متوجہ ہو سکتے ہیں نہ ان کو روحانی فیضان سے مستفیض کر سکتے ہیں۔ جس سے اصحاب کے مقامات میں تزلزل اور تشنگی پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ بات عارضی ہوتی ہے۔

بادشاہ واپس نہیں آئے گا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ بادشاہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے کچھ عرض نہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس بارے میں لوگ کئی باتیں بنارہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ دوسرے دن آپ نے وزیر کو کہلا بھیجا کہ فوراً بادشاہ کے پاس کوئی آدمی بھیج کر یہ کہو کہ ہر رات چار من آٹے کی روٹی پکوا کر اپنے سرہانے کے نیچے رکھے اور صبح اٹھ کر فقراء میں تقسیم کر دے۔ جب بادشاہ صحیح وسلامت واپس آیا تو میں اپنی والدہ کے دادا مولانا جمال الدین کے پاس گیا۔ وہ حضرت شیخ کے مخلص مرید تھے۔ اور علم نجوم میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ بادشاہ واپس نہیں آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ علم نجوم ظنّی اور تخمینی ہے۔ (یعنی ہر شخص اپنے گمان اور اندازے کے مطابق بات کرتا ہے)۔

اُم مالکؓ کے تیل میں برکت

فرمایا کہ ایک دفعہ اُم مالکؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تیل کا ایک برتن بطور ہدیہ پیش کیا۔ جو کچھ اس برتن میں بچ رہا اس میں سے اس کے لڑکے ہمیشہ تیل نکال لیتے تھے۔ لیکن ختم نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن سارا تیل گر گیا۔ اور پھر کبھی برتن سے تیل برآمد نہ ہوا۔ یہ بات سُن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ترکتہٗ۔۔۔ (اگر سارا تیل نیچے نہ گر جاتا اور کچھ نہ کچھ باقی رہ جاتا تو قیامت تک ختم نہ ہوتا)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک درویش نے میرے پاس ایک کھجور کا دانہ بھیج کر کہا کہ اسے شرینی کے برتن میں ڈال دیں شرینی ختم نہیں ہوگی۔ کافی عرصہ گزر گیا لیکن وہ برتن خالی ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات مجھے پسند نہ آئی۔ کیونکہ میں چاہتا تھا کہ کبھی برتن خالی ہو اور کبھی پُر ہو۔ آخر میں نے وہ کھجور نکال کر اس کو دے دی (اس ضعیف کی طرف اشارہ کر کے فرمایا)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ میرے ایک دوست نے مجھے ایک پیسہ دے کر کہا کہ اسے جیب میں رکھو۔ آپ کا جیب کبھی خالی نہ ہوگا۔ ایک دن میں نے اس کے سامنے جیب میں سے سب کچھ نکال لیا اور اس دوست سے کہا کہ اب بتاؤ جیب کس طرح پُر ہوگا۔ اس وقت اچانک میرے اس دوست کا ایک مرید آپہنچا۔ اس نے پائے بوسی کی اور بعد میں پانچ دینار نکال کر سامنے رکھ دیئے۔

محبت خلق ومحبت خالق

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصریؒ وعظ کر رہے تھے۔ کسی نے اُٹھ کر سوال کیا کہ محبت کیا چیز ہے۔آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جب دریائے محبت میں جوش آئے گا تو بتاؤں گا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے محبت کے بارے میں بیان شروع کیا تو اس آدمی نے وہی سوال کیا۔آپ نے فرمایا محبت کی دو قسم ہوتی ہیں۔ایک مخلوق کی مخلوق کے ساتھ محبت اور دوسری مخلوق کی خالق کے ساتھ محبت۔

پہلی قسم کی محبت کے متعلق تم اچھی طرح جانتے ہواور دوسری قسم کی محبت یہ ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اُسے چاک کیا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور نالہائے آہ وفریاد بلند کر کے سینہ پر ہاتھ مارنا شروع کیا اور فرمایا یہ محبتِ خالق ہے اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کہہ کر حضرت شیخ آبدیدہ ہوئے۔اور فرمایا کہ ذوالنون مصری نے خوب کہا۔محبت کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔

روز یکشنبہ ۴۔ ماہ مذکور

فائدہ مند کشف

دستر خوان بچھنے کے وقت ملازم قوال نے آ کر سرود شروع کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ قوال بہت وقت شناس [1] ہے۔آپ نے تبسّم کر کے فرمایا کہ ہمارے خواجہؒ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) نے فرمایا ہے کہ ملک اودھ میں ایک درزی کسی گاؤں میں رہتا تھا۔لیکن جب کبھی شہر میں کسی کے ہاں دعوتِ طعام ہوتی فوراً پہنچ جاتا تھا۔لوگوں کو انتظار رہتی تھی کہ وہ ابھی آیا اور وہ آ جاتا تھا۔حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ وہ صاحبِ کشف ہوگا۔ایک طالب علم نے جو حاضر مجلس تھا کہا کہ بہت اچھا کشف ہے۔اس پر بھی حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے تبسّم فرمایا۔

خرابی ملک کی وجہ

نماز عشاء کے وقت ملک کی خرابی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ایک ولایت کا حاکم ایک سال کے بعد امیر المومنین حضرت علیؓ کی خدمت میں مالیہ اور تحائف لیکر حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا مالیہ تو لائے ہو۔لیکن یہ تحائف کہاں سے حاصل کئے ہیں۔ یہ تم نے خلق خدا پر زیادتی کی ہے۔اس لئے آج اپنے آپ کو ولایت سے معزول سمجھو۔اس نے عرض کیا کہ حضور

1 یعنی کھانے کے وقت پہنچ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معاویہ آپ کے ساتھ برابری کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے دنیا کو دو پایوں پر قائم رکھا ہے۔ ایک پایہ حق، دوسرا پایہ باطل، لیکن آپ چاہتے ہیں کہ سب کو ایک پایہ حق پر رکھیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ تم نے حکمت کی بات کہی ہے۔ اچھا تم اپنی ولایت پر برقرار رہو۔ لیکن پھر یہ کام نہ کرنا۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ جس طرح امیر المومنین سب کو پایہ حق پر رکھنا چاہتے تھے۔ ہمارے زمانے کے ظالم لوگ چاہتے ہیں کہ سب کو پایہ باطل پر رکھیں۔ یہی وجہ ہے اُمور سلطنت بخوبی انجام نہیں ہوتے۔

فضائل حضرت علیؓ واصحاب علیؓ

یہاں سے گفتگو حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب کے متعلق شروع ہو گئی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت علیؓ سے آپ کے اصحاب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کس کے متعلق پوچھتے ہو۔ انہوں نے کہا حضرت عمارؓ کے متعلق۔ آپ نے فرمایا۔ عمار وہ مومن ہے کہ جو حلق تک ایمان سے لبریز ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت سلمانؓ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس اوّل اور آخر کا علم ہے، جب انہوں نے حضرت حذیفہؓ کے متعلق دوریافت کیا تو فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا محرم راز ہے اور اس کے منافقین کا علم[1] ہے۔

اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ آپ اپنے متعلق بھی کچھ فرمائیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اچھی یہی بات پوچھنا چاہتے تھے انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا۔ اِذَا سَالْتُ اُعطِیتُ وَاِذا سَکَتُّ اُبتَدِیتُ (جب میں کوئی چیز طلب کرتا ہوں جب خاموش ہوتا ہوں تو وہ مجھ سے کلام کی ابتداء کرتا ہے[2]) اس کے بعد فرمایا کہ قوت القلوب (مصنفہ حضرت ابوطالب مکیؒ) میں لکھا ہے کہ یہ مقام ہے محبوبُ المراد کا۔

حسنِ صَوت وحُسنِ صورت

اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سرود اور حسِن مجاز پر گفتگو ہوئی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ

---

1 یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کو تمام منافقین کے نام بتا دیئے ہیں۔

2 سبحان اللہ! کیا مقام ہے۔ اسے مقام محبوبیت کہتے ہیں یہ مقام مرید کا نہیں۔ مراد کا ہوتا ہے جو خاموش ہو جائے تو حق تعالیٰ خود سلسلہ کلام شروع فرما دیں۔ مرید طالب کو کہتے ہیں اور مراد مطلوب کو مرید عاشق کو کہتے مراد محبوب کو۔

نے یہ دونوں چیزیں ذلیل ترین لوگوں میں رکھی ہیں۔ان دونوں چیزوں میں سرِّ حق آشکارا ہے۔لیکن حکمت ازلی یہ تھی کہ سب اس سے محروم رہیں۔اس وجہ سے سرود (حسنِ صوت) خاکروبوں چنڈالوں اور بدقماشوں میں رکھا اور حسنِ صورت کو فاحشہ اور ذلیل وخوار لوگوں میں رکھا جس کے ساتھ ایک لمحہ بسر نہ کیا جا سکے۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے ایک دینار (زر خالص) کو غلاظت میں رکھ کر حکم دیا جائے کہ اسے دانتوں سے اٹھاؤ۔اب کون پسند کرتا ہے کہ اپنے منہ کو غلاظت سے پُر کرے۔ یہ کام اہل عقل وہمت اہل دین اور اہل شرم کا نہیں ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ جو کام شیخ فریدالدین عطارؒ کے پیر شیخ امین الدینؒ نے کیا کوئی اور نہیں کرسکتا۔ایک دن وہ سات سو مریدین سمیت سفر میں تھے کہ ان کی نظر ایک عیسائی لڑکی پر پڑ گئی۔وہ اس قدر حسین وجمیل تھی کہ آپ اسکے پیچھے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر رفتہ رفتہ تمام مریدین بھاگ گئے۔ وہ لڑکی روزانہ اپنے خنزیر چرانے کے لئے باہر آتی تھی اور حضرت شیخ اس کے ساتھ ہو جاتے تھے اور خوش رہتے تھے۔ جب یہ بات حضرت شیخ فریدالدین عطار تک پہنچی تو آپ دوڑ کر اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے۔وہاں جا کر دیکھا کہ آپ کے مرشد اس عیسائی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دل بہلا رہے ہیں۔شیخ فرید عطارؒ نے ادب قدیم کی بناء پر شیخ کے سامنے سر زمین پر رکھ دیا۔لیکن شیخ ترسا بچہ کے ساتھ مشغول تھے۔ رفتہ رفتہ معاملہ اس حد تک پہنچا کہ شیخ امین الدین زنار باندھنے اور عیسائی مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔تا کہ عیسائی لڑکی تک رسائی ہو جائے۔ یہ دیکھ کر شیخ فریدالدین عطار بہت پریشان ہوئے کہ اب کیا کیا جائے۔ جس روز یہ کام ہونے والا تھا۔(یعنی شیخ امین الدین نے عیسائی مذہب قبول کرنا تھا) اس سے پہلی رات حضرت شیخ عطارؒ نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا۔تہ بند سنبھالے جلدی سے چلے آرہے ہیں۔انہوں نے عرض کیا کہ حضور آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امین الدین کی دستگیری کے لئے آیا ہوں۔اس سے شیخ عطار کو اطمینان ہو گیا کہ عاقبت بالخیر ہو گی۔صبح ہوتے ہی عیسائی لوگ جمع ہو گئے اور کتخدائی کے پارچات وغیرہ لائے تا کہ شیخ امین الدین کو عیسائی بنا کر گھر لے جائیں۔خواجہ فریدالدینؒ نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے عیسائی یہ ہمارے پیر ہیں،ہم ان کو ہرگز اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ جو کچھ تم لوگ ان کے لئے تیار کر کے لائے ہو میرے لئے بھی لاؤ تا کہ میں بھی وہاں جاؤں۔ جہاں یہ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عیسائی لوگ بہت پریشان ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ جس قوم میں یہ عہد اور وفا ہو اس قوم کو اپنے دین سے پھیرنا

ممکن نہیں۔ پس اس کا حل یہ ہے کہ لڑکی ان کے حوالہ کردینی چاہیے۔

چنانچہ وہ لڑکی مسلمان ہوگئی اور حضرت شیخ نے اس سے نکاح کرلیا اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ دین سے منحرف ہونا اور اس قدر مصیبت برداشت کرنا سب اس وجہ سے تھا کہ عیسائی لڑکی کا قرب حاصل ہو۔ مقصود یہی تھا اور اس پر سارا قصہ ختم ہوا۔ یہ درویشوں کی درویشی ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی [1]۔

روز دوشنبہ ۲۵۔ ماہ مذکور

حضرت امام حسینؓ کا شدید خوفِ خُدا

ایک سیّد نے آکر قدم بوسی حاصل کی۔ اس کے بعد فضیلت اہل بیت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک رات حضرت خواجہ حسن بصریؒ قدس سرہٗ حرم کعبہ میں مشغول تھے کہ کعبہ کی چھت سے کسی شخص کی آواز سُنی۔ یاد رہے کہ کعبہ کی چھت پر ہر شخص کی رسائی نہیں ہوتی۔

آپ نے آواز دی کہ کون ہے۔ اس کے بعد آپ نے چھت پر جا کر دیکھا کہ وہاں پر ایک آدمی پڑا رو رہا ہے اور گڑگڑا کر یہ عرض کر رہا ہے کہ خداوند! مجھے معلوم نہیں کہ میری آنتوں سے دوزخ پُر کی جائیں گی یا نہیں، میرا جسم آتش دوزخ میں جائیگا یا نہیں۔ میں اِن آنکھوں سے آتشِ دوزخ دیکھوں گا یا نہیں۔ میرے حلق کو دوزخ کے زقوم (کڑوا پھل) کا مزہ چکھاؤ گے یا نہیں۔ اس قسم کی باتیں کر رہا ہے اور رو رہا ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے دل میں کہا کہ کون گنہگار اور بدکردار ہے جو بامِ کعبہ پر جا کر جوش میں ہے۔ اور بارگاہِ حق تعالیٰ میں رو رہا ہے۔ جب آپ قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المومنین امام حسینؓ ہیں جو ہائے ہائے کر کے گریہ زاری میں مشغول تھے۔ خواجہ حسن بصریؒ اُن کے قدموں میں گر گئے اور عرض کرنے لگے کہ اے فرزند رسول اللہ ﷺ آپ کی عظمت اور بزرگی کا یہ عالم ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اگر وہ بھی نہ ہوتو کیا حضرت فاطمہؓ کافی نہیں ہیں، حضرت علیؓ کافی نہیں ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کافی نہیں ہیں۔ امیر المومنینؓ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا۔ اے حسن (بصریؒ) سُنو جس روز آیت وَاَنذِر عشیرۃ الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرسناؤ) نازل ہوئی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ

[1] لولوی لفظ مولو سے ہے۔ جس کے معنی ہیں جوہر۔ لولوی معنی جوہری، بعض مورخین کا قول ہے کہ آپ جوہر فروش تھے۔ نیز حضرت حسن بصریؒ کا شمار غلامانِ اسلام میں بھی ہوتا ہے۔ اغلب یہی ہے کہ آپ اپنی غلامی کی طرف اشارہ کررہے ہوں۔

والسلام نے حضرت بی بی کو طلب کر کے فرمایا۔ اے فاطمہؓ رسول خدا کی بیٹی اپنے آپ کو آتشِ دوزخ سے بچاؤ۔ میں محمد رسول اللہ ﷺ تجھے کل قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔

اس کے بعد امیر المومنینؒ نے فرمایا کہ اے حسن (بصریؒ) جب رسول اللہ ﷺ کے باپ ہونے نے فاطمہ کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا تو حضرت فاطمہؓ اور علیؓ کا میرا ماں باپ ہونا مجھے کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت بصریؒ نے رو دیا اور عرض کیا کہ جب فاطمہؓ کو ان کے والد محمد الرسول اللہ ﷺ اور حسینؓ کو اُن کے والد علیؓ اور والدہ فاطمہؓ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو مسکین حسن لولوی 1 کون ہے اور اس کی کیا مجال ہے کہ نجات کا دم بھرے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اہل بیت کے متعلق یہ دو باتیں تمام تذکرہ نویسوں نے لکھی ہیں اور اہل بیت میں سے کوئی فرد ان دو اوصاف سے خالی نہ تھا اوّل شدید خوفِ خدا' دوم کثرت عبادت و طاعت' ان میں کوئی شخص بے خوف اور بے پروا نہیں تھا۔ پس ہم لوگوں کو چاہیے کہ اپنے نفس سے بے خوف نہ رہیں۔

حضرت عمرؓ کا شرارتِ نفس سے خوف

حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ گھر کے باہر بیٹھے تھے۔ حالانکہ سخت گرم لو چل رہی تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اندر کیوں نہیں چلے جاتے آپ نے فرمایا کہ میری بیوی گھر پر نہیں ہے اور میری بیٹی اکیلی گھر میں بیٹھی ہے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اکیلی بیٹی کے پاس جا کر بیٹھوں۔ اگر چہ یہ حکایت بہت ہی نادر معلوم ہوتی ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ بھی نہایت ہی محتاط اور خوفِ خدا رکھنے والے تھے۔

اَصحاب مزار سے زندوں کے سے آداب بجالانا چاہیں

عشاء کی نماز کے وقت حضرت شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت

1 یعنی حُسن جیسی اعلیٰ و ارفع چیز کو ذلیل و خوار لوگوں میں رکھنا اور پھر اعلیٰ اور ارفع طبقہ کے اصحاب کو اس بات پر مجبور کرنا کہ سُر کے بل گر کر وہ چیز حاصل کریں۔ یہ بڑی حکمت ازلی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بات یہ ہے کہ بڑے لوگوں کے لئے بڑی آزمائش ہوتی ہے اور اس آزمائش اور امتحان میں پورا اترنا حقیقی کامیابی ہے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ شیخ امین الدین پر نفس کا غلبہ ہو رہا ہے تو فوراً امداد کو پہنچے اور بچا لیا۔

شیخ نے فرمایا کہ آپ شیخ کامل تھے اور مرید بھی کامل بزرگ کے تھے۔آپ کے پیر کا اسم گرامی حضرت شیخ ابوسعید تبریزی ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ' کے صحبت یافتہ تھے۔البتہ آپ کا دستور خلوت نشینی، گمنامی اور عجز وانکسار تھا۔آپ جہاں جاتے تھے آپ سے کرامات کا ظہور خود بخود ہوتا تھا۔ میں نے حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ' کے امام مولانا شہاب الدین سے سُنا ہے کہ سیّد علاؤالدین چنوریؒ نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں شیخ الاسلام قطب الدین قدس سرہ' کی زیارت کی خاطر گیا اور مزار مبارک کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔مزار سے آواز آئی کہ اے سیّد مجھے مردہ سمجھتے ہو۔اگر مجھے زندہ سمجھتے ہو تو تم اس طرح نہ بیٹھتے۔یہ سنتے ہی میں دور جا بیٹھا اور دل میں خیال پیدا ہوا کہ مشائخ کی مجلس میں بیٹھنا بھی مشکل ہے۔

حضرت خواجہ قطبؒ کی مجلسِ سماع

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مجلس سماع میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ مولانا حمید الدین ناگوریؒ شیخ فریدالدینؒ اور شیخ جلال الدینؒ موجود تھے۔حضرت خواجہ قطب الدینؒ پر کمال ذوق کی حالت طاری تھی۔آپ ہر بار دالان سے اُٹھ کر صحن میں تشریف لاتے تھے اور مولانا حمیدالدین اُن کے پاؤں میں گر جاتے تھے۔اور شیخ فریدالدینؒ ان کو اٹھاتے تھے۔شیخ جلال الدینؒ پر بھی وجد طاری تھا اور دالان کی ایک دیوار سے ٹکر کھا کر دوسری سے جا لگتے تھے کہ کسی کو مجال نہ تھا کہ درمیان میں سے گزر سکے۔

روز سہ شنبہ ۲۶۔ماہ مذکور

ضرورتِ مجاہدہ

نمازِ مغرب کے وقت یہ ضعیف بندہ حاضر تھا۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ مشائخ کے فرزندان کا عجب حال ہے کہ باپ کے رحلت کرتے ہی شیخ بن جاتے ہیں۔اور یہ نہیں سمجھتے کہ میرے باپ کو کس بھوک پیاس، برہنگی اور صحرانوردی کے بعد خلافت ملی اور ہدایت خلق سپرد ہوئی اور جب اُن کے والد ان چیزوں کے بغیر شیخ نہ بن سکے تو یہ کس طرح ان کے بغیر شیخ بن سکتے ہیں چند نوافل، تہجد، اشراق اور چاشت پڑھ لینے سے کیا بنتا ہے۔تاریکی ہی تاریکی رہتی ہے۔ان لوگوں کا عجب حال ہے۔بیٹا باپ کی وجہ سے شیخ بن جاتا ہے۔معلوم نہیں۔باپ کیسا تھا اور بیٹا کیسا ہے۔

یہ جو سلوک کی بعض کتابوں میں لکھا ہے اَلّذِی یاکلُ وَیَشربُ خیر " مِنَ الذَّیِ لا یا کل ولا یَشربُ (وہ شخص جو کھاتا ہے اور پیتا ہے اس سے بہتر ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے)

یہ مرشد کامل اور متصرف سالک کا کام ہے جو طالب کو عمدہ کھانے کھلاتا ہے' لطیف شربت پلاتا ہے' بارک کپڑے پہنواتا ہے' گہری نیند سلاتا ہے اور قسم قسم کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اس کے باوجود ان کو بلند مقامات تک پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے۔ لیکن حقیقی طریقہ وہ ہے جو طریق مجاہدہ ہے۔ ہاں بعض مقامات ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں ہی کسی شخص کا دل روشن اور نفس ہوا و ہوس کی کدورت سے پاک ہوتا ہے اور تھوڑے سے مجاہدہ اور تلقین ذکر سے اس کا کام بن جاتا ہے اس وجہ سے کہ مجاہدہ سے غرض تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس ہے۔ جب قلب مصّفا اور نفس مزّکیٰ ہو تو زیادہ مجاہدہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اگر اس استعداد کے ساتھ مجاہدہ بھی شامل ہو جائے تو کیا کہنے۔

اگرچہ نااہلوں کو بھی اس کوچے میں قدم رکھنے سے کچھ نہ کچھ حاصل ضرور ہوتا ہے لیکن یہ کام صادقین کے بغیر کسی کے بس کا نہیں اور مشائخ عظام کے ہاں کچھ ایسی علامات ہیں جن کے ذریعے وہ اہل و نااہل میں تمیز کر سکتے ہیں۔ شیخ ابو یزید بسطامیؒ قدس سرہ' کے زمانے میں ایک شخص تھا جو زہد و تقویٰ میں کافی شہرت رکھتا تھا۔ شیخ ابو یزیدؒ ان کی زیارت کی خاطر تشریف لے گئے۔ اتفاقاً بزرگ گھر سے مسجد جا رہے تھے۔ راستے میں تھوکنے کی ضرورت پیش آئی تو سمت کعبہ میں تھوک دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا جو شخص ظاہری طور پر آداب شریعت نہیں بجالاتا وہ باطنی طور پر کیسے صاحبِ کمال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ راستے سے واپس چلے گئے اور ملاقات نہ کی۔

اس کے برعکس حضرت شیخ قطب الدینؒ کا یہ حال تھا کہ دروازے بند کر کے اور سب کام بند کر کے اپنے کام میں غرق رہتے تھے۔ جب زائرین کا ہجوم ہوتا تو خادم اندر جا کر ہاتھ سے اشارہ کرتا کہ خلقت کا ہجوم ہے۔ اور آپ ہاتھ سے اندر آنے کی اجازت دیتے تو لوگ آ کر سامنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ سب پر ایک نظر ڈال کر اشارہ فرماتے تھے کہ ان کو کوزہ سے پانی پلا دو۔ کسی کو پانی ملتا تھا کسی کو نہیں مل سکتا تھا۔ آپ ہاتھ سے اشارہ کر کے جانے کا حکم دیتے تو سب لوگ چلے جاتے تھے۔ یہ تھا لوگوں سے ان کی ملاقات کا طریقہ۔

شرح صدر سے کیامُراد ہے

اس کے بعد فرمایا کہ جب آیہ اَفَمَن شرح الله صدره' نازل ہوئی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ شرح صدر کے کیا معنی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا شرح صدر سے مراد ایک نور ہے جو قلب کے اندر پھینکا جاتا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا علامت ہے تو فرمایا کہ سرائے پرغرور سے دور اور بیگانہ ہوتا ہے اور سرائے جاودانہ میں پہنچ جاتا ہے اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

مختلف تجلیات کے مختلف نتائج

اس کے بعد فرمایا کہ عارف صادق کے معاملات کا منبع تجلیات ہیں۔ جو شخص اس راستے میں سینہ کشیدہ اور بے باک چلتا رہے۔ یہ اور تجلّی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو شخص منکسر المزاجی اور فروتنی (عاجزی) سے سر نیچے کر کے چلتا ہے۔ یہ دوسری تجلّی کا نتیجہ ہے۔ فرمایا ایک دفعہ حضرت امام جعفرؒ نے اپنے غلاموں کو جمع کیا اور زور دیکر ان سے کہا کہ میرے اندر جو عیب ہیں ان سے مجھے آگاہ کرو۔ پہلے تو انہوں نے آپ کی بہت تعریف کی لیکن بعد میں عرض کیا کہ ایک چیز ہے جو ہم نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے فرمایا ضرور کہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے اندر کچھ تکبّر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں تکبّر تھا۔ لیکن اب میرا تکبّر چلا گیا ہے اور اس کی جگہ حق تعالیٰ کے کبر نے لے لی ہے۔ اس پر کسی نے عرض کی کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلکبریاءَ رَدَائ و العَظمتُ اَذَارِی فَمَنْ فَازَعَنّی فیھا اَد خله النّار

(عظمت وکبریائی میری صفت ہے۔ جس نے اس میں میری شرکت کی اُسے آتشِ دوزخ میں ڈالوں گا)

حضرت شیخ نے فرمایا سبحان اللہ! جب امام جعفرؒ فرمارہے ہیں کہ میرا تکبر چلا گیا ہے تو شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عشاء کے وقت بھی اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر (قدس سرہٗ) کے دل میں خیال آیا کہ ابومحمد جوی اشعری کی عیادت (بیمارپُرسی) کو جائیں۔ آپ کے خادم حسن مؤدب نے عرض کیا کہ حضور وہ آپ کی نسبت اچھا عقیدہ نہیں

رکھتے۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسی چیز کہہ دیں جس سے آپکو تکلیف ہو۔ لیکن آپ نے پرواہ نہ کی اور ڈولی میں بیٹھ کر روانہ ہو پڑے۔ حسن مؤدب نے پہلے سے ایک آدمی ابو مُحمد کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا کہ شیخ آپکی طبع پرسی کے لیے آ رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً کہلا بھیجا کہ اس بے دین کو کہو کہ میرے پاس کیوں آ رہا ہے۔ گرجا گھر جاؤ۔ جب شیخ ابو سعید ابوالخیر کو اس بات کا علم ہوا تو ڈوالی برداروں سے فرمایا۔ اچھا گرجا گھر چلو۔ یہ دیکھ کر آپ کے تمام اصحاب حیران رہ گئے۔ گرجا گھر پہنچ کر آپ نے حضرت عیسیٰ کے بُت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ءانتم قلتم للناس اتخذنی وامی الٰھین مِن دون الله وَاِلاّ فاسُجدُ ولِللّٰہِ تعالیٰ

کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا بناؤ سوائے خداوند حقیقی کے؟ اگر آپ نے ایسا کہا تھا تو سجدہ کرو خدا تعالیٰ کو ابھی۔

یہ سنتے ہی بُت منہ کے بل سجدے میں گر گیا۔ یہ دیکھ کر عیسائیوں کے ساتھ بڑے پیشواؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابو سعید ان کو ہمراہ لائے۔ اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم نے دیکھ لیا۔ ہم نے ایک بزرگ (ابو مُحمد اشعری) کا کہا مان لیا اور اُن کے قول کی برکت سے یہ انعام پایا[1]

شبِ معراج میں نماز کا ذکر

اس کے بعد اس ضعیف نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ آج رات شبِ معراج ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اس شب میں بارہ رکعت نماز نفل ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ہے۔ لیکن یہ چیز حضرت خواجہؒ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) نے صرف مجھے فرمائی ہے۔ اگرچہ کنز میں لکھا ہے کہ ایک سلام سے آٹھ رکعت سے زائد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن زیادہ کا حکم بھی آیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ کتاب مبسوطہ اٹھا کر دیکھو۔ جب کتاب دیکھی گئی تو یہ لکھا تھا کہ

''آٹھ رکعتوں سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مستحب ہے۔ جس قدر چاہے زیادہ کرے۔''

---

1 سبحان اللہ! اہل اللہ کیسے منکسر المزاج ہوتے ہیں۔ ایک مخالف کی عیادت کو جا رہے ہیں۔ ان نے کہلا بھیجا کہ اے بے دین میرے پاس نہ آؤ۔ تمہاری جگہ کلیسا یعنی بے دینوں کا عبادت خانہ ہے۔ اس پر نہ غصہ ہوتے ہیں نہ ماتھے پر تیور آتا ہے۔ سیدھا کلیسا جاتے ہیں۔ عظیم الشان کرامت کا آپ کے ہاتھوں ظہور ہوتا ہے لیکن عجز وانکسار کا یہ عالم ہے کہ اس کرامت کو بھی اپنے اس مخالف سے منسوب کرتے ہیں۔ جس نے آپ کو ملحد اور بے دین کہا، گھر آنے سے منع کیا اور گرجا گھر جانے کا کہا۔ یہ بات فنائے نفس کے بغیر ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ علمائے ظواہر لاکھ کوشش کریں یہ کام نہیں کر سکتے۔

یہ ضعیف کہتا ہے کہ ماہِ رجب کی پہلی رات شب جمعہ تھی۔ حضرت شیخ نے وہ رات نماز لیلتہ الرغائب میں گزار دی اور فرمایا کہ مقصد رجب کی پہلی رات جو شب جمعہ بھی ہے کا زندہ کرنا ہے نماز کے ساتھ۔ روزہ ضمنی چیز ہے۔ نیز حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے اوراد میں مختلف چیزیں درج ہیں ان اوراد کا صحیح اور معتبر نسخہ جو حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے پاس تھا اس میں روزہ کا ذکر بالکل نہیں ہے۔

روز چہار شنبہ ۲۷۔ ماہ مذکور

حضرت موسٰیؑ پر یہودیوں کا الزام

حضرت شیخ نے اس آیت کے متعلق یاایھاالذین آمنو لا تکونوا کالذین آذوموسٰی ۔۔۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو جو تکلیف دی۔ ایک یہ تھی کہ ان پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے قتل کا الزام لگایا۔

واقعہ یہ ہے کہ لشکر دامنِ کوہ میں آیا ہوا تھا۔ دونوں بھائی یعنی حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں ایک ہموار اور صاف ستھری جگہ تھی۔ ہارونؑ آرام کی خاطر لیٹ گئے اور لیٹتے ہی جاں بحق ہو گئے اور میت کو فرشتے اُٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ جب موسٰیؑ نے یہ واقعہ اپنی قوم کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ تم نے ہارونؑ کو قتل کر دیا ہے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت موسٰیؑ نے تین دن کی مہلت طلب کی۔ تیسرے روز ملائکہ حضرت ہارونؑ کو زندہ کر کے لے آئے۔ انہوں نے آتے ہی کہا مجھے حق تعالیٰ نے آسمان پر بُلا لیا تھا۔ موسیٰؑ نے مجھے قتل نہیں کیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب ہارونؑ کا انتقال ہوا تو یہودیوں نے معائنہ کیا اور دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ قتل نہیں ہے۔ طبعی موت ہے۔

بہترین صدقہ وہ ہے جو صدقِ دل سے دیا جائے

اس حدیث پر گفتگو ہو رہی تھی کہ خیر الصدقہ ما کان عن ظھر غنّی (بہترین صدقہ وہ ہے جو غنائے قلب یعنی صدقِ دل سے دیا جائے) حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک رات حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر پر انقباض طاری ہو گیا۔ آپ نے دل میں منت مانی کہ علی الصبح جو کچھ آئے گا صدقہ

دوں گا۔اس منت سے ان کا انقباض دفع ہو گیا۔جب صُبح ہوئی تو کسی نے آ کر ایک ہزار دینار پیش کئے۔آپ نے اپنے خادم کو بلا کر فرمایا کہ یہ رقم لے جاؤ۔

فقیر کی ہمّت

جو شخص تجھے سب سے پہلے ملے اس کو دے دینا۔سب سے پہلے خادم نے ایک نابینا شخص دیکھا جو حجام کے ہاں بیٹھا حجامت کا منتظر تھا۔اس نے رقم نابینا کے سامنے رکھی اور کہا کہ میرے شیخ نے یہ رقم آپ کو بطور نذر پیشکی ہے۔نابینا نے حجام سے کہا میں نے آپ کو فی سبیل اللہ حجامت کے لئے کہا تھا۔اب میرے پاس غیب سے ہدیہ آ گیا ہے یہ آپ لے لیں۔

حجام کی بلند ہمتی

حجام نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو کام میں فی سبیل اللہ کی نیت سے کروں اس کی اُجرت لوں اور ایک ہزار دینار لے کر اپنی عاقبت خراب کروں۔جب حسن مودب نے بہت اصرار کیا تو حجام نے وہ رقم لے لی اور اس سے ایک قطعہء زمین خرید کر کے حمام تیار کرایا اور راہِ خدا میں وقف کر دیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی محفلِ سماع

اُس وقت کچھ قوال آئے اور دروازے پر بیٹھ کر گانے لگے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ صوفیانِ عاشق تھے' لیکن شیخ شہاب الدین اور آپ کے اصحاب بڑے بزرگ' واصل اور عارف تھے۔لیکن عشق کا جہان ہی اور ہے۔ایک دفعہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ کی خانقاہ میں چھت پر حاضر ہوا۔اس ناچیز کے علاوہ خواجہ حسن اور مولانا شہاب الدین کنتوری بھی موجود تھے۔مُحمد گار قوال کی ٹولی قوالی کر رہی تھی۔اس پر حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ نے اس قدر رقص کیا کہ ساری چھت کانپ رہی تھی۔رقص کے بعد آپ نے باقی لوگوں کو رخصت کر کے فرمایا کہ برادران! ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں آتا۔نیز فرمایا کہ وہ صوفی جو سماع سے لذت حاصل کرتا ہے مناجات اور خرابات (ذوقِ فنا) دونوں سے حظ اٹھاتا ہے۔صرف ایک پر قائم رہ کر دوسری چیز سے محروم نہیں ہوتا۔

روز پنجشنبہ ۲۸۔ ماہ رجب ۸۰۲ھ

سرورِ کائناتؐ کے گھر کا سامان

نمازِ عشاء کے وقت یہ ضعیف حاضر خدمت تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک دن رسول خداﷺ قیلولہ (دن کی نیند) فرما رہے تھے اور حضرت سلمان فارسیؓ دروازے پر بیٹھے نگہداشت کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آ کر اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے کہا آنحضرتؐ قیلولہ فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمرؓ پھر آئے اور اندر جانا چاہا۔ لیکن حضرت سلیمانؓ نے کہا کہ ابھی تک آنحضرتؐ قیلولہ فرما رہے ہیں۔ صحابہ کرام کو آنحضرتؐ کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ ایک ساعت کے بعد وہ پھر آ گئے اور حضرت سلمانؓ نے وہی جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا کروں۔ رسول اللہﷺ کی زیارت کے بغیر ایک لمحہ آرام نہیں آتا۔ ان کی یہ باتیں سُن کر آنحضرتﷺ بیدار ہو گئے اور دریافت فرمایا کہ کون ہے۔ حضرت سلمانؓ نے عرض کیا کہ عمرؓ حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اندر آنے دو۔ حضرت عمرؓ اندر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سرورِ کائناتؐ فخرِ موجودات ایک چٹائی پر سو کر اٹھے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان نمودار ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے رو دیا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ عمر کیوں روتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا حضور قیصر و کسریٰ جو دشمنانِ خدا ہیں۔ عیش و عشرت سے زندگی بسر کریں اور سیّد الانبیاؐ اور حبیب خدا کا یہ حال ہو۔ آپ نے فرمایا اے ابن خطّاب! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں۔ کہ ان لوگوں کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ مجھے پسند ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے رسول خداﷺ کے گھر میں دیکھا کیا کچھ ہے۔ ایک کونے میں مٹھی بھر جَو پڑے تھے اور ایک کونے میں بکری کے بچے کی سوکھی کھال۔ یہ سامان تھا سرورِ کائنات کے گھر میں۔

آنحضرتؐ کے گھر میں دو چیزوں کی فراوانی

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ رسولِ خداﷺ کے گھر میں دو چیزوں کی فراوانی تھی ایک خدا ترسی، دوسری خدا پرستی۔ آنحضرتﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب سفر پر روانہ ہوتے تو آخر میں حضرت بی بی فاطمہؓ سے الوداع کر کے جاتے تھے۔ جب واپس آتے تھے تو پہلے مسجد میں دوگانہ

نماز ادا کرتے اور اس کے بعد حضرت بی بی فاطمہؓ کے پاس جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بی بی فاطمہؓ نے دیوار پر کپڑا لگا دیا تا کہ آنحضرت ﷺ کے کپڑوں کو مٹی نہ لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس آئے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو دیوار پر کپڑا دیکھ کر کسی سے بات نہ کی اور فوراً واپس چلے گئے۔ اس سے حضرت بی بی صاحبہ بہت پریشان ہوئیں اور رونے لگیں کہ معلوم نہیں کس خطا کی وجہ سے آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ آنحضرتؐ مسجد میں جا کر بیٹھ گئے اور زمین پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے کہ مالی وللدنیا مالی وللدنیا (مجھے کیا ہو گیا ہے دینا سے مجھے کیا کام۔ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ دنیا سے مجھے کیا کام) اسی اثناء میں رافع ابن حذیفہ جو رسول اللہ ﷺ کا غلام زادہ تھا آیا اور حضرت فاطمہؓ کو روتا دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے لیکن فوراً واپس چلے گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ نے دیوار پر کپڑا دیکھا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا ہاں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی ہیں۔ آپ کو اس دنیاوی سجاوٹ سے کیا کام۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرو کہ فاطمہ وہ کپڑا بیچ کر رقم خدا کی راہ میں دینا چاہتی ہیں۔ رافعؓ نے مسجد میں جا کر آنحضرتؐ کو حضرت بی بی فاطمہ کی عرضداشت پیش کی۔ آپ نے فرمایا کیا فاطمہ یہ کام کرتی ہے۔ آخر وہ میری بیٹی ہے۔ میں اس سے راضی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کپڑا فروخت کر کے رقم راہِ خدا میں خرچ کر دی۔

آنحضرت ﷺ کی دنیا سے نفرت

ایک اور دفعہ بھی ایسا ہوا۔ حضرت فاطمہؓ نے ہاتھ میں دو چاندی کے زیور پہن رکھے تھے۔ آنحضرتؐ زیور دیکھ کر واپس چلے گئے اور مسجد میں جا بیٹھے۔ اور وہی الفاظ دہرا رہے تھے و مالی للدنیا اور ہاتھ زمین پر مار رہے تھے۔ رافعؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو گھر میں روتے دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ انہوں نے بتا دیا کہ زیور دیکھ کر آپؐ خفا ہوئے ہیں۔ چنانچہ بی بی فاطمہؓ نے وہ زیور اتار کر رافع کو دیئے اور کہلا بھیجا کہ ان کو فروخت کر کے رقم راہ خدا میں خیرات کر دیں۔ یہ دیکھ کر رسول خدا ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا آخر فاطمہؓ میری بیٹی ہے جو میری رضا ہوتی ہے اسی کے مطابق کام کرتی ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری بیٹیاں زر و جواہرات میں غرق

ہوتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ کا اپنی بیٹی سے یہ معاملہ تھا۔ہمیں یہ بات کیسے زیب دیتی ہے۔اللہ رحمت کرے اس شخص پر جو انصاف سے کام لے۔

گر عشق حق خویش طلب خواہد کرد
پس مدعیاں را کہ ادب خواہد کرد

اگر عشق نے اپنا حق طلب کیا یعنی وفا طلب کی تو عشق کا خالی دعویدار کیا کرے گا۔

رسول خدا ﷺ کے عہد میں دین ایک روشن چراغ کی مانند تھا اور اس وقت کے لوگ اس کی روشنی میں سب کچھ دیکھ سکتے تھے۔جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے سفر کر گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا زمانہ آیا۔ان کے زمانے میں لوگ ایک قدم دور ہو گئے۔حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس سے بھی زیادہ دور ہو گئے۔حتیٰ کہ ہمارا زمانہ آ گیا۔جب لوگ اس چراغ سے بہت ہی دور جا پہنچے ہیں۔لیکن کوئی شخص یہ کوشش نہیں کرتا کہ چراغ سے نزدیک ہو کر اس سے نور حاصل کرے۔چنانچہ دین نے بھی سب سے منہ موڑ لیا ہے۔آج کل مردِ دیندار وہ ہے جو اس منہ موڑے ہوئے دین کے پیچھے دوڑے۔آج کل لوگوں نے افسانے پیدا کر کے دین کو بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔فرمایا اگر تو کسی کو دوست رکھتا ہے تو تجھے ہمیشہ اس کی رضا کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔اور اس کی خدمت اور بندگی میں رہنا چاہیے اور جو شخص تجھے اس سے دور رکھتا ہے تو تجھے اس سے دور رہنا چاہیے۔

حضرت ابو بکرؓ کے جگر سے بھونے گوشت کی بُو آتی تھی

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اہلیہ محترمہ کو نکاح کی دعوت دی۔لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر کہلا بھیجا کہ نکاح سے میری غرض اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ تجھ سے میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر کے حالات (عبادات وغیرہ) دریافت کرتا (کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابو بکر صدیقؓ کے دل میں جو چیز ہے وہ کسی کے پاس نہیں) یہ سُن کر انہوں نے دعوت قبول کر لی۔جب ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ رات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کیا کرتے تھے۔انہوں نے جواب دیا کہ تقریباً ایک تہائی رات تک آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے۔اس کے بعد گھر آتے اور کچھ دیر

ہمارے ساتھ بیٹھتے اور آدھی رات کو اُٹھ کر وضو کرتے تھے اور نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس وقت آپ سے ایسی خوشبو اُٹھتی تھی کہ گلاب عنبر اور مشک کی کیا مجال ہے۔ جب صبح کا وقت قریب آتا تو آپ ایسی آہِ فراق نکالتے تھے کہ جس سے بھُونے ہوئے گوشت کی بو آتی تھی اور وہ بو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے جلے ہوئے دل کی ہوتی تھی۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا کہ آپ ساری رات اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن جب صُبح ہوتی تھی تو آپ خلقت کے کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے اس لئے آپ کے دل سے ایسی آہ نکلتی تھی جو جگر جلا دیتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی توبہ کا سبب

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی توبہ کے دو سبب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام رات دوستوں کے ساتھ شراب' کباب اور لونڈی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ شراب ختم ہوئی تو خریدنے کے لئے دوکان پر گئے۔ راستے میں ایک معشوقہ کا گھر تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ایسی آواز دی جوان دونوں کے درمیان مقرر تھی۔ معشوقہ باہر آئی اور گفتگو میں مشغول ہو گئے کہ ناگاہ موذن نے صُبح کی اذان دی۔ خواجہ عبداللہ نے کہا بہت دیر ہو گئی ہے۔ عشاء کی اذان بھی ہو گئی ہے۔ میرے دوست انتظار کر رہے ہوں گے۔ معشوقہ نے ہنس کر کہا کہ اے نادان! یہ عشاء کی اذان نہیں ہے۔ صبح کی آذان ہے۔ یہ سُن کر ان کے دل میں خیال آیا کہ افسوس اگر ایسا وقت کہ جس میں دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ چنانچہ آپ نے اُسی جگہ توبہ کر لی اور حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

آپ کی توبہ کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ زرِ کثیر خرچ کر کے بازار سے ایک غلام خرید کر لائے اور اس سے کہا کہ روزانہ محنت مزدوری کر کے مجھے رقم لا دیا کرو۔ غلام نے کہا اے میرے آقا اگر آپ مجھے اپنی خدمت سے معذور رکھیں تو ہر روز نماز شام کے وقت آپ کو ایک دینار زر لا کر دیا کروں گا۔ یہ سُن کر آپ بہت خوش ہوئے اور اسے اپنی خدمت سے معذور کر دیا۔ غلام روزانہ صبح کے وقت غیب ہو جاتا تھا اور نماز شام کے وقت آکر ایک دینار اپنے آقا کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر گھر کے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ غلام چور ہے۔ کیا ہے سارا دن غیب رہتا ہے۔ رات کو گھر آتا ہے

اور جونہی لوگ سو جاتے ہیں۔ یہ باہر نکل جاتا ہے اور دوسرے دن شام کے وقت واپس آ کر ایک دینا رمالک کو دیتا ہے۔ چونکہ خواجہ عبداللہ مبارکؒ اس کے اندر صدق کی علامات دیکھ چکے تھے۔ کچھ عرصہ دیکھتے رہے۔ ایک رات نیند کا بہانہ بنا کر سو گئے۔ جب غلام باہر نکلا تو آپ اس کے پیچھے ہو لئے۔ آبادی سے گذر کر وہ ایک قبرستان میں پہنچا اور ایک قبر کے اندر داخل ہو گیا۔ آقا نے خیال کیا کہ شاید یہاں اس نے مال چھپا رکھا ہے۔ خاموشی سے بیٹھ کر دیکھتے رہے۔ جب نزدیک ہو کر جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبر اندر سے ایک کمرہ سا بنا ہوا اور اس کے اندر ایک نور کی قندیل روشن ہے اور غلام کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ اور خدا کے ساتھ اس طرح غرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ آقا نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا وقت کیوں ضائع کروں۔ صبح کے وقت واپس آ کر اس کے قدموں پر گر جاؤں گا۔

جب صبح کے وقت واپس آئے تو غلام ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا تھا کہ الٰہی تو نے مجھے ایک ایسے شخص کی غلامی میں رکھا ہے جو مجھ سے روزانہ ایک دینار طلب کرتا ہے۔ مجھ غریب کے پاس دینار کہاں ہیں۔ تو مجھے ایک دینار عطا کرتا کہ اُسے ادا کروں یہ کہنا تھا کہ ایک دینار ہوا سے اس کے ہاتھ پر آ گرا۔ آقا نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً غلام کے پاؤں پر گر گیا۔ غلام نے پوچھا تم کون ہو۔ آقا نے جواب دیا کہ میں تیرا غلام ہوں۔ غلام نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو اس کا آقا ہے۔ اس نے کہا اے میرے آقا تو نے میرا معاملہ دیکھ لیا ہے۔ آقا نے کہا ہاں۔ اچھی طرح دیکھا ہے۔ میں ساری رات اسی تجسّس میں رہا ہوں۔ غلام نے کہا اچھا ایک طرف ہو جاؤ۔ تا کہ خدا تعالیٰ کا سجدہ کر لوں۔ اس نے سجدہ کیا اور جاں بحق ہو گیا۔ انا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔ یہ دیکھ کر خواجہ عبداللہ مبارک نے توبہ کی اور حق تعالیٰ کے ہو گئے۔

اگلے زمانے کے خریدار اور دکاندار کا حیرت انگیز کردار

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ سلوک طے کرنا اگلے زمانے میں بہت آسان تھا۔ اس لئے کہ ہر پیشہ ور اور کاروباری آدمی حق کے ساتھ مشغول اور سالک راہ حقیقت تھا۔ حضرت خواجہ سری سقطیؒ سقط فروشی[1] کے علاوہ بقال[2] بھی تھے۔ اسی طرح خواجہ ابوالحسن نوریؒ بھی تجارت کیا کرتے

1 سقط اس پھل کو کہتے ہیں۔ جو درخت سے خود بخود گر کر خراب ہو جاتا ہے۔ اس لئے سستا بکتا ہے
2 بقال یعنی کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرنے والا۔ مثل آٹا، دال، چینی وغیرہ۔

تھے۔ایک دفعہ حضرت خواجہ سری سقطیؒ نے بادام کا حلوہ ساٹھ درہم فی سیر کے حساب سے خریدا اور پانچ درہم نفع لگا کر پینسٹھ درہم فی سیر فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ایک دلال نے آ کر سودا کرنا چاہا اور کہنے لگا کہ اس کی قیمت ستّر درہم ہے۔اگر آپ ستر دو درہم کے عوض فروخت کریں تو میں خریدنے کے لئے تیار ہوں۔خواجہ سری سقطیؒ نے فرمایا میں نے اس کی قیمت پینسٹھ درہم لگائی ہے۔دلال نے کہا کہ آج اس کی قیمت ستّر درہم ہے۔میں پینسٹھ درہم میں کیسے خریدوں۔چنانچہ نہ اس نے پینسٹھ درہم میں خریدنا گوارا کیا۔نہ حضرت خواجہ نے ستّر درہم قبول کئے۔اس طرح معاملہ ختم ہو گیا۔

خواجہ سری سقطیؒ تو بڑے بزرگ تھے لیکن وہ دلال تو عام آدمی تھا۔اس نے بھی حقیقی قیمت سے کم قیمت پر خریدنا قبول نہ کیا۔اُس زمانے میں عام خریدار اور فروخت کرنے والے کا یہ حال تھا۔(سُبحان اللہ!)

کتاب قوت القلوب[1] میں لکھا ہے کہ لوگ بازار میں جا کر سرکاری عہدیداروں سے پوچھتے تھے کہ میں نے سودا کرنا ہے بازار میں کس شخص کے ساتھ سودا کروں۔تمام عہدہ دار یک زبان ہو کر کہتے تھے کہ سب دکاندار ایمان دار اور دیانت دار ہیں جس سے چاہو معاملہ کر لو۔اس کے بعد ایک زمانہ آیا جب عہدیدار کہتے تھے کہ سوائے فلاں فلاں کے باقی ہر شخص کے ساتھ معاملہ کر لو۔وہ زمانہ بھی گذر گیا۔پھر ایک زمانہ آیا کہ جب عہدیدار کہتے تھے کہ فلاں فلاں کے سوا کسی کے ساتھ معاملہ نہ کرنا،مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ عہدیدار کہیں گے کہ کسی کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔سب بے ایمان ہیں احضرت شیخ نے فرمایا کہ افسوس آج وہی ہمارا زمانہ ہے[2]۔ پس اس زمانے میں سلوک بہت مشکل ہے اور گناہ سے پرہیز بہت دشوار ہے۔

حقیقت یہ ہے دین رسول خدا ﷺ کے عہد میں اپنے جمال و کمال پر تھا۔اس کے بعد خلفائے راشدین بھی آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر جمے رہے۔تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں بھی کچھ تھا۔اس کے بعد دین کی حالت وہ نہ رہی۔حتٰی کہ اب ہمارے زمانے میں جب دین کی وہ کیفیت

---

1 مصنفہ حضرت شیخ ابوطالب مکیؒ۔یہ کتاب تصوف کی ابتدائی کتابوں میں ہے۔دیگر ابتدائی کتب یہ ہیں۔رسالہ مشیریہ مصنفہ شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ، کشف المحجوب مصنفہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوریؒ کتاب تعرف مصنفہ شیخ اسماعیل کلابادی، کتاب اللمع مصنفہ شیخ ابونصر خراز، جو امام احمد غزالیؒ کے پیر تھے۔

2 جب آج سے چھ سات سو سال پہلے یہ زمانہ تھا کہ ہر دکاندار بے ایمان تھا تو اب ہم اپنے زمانے کو کیا کہیں۔پناہ بخدا۔

بیان کی جاتی ہے تو لوگ آہ! آہ! کرتے ہیں لیکن کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہمیں بھی یہی کرنا چاہیے اور اس قسم کا کردار رکھنا چاہیے۔ کیا کیا جائے۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضرت اقدس نے اپنے ہاتھ دھونے سے پہلے پاؤں کے تلے پر صاف کئے اور فرمایا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہم لوگوں کا دست مال (رومال) کفِ پائے (پاؤں کا تلہ) تھا۔

روز جمعہ ۲۹۔ ماہ رجب

قباحتِ دُنیا و انجام بَد

بعد نماز جمعہ یہ فقیر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ دنیا کی قباحت اور برے انجام کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا دنیا کی کسی چیز میں خوبی نہیں ہے۔ اس کے ترک کرنے میں خوبی ہے[1]۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں جو کام کیا جائے اس کی سزا و جزا نہیں ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر کام کے متعلق خبر دے دی ہے۔

جوازِ منت حدیث کی رُو سے

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت حسنؓ بیمار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ طبع پرسی کے لئے حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ اور خاتون جنتؓ سے فرمایا کہ تم لوگ یہ منت مانو کہ جب حسن کو صحت ہو گی تو ہم تین دن کا روزہ رکھیں گے۔ چنانچہ پانچ نفوس یعنی حضرت بی بی فاطمہؓ امیر المومنین حضرت علیؓ امام حسنؓ امام حسینؓ اور ان کی کنیز فضّہ نے نذر مانی کہ جب صحت ہو گی۔ تین دن کا روزہ رکھیں گے۔ اس کے بعد انکو صحت ہو گئی اور سب نے پہلا روزہ رکھا۔ لیکن گھر میں کچھ نہیں تھا کہ جس سے افطار کیا جائے۔ حضرت علیؓ نصف صاع وقرض لائے۔ جس سے پانچ روٹیاں تیار ہوئیں اور ایک ایک روٹی ہر ایک کو ملی۔ یاد رہے کہ ان حضرات کا فقر اضطراری نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا اور ہزاروں روپے آتے تھے تو فوراً رضائے خدا میں خرچ کر دیتے تھے اور خود فقیر بن جاتے تھے۔ چنانچہ جب سارے دن کے روزہ کے بعد ان کے سامنے ایک ایک روٹی رکھی گئی تو ایک سائل نے آواز دی کہ خدا

---

[1] ترک سے مراد ترک معنوی ہے نہ کر ترک ظاہری جو رہبانیت ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر دنیا کا نہ بنے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام تھے۔

اس بندے پر رحم کرے جو مسکین کو طعام دے۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ نے اپنی روٹی اٹھا کر سائل کو دینی چاہی تو تمام افرادِ خانہ نے متابعت کی اور ہر ایک نے روٹی اٹھا کر سائل کو دے دی۔ دوسرے دن پھر انہوں نے روزہ رکھا۔ حضرت علیؓ نیم صاع[1] جو لائے اور پانچ روٹیاں تیار ہوئیں جب کھانے کے لئے بیٹھے تو سائل نے آواز دی کہ خدا رحمت کرے اس بندے پر جو یتیم کو کھانا کھلائے۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنی روٹی سائل کو دے دی اور باقی حضرات نے آپ کی متابعت میں اپنی اپنی روٹی یتیم کو دے دی۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا جب روزہ افطار کرنے کے لئے تیار ہوئے تو سائل نے آواز دی کہ خدا رحمت کرے اس بندہ پر جو اَسیر یعنی قیدی کو روٹی دے اور تمام حضرات نے اپنی اپنی روٹی قیدی کو دے دی۔ چوتھے دن علی الصبح حضرت علیؓ بچوں کو ساتھ لے کر رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں گئے۔ تا کہ ماجرا بیان کریں۔ بچوں کی یہ حالت تھی کہ کمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے حال دریافت فرمایا۔ حضرت علیؓ نے تمام ماجرا بیان کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جبرائیلؑ ابھی مجھ پر یہ آیت لائے ہیں۔

وَيُطعِمُونَ الطَّعَامَ علىٰ حُبِّهٖ مسكيناً وَّيَتيما وَّ اَسِيرا

خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جو مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں

لیجئے اہل بیت کے ساتھ اُن کی کنیز فضّہ کی فضیلت بھی قرآن مجید میں وارد ہوگئی۔ چنانچہ اب بھی جو شخص سخاوت کرتا ہے اہل بیت کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن اب ہمارے ساتھ نبی علیہ السلام نہیں ہیں جو ہمیں اس بات کی اطلاع دیں۔

طریقِ بیعت

اس اثناء میں ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی اور آپ نے قبول فرمائی۔ بیعت اس طرح ہوئی۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور اس کے پنجے کو اپنے پنجے میں لے لیا۔ حضرت اقدس کا ہاتھ اُوپر تھا اور اس شخص کا نیچے۔ اس کے بعد فرمایا کہ عہد کرو اس ضعیف کے ساتھ اور اس کے شیخ کے ساتھ اور ان کے شیخ کے ساتھ اور تمام مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کہ میں اپنی آنکھوں کی حفاظت کروں گا اور اپنی زبان کی حفاظت کروں گا اور شریعت کی پابندی کروں گا۔ کیا تم یہ

[1] نیم صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے۔

چیز قبول کرتے ہو۔اس نے کہا جی ہاں قبول کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا۔الحمد للہ رب العلمین ۔اس کے بعد آپ نے قینچی اٹھائی اور تکبیر کہہ کر دائیں کان کے نزدیک کچھ بال کاٹ لئے۔ پھر بائیں طرف سے بھی کچھ بال کاٹے۔اس کے بعد تکبیر کہی اور کلاہ چارترکی (چارکونوں والی ٹوپی) اس کے سر پر رکھی اور فرمایا جاؤ ایک دوگانہ نفل ادا کرو۔ جب وہ نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا تو فرمایا کہ اگر اس شخص نے صدقِ دل سے توبہ کی ہے۔تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں درج کیا جائے گا اور کل قیامت کے دن ان کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جب وہ دوگانہ پڑھ کر واپس آیا تو آپ نے پہلی فرمائش یہ کی کہ پانچ وقت نماز پڑھا کرو جمعہ کا غسل اور نماز جمعہ کسی حالت میں ترک نہ کرنا۔ہاں شرعی عذر ہو تو اور بات ہے۔مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات نماز نفل تین سلام کے ساتھ پڑھا کرو اور ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد تین بار سورت اخلاص پڑھو۔اس کے بعد ایک دوگانہ نماز برائے سلامتی ایمان پڑھا کرو۔اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات بار سورت اخلاص ایک بار قل اعوذ برب الفلق اور ایک بار قل اَعوذُ بِرَبِّ النّاس پڑھو۔سلام پھیر کر سر سجدہ میں رکھو اور تین بار یہ کہو یَا حَیُّ ی قَیُّوم ثَبِّتِی عَلَی الایِمانِ (اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور سارے جہان کو قائم رکھنے والے مجھے ایمان پر ثابت قدم رکھو) اور نماز عشاء کے بعد ایک دوگانہ نفل ادا کیا کرو۔ ہر رکعت میں بعد سورت فاتحہ دس مرتبہ سورت اخلاص پڑھو اور سلام کے بعد ستّر بار یَاوَھّابُ یَاوَھّابُ پڑھو۔نیز ہر مہینے کی تیرھویں چودھیں اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھا کرو۔ یہ پہلی آزمائش ہے۔سو اگر کوئی شخص فوجی بننا چاہے تو اس کو تلوار تیر کمان کے سوا چارہ نہیں اسی طرح جو شخص علم سیکھنا چاہتا ہے۔اس کے لئے قلم دوات اور کاغذ کے سوا چارہ نہیں۔پس جو شخص صوفی بننا چاہتا ہے تو اسے صوفی کا دامن پکڑنا پڑے گا۔اور اُسے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے بعد میں پشیمانی ہو اور اس کا شیخ اس سے متنفر ہو اس کا کیا فائدہ؟

روزِ شنبہ ۳۰۔ ماہ رجب ۸۰۲ھ

تفسیر آیہ وَسَخَّر نَا لِسُلَیمَان

اس ضعیف کو شرف باریابی حاصل ہوا۔حق تعالیٰ کا قول وَسَخَّر نَا لِسُلَیمَان الرِّیح غدٗ

وُهـا شهر" وَرَوَحُهَا شَهر (ہم نے سلیمان کے لئے مسخر کر دیا ہوا کو اس طرح کہ صبح کو ایک ماہ کا راستہ چلتی تھی اور اُسی طرح شام کو ایک ماہ کا راستہ) پڑھ کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جس شخص کی روح شوق کے پروں سے اور قلب کی قوت سے پرواز کرے وہ تھوڑی دیر میں عرش پر پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ معراج پر اس تیزی سے تشریف لے گئے اور تشریف لے آئے کہ ابھی وضو کا پانی بہہ رہا تھا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' کو ایک دن دس سے زیادہ بار غنودگی لاحق ہوئی۔ کہتے ہیں تیرہ بار ہوئی۔ امیر خسرو شاعر موجود تھے۔ آپ نے فرمایا جس بار مجھے غنودگی ہوئی میں عرش پر گیا اور واپس آیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت سلطان المشائخ کی امیر خسرو پر اس قدر مہربانی تھی کہ یہ بات بھی اُن سے کہہ دی۔ آپ نے فرمایا ہاں اُن کے ساتھ خاص معاملہ تھا۔ کیونکہ وہ حضرت شیخ کی قدیمی دوستی میں پیوستہ تھے۔

شفقتِ شیخ

ظہر کی نماز کے وقت حضرت بندہ نواز سیّد محُمد گیسو دراز ؒ نے اس شفقت کا ذکر فرمایا جو شیخ الاسلام حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ کے ساتھ تھی۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز ؒ فرماتے ہیں کہ شروع میں میری خواہش یہ تھی جلدی جلدی حاضر خدمت ہوا کروں لیکن میرے پاس نذرانہ کے لئے رقم نہیں تھی۔ اور میں نے اپنے والد سے سُنا تھا کہ پیر کی خدمت میں بغیر نذرانہ نہیں جانا چاہیئے۔ میرے والد بزرگوار حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین ؒ کے اصحاب میرے والد کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ اُن سے بھی یہی دیکھا سُنا تھا نیز میرے بڑے بھائی کا ایک کام تھا اس کام کی خاطر میں ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین ؒ کی خدمت میں لے جایا کرتا تھا۔ وہ دیر لگا دیتے تھے۔ اس لئے ہم وہاں بے گاہ پہنچتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت اقدسؒ نے بھی فرمایا کہ تم لوگ ہر بار بے گاہ آتے ہو۔ اور مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں ایک حکایت سناتا ہوں۔ اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ میں حیران ہوا اور دل میں کہا سُبحان اللہ! میری خوش قسمتی ہے کہ حضرت خواجہ مجھ سے حکایت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایک دفعہ میں بعد اشراق حاضر خدمت تھا۔ فرمایا جو وضو تم فجر کی نماز کے لئے کرتے ہو کیا وہ سورج نکلنے

کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ حضرت اقدس کی دعا سے باقی رہتا ہے۔ فرمایا اچھا ہوا اُسی وضو سے اشراق کا ایک دوگانہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضور پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اشراق کے ساتھ ایک دوگانہ شکر النہار (دن کے شکریہ کے لئے) استعاذہ (امن) کے لیے اور استخارہ (طلب خیر) کے لئے بھی پڑھا کرو۔ جب میں کچھ عرصہ اس کام پر عمل کر چکا تو ایک دن فرمایا کہ اشراق کے دوگانہ ادا کرتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اس کے ساتھ چار رکعت چاشت بھی شامل کرلو۔ نیز میں ہمیشہ رجب کے روزے رکھتا تھا۔ ایک دن فرمایا کہ کیا تم رجب کے روزے رکھتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کہ شعبان کے روزے بھی رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا شعبان کے صرف نو روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا۔ اکیس روزے مزید رکھ کر مہینہ پورا کرلو تو تین ماہ مسلسل کے روزہ دار بن جاؤ گے [1]۔ عرض کیا حضرت خواجہ کی برکت دعا سے رکھا کروں گا۔

جب میں نے یہ بات اپنے والد سے کہی اُس وقت وہ حضرت شیخ سے نہیں ملے تھے تو وہ بہت خفا ہوئے اور مجھے بُرا بھلا کہا۔ میں نے کہا آپ کا جو جی چاہے کہتے رہیں لیکن میں شیخ کے فرمان سے باز نہیں آؤں گا۔ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھتا تھا۔ اُن دنوں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہمارے مشائخ صوم داؤدی [2] نہیں رکھتے تھے بلکہ صوم دوام [3] رکھتے تھے۔ تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔

مرض کا علاج کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا

اس کے بعد دوائی کے اثرات کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا دوائی میں بذات خود کوئی اثر نہیں بلکہ اگر اللہ چاہتا ہے تو جو تاثیر دوائی میں ہوتی ہے وہ اثر کرتی ہے اور صحت ہو جاتی ہے۔ اگر تقدیر میں نہیں ہوتا تو دوائی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ آیا علاج کرنا تقدیر پر ایمان رکھنے کے خلاف ہے۔ فرمان ہوا کہ نہیں۔ اس کے بعد پوچھا کہ ہمارے طبیبوں کا کیا حال ہے۔ فرمایا رزق اپنا کھاتے ہیں اور میرے بندوں کا دل

---

1 سبحان اللہ! کیا ہی اچھا طریقہ ہے تربیت مریدین کا کہ یکبارگی عبادت ومجاہدہ کا بوجھ نہیں ڈالتے بلکہ آہستہ آہستہ بڑھاتے جا رہے ہیں۔ نیز چھوٹی عمر کا خیال بھی رکھ رہے ہیں۔

2 صوم داؤدی سے مراد ہے ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا۔

3 صوم دوام کا مطلب ہے مسلسل روزے رکھنا۔

خوش کرتے ہیں۔ اس وقت شیخ سیعد کنبائتی کے بیٹے عمر موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور علاج کرنا بہتر ہے یا ترکِ علاج کیونکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو نہ دوائی استعمال کرتے ہیں نہ علاج کراتے ہیں بلکہ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترکِ علاج بہتر ہے۔ کتاب حدیث میں یہ آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو دوائی کی ہانڈی جوش مار رہی تھی اگر چہ آنحضرت ﷺ نے علاج نہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ لیکن ہمارے لئے بہتر وہی کام ہے جو آنحضرت ﷺ نے خود کیا۔

عشاء کی نماز کے وقت ایک خادم حاضر خدمت ہوا۔ وہ مردِ پرخلوص، راسخ العقیدہ اور قابلِ اعتبار تھا۔ آپ نے اس کے مناسب حال فرمایا کہ نبوت شریف اور اصیل (یعنی اعلیٰ نسب والا) کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔ لیکن ولایت شریف اور اصیل پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے لوگ جو تلاش کرتے ہیں پاتے ہیں۔ لیکن قربت اور ولایت خلاصہ نبوت ہے نبی کو پہلے ولایت ملتی ہے اس کے بعد نبوت ملتی ہے۔ ولایت کے بغیر کوئی نبی نبی نہیں ہوتا۔ (اس کے برعکس) جن لوگوں کو ابدال سے ملنے کا موقعہ ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ دانشور دانشور زادہ، شیخ، شیخ زادہ، بزرگ اور بزرگ زادہ نہیں ہوتے بلکہ عام لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں بعض سیّد بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اکثریت پیشہ ور لوگوں کی ہوتی ہے۔ مثلاً موچی، درزی اور برتن بنانے والے ہوتے ہیں۔

اِسلام قبول کرنے کے بیان میں

اسلام قبول کرنے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو شخص شروع میں اپنے خویش واقارب، ماں باپ، احباب، وغیرہ کی مخالفت اور دشمنی کے باوجود اسلام قبول کرتا ہے۔ وہ صدق اور اخلاص سے یہ کام کرتا ہے۔ لیکن جو شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اس کے ماں باپ مسلمان ہیں اُسے دین ورثے میں ملتا ہے اور دین کے کام اس کے لئے عام عادت اور معمول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا اِسلام لانا

فرمایا حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے دو وجوہات بتائے جاتے ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ایّام جاہلیت میں آپ شراب خور، اور جوا باز تھے۔ ایک دن آپ کلال کے گھر گئے لیکن شراب نہ مل سکا۔ اس

کے بعد جوابازوں کے مقام پر گئے وہ بھی نہ ملے۔دل میں کہنے لگے کہ آج مُحمد سے بتوں اور باپ دادا کی بے حرمتی کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔وہ رات کے وقت خانہ کعبہ میں آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہتے ہیں ا آدمی رات کے وقت جا کر تلوار سے اُن کا سر کاٹ دوں گا۔کون جانتا ہے کہ کس نے قتل کیا۔چنانچہ تلوار ہاتھ میں لئے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔رسول خداﷺ بیٹھے عبادت میں مشغول تھے۔جب قریب پہنچے تو رسول خداﷺ کی آواز کان میں پڑی اور بہت اچھی لگی۔چونکہ آنحضرت ﷺ کی آواز بے حد رسیلی، دلکش اور پُر لطف تھی جونہی کان میں پہنچتی تھی۔دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتی تھی۔نیز آنحضرتﷺ قرآن مجید کی جو آیت تلاوت فرما رہے تھے۔وہ بہت فصیح و بلیغ تھی۔عین اس وقت بجلی کی چمک ہوئی اور حضرت عمرؓ کی نظر آنحضرتﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑی اور جمال جہاں آراء کا مشاہدہ کرتے ہی دل و جان سے فریفتہ ہو گئے اور دل میں کہنے لگے کہ!

وَاللہ صَوت" ملیح" و کلام" فصیح" و وجہ" صبیح" ما ھذا وجہُ لکذّاب

خدا کی قسم کیا ہی رسیلی آواز ہے کیا ہی فصیح کلام اور کیا ہی خوبصورت چہرہ ہے۔جھوٹے دعویدار کا یہ چہرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

آدھی رات کے وقت یہ شخص تن تنہا اپنے معبود کے ساتھ عجز و انکسار کے ساتھ مشغول ہے یہ کسی آوارہ آدمی کا کام نہیں ہے۔اس سے حضرت عمرؓ کے دل میں اسلام کی طرف میلان ہوا اور چاہا کہ اُسی وقت آگے بڑھ کر ایمان لے آئے۔لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ ان کے وقت خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔تھوڑی دیر انتظار کر لیتا ہوں تا کہ خود فارغ ہو جائیں اور میں مسلمان ہو جاؤں۔جب رسول اللہﷺ فارغ ہوئے تو وہ آپ کے پیچھے ہو لئے۔جب اُن کے پاؤں کی آہٹ آنحضرتﷺ کے کانوں میں پہنچی تو چونکہ آپ کو عمر اور ابوجہل سے اندیشہ رہتا تھا۔کیونکہ دونوں آپ کے مخالف تھے۔آپ نے دریافت فرمایا کہ کون ہو۔انہوں نے جواب دیا میں عمر ہوں یارسول اللہ۔عمر کا نام سُن کر آپ کو اندیشہ لاحق ہوا لیکن جب لفظ یارسول اللہ سُنا تو آنحضرت ﷺ کھڑے ہو گئے۔حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر کہا کہ آپ حق پر ہیں اور جو کچھ آپ کہتے ہیں سچ ہے اور حق ہے۔آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے مجھے اس سے مطلع کریں تا کہ میں ایمان لے آؤں۔رسول اللہﷺ نے وہیں کھڑے ہوئے دعوتِ اسلام دی اور حضرت عمرؓ نے قبول کر لی۔

دوسری روایت

دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابو جہل نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے عمر تم اتنے بہادر ہو اور تمہارے دل میں آباؤ اجداد اور بتوں کی اس قدر محبت ہے۔ محمدؐ کے بارے میں تم نے کچھ نہیں کیا۔ ہمارے اندر ایک جوان اٹھا ہے اور ہمارے اسلاف کو بُرا کہتا ہے۔ بتوں کی توہین کرتا ہے۔ اور ہمارے دین کو باطل کہتا ہے۔ لیکن ہم کچھ نہیں کرر ہے۔ ابو طالب ہمارا کیا کر لے گا۔ اگر اسلاف اور معبودوں کی وجہ سے عداوت ہوتی ہے۔ تو ہونے دو۔ عمر نے جوش میں آ کر کہا کہ آج کا دن وہ دن ہے کہ میری تلوار ہوگی اور محمدؐ کی گردن۔ اُسے قتل کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ انہوں نے اپنے اس ارادہ سے اپنے والد خطاب کو بھی مطلع کیا۔ انہوں نے بھی ہمت دلائی کہ یہ کارِ خیر ہے۔ محمدؐ سے خلاصی اس کام کے سوا نہیں ہو سکتی۔ اس کام میں معاونت کی خاطر عمر اپنے داماد کے پاس گئے۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اور اُن کی بیٹی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں۔ ان کے داماد کے گھر میں زید حارثہؓ آئے ہوئے تھے اور سورہ طٰہٰ کی چند آیات اُن سے پڑھ رہے تھے۔ عمر کے اندر آتے ہی انہوں نے وہ کاغذ چھپا لیا اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ عمر سمجھ گئے یہ لوگ کوئی کام کر رہے تھے اور میرے آنے سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہم کچھ نہیں کر رہے تھے۔ جب حضرت عمر نے اصرار کیا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے چند آیات نازل ہوئی ہیں۔ اور زید حارثہ مجھے ان کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تم ایمان لا چکے ہو۔ داماد نے جواب دیا کہ ہاں ہم ایمان لا چکے ہیں۔ یہ سُنتے ہی غیض و غضب کی آگ ان کے دل میں بھڑک اُٹھی اور ان کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرا دیا اور اس زور سے مارا کہ چہرہ اور سر پھوٹ گیا اور لہولہان ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہ ہاں بتاؤ کہ اب تم محمدؐ کے دین سے منکر ہو کر اپنے باپ دادا کے دین پر واپس آتے ہو یا نہیں؟

داماد نے کہا اے عمر یہ دین اسلام وہ دین نہیں ہے کہ اس کو ترک کیا جا سکے تم جس قدر مجھے مار رہے تھے میرے دل میں یہ خواہش تھی اس دین پر قربان ہو جاؤں جب حضرت عمرؓ نے یہ بات سُنی تو دل میں کہنے لگے کہ یہ ہمت و استقلال جھوٹے دین کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اپنی بیٹی سے کہا کہ یہ

کاغذ مجھے دو میں خود پڑھوں گا انہوں نے جواب دیا کہ ابا جان! ہمارا دستور یہ ہے کہ بغیر وضو اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ آپ کو کفر کی نجاست لگی ہوئی ہے آپ کو کیسے یہ چیز دے سکتی ہوں۔ یہ بات سُن کر وہ مزید سوچ بچار میں چلے گئے اور دل میں کہنے لگے کہ میری بیٹی ہو کر مجھ سے کس قدر سخت کلامی کر رہی ہے۔ آخر بیٹی سے پوچھا کہ وضو کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاتھ منہ اور پاؤں دھوئے جاتے ہیں اور سر کا مسح کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر نے کہا اچھا تم پڑھو اور میں سُنتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور حضرت عمر سننے لگے اور حیران ہو کر کہا کہ وللہ ماھذا کلام البشر (خدا کی قسم یہ انسان کا کلام نہیں ہے) پھر کہا کہ محمد کہاں ہے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو تا کہ ایمان لے آؤں۔ کیونکہ ان کا دین برحق ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ چند اصحاب کے ساتھ زید ارقمؓ کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور احادیث بیان کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ زید ارقمؓ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دی کہ عمر تلوار بغل میں لئے آ رہے ہیں۔ یہ سُن کر امیر حمزہؓ نے اپنی تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ واللہ اگر صلح کے لئے آ رہا ہے تو درست ورنہ میری تلوار ہو گی اور عمر کی گردن۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے چچا جان! تلوار میان میں ڈال دیں۔ آپ کو عمر سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جانوں اور عمر۔ جب عمر آپ کے سامنے آئے تو آپ نے ان کا استقبال فرمایا اور ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔

جب عمرؓ نے آپ کا رُخ انور دیکھا تو چلا اُٹھے کہ واللہ ماھذا اوجہ الکذاب (خدا کی قسم یہ کسی جھوٹے کذّاب کا چہرہ نہیں ہو سکتا) یہ کہہ کر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور مشرف با اسلام ہوئے۔ جب تمام صحابہ کرام بیٹھ گئے تو اُسی وقت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ عمر سے کہہ دیں کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے عمر! تم جس سے راضی ہو گے اللہ اس سے راضی ہو گا اور تم جس سے نارض ہو گے۔ اللہ اس سے ناراض ہو گا۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت خواجہؒ نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دن ہم نے اپنے شیخ (حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی قدس سرہ) سے دریافت کیا کہ آیا یہ جائز ہے کہ کوئی مرید اپنے پیر کی زندگی میں کسی حاجت یا مُراد کی خاطر کسی دوسرے پیر کی طرف رجوع کرے یا اس کی زیارت کے لئے جائے۔ اور اس سے کچھ طلب کرے۔ حضرت اقدس نے فرمایا بابا سیّد یہ اعتقاد کی بات ہے۔ یہ بات جائز ضرور ہے لیکن جو نعمت ملے۔ مرید یہ سمجھے کہ میرے پیر کی طرف سے ملی ہے۔ اور یہ

دوسرے پیر درمیان میں سبب اور واسطہ ہیں۔ مشائخ بعض اوقات ایسی بات کہتے ہیں۔ جو کسی خاص شرط یا سبب پر موقوف ہوتی ہے۔ شاید اس شرط اور سبب کا تعلق اُسی دوسرے شیخ سے ہوتا ہے۔
حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمارے شیخ حضرت خواجہ فرید الدین گنج قدس سرہٗ کو خلقِ خدا کی ہدایت کا منصب سُپرد ہوا تو آپ نے شہر (دہلی) میں آ کر احاطہ شیخ رسن اولیاء میں جو دروازہ حوض رانی سے باہر ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت میں ایک چلّہ کیا۔ اُسی دن ایک شخص نے شیخ کی پائنتی کی طرف ایک نیم کا درخت لگا دیا۔ جب حضرت شیخ نے چلّہ ختم کیا تو درخت کی شاخیں اور پتے نکل آئے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ نے حضرتِ شیخ کی خدمت میں آہ وزاری کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور چالیس دن میں اس درخت کے پروبال نکل آئے ہیں۔ لیکن بندۂ نظام کو جو حق تعالیٰ کی جستجو میں حضور کی خدمت میں آیا ہے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ کہہ کر واپس جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مجذوب نظر آیا۔ مجذوب نے شیخ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) کی طرف رجوع کیا۔ لیکن آپ ایک طرف ہو گئے۔ اس نے دوسری بار رجوع کیا تو آپ نے پھر بھی ٹال دیا۔ جب اس نے تیسری بار نزدیک آنے کی کوشش کی تو میں نے مزاحمت نہ کی۔ مجذوب نے آتے ہی آپ کو گلے لگا لیا اور کہنے لگا آپ کے سینے سے حق تعالیٰ کی محبت کی بُو آ رہی ہے۔ اس وقت مجذوب کے جسم سے کوئی عفونت نہیں آ رہی تھی۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اُس وقت تو مجھے کچھ محسوس نہ ہوا۔ لیکن آدھی رات کے وقت اس کا بہت اثر ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ فرید الدینؒ نے اپنی نعمت اس مجذوب کے ذریعے عطا فرمائی تھی۔ جس کا ظہور ایک خاص سبب اور شرط یعنی زیارت احاطہ شیخ رسن اولیاء سے ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پیروں کے ساتھ اعتقاد رکھنے کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔ سب سے پہلے اعتقاد کی درستی کرنی چاہیے۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ کی خدمت میں بغرض طلب راہ خدا حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں کہوں گا تم نہیں کر سکو گے۔ اس نے کہا کروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا چالیس دن کے لئے حجرہ میں بیٹھ کر بلند آواز سے یہ ذکر کرو لا الـه الا الـلـه شبلی رسول الله اس نے اس پر عمل کیا۔ چالیس دن کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے اعتقاد کا امتحان لے رہا تھا۔ کیونکہ اعتقاد کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ رسول خدا مُحمّد برحق ہیں لیکن ہم لوگ خدا کے اولیاء ہیں اور انبیاء علیہم

السلام خدا کے سفراء (جمع سفیر) یعنی پیام بر اور قاصد ہوتے ہیں۔اب کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کے بعد فرمایا کہ ایک صوفی روتا ہوا ہمارے شیخ علیہ رحمہ کے پاس آیا۔آپ نے پوچھا کہ تم کس وجہ سے رو رہے ہو۔اس نے کہا محبوب کی طلب میں۔حضرت اقدس کو یہ بات اس قدر پسند آئی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔آپ نے فرمایا جب تک تم تعلیم حاصل کر رہے ہو۔تمہیں مطلوب حاصل نہیں ہوگا۔تعلیم کے بعد حاصل ہوگا۔کاتب حروف (یعنی حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے بیٹے جنہوں نے حضرت اقدس کے یہ ملفوظات جمع کئے) عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت بندہ نواز کا اپنا واقعہ ہے اور حاضرین مجلس کی وجہ سے غیب کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔اور اکثر مشائخ نے یہی روش اختیار کی ہے۔

نیز فرمایا کہ مقصود و مطلوب طالبان کی کوئی حد نہیں ہے جو شخص آتا ہے اس کا دل محبوب کی محبت میں خون ہو چکا ہے۔حضرت سلطان ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سات سو مشائخ کی خدمت کی اور اپنے مطلوب کی تمنا سب کے سامنے کی۔سب نے جواب دیا کہ اے بایزید جو بات تم کہتے ہو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔آخر جب میں حضرت امام صادقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مطلوب کو پالیا۔حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا یہ چیز ہمارے خاندان کے سوا کہیں نہیں ہے بعض کہتے کہ ان کی یہ ملاقات اویسی طور پر ہوئی کہ ظاہری جسمانی طور پر۔

روز دوشنبہ ۲۔شعبان المعظم

فضول خرچی

فضول خرچی کی قباحت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔آپ نے فرمایا۔

چادرِ مریم مدوز شیث را مہمان مخواں [1]

حضرت مریم علیہ السلام کی چادر کو مت سی اور حضرت شیشت علیہ السلام کو مہمانی کی دعوت نہ دے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنائے دل سے دیا جائے یعنی بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کے دینے میں تکلیف نہ ہو۔رنج نہ ہو۔اور دینے کے بعد تردّد اور تزلزل نہ ہو، دل ملامت نہ کرے اور انقباض نہ ہو۔

[1] یعنی جو اُمور تجھ سے متعلق نہیں ہیں انکا فکر نہ کر اور خواہ مخواہ وقت اور روپیہ برباد نہ کر۔اپنے دائرہ کار میں رہ کر فرائض بندگی ادا کر۔

نیز درویشوں اور دنیاداروں کے درمیان کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ اور خواجہ ابوعثمان خیری تاجروں کے بیٹے تھے۔ حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ ایک امیر کے بیٹے تھے اور اپنے والد کی مسند پر بیٹھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ (ہروی) جن کے کلمات بہت مشہور ہیں وغیرہ بھی۔ غرضیکہ اکثر و بیشتر پیشہ وروں کے بیٹے تھے' علما' فقہا اور دانشور ہوئے ہیں۔

پانچ شخص نادر ہوتے ہیں

بزرگوں نے فرمایا کہ پانچ شخص کمیاب ہوتے ہیں۔

اول وہ جو جوانی میں توبہ کرے۔

دوم وہ جو فقیر یعنی مفلس ہو لیکن اپنے فقر پر خدا کا شکر ادا کرے اور اس پر فخر کرے[1] کیونکہ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ

لولاشرف التواضع مکان من حق الفقیر اَن یتبختر فی مشتہٖ

(اگر عاجزی باعث شرف وفضیلت نہ ہوتی تو فقیر کو حق حاصل تھا کہ رفتار میں بھی فقر کو ظاہر کرتا[2])

سوم وہ دولت مند جو تواضع یعنی عجز وانکسار سے لوگوں کو پیش آئے اور اپنی دولت پر ناز نہ کرے۔

چہارم وہ فقیہہ جو تصوف اختیار کرے یعنی پہلے فقیہہ ہو پھر صوفی ہو۔

پنجم وہ جو اعلیٰ نسب رکھتا ہو۔ لیکن آباؤاجداد پر فخر نہ کرتا ہو[3]۔ بلکہ دوسروں کو بھی بڑا اور مکرم سمجھے۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کا بچپن میں انکسار

روایت ہے کہ بچپن کے زمانے میں شیخ ابوسعید ابوالخیر تعلیم کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ خواجہ لقمان سرخسیؒ دھوپ میں بیٹھے گدڑی سی رہے ہیں اور مصروفیت کی وجہ سے سر اُوپر نہیں اٹھا رہے۔ ابوسعید ابوالخیر ان کے نزدیک جا کر کھڑے ہو گئے تا کہ اُن پر سایہ ہو جائے اور دھوپ نہ لگے۔

---

[1] جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الفقرُ فخری۔ درویشی میرا فخر ہے۔

[2] یعنی فقر اس قدر باعث فخر دولت ہے کہ فقیر بھی اکڑ کر چلتے لیکن عجز وانکسار کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرتے۔ کیونکہ انکسار بھی بڑی دولت ہے۔

[3] جیسا کہ مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے۔ بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ ایک بخیہ تمہارے نام پر لگاتا ہوں۔ ابوسعید ابوالخیر نے کہا' زہے قسمت وزہے سعادت۔ چنانچہ انہوں نے ایک بخیہ ابوسعیدؒ کے نام پر لگایا اس کے بعد خواجہ لقمان ان کا ہاتھ پکڑ کر شیخ ابوالفضلؒ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ آپ اس کی تربیت کریں۔ چنانچہ شیخ ابوالفضل نے ان کو پہلے دن اپنے ساتھ رکھا اور جو کچھ خود کیا اُن سے بھی کرایا۔ اشراق کے وقت کہا کہ ابوسعید میں نماز اشراق پڑھتا ہوں تم بھی پڑھو۔ اسی طرح چاشت اور باقی وقتوں میں۔ جب کھانا کھانے لگے تو فرمایا کہ میں کھانا کھاتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا اچھا جاؤ تعلیم حاصل کرو۔ انہوں نے امامِ جوَمینی کے پاس جا کر تعلیم شروع کی۔ پہلے دن کے سبق میں یہ آیت پڑھی۔

قُل اللہ ثُمَّ ذَرھُم فی خَوضِھِم یَلعَبون

(اللہ کہو اور ان کو ترک کر دو)

استاد نے کہا ابوسعید افسوس ہے کہ تم وہ کام چھوڑ کر اس کام کی طرف آئے ہو۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ تجھے اسی کام کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر دوبارہ حضرت شیخ ابوالفضل کی خدمت میں عجز وانکسار کے ساتھ حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ اے ابوسعید۔

مُشک شدہَ نمے شناسی چپ وراست

(تم سراپا مشک (خوشبو بن چکے ہو اور دائیں بائیں کسی چیز کو نہیں جانتے) چنانچہ تعلیم چھوڑ کر وہ ابوالفضل کی خدمت میں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ابوالفضل کا انتقال ہو گیا اور شیخ ابوسعید ابوالخیر خام رہ گئے۔ کچھ عرصہ اسی حالت میں رہے ایک دن اپنے باپ کے ساتھ جمعہ کے دن مسجد کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں شیخ آل یٰسین سے ملاقات ہوئی۔ ابوسعید نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ مجھے ان کے پاؤں میں ڈال دیں۔ باپ نے ایسا ہی کیا اور بیٹے کو شیخ کے سپرد کر دیا۔ شیخ نے ابوسعید سے فرمایا کہ اس طاق میں کچھ پڑا ہے۔ اٹھا لاؤ۔ ابوسعید نے طاق میں ہاتھ ڈال کر ایک روٹی اٹھا لی جو بالکل گرم تھی۔ انہوں نے روٹی شیخ کے آگے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر شیخ نے فرمایا کہ یہ بچہ بڑا صاحب کمال ہو گا[1]۔ اس کے بعد وہ شیخ کی خدمت میں رہنے لگے۔

1 شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ روٹی میں نے ایک سال پہلے یہاں رکھی تھی جو ابوسعید ابوالخیر کے ہاتھ لگانے سے گرم اور تروتازہ ہو گئی ہے۔

کچھ عرصہ بعد شیخ کو اس شہر سے دوسرے شہر میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ابوسعید نے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ یہاں تمہارے ماں باپ رہتے ہیں۔ تم اُن کے ساتھ رہو۔ میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ ابوسعید نے اپنے والد کے پاس جا کر کہا کہ آپ مجھے شیخ کے پاس لے چلیں اور اُن سے عرض کریں کہ مجھے قبول فرمائیں ورنہ میں کنویں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلوں گا۔ ان کے والد نے شیخ کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ خدا کے واسطے اس کو ساتھ لے جائیں ورنہ خودکشی کرلے گا۔ یہ سُن کر شیخ نے ان کو قبول کیا اور اپنے ساتھ صحرا میں لے گئے وہاں ایک پانی کا تالاب تھا۔ شیخ ابوسعید سے فرمایا کہ تم یہاں رہ جاؤ اور اس پانی پر اکتفا کرو۔ جب بھوک لگے تو درخت کے پتے کھالیا کرو۔ میں ہفتے میں ایک بار تمہارے پاس آ کر حال معلوم کیا کروں گا۔

ابوسعید ابوالخیر کے چلے جانے کے بعد ان کے والدین کا بُرا حال ہو گیا۔ والد دیوانہ وار صحرا میں جا کر بیٹے کی تلاش میں مصروف ہو گیا اور والدہ قریب المرگ ہو گئی۔ ایک دن شیخ نے ابوسعید کے پاس آ کر کہا کہ کل تمہارے والد یہاں آئیں گے۔ اگر ان کو معلوم ہو گیا کہ تم درخت کے پتے کھا کر گزارہ کر رہے ہو تو بہت غمزدہ ہوں گے۔ کل تمہارے لئے طعام کا خوانچہ غیب سے آئے گا۔ جس میں شہد سفید، نان سفید قلیہ اور حلوہ اور گوشت بریاں ہو گا۔ جب تمہارے والد دریافت کریں کہ تم کیا کھاتے ہو تو یہ جواب دینا کہ غیب سے میرے پاس طعام آتا ہے۔ اور والد کی بات مان کر ان کے ساتھ چلے جانا۔ یہ کہنا تھا کہ غیب سے طعام کا خوانچہ آیا اور اس میں وہی چیزیں تھیں جو شیخ نے بتائی تھیں۔ باپ بیٹے نے مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد باپ نے کہا کہ بیٹا تمہاری والدہ کا بُرا حال ہے۔ قریب المرگ پہنچ چکی ہے۔ اگر اس کے حال پر رحم کرو اور میرے ساتھ چلو تو بہتر ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے شیخ نے فرمایا ہے کہ اگر تجھے تمہارے باپ یہ کہیں کہ والدہ ہلاک ہونے والی ہے۔ میرے ساتھ چلو تو تم ان کی بات مان لینا اور چلے جانا۔ چنانچہ وہ اپنے والد کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جس روز اپنے شہر میں پہنچے۔ اس سے ایک دن پہلے یہ منادی کر دی گئی کہ کل ابوسعید آ رہا ہے۔ چنانچہ سارا شہر آپ کے استقبال کے لئے نکل آیا اور نہایت عزّت و تکریم کے ساتھ ان کے گھر لے گئے۔

قباحتِ دُنیا

کھانا کھاتے وقت دینا کی قباحت اور زبوں حالی پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا

کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے بھائی بہن ماں باپ اور خویش و اقارب کے درمیان جُدائی اور عداوت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کہ اُبیا حضرت داوٗد علیہ السّلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا اور طالوتؒ کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام سے پہلے طالوتؒ بنی اسرائیل کے بادشاہ تھے۔ جب حضرت داوٗد علیہ السلام ذلّت میں مبتلا ہوئے تو آپ توبہ میں مشغول ہو گئے جس سے ملک کا حال خراب ہو گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ان کے بیٹے اُبیا کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ ملک پر حکمرانی کرنے لگے۔ ان کے اراکین سلطنت نے مشورہ دیا کہ جب تک آپ اپنے باپ کو ختم نہیں کریں گے۔ آپ کی بادشاہی پکی نہیں ہو گی۔ لیکن اُبیا نے یہ بات قبول نہ کی اور فکر مند ہو گئے کہ کیا کرنا چاہیے۔ جب اس بات کی اطلاع حضرت داوٗد علیہ السلام کو ہوئی تو آپ نے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ کبھی تم نے یہ بھی سُنا ہے کہ بیٹا باپ کو قتل کرے۔ بیٹے نے جواب میں کہلا بھیجا کہ کبھی آپ نے یہ بھی سُنا ہے کہ ایک پیغمبر ذلّت میں مبتلا ہو جائے اور اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو۔ بیٹے کے اس تلخ جواب سے حضرت داوٗد علیہ السلام مزید پریشان ہو گئے۔ اسی اثناء میں آپکی توبہ قبول ہو گئی اور اراکین سلطنت کو لکھا کہ اب میرے پاس آوٗ تا کہ ملک کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ سب لوگ ان کے ساتھ مل گئے اور ملک کی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔ اس سے ان کا بیٹا مخالفت پر اُتر آیا اور جنگ کرنے لگا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اس کے تعاقب کے لئے فوجی بھیجے اور حکم دیا کہ اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بال بہت لمبے تھے جو بھاگتے وقت جھاڑیوں میں پھنس گئے۔ یہ دیکھ کر ایک آدمی نے تلوار نکالی اور اس کا سر قلم کر دیا۔ جب اس نے اُبیا کا سر داوٗد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ زندہ گرفتار کر کے لے آنا۔ تم نے اسے قتل کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا کہ قصاص کا حکم یہ ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے۔

ایک روایت یہ ہے کہ وہ قتل نہ ہوا تھا بلکہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیّت کی تھی کہ قصاص کے حکم کے مطابق اسے قتل کر دیا جائے۔

روز چہار شنبہ ۴ ۔ ماہ شعبان

عصر کی نماز کے وقت یہ کمترین خدمت گار حاضر خدمت ہوا۔ حضرت اقدس کے برادر زادہ

یعنی حضرت سیّد ابو المعالی کے فرزند سیّد السدات سیّد احمد بھی موجود تھے۔

دو غاروں سے بچنے کی تاکید

آپ نے دریافت فرمایا کہ اس ترکیب کے کیا معنی ہیں غار الغاران غار ذوی الغیر ان یہ سُن کر سب حیران رہ گئے۔ سیّد احمد نے عرض کیا کہ حضور اس کے معنی خود بیان فرمائیں آپ نے فرمایا کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دو غاروں نے یعنی غار شکم اور غارِ فرج (شرمگاہ) نے غار نشینوں کو غارت کر دیا۔ پہلا غار فعل ماضی ہے مصدر غارۃ سے جس کا مطلب ہے غارت کیا۔ غاران سے مراد دو غار ہیں۔ ایک غار شکم' دوسری غار فرج۔ ذوی الغیر ان سے مراد نماز نشین یعنی گوشہ نشین ہے۔اس کے بعد اس احقر نے عرض کیا کہ حضور نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ "ثلث" فیھنَّ تخصیص والتعمیم' کریم' کریم' کریم"

ایک ہی لفظ کریم' کریم' کریم کے مختلف معنی

مطلب یہ ہے کہ تین ایسے لفظ ہیں جن میں تخصیص بھی ہے اور تعمیم بھی (یعنی شکل ایک ہے لیکن معنی مختلف رکھتے ہیں) اور وہ الفاظ ہیں کریم' کریم' کریم۔

"پہلے کریم" میں کاف کا زائدہ اور جارہ ہے اور اس کا مدخول جملہ ہے اور "ریم" فعل مجہول ہے "روم" سے جس طرح "قیل" فعل مجہول ہے "قول" سے۔

دوسرا لفظ "کریم" لفظ "کرامت" سے مشتق ہے بروزن "فعیل" اور مفعول لم یُسَمَّ فاعلہ (وہ مفعول جس کا فاعل معلوم نہ ہو جیسے مارا ہوا) کے قائدہ کے مطابق مرفوع ہے۔

تیسرے لفظ "کریم" میں کاف جارہ ہے اور "ریم" اسم ہے جس کے معنی ہیں آہو (ہرن) چنانچہ اس جملے کے اعراب یوں ہوں گے۔ کریم اوّل میں میم پر فتح بغیر تنوین' دوسرے "کریم" میں میم پر رفع (ﹸ) با تنوین اور تیسرے "کریم" میں میم پر جَر با تنوین اس جملے کے معنی یہ ہوئے۔

"طلب کیا گیا ایک بزرگ جو آہو یعنی ہرن کی طرح خوش شکل اور تیز تھا"۔

یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ بات بھی میں نے کہی تھی۔

روز پنجشنبہ ۵۔ ماہ شعبان ۸۰۲ھ

حضرت بی بی فاطمہ سامؒ

حضرت بی بی فاطمہ سامؒ کا ذکر ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ ان کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں موت کے بعد کا۔ فرمایا کہ ایک دن میں حسبِ معمول حضرت رب العزت کی درگاہ میں جارہی تھی۔ جب عالم ملکوت سے گذر رہی تھی تو ایک فرشتے نے کہا تم کون ہو۔ یہاں رُک جاؤ۔ کس طرح بے باک ہو کر جارہی ہو۔ یہ سُن کر میں وہاں بیٹھ گئی اور قسم کھائی کہ جب تک حق تعالیٰ مجھے خود طلب نہیں کریں گے آگے نہیں جاؤں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضر بت بی بی خدیجہؓ اور حضرت بی بی فاطمہؓ تشریف لائیں۔ میں نے اُن کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ انہوں نے کہا اے فاطمہ آج تمہاری برابری کون کرسکتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپکی کنیز ہوں میرے لئے فخر کی بات ہے۔ کہ آپ جیسی پاک ہستیاں میرے پاس تشریف لائیں ہیں۔ لیکن میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک حق تعالیٰ بلا واسطہ خود طلب نہیں کریں گے آگے نہیں جاؤں گی۔ یہ سُن کر وہ دونوں بیبیاں حضرت حق تعالیٰ کی درگاہ میں گئیں اور جا کر عرض کیا کہ حضور جانتے ہیں کہ فاطمہ نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ مجھے بلا واسطہ طلب نہیں فرماویں گے نہیں جاؤں گی۔ فرمان ہوا کہ فاطمہ سچ کہتی ہے تم لوگ درمیان سے ہٹ جاؤ۔ اس کے بعد اِلیَّ اِلیَّ (میرے طرف آؤ' میری طرف آؤ) کی آواز آئی۔ یہ آواز سنتے ہی میں کھڑی ہوگئی۔ اور حضرت تعالیٰ کے دربار میں پہنچ گئی اور عرض کیا کہ خداوند! تیری دربار میں ایسے بے ادب بھی ہیں جو آنے والوں کو نہیں پہنچانتے۔ یہ بات کہہ کر حضرت شیخ نے ایک آہ بھری۔ اس کمترین کا خیال ہے کہ یہ حکایت حضرت شیخ کے اپنے متعلق ہے لیکن اپنی قدیم عادت کے مطابق آپ نے صیغہ غیب اختیار فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی سچی مرید عورت کو دیکھنا چاہے تو فاطمہ سامؒ کو دیکھ لے۔ حضرت شیخ الاسلام نظام الدینؒ ہر ماہ انکی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ فرمایا اُن کا روضہ کبھی ابدالوں سے خالی نہیں ہوتا۔ جیسا

کہ حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کا احاطہ۔ ان کی زندگی میں بھی ہر وقت ابدال کا مجمع ہوتا تھا اور ساری خلقِ خدا بھی جمع ہوتی تھی۔ نیز اس وقت کے مشائخ بھی حضرت بی بی فاطمہ سامؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت بی بی رابعہ بصریؒ کی خدمت میں آتے تھے۔

محب صادق کون ہے' رابعہ بصریؒ کا بہترین خواب

فرمایا ایک دفعہ رابعہ بصری بیمار ہوئیں تو حضرت خواجہ حسن بصریؒ سلطان ابراہیم ادھم اور ذوالنون مصری علیہم الرحمہ طبع پرسی کے لئے گئے۔ رابعہ نے سوال کیا کہ محبِ صادق کی کیا علامت ہے' خواجہ حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ جو شخص اپنے مولا کی ضرب پر صبر نہیں کرتا محبِ صادق نہیں ہے۔ رابعہ نے کہا یہ معمولی بات ہے۔ ذوالنون مصری نے کہا کہ جو شخص مولا کی ضرب پر شکر ادا نہ کرے وہ اپنے دعوۂ محبت میں صادق نہیں ہے۔ رابعہ نے کہا شکر بھی صبر کے قریب ہے۔ (اور یہ جواب صحیح نہیں ہے) سلطان ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا جو شخص اپنے مولا کی ضرب میں لذت محسوس نہیں کرتا دعوۂ محبت میں صادق نہیں ہے۔ بی بی رابعہ نے کہا تم نے درست کہا ہے لیکن اس سے بھی خودی کی بو آتی ہے۔ انہوں نے کہا بی بی آپ بتائیں۔ رابعہ نے کہا محبِ صادق وہ ہے جس کو ضربِ محبوب کا شعور بھی نہ ہو سکے۔ یہ سُن کر سب نے آفرین کہا اور ان کے کلام کو بہترین کلام تسلیم کیا۔

ایک دن شیخ جمال الدین بُدانؒ کو کسی مرید نے اپنے گھر پر دعوت دی۔ لیکن آپ نہ گئے اور کسی اور شخص کی دعوت پر چلے گئے۔ راستے میں پاؤں پھسلا اور ٹخنہ اتر گیا۔ یہ واقعہ سن کر بی بی فاطمہؒ نے کہلا بھیجا کہ تمہارے لئے اُس مرید کی دعوت پر جانا ضروری تھا یہی وجہ ہے تمہارا پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔

ایک دن ایک شخص نے بی بی فاطمہ سے بیٹے کے لئے درخواست کی۔ آپ نے تعویز دیا جس سے بیٹا پیدا ہوا۔ لیکن پاؤں سے اپاہج تھا۔ اس شخص نے آ کر بی بی کی خدمت میں آہ و زاری کی اور عرض کیا کہ بی بی آپ نے ہمیں ایک بیٹا بخشا تو وہ بھی اپاہج نکلا۔ بی بی نے اس سے فرمایا کہ گھر جاؤ اور مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دو۔ میں آ کر دعا کروں گی۔ جس سے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اس نے دعوت دی اور دوسرے مشائخ کو بھی بلایا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ بی بی فاطمہ سام صدر محفل تھیں۔ اس کے بعد وہ اپاہج بچہ لایا گیا۔ بی بی نے گیند بلاّ منگوایا اور بچے کو اٹھا کر کھڑا کیا اور

فرمایا کہ بلاّ لواور اس گیند کو مارو۔ بچے نے بلاّ گیند کو مارااور وہ دور جاپڑی۔ بی بی نے کہااب وہاں جاکر گیند کو بلاّ مارواور یہاں لے آؤ۔ بچے نے اُسی طرح کیا۔غرضیکہ تمام لوگوں کے سامنے اپاہج بچہ ٹھیک ہوگیااور گیند بلاّ کھیلتا رہا۔

بی بی فاطمہ سام کہتی تھیں کہ ایک دفعہ میرے والدین نے میرے لئے ایک شوہر کا انتخاب کیا لیکن وہ جنگ پر گیااور شہید ہوگیا جب انہوں نے دوسرے شخص کا انتخاب کرنا چاہاتو میں نے کہا کہ اگر میرے نصیب میں ہوتا تو وہی پہلا شوہر ہوتا اب میں شادی نہیں کرتی۔

کہتے ہیں کہ بی بی فاطمہ کے احاطہ میں ایک دیوانہ خادم رہتا تھا جس کا نام دارکھوتھا۔ایک سانپ کا لنگوٹہ باندھتے تھے۔ایک سے گلے میں ہار بنالیتے تھے۔ایک سے سر پر دستار باندھتے تھےاور ایک کو عصا کے طور پر استعمال کر کے زمین پر ٹیکتے تھے۔ایک دن میں نے ان کو غزنی احاطہ کے اندر خراب حال دیکھا۔میں نے کہا کہ آپکا یہ کیا حال ہے۔ کہنے لگے کہ کیا کروں ملنے والے بہت ہیں۔گاہ بے گاہ آتے رہتے ہیں جس میں میرا وقت برباد ہوتا ہے۔اب میں ان کو منع کرنے آیا ہوں کہ آئندہ یہ کام نہ کریں۔

لوطیوں کے متعلق حکم

اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی کہ لوطیوں (لواطت کرنے والوں) کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے تین قسم کی روایت کی ہے۔اوّل یہ کہ دونوں کو پہاڑ سے نیچے گرایا جائے۔ دوم یہ کہ ان کو زندہ درگور کیا جائے۔سوم یہ کہ ان کو سنگسار کیا جائے۔اور یہ تینوں احکام کتاب اللہ سے اخذ کئے ہیں۔ پہاڑ سے پھینکنے کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے قوم لوط کی بستی کو اٹھا کر الٹا دے مارا تھا۔نیز زندہ دفن کرنا بھی اس وجہ سے ہے کہ قوم لوط زندہ زمین میں دب گئی تھی اور سنگسار کرنا بھی قرآن مجید کی اسی سورت سے نکلتا ہے۔ کیونکہ قوم لوط پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔

روز جمعہ ۶۔ماہ شعبان ۸۰۲ھ

مغرور اور دینوی لذات میں غرق لوگوں کا حال

مغرور اور دینوی لذات میں غرق لوگوں کا حال زبون بیان فرمارہے تھے۔آپکے سامنے گلاب اور چنبہ کے پھولوں کا انبار لگا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا کہ یہ پھول جب تک تازہ ہیں لوگ ان کو اپنے سر اروآنکھوں اور سینہ پر رکھتے ہیں۔لیکن جب مرجھا جاتے ہیں تو جھاڑو دیکران کو کوڑا کرکٹ کے ڈبوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔پس اس قدر تھوڑی اور موہوم لذت کی خاطر گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں[1]۔

عاقل ندہد سرّ الہیٰ، بہ ملاحی

عقل مند وہ ہے جو سّرِ الہیٰ کو ملاحی کے عوض نہ دے

یعنی قربِ حق کی بجائے لہو ولعب میں زندگی بسر نہ کرے۔

پاکبازی سے بدبو کا خوشبو میں بدل جانا

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی۔ایک بزرگ تھے۔جن کو خواجہ مشکی کہا کرتے تھے۔اس وجہ سے کہ اُن کے جسم اور کپڑوں سے مشک کی بہت خوشبو آتی تھی۔ایک دن کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ روزانہ کس قدر مشک لگاتے ہیں۔انہوں نے جوابدیا کہ میرے اندر یہ استطاعت کہاں کہ مشک خرید سکوں۔

بات یہ ہے کہ ایک دن میں کہیں جارہا تھا۔راستے میں پیاس لگی تو ایک شخص کے دروازہ پر جا کر پانی طلب کیا۔ایک کنیز پانی لائی اور مجھے قریب طلب کیا۔جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے پانی کا کوزہ میرے حوالہ کیا اور میں پانی پینے میں مشغول ہوگیا۔اس اثناء میں کنیز نے اندر سے دروازہ کو قفل لگا دیا اور میں اندر رہ گیا۔اس کے بعد گھر کی مالکہ جس نے پہلے مجھے دیکھ لیا تھا سامنے آئی اور اس نے مجھے معاصی کی دعوت دی۔لیکن میں نے انکار کر دیا۔اس نے کہا اگر تم

---

[1] پھولوں سے حضرت شیخ کی مراد محبوبانِ مجازی اور دیگر دنیاوی لذات ہیں جو محض عارضی اور موہوم ہوتے ہیں۔ موہوم اس لئے کہ ان کو اپنے خیال میں اچھا سمجھا جاتا ہے۔درحقیقت مضر اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔

میری خواہش پورا نہیں کرتے تو تجھے یہاں سے زندہ نہیں جانے دیا جائے گا۔ کیونکہ تم باہر جا کر میری بدنامی کرو گے۔ یہ سُن کر بہت مجبور ہوا اور اُن سے کہا کہ بیت الخلاء کہاں ہے مجھے وہاں جانے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا وہ ہے۔ میں نے بیت الخلاء میں جا کر دیکھا کہ غلاظت سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ جسم پر غلاظت لگانا گناہ سے ملوث ہونے سے بہتر ہے۔ چنانچہ میں نے غلاظت اُٹھا کر سارے جسم پر لگا دی۔ جب باہر آیا تو جسم سے اس قدر بدبو آ رہی تھی کہ انہوں نے مجھے دُر دُر کر کے فوراً گھر سے باہر نکال دیا۔ ایک ندی کے کنارے پر جا کر میں نے کپڑے دھوئے اور غسل کیا لیکن جسم سے بدبو کی بجائے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ میں نے جس قدر پانی استعمال کیا خوشبو بڑھتی گئی۔ یہ وہی خوشبو ہے جو کئی سالوں سے میرے ساتھ ہے۔

روز شنبہ ۷۔ ماہ شعبان

آنحضرت ﷺ کے لعاب دہن سے جاہل عالم بن گیا

حضرت شیخ دستر خوان پر حکیم سنائیؒ کے فضائل بیان فرما رہے تھے فرمایا کہ غزنی میں ایک قاضی تھا جو قاضی بننے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا محض موروثی طور پر اُسے یہ عہدہ مل گیا تھا۔ لوگوں نے سلطان سنجر سے کہا کہ قاضی کے لئے علم ضروری ہے۔ لیکن یہ شخص جاہل ہے کس طرح کام چلائے گا۔ بادشاہ قدامت پسند تھا۔ اس نے کہا یہ عہدہ آباواجداد سے اس خاندان میں چلا آ رہا ہے اب میں اسے کیسے محروم کروں۔ ایک دن بادشاہ نے یہ تجویز سوچی کہ قاضی سے کہوں گا وعظ کرو۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ کام نہیں کر سکے گا۔ پس میں اُس سے کہوں کہ تم قضا کے قابل نہیں ہو۔ یہ عہدہ کسی دوسرے کو سپرد کرتا ہوں۔ جب قاضی کو اس بات کا علم ہوا تو بہت پریشان ہوا۔ کہ اب کیا کروں۔ غزنی کے نواح میں پہاڑ میں ایک چشمہ تھا۔ جہاں عبدالعزیز علم دارِ رسول اللہ ﷺ کا احاطہ تھا۔ لوگ وہاں جاتے تھے اور مرادیں طلب کرتے تھے۔ قاضی نے وہاں جا کر بہت آہ وزاری کی اور دعا کی کہ یاالٰہی مجھے رسوائی سے بچا لے۔ آخر اس نے سر سجدے میں رکھ کر حق تعالیٰ کی جانب میں آہ وفریاد کی تو اس پر غنودگی طاری ہو گئی اور اس حالت میں حضرت رسول خدا ﷺ کی زیارت ہوئی آنحضرت ﷺ نے فرمایا منہ کھولو۔ اس نے منہ کھولا۔ آپؐ نے انگلی اپنے لعاب دہن میں تر کر کے اس کی زبان پر رکھی۔

جب قاضی بیدار ہوا تو اُسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تمام علوم اس کے دل میں موجیں مار رہے ہیں۔
جب جمعہ کا دن آیا تو ساری خلقت قاضی جی کا تماشا دیکھنے کے لئے جامع مسجد میں جمع ہو گئی۔ حکیم سنائی کا دستور یہ تھا کہ ہمیشہ شہر سے باہر قبرستان میں رہتے تھے۔ قاضی نے مسجد میں آتے ہی ممبر پر قدم رکھا اور اس فصاحت و بلاغت سے تقریر کی کہ مسجد میں موجود لوگ دنگ رہ گئے۔ اس نے تمام علوم پر اس خوبی سے روشنی ڈالی کہ خلق خدا حیران رہ گئی اور اس کے حسنِ کلام کی وجہ سے چاروں طرف سے گریہ و نالہ اور آہ و فریاد کا شور بلند ہوا۔ عین اُسی وقت حکیم سنائی مجلس میں جا پہنچے اور یہ شعر پڑھا۔

اے کردہ نبی در دہنت آبِ دہن   اور ختم نبی آمد و تو ختم سخن

اے وہ شخص جس کے منہ میں نبی اکرم ﷺ نے لعاب دہن دیا ہے جس طرح آپؐ پر نبوت ختم تھی تجھ پر کلام ختم ہے)
یہ سُن کر قاضی پر گریہ طاری ہو گیا اور بے تاب ہو کر نعرہ لگایا اور ممبر سے نیچے گر پڑا۔ کہتے ہیں کہ کتاب روح الارواح اُسی قاضی کی تصنیف ہے۔

امام شافعیؒ و احمد حنبلؒ کی حیرت ایک عام صوفی کے جواب پر

شام کی نماز کے بعد سب طائفہ عالیہ صوفیہ کے محاسن کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ راستے میں بیٹھے تھے کہ وہاں سے شیبان راعی کا گذر ہوا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ میں اس عامی صوفی سے ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں۔ امام احمد حنبلؒ نے کہا یہ عجیب لوگ ہوتے ہیں ان سے مسئلہ مت پوچھو۔ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے لیکن امام شافعیؒ نہ مانے اور صوفی سے پوچھا کہ ایک شخص سے پانچ نمازوں میں ایک نماز فوت ہو گئی ہے۔ لیکن اس کو یہ یاد نہیں ہے کہ کونسی نماز فوت ہوئی ہے۔ اب اُسے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ وہ مردِ غافل ہے۔ ہم اس پر جرمانہ عائد کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ تمام نمازیں پھر سے پڑھے یہ سُن کر اماشافعیؒ بے حد متاثر ہوئے۔ ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور بے تاب ہو کر گر پڑے۔ انہوں نے کہا کہ جب ایک عام صوفی کا یہ کمال ہے تو معلوم نہیں خواص کا کیا حال ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ غلام الخلیل جب طائفہ صوفیہ سے بداعتقاد ہو کر باہر آیا تو ان کو ایذا رسانی کی خاطر خلیفہ وقت کا قرب تلاش کرنے لگا۔ آخر کار ترقی کرتے کرتے وزیر بن گیا اور صوفیاء کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے لگا۔ ہر وقت بادشاہ سے کہتا تھا کہ صوفی لوگ بھی عجیب ہیں۔ خوب کھاتے ہیں۔ عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں۔ تہ خانوں میں رہتے ہیں اور عجیب وغریب باتیں بناتے رہتے ہیں۔ کبھی کفر کی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی شرک کی اور بعض اوقات تو بالکل بے دینی کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن خلیفہ ایک کان سے سُن کر دوسرے سے نکال دیتا تھا۔ اور کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ اُدھر تمام صوفیائے کرام مثل خواجہ جنید بغدادی، شبلی، ابوالحسن نوری، درقام اور ابوحمزہ خراسانی قدس اسرارھم حضرت خواجہ سمنون محبؒ کے گھر پر جمع ہو کر حقائق ومعارف پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ خواجہ سمنونؒ ایک نوجوان بزرگ تھے جو بہت ہی نیک اور خوش شکل تھے وہاں ایک عورت بھی آیا کرتی تھی اور باتیں سُنتی رہتی تھی۔ ایک دن جب خواجہ سمنون اکیلے گھر پر تھے وہ عورت آئی اور اس نے نکاح کی درخواست کی۔ خواجہ سمنون نے پوچھا کہ کیا تم اسی کام کے لئے یہاں آیا کرتی تھی۔ اس نے جواب دیا ہاں اسی کام کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ ہمارے نزدیک یہ کام خیانت میں شمار ہوگا۔ میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا۔ عورت نے کہا اے سمنون اگر تم میرے ساتھ نکاح نہیں کرتے تو میں ایسا فتنہ کھڑا کروں گی کہ جس کی مثال نہیں ملے گی۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم جو کچھ کرنا چاہتی ہو کرو۔ ہمیں خدا کافی ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت خواجہ جنیدؒ کی خدمت میں گئی اور کہنے لگی کہ سمنون کو کہو میرے ساتھ نکاح کرے۔ آپ نے فرمایا اے عورت ہمارے نزدیک یہ کام خیانت ہے سمنون محب ہرگز یہ کام نہیں کرے گا۔ اس عورت نے کہا اگر آپ نہیں مانتے تو میں ایسا فتنہ برپا کروں گا کہ یاد رکھو گے۔ آپ نے فرمایا تم جو کچھ کرنا چاہتی ہو کر ڈالو ہمارے لئے خدا کافی ہے۔

اس کے بعد وہ باقی حضرات کے پاس گئی اور وہی بات کی اور سب نے وہی جواب دیا۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر اب وہ غلام الخلیل کے پاس گئی اور فریاد کرنے لگی کہ یہ لوگ خوب کھاتے پیتے ہیں۔ عیش کرتے ہیں اور بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔ کل رات میں ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے باری باری مجھ سے بدفعلی کی۔ غلام الخلیل کو اور کیا چاہیے تھا وہ تو ایسی چیز کی تلاش میں تھا۔ وہ فوراً اس عورت کو بادشاہ کے پاس لے گیا اور سارا ماجرا سنایا۔ بادشاہ نے کہا اب جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو۔ چنانچہ وزیر نے

ان تمام بزرگوں کو بادشاہ کے دربار میں طلب کیا اور آخراُن سب کے لئے قتل کا حکم صادر کر دیا اور جلاّد کو حکم ہوا کہ ان کو مقتل لے جاؤ اور قتل کر دو۔ جلاّد تلوار اٹھا کر سب سے پہلے خواجہ جنیدؒ کے پاس گیا تا کہ ان کی گردن سر سے جُدا کرے۔ لیکن ابوالحسن نوری نے کہا کہ پہلے مجھے قتل کرو۔

جلاّد نے کہا اے مرد کیا تم جانتے ہو کہ کس چیز کی تمنا کر رہے ہو۔ اِسے موت کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے لیکن ہمارا مذہب ہمیں ایثار کی تعلیم دیتا ہے۔ میں اپنے دوستوں کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر چہ اس دنیا کی ایک ساعت کی زندگی میرے لئے بہشت کی چار ہزار سال کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا مذہب ایثار کی تعلیم دیتا ہے میں اپنے احباب کے لئے یہ قربانی دے سکتا ہوں۔ اسی طرح ہر بزرگ نے جلاّد سے یہی کہا۔ آخر یہ معاملہ بادشاہ تک جا پہنچا۔ بادشاہ نے قاضی القضات کو طلب کیا کیونکہ وہ علوم اسلامیہ سے بخوبی واقف تھے اور اس پیچیدہ مسئلہ کو اچھی طرح حل کر سکتے تھے اور اُن کے فیصلے لوگ بطور حُجت پیش کرتے تھے۔ قاضی القضات نے آتے ہی شبلی کو دیکھا کہ دیوانوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ پہلے اسی سے سوال و جواب کیا جائے۔ چنانچہ قاضی القضات نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ صوفی سنو اگر ایک شخص کے پاس بیس روپے جمع ہو جائیں تو اس کی زکواۃ کتنی نکالے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تیس روپے قاضی نے کہا وہ کس طرح۔ انہوں نے کہا ہماری شرع میں یہ حکم ہے کہ جو کچھ ہاتھ آئے (راہِ حق میں) خرچ کر دینا چاہیے۔

قاضی نے کہا اگر یہی بات ہے تو پھر اُسے بیس روپے دینے چاہیں نہ کہ تیس روپے۔ شبلی نے کہا کہ دس روپے جرمانہ ادا کرے۔ کہ بیس روپے سال بھر کیوں گھر میں رکھے۔ اس کے بعد قاضی القضات نے خواجہ جنیدؒ کے ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ چلایا تو انہوں نے ذات وصفات باری تعالٰی کے متعلق حقائق و معارف کے وہ دریا بہائے کہ وہ حیران ہو گیا کہ کیا بات ہے اور توحید باری تعالٰی میں کس قدر بلند کلمات ہیں۔ اس نے کاغذ قلم دوات ہاتھ میں لیا اور اُن حضرات کے مسلمان ہونے کی تصدیق کرنے لگا تو خواجہ ابوالحسن نوریؒ اُٹھے اور قاضی سے یوں مخاطب ہوئے:۔

''اے قاضی تم نے اپنی ہستی کے مطابق ہم سے سوال و جواب کیا ہے۔ لیکن ہماری ہستی کے مطابق نہیں کیا۔''

یہ سُن کر قاضی نے کہا اچھا آپ بتائیں کہ آپ کیا ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر ایک لمحہ کے لئے ہمیں مشاہدۂ حق نہ ہو تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ سُن کر قاضی ہائے ہائے کر کے رونے لگا اور اس نے کاغذ پر یہ لکھ دیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اگر یہ مسلمان نہیں تو ساری دنیا میں نہ کوئی مسلمان ہے نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

اس کے بعد بادشاہ نے اُن سے معذرت کی اور عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ نیز بادشاہ نے اُن سے کہا کہ آپکی جو خواہش ہو پوری کی جائے گی۔ خواجہ جنیدؒ نے فرمایا کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ آج کے بعد نہ تم ہماری شکل دیکھو نہ ہم تمہاری۔

اگلے زمانے میں بیعت کی نوعیت

دسترخوان پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بیعت کی صورت جو آج کل مشائخ کے ہاں مروّج ہے شروع سے اس طرح نہیں تھی۔ اس طرح پر عام بیعت بھی نہ تھی بلکہ اگر ایک شخص خواجہ جنیدؒ سے بیعت کرتا تھا تو ہر ایک بزرگ سے تربیت حاصل کرتا تھا۔ فرمایا ابوعثمان نے شیخ یحییٰ معاذ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کچھ عرصہ ان کی خانقاہ میں رہے۔ ایک دفعہ شاہ شجاعؒ سفر کرتے ہوئے شیخ یحییٰ معاذؒ کی خانقاہ میں آئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ ابوعثمان کو شاہ شجاع کی کچھ باتیں پسند آئیں تو انہوں نے آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا۔ جب شیخ یحییٰ معاذ شاہ شجاع کو الوداع کرتے وقت تھوڑی دور تک باہر گئے تو یہ دیکھا کہ ابوعثمان بھی اُن کے ساتھ جانے کو تیار ہیں۔ فرمایا ابوعثمان اگر چاہو تو شاہ شجاع کے ساتھ جا سکتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس طرح شیخ کا فرمان ہو۔ شیخ نے فرمایا مبارک باد۔ اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ ایک دفعہ شیخ ابوحفصؒ نے اپنے سفر کے دروان شاہ شجاع کے ہاں قیام کیا۔

ابوعثمانؒ کو، شیخ ابوحفص کی روش اس قدر پسند آئی کہ اُن پر فریفتہ ہو گئے۔ جب ابوحفص کی روانگی کا وقت آیا تو ابوعثمان بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔ شاہ شجاع نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو شاہ کے ساتھ جا سکتے ہو۔ انہوں نے کہا جیسا شیخ کا فرمان ہو۔ آپ نے فرمایا بہتر یہی ہے۔ چنانچہ ابوعثمان شیخ ابوحفصؒ کے ساتھ چلے گئے اور اُن کے زیر تربیت رہے۔ لیکن ہر بات میں آپ ابوعثمان کی رضا مندی کا خیال رکھتے تھے۔ شیخ یحییٰ معاذ بھی مقام رضا میں تھے اور آپ کے اکثر کلمات رضا کے

متعلق ہیں جو ابو عثمان نے نقل کئے ہیں۔ شیخ یحییٰ معاذ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تیس سال کا عرصہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے مجھے کبھی اس حال میں نہیں رکھا کہ میں اس کی رضا پر راضی نہ ہوں۔ یعنی میں ہر حال میں راضی ہوں اور خوش رہا ہوں اور یہی چیز ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ راضی رہنا ہمارا اُصول ہے۔ یاد رہے کہ رضا کا تعلق مقام سے ہے حال سے نہیں[1]۔

روز یکشنبہ ۸ ماہ شعبان

حضرت اقدس نے فرمایا کہ انسان کی فطرت میں تبدیلی کی خواہش رکھی گئی ہے۔ اور وہ کسی وقت ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا اور ہر ساعت اور ہر نشست و برخاست کے بعد اس کی حالت بدل جاتی ہے۔ یہی حال اس کے باطن کا ہے بلکہ ظاہر سے بھی زیادہ تغیر پذیر ہے اور کسی ایک حالت پر قرار نہیں پکڑتا۔ بلکہ مشوش و پریشان رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہے جو امور غیب کی خبر دیتا ہے۔ اگر وہ یہ کام نجوم اور جادو وغیرہ سے کرتا ہے تو ہمارے نزدیک دین اسلام سے خارج ہے۔ لیکن اگر وہ صحیح طور پر عالم بطون سے خبر دیتا ہے۔ محبت، یقین اور عدم کی خبر دیتا ہے۔ وہ بھی ہمارے گروہ میں شامل نہیں ہے۔ حقیقی راہبر کو ان معاملات میں اس طرح خبر دینا چاہیے جیسا کہ کوئی راستے کے کانٹوں اور اونچ نیچ، درخت، پہاڑ، دریا سے مطلع کرتا ہے۔

سورۂ ہود کی آیہ مبارک فاستَقِم کَمَا اُمِرتَ کی تفسیر

اس کے بعد فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیہ مبارک فاستَقِم کَمَا اُمِرتَ (جو حکم ہوا اس کو کمال استقامت سے پورا کرو) نازل ہوئی تو آپ کی ریش مبارک کے تین بال سفید ہو گئے

---

[1] حال و مقام تصوف کی دو اصطلاحات ہیں حال عارضی غلبہ کا نام ہے جو آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ لیکن وہ کیفیت جو دائمی طور پر سالک پر طاری ہو جاتی ہے اس کو مقام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حال کا دائمی طور پر قائم ہو جانا مقام کہلاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

[2] عارفین کا قول ہے کہ اس آیت میں بال سفید ہونے یا بوڑھا ہونے سے مراد استقامت دین اور بزرگی ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے فرمایا۔ **اِنَّ الَّذِینَ قالو رَبُّنَا اللہ ثُمَّ استَقَامُو تَتَنَزَّلُ عَلَیھِمِ المَلَائکہ** (یعنی وہ لوگ جو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس بات پر جم جاتے ہیں (یعنی تمام اربابِ مجازی کو دل سے نکال دیتے ہیں) تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں اور رحمت نازل کرتے ہیں۔۔۔۔ اِلیٰ آخرہٖ) بزرگ فرماتے ہیں کہ **الاستقامہ فوق الکرامۃ** (استقامت کا درجہ کشف و کرامات سے بلند تر ہے)

جب صحابہ کرام نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ سورۂ ھود کی اس آیت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

فرمایا کہ ہر چیز کا راز استقامت میں ہے۔ اگر یہ دولت مل جائے تو تمام سعادتیں حاصل ہو جاتی ہیں 2۔

گناہ سرزد ہو جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح کوئی آدمی راستے میں جا رہا ہے اور قوی اُمید رکھتا ہے کہ اس کا پاؤں نہیں پھسلے گا لیکن پھر بھی وہ پھسل جاتا ہے اور گر جاتا ہے لیکن اس کے فوراً بعد کھڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس گرنے سے وہ پشیمان ہوتا ہے اور دوسری بار گناہ نہ کرنے کا عزم کرتا ہے۔ اور سلامت نکل جاتا ہے اس وجہ سے اس کا وہ گر جانا گرنا نہیں ہوتا اور نہ اس کو اس سے ملامت کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ان کے حق میں آئی ہے'

اُولئکَ یُبَدل الله سَیئاتِھم حَسَنات

یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہ اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ان کی برائی نیکی میں بدل جاتی ہے اور برائی نہیں رہتی۔

چنانچہ توبہ واستغفار کے بعد پھر کبھی وہ اس طرف نہیں جاتا اور نہ قصد گناہ کرتا ہے لیکن وہ شخص جو پاؤں جما کر نہیں چلتا اور پھسلنے سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا جب گرتا ہے تو پشیمان نہیں ہوتا اور نہ ہی سلامت روی کا ارادہ کرتا ہے وہ ایسا شخص ھے کہ جو اس پھسلاہٹ اور کیچڑ سے متنفر نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اسی دلدل میں رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ مرد مومن اور مسلمان کا کام نہیں ہے۔

روز دوشنبہ ۹۔ ماہ شعبان

بذل وایثار

ظہر کی نماز کے بعد بذل ایثار (سخاوت اور بخشش) کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا ہمارے خواجگان کی یہ خاص صفت ہے۔ اگرچہ تمام مشائخ عظام ہمیشہ دوست کی رضا کے طلب گار ہوتے ہیں۔ تاہم ہر بزرگ کا اپنا انداز ہوتا ہے۔

حضرت شیخ بہاؤالدینؒ کی سخاوت

مولانا زین الدین کے انتقال کے دن خواجہ احمد موجود تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس روز ایک بزرگ نے کہا کہ حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کے ایک ملازم خاص مولانا زین الدین نے اپنی وفات کے وقت

اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میرا جنازہ حضرت شیخ بہاؤالدینؒ کے پاس لے جانا اور نماز جنازہ کی درخواست کرنا۔لیکن اُن کا مجھ پر بتیس روپے قرض ہے۔اس لئے وہ میری نماز ہ جنازہ نہیں پڑھیں گے۔اس نے بیٹے سے کہا تم آگے بڑھ کر وہ قرضہ اپنے ذمہ لے لینا۔اس کے بعد حضرت شیخ نماز ہ جنازہ پڑھ لیں گے۔جب وہ فوت ہوا تو اس کا جنازہ حضرت شیخ کے سامنے لایا گیا۔آپ نے فرمایا اس شخص پر میرے بتیس روپے قرض ہیں۔لڑکے نے آگے بڑھ کر کہا کہ حضور وہ قرض میں قبول کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا تم قبول کرتے ہو۔اس نے کہا جی ہاں اس کے بعد حضرت شیخ نے اس کی نماز ہ جنازہ پڑھی۔

ایک دن آپ کے خادم خواجہ اقبال نے ایک خراسانی کو سات سو روپے بقایائے خانقاہ کی وجہ سے قید کر دیا خواجہ اقبال کے ڈر کی وجہ سے کوئی شخص حضرت شیخ کے پاس جا کر اس واقعہ کی اطلاع نہیں دے سکتا تھا۔حالانکہ خراسانی کی خواہش یہ تھی کہ یہ ماجرا حضرت شیخ سے بیان کیا جائے۔جب خواجہ اقبال قیلولہ (دن کی نیند) کی خاطر اپنے گھر چلا گیا تو خراسانی نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔دربانوں نے بہت منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا بلکہ بیڑیاں پہنے ہوئے وہ باہر آ گیا۔جب حضرت شیخ بہاؤالدین نے زنجیروں کی آواز سُنی تو فرمایا کہ کیا بات ہے لوگوں نے ماجرا بیان فرمایا تو حضرت شیخ کانپ گئے اور خواجہ اقبال کو طلب کر کے وجہ دریافت کی۔خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ حضور اس کے ذمہ خانقاہ کے سات سو روپے بقایا ہے۔حضرت شیخ نے فرمایا لالا تم یہ کیا کر رہے ہو۔خدا کا مال بندگانِ خدا کی ملکیت ہوتا ہے۔کچھ تم نے کھایا' کچھ میں نے کھایا' کچھ اس بیچارے نے کھایا۔تجھے اس غریب کو قید کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔آپ نے لوہار کو بلایا اور بیڑیاں کاٹ کر اُسے آزاد کر دیا۔

ایک دن ایک شخص نے عصر کی نماز کے وقت ایک سو دینار نذر پیش کئے۔حضرت شیخ بہاؤالدینؒ نے خادم سے فرمایا لالا یہ رقم رکھ دو۔اس وقت دیر ہو چکی ہے کل صبح احباب میں تقسیم کر دی جائے گی۔یہ حضرت شیخ کی زندگی کا آخری وقت تھا جس کی وجہ سے آپ پر نسیان غالب تھا۔دوسرے دن آپ وہ رقم بھول گئے۔جب خواجہ اقبال کو یقین ہوا کہ آپ بالکل بھول چکے ہیں تو وہ رقم اپنے گھر لے گیا اور دل میں کہنے لگا کہ جب کوئی تحائف آئیں گے تو اس رقم کی بجائے تقسیم کر دیئے جائیں گے۔اس کے بعد کچھ چاندی کے سکے آئے اور خواجہ اقبال نے احباب میں تقسیم کر دیئے یہ دیکھ کر حضرت شیخ کو وہ دینار یاد آ گئے۔خواجہ اقبال سے دریافت کیا تو وہ اِدھر اُدھر دوڑنے لگا اور طاق وغیرہ میں تلاش کرنے

لگا۔ حضرت شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ رقم خواجہ اقبال نے خود رکھ لی ہے۔

فرمایا لالا آؤ ہم نے نماز چاشت ادا کرنی ہے وہ رقم ہم مختلف آدمیوں کو دینا چاہتے تھے۔ خدا نے ایک کے نصیب کر دی ہے۔ دوڑ بھاگ نہ کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤ الدین کے پاس چند لاکھ من غلہ [1] جمع ہو گیا۔ بازار میں غلہ مہنگا ہو گیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ انبار کھول دیا جائے اور غلہ عوام میں فروخت کر دیا جائے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ چونکہ غلہ بازار میں مہنگا تھا۔ آپ نے نرخ وہی رکھا لیکن من کا وزن بڑھا دیا تا کہ لوگوں کو گرانی محسوس نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں سارا انبار ختم ہو گیا۔ یہ حکایت سن کر اس ضعیف نے عرض کیا کہ غلہ آپ کے لنگر میں بھی تو خرچ ہوتا ہو گا۔ پھر کیوں فروخت کر دیا۔ فرمایا لنگر کا خرچ کم تھا لیکن آمدنی زیادہ ہوتی تھی۔

حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ نے اپنے گھر کے معلم کے متعلق فرمایا کہ اس کا منہ چاندی سے بھر دو۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ منہ میں کتنی چاندی سما سکتی ہے ایک دفعہ آپ نے غلہ کے انبار میں سے ایک شخص کو غلہ دیا۔ خریدار کو غلے میں ایک چاندی کا ٹکڑا ملا۔ اس نے وہ ٹکڑا اٹھا کر شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے جان کر یہ چاندی تجھے دی ہے اسے لے جاؤ۔

خواجہ اسماعیل خان جہانی محمود جو حضرت شیخ بہاؤالدین کے خان سامان تھے کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ کے پاس ایک کروڑ اسی لاکھ تنکے جمع ہو گئے۔ خالص سونا' چاندی اور دیگر اشیاء اس کے علاوہ تھیں۔ کسی نے حضرت شیخ رکن الدینؒ سے عرض کیا کہ آپ کے اہل خانہ نے اسی ہزار تنکہ کا جوتا خریدا ہے آپ نے فرمایا عورتوں کے لئے مباح ہے۔ فکر کی بات نہیں ہے۔

عصر کی نماز کے بعد بھی شیخ الاسلام (حضرت شیخ بہاؤ الدین) کے فضائل بیان ہوتے رہے۔ فرمایا کہ مولانا شمس الدین' مولانا ظہیر الدین بھکری کے شاگرد تھے۔ جب وہ پہلی بار حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا ظہیر الدین کو یہ بات ناگوار گزری کہ میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ تین یوم کے بعد مولانا شمس الدین نے حضرت شیخ بہاؤ الدین سے شیخ قطب الدین

---

[1] چند لاکھ من کا غلہ جمع ہونا عجیب لگتا ہے۔ دراصل اس زمانے میں ایک من میں چالیس سیر نہیں ہوتے تھے بلکہ ڈھائی سیر کا من ہوتا تھا۔

کی زیارت اور دیگر اساتذہ شہر سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ شیخ نے اجازت دے دی۔ زیارت کے بعد جب مولانا شمس الدین حضرت مولانا ظہیر الدین کے پاس گئے تو شاندار لباس پہنے ہوئے تھے۔ لیکن مولانا ظہیر الدین نے انکی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اور سبق میں مشغول رہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ یہ کون ہے جو غیر شرع لباس پہن کر ہماری مجلس میں آیا ہے۔ ان پر حق ہمارا ہے' ان کو جہل سے ہم نکالتے ہیں۔ اور ہم ان کو آدمی بناتے ہیں لیکن بھاگ کر دوسروں کے غلام اور مرید بن جاتے ہیں غرضیکہ اس کے قسم کے کلمات کہے۔ یہ دیکھ کر مولانا شمس الدین کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ظہیر الدین کو ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں لے جانا چاہیے تاکہ دیکھ لیں کہ کون ہیں۔ چنانچہ وہ چند بار دعوت دینے کے بعد آخر ان کو حضرت شیخ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت اقدس بہت عزت و تکریم سے پیش آئے اور مجلس میں از قسم کہی' شرینی اور نقد جو کچھ آیا۔ خواجہ اقبال نے اُٹھانا چاہا لیکن شیخ نے باوجود یہ کہ سرگرم سخن تھے فرمایا لالا ٹھہر جاؤ۔ جب مجلس ختم ہوئی تو حضرت شیخ نے چار سو روپے نقد اور جو دیگر تحائف مجلس میں پیش ہوئے سب مولانا ظہیر الدین کو عنایت کر دیئے یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور حضرت شیخ کے کمالات کی داد دینے لگے کہ اس قسم کے مرد دنیا میں نہیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مولانا شمس الدین کو مخاطب کر کے کہا کہ تم حق پر اور ہم غافل ہیں۔

ایک دفعہ مولانا ضیاء الدین کے بھائی مولانا زاہد سنامی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور واپس جا کر بھائی سے کہا کہ حضرت شیخ سے دور رہ کر ہم لوگ بڑے محروم ہیں کیونکہ ان کے کمالات کا ہر شخص مدّاح ہے۔ یہ سن کر مولانا ضیاء الدین رنجیدہ خاطر ہوئے۔ نیز مولانا ضیاء الدین کے ایک مرید نے بھی کہا کہ مجھے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ہے۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی لیکن دل میں بہت پشیمان ہوئے اور اپنے کمرے میں جا کر خوب روئے اور سر دیوار پر مار کر کہنے لگے کہ معلوم نہیں کہ میں کیوں ایسے بڑے شیخ سے محروم ہوں۔ سید ابوالمعالی نے مولانا ظہیر الدین سے دریافت کیا کہ آیا مولانا ضیاء الدین نے بالآخر شیخ سے بیعت کر لی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے بیعت نہیں کی تھی بلکہ مولانا وجیہ الدین نے بیعت کی تھی۔ یہ وہ مولانا وجیہ الدین ہیں۔ جن کو خواجہ خضر علیہ السلام کی صحبت حاصل تھی۔ وہ ہر جمعرات کے دن سلطان پورہ کے حوض پر جا کر خواجہ خضرؑ سے ملاقات کرتے تھے۔

ایک دن مولانا وجیہ الدین نے حسب وعدہ کسی دوست کے ہاں جانا تھا لیکن دیر سے پہنچے۔ دوست نے دریافت کیا کہ آپ دیر سے کیوں آئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ خواجہ خضرؑ کا انتظار کر رہا تھا چونکہ وہ دیر سے آئے اس لئے مجھے دیر ہوگئی۔ جب میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کیوں دیر سے آئے تو خواجہ خضرؑ نے جواب دیا کہ میں شیخ نظام الدینؒ کے ہاں گیا ہوا تھا۔ میں نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ کی شیخ نظام الدینؒ سے ملاقات ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں روزانہ اُن سے ملاقات کرتا ہوں۔ اُسی روز سے مولانا وجیہ الدین کا اعتقاد راسخ ہو گیا اور پھر بیعت کر لی۔

بعد نماز فجر و عصر نوافل پڑھنا

عصر کی نماز کے بعد ایک آدمی نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ بیعت کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا کی جاتی ہے لیکن ہمارے امام کے نزدیک[1] عصر کے بعد نفل جائز نہیں اور صبح صادق سے اسفار[2] تک اگر شب گذشتہ کی نوافل ادا کرے تو قوت (قوت القلوب مصنفہ ابوطالب مکیؒ) میں لکھا ہے کہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے احباب نے دیکھا ہے کہ جب آپ سے عصر کی سنت قضا ہو جاتی تھیں تو آپ بعد نماز عصر کسی کونے میں جا کر خفیہ طور پر ادا کر لیتے تھے اور آپ کے احباب، دانشور، عالم و فاضل اور کہنہ مشق بزرگ تھے۔

یہاں سے گفتگو اس اختلاف پر شروع ہوگئی جو علماء وفقہاء کو صوفیاء کرام سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے درمیان عجب اختلاف ہے۔ علمائے ظاہر کے کلام کی بنیاد استدلال[3] واجتہاد ہے۔ اگر کسی مسئلہ کو منطقی استدلال سے ثابت کر دیں۔ ان کے نزدیک بس مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن صوفیائے کرام کے کلام کا دارومدار مشاہدہ پر ہے۔ یہ حضرت استدلال کو زیادہ وقت نہیں دیتے۔ صوفیاء کرام مسئلہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ ان کا مقصد دلائل پیش کرنا نہیں بلکہ خلقِ خدا کو مسئلہ اچھی طرح سمجھانا اور ان کے ذہن نشین کرنا ہے۔ اگر ان کی سمجھ میں مسئلہ آ جائے تو

---

[1] امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ۔
[2] اسفاء کے لفظی معنی ہیں روشن ہونا۔ یہاں صبح کی روشنی کا پھیل جانا۔ یعنی طلوع سے قبل مراد ہے۔
[3] عارف رومی استدلال کے متعلق فرماتے ہیں کہ

گر بہ استدلال کارِ دین بُدے
فخر رازی رازدارِ دین بُدے

اگر استدلال فہم دین کے لئے کافی ہوتا تو امام فخر الدین رازی جو منطقی استدلال میں مشہور ہیں۔ دین کے راز دار ہوتے۔

درست ورنہ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ لہذا علمائے ظاہر کو صوفیاء کی مخالفت کس طرح درست آ سکتی ہے بلکہ ان کو الٹا نقصان ہوتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت اقدس کو بواسیر کی وجہ سے سخت تکلیف ہو رہی تھی ایک شخص خمیرہ سے بھرا ہوا برتن لایا اور کہنے لگا کہ میں نے زرِ کثیر خرچ کر کے یہ چیز تیار کی ہے اس نے کئی بار قسم کھا کر کہا کہ اس میں بہت فائدہ ہوگا۔ آپ اسے سونے سے پہلے ضرور استعمال کریں۔ حضرت شیخ نے فرمایا بہت اچھا۔ آخر شب ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ حضرت اقدس نے اپنے خادم بشیر کو طلب فرمایا۔ جب خادم آیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں آدمی کو بلاؤ وہ اس کے گھر پر جا کر بُلا لایا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ وہ خمیرہ لاؤ اس نے خمیرہ لا کر آپ کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے فرمایا زمین کھود کر اسے دفن کر دو۔ اس نے ذرا تامل کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔ وہ دوڑتا ہوا گیا اور دفن کر کے واپس آ گیا۔ اب وہ آدمی ڈر رہا تھا کہ شاید حضرت اقدس ناراض ہو گئے ہیں۔ اس لئے گھر نہ گیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اشراق کے بعد قدم بوسی کے لئے لوگوں نے آنا شروع کیا۔ وہ بھی ان کے ساتھ بالا خانہ پر گیا جب لوگ چلے گئے تو وہ خاموش کھڑا ہو گیا اور قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو نقصان دہ ہو۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا مولانا میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں سنو مجھے ہر رات رسولِ خدا ﷺ کی زیارت ہوتی ہے۔ لیکن آج رات نہیں ہوئی مجھے خیال آیا کہ شاید یہ اُسی خمیرہ کی نحوست کی وجہ ہے اور تو میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو زیارت میں مانع ہو۔ اس لئے میں نے اُسے دور پھینک دیا۔ فرمایا مولانا نصیر الدین سالار پوری کو جن کی میں نے کتاب مصابیح پڑھی ہے۔ دن رات کئی بار رسول خدا ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ اور آنحضرت ﷺ سے ہمکلام ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ وہ بھی بیعت کے لئے درخواست کیا کرتے تھے۔ اور اگر چہ حضرت اقدس اُن پر بہت شفقت کیا کرتے تھے لیکن بیعت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ لہذا وہ لوگ جو ہر وقت خدا تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ کے حضور میں رہتے ہیں۔ ان کی مخالفت کرنا جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

نیز فرمایا کہ ایک دن شیخ الاسلام حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ محدثین اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

من قبل ویاکم نجد راتحۃالجنۃ

حساب وکتاب سے پہلے جنت کی خوشبو سونگھتے ہیں۔

لیکن ہم کہتے کہ اس کا مطلب ظاہر ہے۔ کیونکہ کل قیامت کے دن عرصات[1] میں بہشت کی طرف سے ہوا چلے گی۔ جن لوگوں کے ناک میں اس کی خوشبو پہنچے گی ان پر حساب مشکل ہوگا۔ یہ بات کہتے ہی حضرت پر حال طاری ہو گیا اور فرمایا کہ حضرت شیخ کے خرقہ کی برکت سے وہ خوشبو اس وقت اس مجلس میں موجود ہے اس کے بعد یہ شرع پڑھا۔

بادیکہ سحر گاہ زسرِ کوئے تو آید

جانہاش فدا باد کزد بوئے تو آید

وہ نسیم سحر جو دوست کے کوچہ سے آتی ہے اس پر جانیں قربان کردینی چاہیں کہ دوست کے کوچہ کی خوشبو ہے۔

اس شعر سے آپ پر حال کا غلبہ زیادہ ہوا اور کھڑے ہو کر ہاتھ اُوپر اٹھالئے اور آگے پیچھے چل رہے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مجلس میں تمام اصحاب مثل مولانا وجہ الدین بابلی، مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا محی الدین کاشانی اور مولانا رکن دین وغیرہم معہ دیگر علماء و مشائخ موجود تھے۔ وجد کی حالت میں حضرت شیخ نے قلم دوات کے لئے اشارہ فرمایا۔ اقبال نے قلم دوات اور کاغذ پیش کیا۔ آپ نے چلتے چلتے کچھ لکھا اور کاغذ ہاتھ میں لئے رقص کرتے رہے۔ جب غلبۂ حال فرو ہوا تو آپ کا رنگ زرد تھا اور کمزوری کی وجہ سے بے خود ہو کر گر گئے اس کے بعد آپ نے وہ کاغذ اقبال کا ہاتھ میں دیا۔ اس نے فوراً اُسے منہ میں ڈالا اور کھالیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس پر کیا لکھا تھا۔ کچھ دیر کے بعد جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا لالا آج گھر میں جو کچھ ہے خیرات کردو اور گھر میں جھاڑو لگادو۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور سب کچھ خیرات کر کے گھر میں جھاڑو پھیر دیا گیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کثرت گریہ کی وجہ سے حضرت شیخ کے چہرہ پر زخم ہو گیا تھا۔ آپ کے اصحاب بیان کرتے ہیں کہ آپ کی آنکھ کبھی خشک نہیں ہوتی تھی۔ ہر وقت آنسوؤں سے تر رہتی تھی اور بعض اوقات تو فوارہ کی طرح آنکھوں سے پانی جاری ہو جاتا تھا اور

[1] دوزخ اور بہشت کے درمیانی علاقے کو عرصات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پانی اوپر کی طرف بہہ کر نیچے گرتا تھا۔اس لئے لوگ یہی کہتے ہیں کہ آپ جب تک زندہ رہے روتے رہے اور جب کوچ کیا تو روتے ہوئے کوچ کیا۔

وَکَان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم دائم الحزن و البکاء

اور سول اللہ ﷺ ہمیشہ گریہ وزاری میں بسر کرتے تھے

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نظام الدین بڑے دانش مند بزرگ تھے۔ایک دفعہ حضرت شیخ فرید الدینؒ کی زندگی کے دوران دو قوموں کے درمیان مناکحت (شادی بیاہ) ہوئی شیخ کے لڑکے نے حضرت اقدس کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ حضور اُن لوگوں کے ہمراہ علماء ہیں ہمارے ساتھ بھی ہونے لازمی ہیں۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ تمہارا والد اور نظام کافی ہیں۔تمہارے والد صوفیوں کے ساتھ بحث کے لئے اور نظام علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کو ساتھ لیکر شادی پر چلے گئے۔ان لوگوں کے ہمراہ ایک شیخ زادہ تھا جو اپنی بیوی پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔مولانا بدرالدین نے اُس سے کہا کہ آپ کے پاس سوئی دھاگہ ہے اُس نے کہا۔جی ہاں مولانا نے کہا لے آؤ۔جب وہ لے آیا تو مولانا نے سوئی میں دھاگہ ڈال کر اس کے ہاتھ میں دیا اس سے اس کی بیماری دور ہوگئی۔اور اسی رات بیوی پر قدرت حاصل ہوگئی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے۔براتیوں کے درمیان ایک اور مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اور مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا۔

شیخ نظام الدین بیٹھے سُن رہے تھے۔آخر انہوں نے کہا اب میں بیان کرتا ہوں تم لوگ خاموشی سے سنتے رہو۔اگر کوئی اشکال باقی رہ جائے تو بعد میں پوچھ لینا۔چنانچہ انہوں نے تقریر شروع کی اور اس خوبی سے مسئلہ بیان کیا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہا اور مسئلہ اچھی طرح ان کی سمجھ میں آ گیا۔یہ دیکھ کر سب لوگ حیران ہوئے اور ان کی قابلیت کی تعریف کی۔

رویت باری تعالےٰ

نیز فرمایا کہ حضرت شیخ کے احباب ہمارے گھر میں جمع ہوا کرتے تھے۔اس وقت میں کم عمر بچہ تھا۔یہ حضرات آپس میں جو گفتگو کرتے تھے۔میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا بس یہی سمجھتا تھا کہ وہ حضرات حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس سے ہمکلام ہوتے ہیں۔اس سے مجھے یقین ہو گیا

کہ صوفی حضرات رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد میں نے کتاب تصرف[1] دیکھی اور دیکھ کر حیران ہوا کہ صوفی ہو کر اس کتاب کا مصنف رویت باری تعالیٰ کا قائل نہیں۔ لیکن ہم سالہا اپنے شیخ کی خدمت کر رہے ہیں۔ کبھی رویت کے انکار کی نوبت نہ آئی۔

روز سہ شنبہ ۱۰۔ شعبان

چاشت کے وقت بھی فقہاء اور صوفیاء کے درمیان اختلاف پر گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ان لوگوں سے صوفیوں کی نجات کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ان میں شمار کریں اور ان کی طرح ہو کر رہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جب ہمارے شیخؒ نے لوگوں کے ساتھ ایک معاملہ کیا تو اپنے آپ کو ایک دانش مند صالح اور لکھے پڑھے انسان کے سوا کچھ ظاہر نہ کیا۔ مولانا برہان الدین بجنوری سالہا سال سے حضرت اقدس کے ملازم تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان کو ایک بات کہی تو انہوں نے اس کی تردید میں جواب دیا کہ حضرت آپ کا یہ خیال ہے کہ حضرت شیخ سے جو قرب وصحبت مجھے حاصل ہے کسی اور کو نہیں ہے۔ میں نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ مجھے حضرت شیخ نے ذکر تلقین نہیں فرمایا لیکن میرا ایک رشتہ دار ہے۔ جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اُسے ذکر کی تعلیم دی۔ اس آدمی نے کہا کہ بعض لوگ حضرت اقدس سے بیعت ہوئے تو آپ نے ان کو نماز روزہ کے سوا کسی چیز کی تعلیم نہ دی۔ طبقہ صوفیاء کی صحبت میں پریشانی ہی پریشانی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوم ہمیشہ بے قرار اور بے چین رہتی ہے[2] اور جو شخص ان کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بھی اُسی طرح رہتا ہے۔ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ مکان کرایہ پر لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کا خادم اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ پڑوس میں کوئی عالم، دانش مند یا گوشہ نشین نہ ہو۔

شیطان کا عرفان

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن رسول خدا ﷺ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ رات

---

[1] تصرف کا پورا نام "التصرف لمذہب اہل التصوف" ہے جو حضرت شیخ ابی بکر بن ابی اسحاق کلاباذیؒ کی تصنیف ہے یہ کتاب تصوف پر قدیم ترین کتاب مثل کشف المحجوب رسالہ قیشریہ اور کتاب اللمع میں شمار ہوتی ہے۔

[2] بے چینی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت طلب دوست میں رہتے ہیں اور جب قرب کی ایک منزل نصیب ہوتی ہے تو اس سے بلند منزل کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور یہ پرواز کبھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ نہ ذاتِ حق کی کوئی انتہا ہے نہ قرب کی کوئی حد ہے لہٰذا ان کی بے قراری اور بے چینی ایک مستحسن اور پسندیدہ چیز ہے نہ کہ غیر پسندیدہ۔

تمہارے قیدی نے کیا کیا۔ بات یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ غلہ آیا۔ آپ نے وہ غلہ حضرت ابو ہریرہؓ کی تحویل میں دے دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ رات کے وقت ایک شخص آیا اور غلہ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیدار ہو کر اس کو پکڑ لیا۔ اس نے کہا میں فقیر ہوں، عیالدار ہوں، فاقہ کش ہوں مجھے چھوڑ دو۔ پھر نہیں آؤں گا۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا آج رات اس کا انتظار کرنا پھر آئے گا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ ساری رات جاگتے رہے۔ وہ آدمی پھر آیا اور آپ نے اسے پکڑ لیا۔ لیکن وہ پہلے کی طرح حیلے بہانے بنا کر نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسرے دن ابو ہریرہؓ نے وہی قصہ دہرایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آج رات پھر آئے گا۔ خیال رکھنا۔ چنانچہ وہ تیسری بار آیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ تم نے وعدہ خلافی کی ہے۔ اب تجھے ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ اس نے کہا اگر آپ مجھے رہا کر دیں تو میں آپ کو قرآن مجید کی ایک ایسی آیت بتاؤں گا۔ جسے سونے سے قبل پڑھنے سے ساری رات ہر قسم کے شر سے امان ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا بہت اچھا اس نے کہا وہ آیت الکرسی ہے۔ آپ نے اُسے رہا کر دیا۔ صبح کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے ماجرا دریافت کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے سارا قصہ بیان کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا تو وہ جھوٹا لیکن بات سچی کہہ گیا۔'' اے ابو ہریرہؓ تجھے معلوم ہے وہ کون تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور مجھے معلوم نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ شیطان تھا[1]۔ اس موقعہ پر حضرت اقدس کے بردار زادہ سیّد احمد نے دریافت کیا کہ شیطان کو قرآن مجید کی خاص آیات کی فضیلت کا علم کیسے ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان بدبخت لعین اسرار و رموز کا اس قدر عارف اور عاشق ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

شیطان کی غیرت

ایک دن راستے میں حضرت شیخ عبداللہ تستریؒ کی شیطان سے ملاقات ہو گئی تو اس نے اسرار و رموز بیان کرنا شروع کئے۔ حضرت شیخ نے کہا سُبحان اللہ! یہ وہ اسرار و رموز ہیں کہ جن سے عارفین کا جگر خون ہوتا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ شیطان نے کیا کہا۔ اس نے کہا!

[1] معلوم ہوتا ہے کہ شیطان حضرت ابو ہریرہؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن خاصانِ خدا کو جو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔ خود ذلیل و خوار ہو گا۔

فبعزّتکِ لَاَغوِیَنّھُم اجمعین

یہاں ''با'' قسمیہ ہے یعنی تیری عزت کی قسم کسی کو تیرے نزدیک نہیں آنے دوں گا۔

نیز ''با'' سبّیہ بھی ہوسکتی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تیری عظمت کیوجہ سے کسی کو تیرے نزدیک نہیں آنے دوں گا۔

یعنی اے اللہ تو اس قدر باعظمت وباعزّت ہے کہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی تیرے پاس پھٹکے اور بے ادبی کا مرتکب ہو۔

ایک آیت کی تفسیر

فرمایا یہ جو رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ سورۂ اخلاص قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں تین چیزیں ہیں، توحید، احکام اور قصص (جمع قصّہ) قُل ھُوَاللہ اُحَد توحید ہے اس لئے قرآن کا تہائی حصہ ہے۔ ہمارے مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اُسے ایک ہزار بار سورۂ اخلاص روزانہ بلا ناغہ پڑھنا چاہیے۔ حضرت اقدس قطب الدینؒ ہر رات چار ہزار بار دورد شریف اور چار ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس رات آپ سے یہ وظیفہ فوت ہوگیا۔ آپ کے ایک خادم نے خواب میں دیکھا کہ ایک بلند مقام پر ایک بزرگ قیام رکھتے ہیں اور ایک آدمی کوتاہ قد کمزور اور سبز پوش ان کے دروازہ پر بیٹھا دربانی کررہا ہے۔ کبھی وہ اندر جاتا ہے اور کبھی باہر جس طرح کوئی خادم یا دربان کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ مقام رسول خدا ﷺ کا ہے اور وہ آدمی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ انہوں نے باہر آکر مجھ سے کہا کہ قطب الدین کو میرا اسلام دو اور کہو جو تحفہ تم میرے پاس ہر رات بھیجا کرتے تھے آج رات نہیں بھیجا۔ خیر تو ہے۔ صبح جب خادم نے حضرت شیخ کے سامنے یہ خواب بیان کیا تو آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس عورت کو حق المہر دے کر طلاق دے دی اور معافی مانگی۔

---

1 حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے مقام کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی مجلس میں حضرت خواجہ بایزید بسطامی کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے سلسلہ میں بھی ایک بایزید ہے لوگوں نے کہا کہ وہ کون ہے فرمایا برہان الدین غریب۔

مرگِ سفید مرگِ سُرخ و مرگِ سیاہ کا مطلب

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ محمود حضرت خواجہ برہان الدین غریب[1] کے باقی ماندہ احباب میں سے تھے۔ ان کا گھر شہر دہلی کے اندر حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے احاطہ میں تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے میرے پاس خادم کے ذریعے کہلا بھیجا کہ جب آپ خواجہ قطب الدینؒ کی زیارت سے فارغ ہوں تو میرے گھر پر آنا ہم رسالہ قیشریہ کا مقابلہ کریں گے اور آپ سے چند سوالات بھی کرتے ہیں۔ اس وقت میری عمر بہت کم تھی۔ میں نے دعوت قبول کر لی۔ جب ان کے گھر پر پہنچا تو ہم نے ملکر رسالہ قیشریہ[1] کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی کہ حضرت شیخ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تین دفعہ نہیں مرو گے کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ اول مرگِ سفید، دوم مرگِ سرخ، سوم مرگِ سیاہ۔ مرگِ سفید سے مراد بھوک ہے، مرگِ سرخ سے مراد تحمل اور مرگِ سیاہ سے مراد فقر ہے۔ انہوں نے بطور امتحان مجھ سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے بھوک کی مرگِ سفید، تحمل کو مرگِ سرخ اور فقر کو مرگِ سیاہ کہا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بھوک سے صفائے قلب حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اُسے مرگِ سفید کہا گیا ہے اور تحمل کا مطلب ہے خونِ دل نوش کرنا۔ اس لئے اسے مرگِ سرخ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور فقر کو اس لئے مرگِ سیاہ کہا گیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے الفقر سوادِ الوجہ فی الدارین[2] (فقر دونوں جہانوں میں روسیاہی ہے) اور فی الواقع فقیر خلق کے سامنے شرمندہ، خجل اور منکسر ہوتا ہے۔ انہوں نے میری بات سُنی اور سر نیچے کر کے خاموش بیٹھے رہے۔

روز چہار شنبہ ۱۱۔ شعبان

ظہر کی نماز کے وقت مولانا عمر شیخ سعید کھبنائتی حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا افعال باری تعالیٰ علت و غرض پر مبنی ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب حق تعالیٰ

---

[1] رسالہ قیشریہ امام ابوالقاسم قیشری قدس سرہٗ کی تصنیف ہے اور اس کا شمار تصوف کی چار قدیم ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ باقی تین کتابیں یہ ہیں۔ کشف المحجوب مصنفہ حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوریؒ، کتاب التعرف المذہب التصوف امام ابی بکر بن ابی اسحاق کلاباذیؒ اور کتاب اللمع از شیخ ابونصر سراجؒ۔

[2] اس حدیث میں سواد الوجہ یعنی روسیاہی سے عارفین نے فنائے تامہ مراد لی ہے کہ جب انسان کامل ذاتِ حق میں جس کا رنگ سیاہ ہے مستغرق ہو جاتا ہے۔ کعبہ کا رنگ بھی اس لئے سیاہ ہے کہ مقام ذات ہے اور مدینہ مقام صفات یا عالم جبروت ہے جسے وحدت یا حقیقت محمدیہ ﷺ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سے دریافتؓ کیا کہ اے رب تو نے حلق کو کیوں پیدا فرمایا تو حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ'

کنتُ کنزاً مخفیا فَاحبَبتُ اَن اُعرَفَ فلھنٰ خلقت الخلق

(میں رازِ سر بستہ تھا مجھے اس کا بات کا شوق ہوا کہ پہچانا جاؤں اس لئے میں نے خلق کو پیدا کیا)

اس سوال و جواب میں علت اور غرض پائی جاتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا جاننا چاہیے کہ افعالِ باری تعالیٰ کا تعلق علت و غرض سے نہیں ہے۔ نیز وہ عبث اور بے فائدہ بھی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ حکیم ہے اور

والحکیم لا بعثُ حکم عبث

اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا

اس کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ بے حکمت اور بے مصلحت نہیں ہے۔ اب اس حکمت کا تعلق یا ہمارے ساتھ ہوتا ہے یا باری تعالیٰ کے ساتھ۔

پس اس حدیث قدسی کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے خلقت کی حکمت کے متعلق سوال کیا تو حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں ایک مخفی راز تھا۔ یعنی خود یا خود اور اپنی وحدت کے ساتھ متوحّد تھا۔ میں نے چاہا کہ اپنی عزت و عظمت کو آشکارا کروں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی اور کا وجود ہو۔ جس پر راز ظاہر ہو اور جو اس کا شیدا بنے۔ معرفت کا یہی طریقہ ہوسکتا تھا۔ معرفت بغیر اظہار نہیں ہوسکتی۔ اس لئے خلقت کو پیدا کیا گیا۔ اس حکمت اور مصلحت کے تحت ایک ایسی صورت پیدا کی گئی جس میں کثرت کا وہم گذرے اور عارف و معروف پیدا ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق اَن **اَعرِف یعنی اَعرِف** فعل معروف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ "مجھے خواہش ہوئی کہ میں عارف بنوں"، یعنی میں بالقوہ علیم تھا۔ علیم بالفصل بننے کی خواہش ہوئی۔ علیم اشیاء کے بغیر بھی علیم ہوسکتا ہے۔ لیکن عارف یا دانا ہونے کے لئے اشیاء کا ہونا ضروری تھا۔ اس کے بعد اس سائل نے عرض کیا کہ اسی طرح صفات باری تعالیٰ میں تغیر و حدوث بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔

اقسام صفات

آپ نے جواب دیا کہ صفات کی تین اقسام ہیں۔ صفاتِ ذاتی جیسے حیات و قدرت صفات

---

[1] خالق بالفصل اور خالق بالقوۃ کا مطلب یہ ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے حق تعالیٰ کی ذات میں قوتِ تخلیق تھی لیکن اس قوت کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ جب خلق پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ خالق بالفصل ہوا۔ یعنی تخلیق کا کام سرزد ہوا۔

فعلی جیسے خلق ورزق اور صفات اضافی جیسے علیم وخبیر۔اب صفات فعلی واضافی ہیں جو تغیر واقع ہوتا ہے وہ بِالنِسبَت اِلَینا ہوتا ہے نہ کہ بالنِسبَت اِلَیہ (یعنی ہمارے نقطۂ نگاہ سے نہ کہ خدا کے نقطۂ نگاہ سے) اس سے اس کی ذات میں کوئی نقص یا تغیر لازم نہیں آتا۔حق تعالیٰ ازل میں بالفعل خالق[1] نہیں تھا۔(بلکہ بالقوۃ فاعل تھا)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

كَانَ اللهُ وَلَم يَكُن مَعَهُ شَيئاً

اللہ تھا اور اس کے ساتھ اور کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔

یعنی جب اپنے اختیار سے خلق کو پیدا کیا خالق بالفصل ہوا۔اس وجہ سے صفاتِ فعلی واضافی میں تغیّر ہمارے نقطۂ نگاہ سے ہوا۔اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں۔وہ ازل الازال سے خلق اور رزق پر بالقوت و بالفصل قادر ہے۔وہ مُرید[1] اور مختار ہے۔وہ جو کچھ چاہتا ہے جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ نہیں چاہتا نہیں کرتا۔تغیر وتعیّن مخلوق کی طرف منسوب ہے (نہ کہ خالق کی طرف) حق تعالیٰ خلق اور رزق پر بالفصل اور بالقوت قادر ہے لیکن اس چیز کا ظہور اس کے ارادہ اور اختیار کے بعد ہوتا ہے اور وہ بھی اسی صورت میں اور اسی وقت پر ہوتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔تغیر کا وہم ہماری طرف سے ہوتا ہے ورنہ حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں تمام تغیرات وحدث وزوال سے منزّہ اور پاک ہے۔اگر فرض کیا جائے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہ کرتا اور نہ رزق دیتا۔تب بھی اس کی الوہیت وعظمت اور صفت رزاقیت میں نقص نہ ہوتا۔بلکہ یہ ہوتا کہ اس کی اس صفت کا ظہور نہ ہوتا اور ظہور جو ہم سے متعلق ہے وہ لامحالہ وقت سے بھی متعلق ہے پس صفات باری تعالیٰ میں جو تغیر وحدوث نظر آتا ہے وہ وقتی ہو یا غیر وقتی۔یہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے ہے نہ کہ باری تعالیٰ کے نقطۂ نگاہ سے۔

اس کے بعد اسی سائل نے عرض کیا کہ کیا صفات باری تعالیٰ کے ظہور میں احتیاج یا تقاضا کا عنصر پایا جاتا ہے[2]۔آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارے تمام کاموں میں

[1] مرید بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کا مطلب ہے ارادہ کرنے والا۔
[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ آیا حق تعالیٰ کو اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اپنی صفات کا اظہار کرے۔بالفاظ دیگر اس کی صفات کا ظہور اختیاری ہے یا اضطراری۔

احتیاج کی مصلحت پائی جاتی ہے۔لیکن باری تعالیٰ ہر قسم کے احتیاج سے پاک اور بالاتر ہے۔اس کا ہر کام اس کی منشاء اور رضا کے مطابق ہوتا ہے۔چنانچہ لفظ فَاحبَبتُ اَن اُعرَف سے ظاہر ہے نہ اس میں کوئی احتیاج پایا جاتا ہے۔نہ اکراہ (مجبوری) اور نہ منظوری اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے ارادہ اور تصرف کی بناء پر یہ بات پسند آئی کہ عارف بنوں یا پہچانا جاؤں۔یہ میری اپنی مرضی ہے کہ میں نے خلقت کو پیدا کیا۔یہاں بعض لوگوں کو احتیاج کا گمان ہوتا ہے اس لئے سوال کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ فائل مختیار ہے واجب الوجود[1] ہے۔ ممتنع العدم ہے وہ موجب بذات نہیں ہے یعنی اس کی ذات وہ ذات نہیں۔جس سے افعال خود بخود مجبوراً سرزد ہوں۔جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ کا خیال ہے۔اور اسی سے صفات کی نفی کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ چشمہ خواہ چاہے یا نہ چاہے اس سے پانی ضرور نکلتا ہے۔جیسے پانی کا غرق کرنا اور آگ کا جلانا۔لیکن مذہب حق یہ ہے کہ

لاعِلَّته بصنعتهٖ و علت کل شئی صنعته

اس کے خلق کی کوئی علت نہیں ہے بلکہ اسکی خلق ہر چیز کی علتِ غائی ہے۔

یعنی اس کی خلق کے لئے کوئی چیز موجب نہیں ہے جو اسے اس صنعت پر مجبور کرے بلکہ ہر چیز اور مخلوق کے وجود میں آنے کی وجہ اس کا ارادہ اور اس کا اختیار ہے یعنی جو کچھ چاہتا ہے اپنے اختیار کے ساتھ بغیر مجبوری اور احتیاج پیدا کرتا ہے۔اس کا ارادہ اور اختیار اس فعل کی علت ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کوئی کام نہ کرنا چاہے تو اس پر کوئی نقص لازم نہیں ہوتا۔اور نہ کسی چیز کا وہ محتاج ہوتا ہے۔

یفعَلُ مایشاءُ وَ یحکمُ مایُرید یَعزُّ و یُذِل ولا یُسئَلُ عما یفعَلُ وھم یُسئلُون

جو چاہتا ہے کرتا ہے حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے عزت دیتا ہے ذلت دیتا ہے اور اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیا کرتا ہے۔بلکہ سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔

حدیث کُلُ مُسکرِ حرام کی شرح

حدیث کُلُ مُسکرِ حرام (ہر نشہ آور چیز حرام ہے) کی شرح یوں فرمائی کہ مُرشد کو چاہیے کہ مرید کو اپنی روحانی توجہ دے جسے وہ آسانی سے برداشت کر سکے۔یہ نہ کرے کہ واردات کی

[1] وجود کی تین قسمیں ہیں اوّل واجب الوجود یعنی جس ذات کا ہونا ضروری ہو وہ ذاتِ حق ہے دوم ممکن الوجود جس کا ہونا ضروری نہ ہو اس سے وجود خلق مُراد ہے۔سوم ممتنع الوجود جس کا وجود میں آنا ممکن نہ ہو۔اس کو عدم بھی کہتے ہیں۔

اس پر ایسی بارش کرے کہ قابل برداشت نہ ہو۔ اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اُسے ضائع کر دے۔ جب تدریجی، روحانی فیضان سے مرید کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے تو اس میں قوت برداشت بھی بڑھ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ بلند مقامات پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے مُسکر (نشہ آور چیز) پلانے کا مطاب اس سلسلہ میں آپ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی کہ خورد سالی میں جب میری عمر کوئی آٹھ سال تھی تو میں کسی کے گھر گیا ہوا تھا وہ لوگ شراب پی کر بدمست ہو رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی ایک پیالہ پلا دیا۔ جس سے میں بھی بدحواس ہو گیا اور وہ مجھے گھر لائے۔ مجھے کسی قسم کا شعور نہ تھا۔ ساری رات قے کرتا رہا اور بے چین رہا۔ جب صبح ہوئی تو چونکہ مجھے باقاعدہ نماز پڑھنے کی عادت تھی میں نے اُٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی اس جگہ بہت ہجوم تھا اور چاروں طرف لوگ بدمست ہو کر قے کر رہے تھے۔ میں اپنے حال پر شرمندہ تھا اور سر نیچے کر کے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے کبھی مجھے اس قسم کی مجلس میں مبتلا نہیں کیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے میری استعداد سے زیادہ شراب پلا دی میں اسے برداشت نہ کر سکا اور ملامت، شرمندگی، بدمزگی قے اور بے ہوشی کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

سُنت نبوی کی اہمیت

اس کے بعد فرمایا کہ جب ایک عارف رسول خدا ﷺ کی سنّت پر نہیں چلتا اور پیروی نہیں کرتا تو خداوند تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں فرماتا۔ ایک درویش کہتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا۔ جس کا پاؤں پنڈلی تک کٹا ہوا تھا جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں سنت رسول اللہ ﷺ پر نہیں چلتا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے میرا پاؤں کاٹ دیا۔

درویش کو دولت کی سزا

نیز فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک درویش کو ایک بزرگ کی زیارت کے لئے بھیجا اور اس سے کہا کہ جو کچھ وہاں دیکھو مجھے بتاؤ۔ وہ درویش وہاں گیا اور جا کر دیکھا کہ بڑے باعظمت بزرگ ہیں۔ لیکن انکی قبر کے اندر ایک بہت بڑا سیاہ سانپ بھی موجود[1] ہے میں نے اُن سے پوچھا کہ یا حضرت

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قبر کی زیارت کو گئے۔

اس بزرگی اور عظمت کے باوجود یہ سانپ کیوں قبر میں موجود ہے انہوں نے جواب دیا کہ کیا کروں۔ حق تعالیٰ نے مجھے کثرت سے مال و دولت دیا تھا۔ لیکن میں نے اُسے بے جا خرچ کیا۔ اس کی جزا مجھے یہ ملی ہے کہ یہ سانپ میرا مصائب بنا دیا ہے۔ جب تک میں اس قبر میں ہوں یہ بھی ساتھ رہے گا۔ سبحان اللہ! ان حقائق و معارف اور مقامات و مراتب قرب کے باوجود یہ بلا بھی نازل کر دی گئی۔

تلاوتِ قرآن کا ایک طریقہ

اس کے بعد فرمایا کہ کتبِ سلوک میں لکھا ہے کہ سالک کو چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت تمام خطابات کا مخاطب اپنے آپکو سمجھے۔ اس سے تواضع، انکسار اور کسر نفسی مطلوب ہے ورنہ از روئے شریعت انسان کفار کے خطابات کو اپنے اوپر کیسے محمول کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ مولانا برہان الدین غریبؒ کے مرید مولانا زین الدین دولت آبادی نے حضرت شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہ) سے عرض کیا کہ مجھ ناچیز مریض دل کی صحت کے لئے دعا کیجئے۔ آپ نے دانتوں میں انگلی دے کر فرمایا کہ مولانا دل کو مریض مت کہو قرآن میں مرض دل سے مراد شک اور نفاق (منافقت) ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَض "

جن لوگوں کے قلوب میں مرض ہے یعنی شک و نفاق۔

اس سے پہلے ایک شخص اپنے بچوں کو حضرت اقدس کی زیارت کے لئے آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بچوں کو ہم عمر ملازم یا ملازمہ کے سُپرد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ نوکر لوگ نفسانیت کے تابع ہوتے ہیں اور بچوں کو بھی اپنے جیسا بنا دیتے ہیں۔ بچوں کے لئے بڑی عمر کے نوکر اور نوکرانیاں تعینات کرنی چاہیں۔ چونکہ بچوں کو قصہ کہانیوں سے محبت ہوتی ہے۔ ملازموں کو چاہیے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اور بعثت و نبوت کے حالات سنائیں یا دوسرے انبیاء علیہ السلام کے واقعات بیان کریں تا کہ یہی باتیں ان کے دلنشین ہو جائیں اور انہی کا علم ان کو ہونا چاہیے۔ میں ان لوگوں کو بچپن کے زمانے میں (یہ کہہ کر آپ نے اس احقر کی طرف اور احقر کے چھوٹے بھائی کی طرف اشارہ فرمایا) رات کے وقت طلب کر کے آنحضرت ﷺ کی پیدائش مبارک اور نبوت

کے متعلق واقعات بیان کیا کرتا تھا۔ چنانچہ یہ احقر عرض پرداز ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ابتدائی زندگی سے آخر تک جتنے حالات ہیں۔ سب حضرت شیخ کے الفاظ کی برکت سے آج تک یاد ہیں۔ اس سلسلے میں اگرچہ بعض جملوں کا معانی اس وقت سمجھ میں نہیں آئے تھے لیکن حضرت اقدس کے الفاظ اب تک اچھی طرح یاد ہیں اور کبھی نہیں بھول سکتے۔

جس تخم سے ہر قسم کی نباتات اُگ سکتی ہے

حضرت اقدس یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ وہ کونسا بیج ہے جس سے ایک زمین میں گندم پیدا ہو دوسری جگہ جو نکل آئے' زرد آلو برآمد ہوں' اور شکر' حنظلہ' کدو' توریا اور زہر بھی پیدا ہوا۔ خواہ اس کی تربیت (پرورش) میں جتنی کوشش کی جائے۔ تو میں یہ جواب دوں گا کہ وہ تخم انسان ہے۔ اسی ایک بیج میں سے پیغمبر بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ولی اللہ بھی وجود میں آتے ہیں' ابدال' اوتار' غوث اور قطب بھی اور کافر' فاسق' فاجر' چور اور ڈاکو بھی پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کی تعلیم وتربیت وتکمیل کا بہترین وقت کیا ہے

اس کے بعد سلسلہ کلام اس بات پر ہونے لگا کہ انسان کی تربیت اور تکمیل کے لئے بہترین وقت کونسا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ عمر کی بہار یہی جوانی اور بچپن کا زمانہ ہے۔ اکثر مشائخ عظام مادرزاد ولی اور پیدائشی طور پر صالح ہوئے ہیں۔ بعض حرارت جوانی حیوانی کے زمانے میں طلب دنیا میں مشغول تھے لیکن بعد میں تائب ہوکر اللہ کی جانب رجوع کیا۔ چنانچہ حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ خواجہ ابوحفص حدادؒ کچھ عرصہ دنیا میں مشغول رہے۔ حضرت خواجہ فضیل ابن عباسؒ حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ حضرت خواجہ جنید بغدادی بارہ سال کے تھے کہ ایک رات آپ کے ماموں حضرت خواجہ سری سقطیؒ مشغول بحق تھے۔ جنید کھیلتے ہوئے آپ کے پیچھے سے گزرے تو آپ نے کہا اے بچے! تم کیا کر رہے ہو۔ یہاں بیٹھ جاؤ اور یہ کہہ کر اپنے دل میں بٹھاؤ کہ

اَللہ حَاضِرِی، اَللہ نَاظِرِی، اَللہ مَعِی

اللہ میرے سامنے ہے' اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ میرے ساتھ ہے

حضرت جنیدؒ یہ مراقبہ کر کے بیٹھ گئے اور حضرت سری سقطیؒ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔صبح کے وقت حضرت شیخ نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ جنید اُسی طرح سرنگوں بیٹھے ہیں آپ نے پوچھا بیٹے کیا کر رہے ہو۔انہوں نے جواب دیا اَللّٰہُ حَاضِرِی، اَللّٰہُ نَاظِرِی، اَللّٰہُ مَعِیَ اس کے بعد حضرت شیخ جنیدؒ کو گھر لے گئے۔لیکن وہ یہی کلمات کہتے رہے اور سر بدستور نیچے کئے بیٹھے تھے۔جب کھانا لایا گیا تو فرمایا کہ کس طرح کھاؤں' اللہ حاضر ہے' دیکھ رہا ہے اور میرے ساتھ ہے۔اسی طرح نہ پانی پی سکتا ہوں' نہ بول و براز کر سکتا ہوں۔یہ دیکھ کر گھر کے لوگ متفکر ہوئے کہ یہ بچہ کس طرح زندہ رہ سکتا ہے۔چونکہ وہ بچے تھے ان کی والدہ ان کی فہم کے مطابق یہ کرتی تھیں کہ اپنے اور بچے کے درمیان پردہ لگا دیتی تھیں۔جب وہ قضائے حاجت کو جاتے تو یہ خیال کرتے تھے کہ میرے اور خدا تعالیٰ کے درمیان پردہ حائل ہے۔

نیز فرمایا کہ ہمارے حضرت خواجہ صاحب (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا تھا۔نیز پنج گنج اور حریریؔ بھی پڑھ لی تھی اور میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کا مرید بنوں گا۔میری والدہ ماجدہ کے داد تھے جن کا نام خواجہ خضر تھا۔وہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مرید تھے۔میں انکے بچوں کو پڑھاتا تھا۔ایک دن میرے ایک شاگرد نے دریافت کیا کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہیں یا ہاتھ۔میں نے اس وقت تک فقہ نہیں پڑھا تھا اس لئے جواب نہ دے سکا اور یہ بھی مجھے گوارا نہ تھا کہ شاگردوں کے سامنے لاعلمی ظاہر کرتا۔چنانچہ میں نے اُس سے کہا کہ کتاب دیکھ کر بتاؤں گا۔لیکن دل میں یہ ارادہ تھا کہ اُستاد سے جا کر دریافت کر لوں گا۔چنانچہ میں روانہ ہو گیا۔راستے میں ایک مسجد تھی جو مولانا نصیر الدین سالار پوری کے نام سے منسوب تھی۔وہ بھی اودھ کے رہنے والے تھے۔میں اس مسجد میں گیا اور نماز چاشت ادا کرنے کا ارادہ کیا۔اس زمانے میں مجھے نماز اشراق' چاشت' زوال اور تہجد پڑھنے کی عادت تھی۔کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد میں باوقار سبز پوش دراز قد اور بڑی بڑی آنکھوں والے ایک بزرگ آئے اور نماز پڑھنے لگے۔لیکن انہوں نے قیام مختصر کیا اور جلدی سے رکوع میں چلے گئے اور سجدہ میں جانے کے لئے انہوں نے زمین پر گھٹنے ٹیکے اور پھر ہاتھ زمین پر رکھے۔بس یہی کیا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔میرے دل میں خیال آیا کہ یہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ تھے۔

چنانچہ میں واپس گھر گیا تو دیکھا کہ خواجہ خضرا اپنے دوست کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آج میں نے آپ کے شیخ کو دیکھا ہے انہوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ کیسے دیکھا۔ میں نے کہا کہ فلاں مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک بزرگ کو دیکھا مجھے خیال آیا کہ آپ حضرت شیخ نظام الدینؒ ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ اُن کا حلیہ کیا تھا۔ جب میں نے پورا حلیہ بیان کیا تو انہوں نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ واقعی میرے شیخ کا یہی حلیہ تھا۔ چنانچہ جب میں بیعت کے لئے شہر میں آیا اور آپ کی زیارت کی تو بعینہٖ اُسی طرح پایا جس طرح میں نے دیکھا تھا۔

نیز حضرت خواجہ نصیر الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں صغیر سنی میں ایک مسجد میں ایک معلم کے ہاں قرآن مجید پڑھتا تھا۔ مسجد میں ایک درخت تھا۔ ایک کوّا آ کر اس درخت پر بیٹھ گیا اور بولنے لگا کوّا جو آواز نکالتا تھا میں سمجھ لیتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے ساری عمر اپنے اساتذہ اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے دروازہ کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں دیکھا تھا اور خدا تعالیٰ کی بندگی کے سوا اور کوئی کام نہیں سیکھا تھا اور نہ کسی اور چیز کی آپ کو خواہش تھی۔

حضرت شیخ فریدالدّین گنج شکرؒ

حضرت شیخ فرید الدین قدس سرۃ العزیز حضرت قاضی سلیمانؒ کے فرزند تھے۔ جو کھوتیوال[1] کے قاضی تھے اور حضرت شیخ فرید الدینؒ بچپن کے زمانے میں وہاں قاضی بچہ دیوانہ کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ آپ ہر وقت یادِ خدا میں رہتے تھے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے اور اکثر اوقات مسجد میں خاموش بیٹھے متوجہ الی اللہ رہتے تھے جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو آپ چار بیٹے پیچھے چھوڑ گئے۔ کوٹھیوال کی زمین ان کی ملکیت تھی جسے وہ آپس میں تقسیم کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت شیخ فرید الدینؒ ان کے ساتھ بیٹھ کر زمین کی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے شیخ کو پکڑ لیا اور کہا کہ یا اپنا حصہ لو یا لکھ دو کہ میں ترک کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا حصہ ترک کر کے دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج وہ گاؤں جو خطیرہ شیخ (احاطۂ خانقاہ) کے لئے وقف ہے

1 کھوتیوال یا کوٹھیوال ملتان کے علاقے میں ایک قدیم قصبہ تھا جو آج کل چاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے اور حضرت شیخ قاضی سلیمانؒ کا مزار بھی وہاں موجود ہے۔

وہی کوٹھیوال ہے۔ جس میں سے آپ نے اپنا حصہ ترک کیا تھا۔

حضرت خواجہ قطب الدین

ہمارے شیخ (حضرت خواجہ نظام الدینؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شیخ (حضرت خواجہ فرید الدینؒ) نے فرمایا کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی عمر چار برس اور چار ماہ ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آیا کے ساتھ کچھ شرینی اور چاندی دیکر آپ کے پاس والی مسجد میں بھیجا۔ تا کہ وہاں کے معلم آپ کی بسم اللہ کرائیں۔ راستے میں ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے آیا سے دریافت کیا کہ بچے کو کہاں لے جا رہی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ محلے کی مسجد میں تعلیم کے لئے داخل کرنے جا رہی ہوں۔ بزرگ نے کہا کہ دوسرے محلہ کی مسجد میں اچھا اُستاد ہے میرے ساتھ آؤ۔ میں بچے کو وہاں داخل کرا دوں گا۔ آیا نے کہا جو جگہ آپ بہتر سمجھیں وہاں لے چلیں۔ جب وہ وہاں پہنچے تو معلم دوڑتا ہوا آیا اور بچے کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس بزرگ نے معلم سے کہا کہ مولانا اس بچے کو اچھی طرح تعلیم دینا اس سے ہمارے بہت سے کام وابستہ ہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ معلم جب بچے کو مسجد کے اندر لے گیا تو دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں یہ بزرگ ملے۔ وہ مجھے آپ کے پاس لے آئے۔ معلم نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ وہ بزرگ کون تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا وہ خضر علیہ السلام تھے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ اوش کے رہنے والے تھے۔ اس لئے آپ کو خواجہ قطب الدین اوشی کہتے ہیں۔ اوش ایک گاؤں ہے جو قصبہ مرغیناں کے پاس ہے۔ (علاقہ ترکستان) حضرت اقدس مرغیناں میں بھی رہے ہیں۔ مرغیناں میں ایک مینار ہے کہ دہلی کے مینار کے برابر ہے لیکن وہ مینار اتنا عمدہ اور صاف ستھرا نہیں تھا۔ جتنا کہ منارہَ دہلی۔ بلکہ سخت غلیظ تھا اور بعض جگہوں پر وہ خوفناک بھی تھا۔ اس لئے وہاں ہر شخص نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں یہ مشہور تھا کہ یہ حضرت خضرؑ کا مقام ہے۔ حضرت شیخ سولہ برس کی عمر میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے لئے جمعہ کی رات وہاں تشریف لے گئے۔ ساری رات مشغول رہے لیکن زیارت نہ

ہوئی۔ واپسی پر راستے میں ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ اے بچے تم کہاں گئے تھے۔ حضرت شیخ نے کہا کہ اُس منارہ کے نیچے گیا تھا۔ انہوں نے کہا وہ خراب اور خطرناک جگہ ہے وہاں کیوں گئے تھے۔ آپ نے کہا سُنا ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات کو وہاں مشغول رہے اُسے حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا ملاقات ہوگئی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر ملاقات ہو جاتی تو تم کیا کرتے۔ آپ نے جواب دیا کہ اُن سے خدا تعالیٰ کی محبت کی درخواست کرتا۔ انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ وہ مجھے وہاں لے گئے۔ وہاں ایک پارچہ باف کا مکان تھا اُسے بلا کر کہا کہ اے خواجہ یہ بچہ گذشتہ رات ہمارے ہاں ایک عظیم کام کے لئے ساری رات مشغول رہا ہے اسے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی محبت طلب کرتا ہے وہ پارچہ باف خدا تعالیٰ کی محبت کی طلب کا ذکر سنتے ہی آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ آؤ اس بچے کو درمیان میں کھڑا کر کے اس کے لئے خدا تعالیٰ کی محبت کی دُعا کریں چنانچہ آپ کو انہوں نے درمیان میں کھڑا کر کے دعا کی۔

روز پنجشنبہ ۱۲۔ ماہ مذکور

دوسرے بزرگوں کے مریدوں کے ساتھ برتاؤ کا بیان

ایک دفعہ عشاء کی نماز کے وقت اس مضمون پر گفتگو ہونے لگی کہ دوسرے بزرگوں کے مریدین کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جانا چاہیے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مشائخ عظّام کا دستور یہ رہا ہے کہ دوسرے بزرگوں کے مریدین کو ہاتھ نہیں دیتے تھے نہ بیعت کرتے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا جو شخص طالب حق ہے خواہ وہ کسی دوسرے کا مرید ہے اگر قابلیت رکھتا ہے تو اس کی تربیت کرنی چاہیے۔ اگر دوسروں کے مریدوں کی تربیت نہیں کرتے تو اپنے شیخ کے مریدوں کی تربیت تو ضرور کرنی چاہیے کیونکہ وہ پیر بھائی ہیں اور ہمارے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت شیخ کے تین مریدین کی تربیت کی جن میں سے ایک مولانا علاؤ الدین ہیں۔ مولانا نصیر الدین سالار پوری فرماتے تھے کہ وہ لڑکا ملک حاجی کے رشتہ داروں میں سے ہے اور بہت قابل ہے۔ آپ کی صحبت میں رہ کر فائدہ حاصل

کرے گا اور آدمی بن جائے گا۔ جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ ابھی خام ہے لیکن قابلیت ضرور رکھتا ہے۔ کچھ عرصہ میرے ساتھ رہنے کے بعد ہمارے مابین محبت کا رشتہ قائم ہو گیا اور اس کو میرے بغیر اور مجھے اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اور ایک دوسرے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ جبوہ میرے پاس آتا تو میرے قدموں پر آنکھیں رکھتا تھا اور پیچ و تاب کھاتا تھا۔ طویل صحبت کے بعد اس کا یہ حال ہو گیا کہ لوگ کہتے تھے کہ ایسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ وہ حضرت شیخ سے بات کرنے کی تاب نہیں لا سکتا ہے۔ ایک دفعہ میری عدم موجودگی میں اس نے حضرت شیخ سے کوئی بات دریافت کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔ اس پر اس نے (مولانا علاؤالدین) نے اپنے دل میں کہا کہ

السکوت فی موضع البیان

یعنی جو سوال کہ میں نے کیا اس کا جواب سکوت یعنی خاموشی ہے۔

ایک دفعہ اس نے میری عدم موجودگی میں حضرت شیخ (حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) سے طریقت کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت اقدس نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

ایں جانہ رسد زورق ہر سودائی

(یہ چیز ہر بوالہوس اور سودائی کی سمجھ میں نہیں آسکتی)

آخرکار وہ میرا منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کے اندر مجھ سے زیادہ کیا کمال ہے۔

حضرت اقدس کے مریدین میں سے دوسرا شخص جس کو میں نے تربیت دی خضر خیاط (درزی) تھا۔ یہ عام آدمی اور غریب تھا اور امیر خسرو شاعر کے استاد کا بیٹا تھا۔ جب اس نے مجھ سے تلقین کی درخواست کی تو میں نے سوچا کہ مسکین آدمی ہے۔ غریب اور نادار ہے اور درزی کا کام کرتا ہے۔ میں نے انکار نہ کیا۔ نیز وہ آسیب زدہ ہونے کی وجہ سے جنات کے ڈر سے خائف بھی تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر اس کے سامنے تلقین کروں تو طرح طرح کی باتیں بنائے گا۔ میں نے اپنے شیخ علیہ رحمتہ سے سیکھا کہ دوسرے کے سامنے تلقین نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے مجھے مراقبہ تلقین کرنا چاہا تو مولانا زید الدین کو کسی کام کے لئے باہر بھیج دیا۔ چنانچہ میں نے بھی خضر کے بھائی کو کسی کام کے بہانے باہر بھیج دیا اور خلوت میں خضر کو ذکر تلقین کیا۔ جونہی شہر میں اس کی ذرا شہرت ہوئی اور عزت ہونے لگی تو وہ مجھ سے منحرف ہو گیا۔

تیسری ایک خواندہ اور نیک بوڑھی عورت میرے حضرت شیخ کی مریدہ تھی۔ میں نے اس کو بھی تلقین کی۔ لیکن اس نے میرے ساتھ عشق بازی شروع کر دی۔ چنانچہ مشائخ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ نابالغ بچوں اور عورتوں کو تلقین نہیں کرنی چاہیے۔ نیز اپنی بیوی کو بھی مرید نہیں بنانا چاہیے۔ میں نے اپنے بھائی کے لڑکے کو تلقین کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہر وقت اپنی تعریف کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا اور میں نے نعرہ لگایا کہ اے شیخ جنید اور اے شیخ شبلی تم کہاں ہو۔ آؤ اور دیکھو کہ اس لڑکے میں آپ کی کون سی بات پائی جاتی ہے[1]۔ لیکن ایسا ہوا کہ اس لڑکے سے کچھ غلطی سرزد ہوئی اور اس سے سب کچھ سلب ہو گیا (یعنی اس سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا کہ اس کے پاس گویا کچھ بھی نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ اس کو یہ واقعہ بھی بھول گیا ہو کیونکہ اگر یاد رہتا تو اسے بے حد پریشانی ہوتی اور ایک حسرت زادہ درویش ہو کر رہ جاتا۔

اپنی بیوی کو مرید بنانے کی ممانعت

اپنی بیوی کو اپنا مرید بنانے میں یہ خرابی ہے کہ وہ خواہ اپنے خاوند کی کتنی مطیع و فرمانبردار ہو لیکن وہ نسبت جو ایک مرید کو اپنے پیر کے ساتھ ہوتی ہے۔ مرید عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہ کام بھی کیا اور پشیمان ہوا۔ اس سے مجھے تجربہ ہو گیا کہ جو کچھ مشائخ عظام نے فرمایا ہے خالی از حکمت نہیں ہے جو شخص ان کی ہدایت کی خلاف ورزی کرتا ہے پشیمان ہوتا ہے۔

ہجرت کے سنسنی خیز واقعات

اس کے بعد کچھ دیر کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے اُسی طرح کرتے تھے۔ جب حکم ہوا کہ دعوتِ اسلام دو تو آپؐ نے دعوت دینا شروع کر دیا۔ جب تک مکہ معظمہ میں رہنے کا حکم تھا آپ وہاں رہے جب مدینہ منورہ جانے کا حکم ہوا تو آپ وہاں چلے گئے۔ اس کے بعد حاضرین میں سے ایک شخص نے دریافت

[1] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے کسی کتاب میں پڑھا ہو گا کہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ اور حضرت شیخ شبلیؒ نے بچوں کو تلقین کرنے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ خود حضرت جنیدؒ کو بچپن ہی میں تلقین کی گئی۔ لیکن چونکہ اس لڑکے کا معاملہ برعکس ثابت ہوا۔ حضرت اقدس نالاں ہیں۔

کیا کہ کیا پیغمبر علیہ السلام کو اس کی طاقت تھی کہ وہ تنہا مکہ کے تمام کفار کو ختم کر سکتے تھے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تمہارا کہنا صحیح ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا کوئی فعل اللہ کے حکم اور مرضی کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود سے کوئی کام نہیں کرتے تھے اللہ ان کو جو حکم دیتا تھا وہی کرتے تھے ان کی خود کوئی قوت نہ تھی۔ حضرت ابوطالب مکہ کے سردار تھے مکہ کے تمام لوگ ان کے فرمانبردر تھے انکے زمانے میں کسی کی ہمت رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کی نہیں ہوئی۔ جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا کفار نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانی شروع کی۔ کفار مکہ نے ایک دن بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اگر ہم لوگ محمد ﷺ کو مار دیں گے تو پورے بنی ہاشم دشمن ہو جائیں گے اور یہ لوگ بہت طاقت ور ہیں ان لوگوں کی دشمنی کا مقابلہ کرنا آسان نہیں اور اگر ہم خاموش رہتے ہیں تو یہ فتنہ بڑھتا ہی جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ محمد ﷺ سے کہہ دیں کہ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں نستریح صنک و نستریح صِنا۔ یعنی ہم تم سے چھٹکارا پائیں اور تم ہم سے چھٹکارا پاؤ۔ ٹھیک اسی وقت ابلیس آدمی کی صورت میں ان کے درمیان پہنچا۔ ان لوگوں نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں قبیلہ تہامہ کا ایک فرد ہوں۔ اور تہامہ رسول اللہ کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صفت میں مکی وقریشی تہامی اور ہاشمی آج تک لکھا جاتا ہے۔ شیطان لعین نے ان لوگوں سے کہا تم لوگ کس کام میں مشغول ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ محمد ﷺ کے اونٹوں کو بیچوانے کی فکر میں ہیں اس نے پوچھا تم لوگوں نے کیا طے کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم انہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں۔ شیطان نے کہا تم لوگوں کی یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ جہاں اور جس جگہ بھی جائیں گے وہاں فتنہ اور فساد پیدا کریں گے اور دن بدن طاقت ور بھی ہوتے جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو اس جگہ سے نکلنے نہ دو اور یہیں ان کا خاتمہ کر دو۔ اب رہی یہ بات کہ تم لوگوں کو بنی ہاشم کی دشمنی کا خوف ہے تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو اپنا مددگار اور ساتھی بنا لو بنی ہاشم سارے جہاں سے دشمنی کر کے نہیں جیت سکتے۔ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ جس دن ان لوگوں نے طے کیا کہ آج کی رات یہ کام کیا جائے گا۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام خبر لے کر آئے کہ آپ کے بارے میں کفار مکہ نے یہ منصوبہ بنایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا میں کیا کروں۔ اللہ کا حکم کیا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ مدینے چلے جائیں۔ اس پر پیغمبر ﷺ نے ابوبکر اور

علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اپنے بستر کو خالی چھوڑ کر ہم جاتے ہیں تو ان لوگوں کو پتا چل جائے گا۔ اور وہ لوگ فوراً تعاقب کریں گے۔ اور مجھے بھاگنے کا موقع نہ ملے گا۔ حضرت علیؓ نے رائے دی کہ میں آپکی جگہ آپکے بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔ وہ لوگ رات کو تاریکی میں آپ کو ڈھونڈھتے ہوئے آپ کے بستر تک پہنچیں گے اور آپ کے دھوکے میں مجھے ماردیں گے اور مطمئن ہو کر چلے جائیں گے کہ آپ کا کام تمام کر دیا گیا۔ جب دن ہوگا اس وقت ان کو پتا چلے گا کہ اس بستر پر تو محمد ﷺ نہیں تھے علیؓ تھے۔ اس وقت تک آپ کہاں سے کہاں نکل جائیں گے۔ اور ابو بکرؓ آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ محمد ﷺ اور ابو بکرؓ نکل گئے اور علی محمد ﷺ کے بستر پر لیٹ گئے۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ اور میکائیلؑ کو بلا کر کہا کہ تم دونوں کی تخلیق ایک نور سے ہوئی ہے۔ تم دونوں کے درمیان برادری کا تعلق ہے۔ میں نے تم میں سے ایک کو غیر معینہ مدت کے لئے دراز عمر عطا کی اور دوسرے کو کوتاہ۔ اب تم دونوں مل کر فیصلہ کرو کہ تم میں سے کس کو طویل عمر دی جائے۔ اور کس کو کوتاہ۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر بولے کہ خداوندا! ہم میں سے کوئی بھی کوتاہ عمر اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہوا کہ میں نے محمد ﷺ اور علیؓ کی شکل میں دو بھائی ایسے پیدا کئے ہیں کہ علیؓ اپنی زندگی کو محمد ﷺ کی زندگی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اب تم نے اپنے اوپر علیؓ کی فضیلت دیکھ لی آج ان کی پاسبانی کرو۔ دشمن مارنے کے لیے پروگرام کے مطابق آئے۔ فرشتوں نے علیؓ کو دشمنوں کی نظر سے غائب کر دیا۔ دشمنوں نے پیغمبر ﷺ کے بستر کو خالی دیکھا تو دوڑے اور ان کا تعاقب کیا۔ رسول اللہ ﷺ تمام رات چلتے رہے۔ جب صبح ہونے کے قریب ہوئی تو پہاڑ ثور کے ایک تنگ غار میں چھپ گئے۔ کفار ان کے تعاقب میں اس غار کے منہ تک آئے اور ابو بکرؓ نے ان کا پیر دیکھا تو ڈر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ابو بکرؓ! فکر مند نہ ہو اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے۔ مکہ میں اور راستہ میں عجب واقعات ہوئے۔ لیکن اللہ کی مشیئت میں کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔

کفار میں سے ایک نے کہا کہ غار کے اندر چل کر دیکھیں۔ اندر بڑھے تو دیکھا مکڑے نے جالا تن دیا ہے۔ رک گئے۔ آپس میں بولے کہ اگر کوئی اندر جاتا تو مکڑے کا جالا باقی نہیں رہتا۔ اوپر نیچے دائیں بائیں تلاش کیا پھر واپس لوٹ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ نے دیکھا کہ کفار واپس ہو گئے اور

کوئی نہیں ہے تو باہر نکلے اور تیزی سے مدینہ کی طرف بڑھے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ سراقہ نام کا ایک شخص جو کافروں میں سے تھا دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ اور تعاقب کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ آگے آگے جا رہے تھے۔ اور وہ پیچھے سے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اتنا نزدیک پہنچ گیا کہ ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لے۔ یکا یک اس کا پیر زمین نے پکڑ لیا اور وہ وہیں رک گیا نہ ایک قدم آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے۔ رسول اللہ ﷺ کو موقع مل گیا وہ آگے نکل گئے۔ قدرت اور مشیئت الٰہی کو یہ منظور نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہیں یا کفار نیست و نابود ہو جائیں۔ اور جب وہ تعاقب کریں تو وہ بھی اس کی مرضی تھی کہ ان کا قدم جم جائے۔ غرض اللہ کی مشیئت اللہ ہی جانے انسانی عقل و خرد کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ تیرہ سال تک رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہ کر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ دس سال مدینہ میں تبلیغ فرماتے رہے۔ دسویں سال رسول اللہ ﷺ شان و شوکت اور قہر و جلال کے ساتھ تیس ہزار اور بعضوں کے مطابق بیس ہزار اور بعضوں کے مطابق دو ہزار سواران آہن پوش کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ کسی کو ان کے سامنے جانے اور مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی زرہ پہنے ہوئے ننگی تلوار ہاتھ میں لیے بڑا سا عمامہ شملہ دراز کے ساتھ سر پر باندھے ہوئے تھے۔ ہیبت و جلال چہرہ سے ظاہر تھا۔ مکہ داخل ہوئے اور پھر ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے مدینہ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد ستر (۷۰) یوم سے چند ہی دن زیادہ بقید حیات رہے اور ربیع الاوّل کی پہلی سے بارہ تاریخ کے درمیان اپنے حبیب سے جا ملے۔ یوم وفات کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ بعض پہلی، بعض تیسری، بعض پانچویں، بعض نویں اور بعض بارہویں تاریخ کو وصال کی تاریخ بتاتے ہیں۔ بارہ سے زیادہ کسی نے نہیں لکھا ہے۔

ایک حدیث نبوی کی توضیح

ایک شخص نے حاضرین میں سے پوچھا کہ اس حدیث **مابین قبری و منبری روضة من رياضة الجنته** کے کیا معنی ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو شخص اس جگہ جائے گا اور اس مقام کی تعظیم کرے گا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہو گا وہ بہشت میں داخل ہو گا۔ اس حدیث کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری جگہ اس طرح فرمائی ہے۔ **القبر امار وضته من رياض الجنته او حضرة" من حضرة النيران** ۔ یعنی منبر اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کے

درمیان بہت قربت ہے سو گز سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی قبر بلاشبہ ریاض الجنتہ کے درمیان ہے۔ اس نبی ﷺ کے مقبرہ کا جوار بھی ریاض الجنتہ ہی میں ہوگا۔

میر کارواں اور پیر میں بڑی مماثلت ہے

مغرب کی نماز کے بعد ایک شخص مخدوم نے اس سے فرمایا کہ سفر میں تین طرح کے ساتھی اور ہم سفر ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو میر کارواں کی مدد کرتے ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں ان سے قافلہ کو نفع پہنچتا ہے۔ دوسرے وہ جو نہ مدد کرتے ہیں نہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ بس ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ یہ بھی اچھے ہی لوگ ہیں کیونکہ یہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہیں ڈالتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اپنے ہم سفروں کو تکلیف پہنچاتے اور دق کرتے ہیں۔ بے وقت پہنچتے ہیں راستے میں بچھڑ جاتے ہیں۔ مسافروں کے بنائے ہوئے اصول پر سفر نہیں کرتے۔ میر قافلہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرنے والے مسافر سلامتی کے ساتھ سفر کریں اور منزل تک پہنچ جائیں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور ان میں سے کوئی مصیبت میں مبتلا نہ ہو تیسرے قسم کے ہم سفر لوگوں سے میر قافلہ کو بہت پریشانی ہوتی ہے اور تکلیف پہنچتی ہے۔ مجھ سے مرید ہونے والوں کی مثال بالکل اسی طرح کے ہم سفروں کی ہے۔ ان میں سے بعض میری صحبت اختیار کرنے والے اور مجھ سے مرید ہونے والے مددگار اور معاون ہوتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ کل قیامت کے دن مجھ سے پوچھا جائے گا کہ اے شخص تو دنیا سے کیا لایا ہے تو میں ان کو بارگاہ ایزدی میں پیش کردوں گا اور عرض کروں گا کہ خداوندا! میں کس لائق ہوں اور میرے اعمال ہی کیا ہیں جو تیرے حضور پیش کروں لیکن یہ تیرے بندے ہیں ان کی میں نے رہبری کی اور دعوت اسلام دی ہے اور تیری رضا جوئی کے لیے ان کو آمادہ کیا ہے اسی کو میرا عمل سمجھ میرے مریدوں میں سے دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا بوجھ نہیں ہے اپنے توبہ اور استقامت کے ذریعے سلامتی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کا مجھ سے بیعت کر لینا اور اس پر استقامت اختیار کر لینا یہی ان کے لیے کافی ہے۔ تیسری جماعت میرے مریدوں میں ان لوگوں کی ہے جو میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں۔ اور عہد کرتے ہیں لیکن اس پر قائم نہیں رہتے اور اس کو پس پشت

ڈال دیتے ہیں۔ وہ مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں اور تباہ ہو جاتے ہیں اور مجھے بھی پریشان کرتے ہیں۔ اس لیے انکا بوجھ مجھ پر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچ جائیں۔ ان کو نقصان نہ ہو۔ اللہ ان پر رحم کرے اگر وہ میری مدد نہیں کرتے ہیں تو کم از کم مجھ پر بوجھ بھی نہ ڈالیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس زمانے میں زیادہ تر لوگ اسی طرح کے ہیں۔ عہد کرتے ہیں اور اس پر قائم نہیں رہتے۔ اس زمانہ میں سلوک بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ توبہ کرنے والے اس دور میں کم پائے جاتے ہیں۔ پہلے زمانے کے بازاری اور کاروبار میں مشغول رہنے والے سالک ایسے ہوتے تھے کہ اس دور میں مشائخ مشکل سے ہوں گے۔ قوت میں لکھا ہے کہ آش اور صبح کا ناشتہ عورتیں اور چھوٹے بچے بیچتے تھے اس لیے کھانا پکانے والے لوگ صبح کو مسجد میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتے تھے اور چاشت سے پہلے فارغ نہیں ہوتے تھے۔

دین کا تخم توبہ ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دین کا تخم توبہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بنا دیا ہے۔ کہ اگر ایک شخص دس ہزار سال تک کفر و عصیان میں آلودہ رہا ہو لیکن جیسے ہی وہ توبہ کر لیتا ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدق دل سے پڑھ لیتا ہے۔ دس ہزار سال کے اس کے تمام کفر ایک لمحہ میں مٹ جاتے اور ختم ہو جاتے ہیں گویا وہ ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی فاسق اپنی ساری زندگی گناہ اور بدکاری میں مبتلا رہا ہو لیکن اگر اس نے کسی نیک ساعت میں اپنے گناہوں اور فسق و فجور سے توبہ کر لیا تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس طرح دھل جائیں گے جیسے کپڑا صابون سے دھل کر صاف ہو جاتا ہے۔ تمام انبیاء اور اولیاء کا سرمایہ یہی توبہ ہے اس لیے کہ انسان لغزش اور بھول سے مرکب ہے۔ توبہ ہی ان لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔

توجہ ءِ شیخ اور اس سے اعانت لینا

شام کی نماز کے بعد مشائخ کی توجہ اور ان کے ہاں پناہ لینے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا ایک دفعہ مسافروں کا ایک قافلہ خرقان پہنچا۔ اس سے آگے کا راستہ پر خطر تھا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ ابوالحسن قرقانی قدس سرہٗ کی خدمت میں جا کر عرض کرنا چاہیے کہ

دعا کریں ہمیں عافیت نصیب ہو۔ جب انہوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں جا کر دعا کے لئے
عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب راستے میں تم لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو میرا نام لینا۔ یہ سن کر
ان میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ ابوالحسن کا نام خدا اور رسول خدا ﷺ اور کلامِ خدا سے برتر نہیں
ہے تو کیوں نہ ہم خدا، اسکے رسول کو پکاریں اور سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی کو کیوں نہ شفیع لائیں۔
لیکن باقی لوگوں نے کہا کہ جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا ہے ہم اس پر عمل کریں گے۔ اور کوئی کام
نہیں کریں گے۔ جب راستے میں خطرہ پیش آیا تو جن لوگوں نے خدا اور رسولِ خدا کا نام لیا اور فاتحہ
اور آیت الکرسی پڑھی وہ لوٹے گئے اور مارے گئے۔ لیکن جنہوں نے حضرت شیخ کا نام لیا گویا وہ
ڈاکوؤں کی آنکھوں سے پوشیدہ تھے۔ انکو ذرا بھر نقصان نہ ہوا۔ لیکن انکے دلوں میں یہ خدشہ ضرور
رہ گیا کہ یہ عجیب بات ہے۔ چنانچہ جب قافلہ واپس لوٹا تو انہوں نے حضرت ابوالحسن خرقانی قدس
سرہٗ کی خدمت میں جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مصیبت کے وقت
میرا نام لینا لیکن ہم میں سے بعض آدمیوں نے اس پر اعتراض کیا کہ خدا اور اسکے رسول ﷺ کا نام
بہتر ہے یا ابوالحسن کا؟ نیز سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی کا شفیع لانا بہتر ہے یا شیخ کے کلام کا۔ لیکن اکثر
لوگوں نے آپکے فرمان پر عمل کیا اور بچ گئے اور دوسرے لوگ تباہ و برباد ہوئے اور مارے گئے۔
اسکی کیا وجہ ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میری کیا ہستی ہے میں تو خدا تعالیٰ کا گنہگار ترین بندہ اور
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کا کمترین فرد ہوں۔ لیکن مجھے خدا اور اسکے رسول ﷺ کی
معرفت حاصل ہے اور تم لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ اگر ایک نہ جاننے والا دوسرے نہ جاننے والے
کی پناہ طلب کرے تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن جب تم لوگوں نے میری پناہ طلب کی اور
چونکہ مجھے خدا اور رسول ﷺ کی پہچان ہے اس لیئے جب میں خدا کی پناہ طلب کرتا ہوں تو یہ ایک
جاننے والے کی پناہ طلبی ہے جو جانے ہوئے سے کر رہا ہے لامحالہ اسکا اثر ہوتا ہے۔ شیخ کی توجہ کا
بھی یہی حال ہے اس نے اس راستے میں سلوک طے کیا ہوا ہے۔ تمام خیر و شر سے آگاہ ہے۔ اور
اسکے نشیب و فراز سے گزر چکا ہے۔ جو شخص اس سے پناہ طلب کرتا ہے وہ اسکی راہنمائی کرتا ہے اور
اسکے خیر و شر سے آگاہ کرتا ہے اور حضرت حق جسکی اسے معرفت حاصل ہے کے پیش کرتا ہے اور
درمیان میں وسیلہ بن کر اس مرید کو حق سے آشنا کرتا ہے۔ لیکن جو شخص راستے کی پیچیدگیوں سے

واقف نہیں ہے اور سیدھے اور ٹیڑھے راستے میں تمیز نہیں کرتا اور نہ وہ اس راستے پر کبھی گامزن ہوا ہے۔ اگر وہ یکایک نا آشنا کے دروازے پر جا کر پناہ طلب کرے تو وہ کس طرح مقصود حاصل کر سکتا ہے اور مراد پا سکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں اور ریاضات و مجاہدات کرتے ہیں۔ پیر کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سب کچھ تم کرتے ہو تو جب تم اپنا سامان لیکر کشتی میں سفر کرتے ہو تو یہ ملاّح کیا کرتا ہے۔ اگر ملاّح نہ ہو تو تم صحیح سلامت نہیں جا سکتے۔ پیر کا بھی یہی کام ہوتا ہے۔ مرید جو کچھ کرتا ہے کرتا ہے لیکن شیاطین کے خطرات سے سلامت نکل جانا پیر کی تعلیم و تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

روزِ شنبہ ۱۴۔ شعبان

ذکر ابدال و اوتاد

نماز چاشت کے وقت ابدال و اوتاد کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ تصفیۂ قلب کے لیے زعفران کو دودھ میں آش کر کے کھلاتے ہیں۔ لیکن دیتے انکو ہیں جنکو اپنی مجلس کا اہل سمجھتے ہیں۔ نیز انکے ہاں پانی کی طرح کی کوئی لطیف چیز ہوتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں سفید' سرخ' زرد' سیاہ۔ لیکن اسکی سیاہی بہت خوش نما اور روشن ہوتی ہے۔ اور اس احتیاط سے رکھتے ہیں کہ کسی اور چیز کی خوشبو اسکے ساتھ مل نہ سکے۔ اسکا مٹھاس اس قدر ہوتا ہے کہ کسی اور چیز میں نہیں پایا جاتا۔ وہ بھی پلاتے ہیں جس سے دل کو اس قدر فرحت ہوتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ کسی نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہوتی ہے۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل کے علاقے میں ایک درخت ہوتا ہے۔ یہ اس کا پھل ہے۔ اس درخت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اس پر بے شمار تجلیات اور واردات ہوتے ہیں۔ اس پھل میں قدرے پانی ہوتا ہے۔ اسے نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ اس پھل کا شیرہ ہم نے تمہاری حلق میں بھی بوقت ولادت ڈالا تھا۔ قبل اسکے کہ کوئی اور چیز کھلائی یا پلائی جائے۔ نیز مسجد میں بسم اللہ کراتے وقت ہم نے تجھے پہلی وہی پانی پلایا تھا۔ یہ معاملہ چند آدمیوں کے سامنے ہوا۔ نیز فرمایا کہ احادیث میں ابدال و اوتاد کا وضاحت سے کوئی بیان نظروں سے نہیں گذرا۔ البتہ اخیار کی احادیث میں بہت تعریف آئی ہے۔ لیکن ان کے مخصوص

حالات مثلاً طیر اور سَیر وغیرہ (پرواز کرنا وغیرہ) کا احادیث میں زیادہ صراحت سے ذکر نہیں آیا۔ بعض احادیث میں یہ مختصر الفاظ ہیں۔**فھم ابدال ھذہ الامتہ** (وہ اس امت کے ابدال ہیں) کتاب مجمع الابدال میں یہ حکایت درج ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا ﷺ ایک لڑائی میں موجود تھے۔ اس لڑائی میں ابدال کا ایک گروہ بھی شامل تھا جو دشمنوں پر تلوار چلا رہا تھا لیکن جب دشمن ان پر حملہ کرتے تھے وہ غائب ہو جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ جا کر معلوم کریں کہ وہ کون ہیں۔ انکو ہمارے سامنے لایا جائے۔ حضرت علیؓ نے جا کر کہا کہ رسول خدا ﷺ دریافت فرما رہے ہیں کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آپؐ نے شب معراج میں حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا کر جو میرے بعد میری امت کی اصلاح کریں تا کہ میری امت قیامت تک قائم رہے اور کوئی آفت انکو صفحہ ہستی سے نہ مٹا سکے۔ ہم چالیس سے کچھ زیادہ آدمی ہیں جنکو حق تعالیٰ نے امت کی محافظت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ ہم آپؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپکی امت میں سے ہیں۔ آج ہم نے دیکھا کہ آپؐ دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اسلئے ہم آپکی مدد کے لئے آئے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے علی ان لوگوں سے کہو کہ یہاں سے دور ہو جاؤ۔ آج ہمیں ان لوگوں کی ضرورت ہے جو تلوار ماریں اور تلوار کا زخم بھی کھائیں۔ وہ لوگ جو تلوار مارتے ہیں لیکن خود تلوار کا زخم نہیں کھاتے انکو ہمارے درمیان نہیں ہونا چاہیے یہ حکایت ابدال لوگ بھی بیان کرتے ہیں لیکن کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ لیکن علمائے امت خواہ سلف ہوں یا خلف کا اجماع اس بات پر ہے کہ ابدالؔ و اوتادؔ کا وجود ہے۔ اور اولیائے کرام سے انکی میل ملاقات اور بات چیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ انکے موجود ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت خواجہ ابو عثمان مغربیؒ نے ان لوگوں کے کافی حالات بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ انہیں سے ہمارے خواجہ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، محبوب الٰہی قدس سرہ) یہ حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک دن میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت کو گیا۔ جب بدایونی دروازہ میں داخل ہوا تو ایک بزرگ نے آکر میرے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر میرے سامنے ہوا میں اڑ گیا۔ میں اسے دیکھتا رہا حتی کہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ نیز شہر کا قاضی یہ حکایت بیان کر رہا تھا

کہ ایک دن میں حضرت شیخ کی ملاقات کو گیا اور آپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا اے قاضئ شہر! اس قوت خضر باہر آئے ہوئے تھے۔ جس جگہ تم بیٹھے ہوئے ہو وہ اسی جگہ پر بیٹھے تھے۔ اس وقت ایک خرقہ پوش درویش حضرت اقدس کے پاس آئے اور مصافحہ کیا۔ حضرت اقدس نے چاہا کہ انہیں کچھ دیا جائے۔ آپ نے ایک خادم کو بلا کر کوئی چیز لانے کا حکم دیا ہی تھا کہ وہ درویش نظروں سے غائب ہو گئے۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام (حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ) کا ایک خادم تھا جن کا نام خواجہ احمدؒ تھا۔ خواجہ احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک درویش کی خدمت کی جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میں بھی تم کو ایک چیز دیتا ہوں۔ انہوں نے مجھے دو خستہ بیر عطا کئے اور فرمایا کہ یہ بیر بنی اسرائیل کے درختوں سے ہیں۔ جو شخص انکو کھائیگا بلا شبہ اسے فرزند نصیب ہوگا۔ میرا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ میں نے ایک بیر کھایا تو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب دوسرا بیر کھایا تو دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔

ایک دفعہ اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ جب بزرگ بہت ضعیف ہو جاتے ہیں تو انکی قوت یاداشت کم ہو جاتی ہے۔ اکثر بھول جاتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ساری عمر کم کھانے، کم سونے اور کم آرام کرنے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات تو بیس بیس دن یا ایک ماہ تک کچھ نہیں کھاتے اور کئی کئی سال زمین سے پشت نہیں لگاتے (یعنی سوتے نہیں) اس وجہ سے پیرانہ سالی میں انکو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت میں نسیان پیدا ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کو آخری چھ ماہ میں نسیان لاحق ہو گیا تھا۔ آپکی عمر پچھتر (۷۵) سال تھی۔ آخری چھ ماہ میں جب آپ کوئی چیز کھاتے تھے تو بھول جاتے تھے، کوئی بات کرتے تو بھول جاتے۔ لیکن جب حالت ہوشیاری میں ہوتے تو ایسی تقریر فرماتے تھے اور ایسی تعلیمات دیتے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ لیکن بعض بشری امور میں طبیعت میں نسیان ہو جاتا تھا۔ ہمارے شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ قدس سرہٗ) کا آخر عمر تک حافظہ بالکل بحال رہا۔ صرف ایک رات تراویح کے دوران میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک دو رکعت میں صرف ایک سجدہ کیا۔ میں آپ سے تیسری جگہ پر تھا۔ درمیان میں مولانا برہان الدین بجنوریؒ تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ آپ پر نسیان کا غلبہ

تھا۔جس سے مجھے بہت افسوس ہوا۔ یہ بدھ کی رات تھی۔ جمعرات کی شب کو بیمار ہو گئے۔اور دوسری جمعرات کی رات کو آپ کا وصال ہو گیا۔علالت کے درمیان آپ پر نسیان طاری تھا۔آپ بار بار پانی منگوا کر وضو کرتے تھے اور اونچی آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے تھے۔ سارا دن اور ساری رات یہی حال رہا۔سوموار کے دن جب تمام اصحاب جمع تھے آپ اس پختگی سے کلام فرما رہے تھے کہ نسیان کا ذرہ بھر نہیں تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے یہ حدیث پڑھی۔الرجل لیجب ان یکون توبته حسنا و فعله حسنته (انسان پر واجب ہے کہ اسکی توبہ درست ہو جائے اور اسکے اعمال بھی درست ہو جائیں) آپ نے فرمایا کہ یہ لفظ شاید مونث سماعی ہے۔لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! فرمایا اسی لئے فعلہ کے لیے حسنتہ کہا گیا ہے۔اسکے بعد دوسری مجلس نہ ہوئی اور چوتھے دن آپ کا وصال ہو گیا۔

ایک دفعہ دوزخ کے درکات کا ذکر ہو رہا تھا۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ سالک کو ضرور دوزخ کے درکات اور ان کا عذاب دکھایا جاتا ہے اور اس پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ ہر مقام پر اسکا نظارہ کرایا جاتا ہے۔لیکن ایک مقام ایسا ہے کہ تمام تاریکیوں سے تارک تر ہے اور وہاں اس قدر وحشت ہے کہ سالک اسکے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔لیکن چونکہ منشاء ایزدی یہی ہوتا ہے کہ اسے وہ بھی دکھایا جائے اس لئے وہ فرشتہ جو اسے دوزخ کی سیر کرانے پر مامور ہوتا ہے اسے ایسا دھکہ لگاتا ہے کہ وہ اندر جا پڑتا ہے۔لیکن وحشت کی تاب نہ لا کر وہ فوراً باہر آ جاتا ہے اور کئی سال وہ وحشت اس پر طاری رہتی ہے۔ جب بھی اسے وہ واقعہ یاد آتا ہے دل گھٹنے لگتا ہے اور وحشت طاری ہو جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ولادت وابتدائی حالات

ظہر کی نماز کے بعد حضرت پیغمبر اسلام عیلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت اور ابتدائی حالات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ شکم مادر میں پانچ ماہ کے تھے کہ آپکے والد ماجد حضرت عبداللہؓ کا وصال ہو گیا۔اسوقت انکی عمر (والدہ ماجد کی عمر) پچیس سال تھی۔ فرمایا جب حمل کے چار مہینے پورے ہوئے تو آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کو محسوس ہوا کہ شکم کے اندر کچھ بوجھ ہو رہا ہے لیکن عام طور پر جو حمل کے علامات ہوتے ہیں مثل سر کی گرانی، کھانا اچھا نہ

لگنااوردل کا دھڑ کناوغیرہ وہ ہرگز ظاہر نہ ہوئے۔ایک دن آپ غمزدہ اوراندوہگین ہو کر لیٹی ہوئی تھیں کہ ایک نہایت خوش شکل انسان نے سامنے آ کر بشارت دی کہ آپ غم مت کھائیں۔آپکے بطن مبارک میں ایسا بیٹا ہے جسکو حق تعالیٰ نے پیغمبر آخرالزمان بنایا ہے۔جب وہ پیدا ہو تو اسکا نام محمدؐ اوراحمدؐ رکھنا۔جونہی آپ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئیں وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔سات ماہ کے حمل کے بعد پھر انکو وہی غم فکر لاحق ہوا کہ پیٹ میں جنبش تو محسوس ہوتی ہے لیکن حمل کے کوئی علامات نہیں ہیں۔نہ پیٹ پھولا ہے نہ کوئی اور چیز ہے معلوم نہیں کیا بات ہے۔اس پر پھر وہی شخص ظاہر ہوااور کہنے لگا کہ آپ غم نہ کھائیں آپ کے شکم مبارک میں ایسا بیٹا ہے جو پیغمبر آخرالزمان ہو گا۔ان کا نام محمدؐ اوراحمدؐ رکھنا۔چنانچہ جب آپکیؐ ولادت باسعادت ہوئی تو وہی نام رکھا گیا۔جب آپکیؐ عمر زیادہ ہوئی تو آپ کوہ حرا کے ایک غار میں جا کر حق کے ساتھ مشغول ہو جاتے تھے۔اس کے بعد حضرت بی بی خدیجہؓ بنت خویلد سے آپؐ کا عقد نکاح ہو گیا۔ایک دن اچانک ایک خوبصورت اور باعظمت شخص اپنے ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھے ہوئے ہوا میں نمودار ہوااور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ آپؐ نے سر اٹھا کر دیکھا اور دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں۔خدا تعالیٰ نے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے۔آپؐ پیغمبر آخرالزمان ہیں۔یہ سن کر آنحضرت ﷺ پر حال طاری ہو گیا۔جب گھر پہنچے تو حضرت بی بی خدیجہؓ نے دریافت کیا کہ آپؐ اس حال میں نظر آ رہے ہیں۔آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے ہمیشہ دو چیزوں سے نفرت رہی ہے۔ایک کہانت (جادو) دوسرے شاعری۔کاہن ہونے سے مجھے ڈر لگتا ہے۔میں کوہِ حرا میں مشغول تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی ہوا میں نمودار ہوا اور مجھ سے کہا اے محمد ﷺ! میں نے کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں جبرائیل ہوں۔مجھے خدا تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔آپؐ پیغمبر آخرالزمان ہیں۔مجھے شک ہے کہ شاید کوئی جن ہو۔حضرت بی بی خدیجہؓ نے کہا اے محمد ﷺ جس طرح آپ حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔بتوں کے سامنے قربانی کا گوشت نہیں کھاتے۔صلہ رحمی کرتے ہیں اور خلق خدا کے ساتھ شفقت کرتے ہیں آپ جیسے انسان کو خدا تعالیٰ ہرگز جنات کے فریب میں مبتلا نہیں کرے گا۔بلاشبہ یہ ایک پسندیدہ امر ہے جو آپ کو پیش آیا ہے۔آپکو اس کا تجربہ نہیں ہے۔اسکے بعد حضرت بی بی خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئیں۔وہ احبار

(علماء) یہود میں سے تھے اور انبیاء علیہ السلام کے متعلق معلومات رکھتے تھے۔ جب انہوں نے سارا ماجرا ورقہ بن نوفل کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ سبحان اللہ القدوس! جبرائیل ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارے چچازاد پیغمبر آخرالزمان ہوں۔ اسکے بعد جب آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے گئے اور مشغول بحق ہوئے تو اسی طرح وہ آدمی ظاہر ہوا۔ ہوا میں بیٹھ کر وہی باتیں کیں۔ اور پھر کہا اقراء بسم ربک الذی خلق.... یعلم تک پڑھا۔ یہ سنکر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ماانابقاری (میں قاری نہیں ہوں) اسکے بعد جبرائیلؑ نے آکر آپ کو بغل میں لیکر کئی بار خوب دبایا اور پھر یہ کلمات تعلیم کئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پہلے کی طرح محویت زدہ ہو کر گھر تشریف لائے۔ آپؐ پر محویت اسقدر طاری تھی کہ گھر کا دروازہ بھول گئے۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا آج محمد ﷺ کو کیا ہو گیا ہے کہ گھر کا دروازہ بھول گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت بی بی خدیجہؓ باہر آکر آپ کو اندر لے گئیں۔ اور دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر وہی آدمی آیا ہے۔ اور وہی باتیں کیں ہیں۔ مجھے اسبات کا خوف ہے کہ جنّات کا اثر ہو جائے یا شاعر بن جاؤں۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہؓ دوبارہ ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئیں اور حالات بیان کیئے۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! جبرائیل ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے وہ انبیاء علیہ السلام کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتے۔ اگر تمہارے چچا کے بیٹے سچ کہتے ہیں تو یہ بہت ہی مبارک امر ہے۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ پیغمبر آخرالزمان عرب ہونگے۔ اور انکا نام محمد ﷺ واحمد ﷺ ہو گا۔ اب انکے آنے کا زمانہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہی ہوں۔ ان سے کہدو کہ باہر نہ جائیں بلکہ گھر کے اندر رہا کریں۔ جو چیز ان کو ملنی ہے خواہ گھر کے اندر خواہ باہر مل کر رہے گی۔ جب دوسری بار وہ آدمی آئے تو محمد ﷺ کو کہو کہ تم کو خبر کرے۔ تم اسوقت سر سے کپڑا دور کر دینا۔ اگر وہ جن ہے تو وہ بے شرم ہو گا اور کھڑا رہے گا کہ فرشتہ ہے تو شرم کرے گا اور فوراً غائب ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے گھر میں واپس آکر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ گھر سے باہر نہ جائیں۔ جو چیز آنی ہے گھر میں آئے گی۔ چنانچہ ایک دن وہ آدمی پھر آئے۔ آنحضرت ﷺ انکو دیکھ کر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جاتے تھے لیکن جہاں جاتے تھے جبرائیل کو اپنے سامنے پاتے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ

سے یہی کہتے تھے کہ آپ پیغمبر آخرالزمان ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ جب حضرت بی بی خدیجہؓ نے دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال ہے آپؐ نے جواب دیا کہ پھر وہی آدمی آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے فوراً اپنے سر سے دوپٹہ ہٹا دیا اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا آیا وہ کھڑے ہیں یا غائب ہو گئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے جواب دیا کہ غائب ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے جب سر پر دوبارہ دوپٹہ رکھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب وہ پھر ظاہر ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت بی بی خدیجہؓ نے کہا کہ میں ایمان لائی ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اسکا رسول ہے۔ اور یہ جبرائیلؑ ہیں جن کو حق تعالیٰ نے آپکے پاس بھیجا ہے۔ اس پر حضرت جبرائیلؑ نے انکو مبارکباد پیش کی اور کہا کہ اے محمد ﷺ مبارک ہو آپ کو آپ کی امت آپ کے ساتھ وابستہ ہونا شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ اُسی وقت دو رکعت نماز فرض ہوئی اور رسولِ خدا ﷺ اور بی بی خدیجہؓ نے نماز ادا کی۔ اس موقعہ پر حضرت علیؓ بھی آ پہنچے۔ انکی عمر اس وقت دس سال' ایک اور روایت کے مطابق چھ سال اور تیسری روایت کے مطابق سولہ سال تھی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اے محمد ﷺ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ کام (نماز) ہے جسے حضرت اسماعیلؑ' اسحاقؑ اور ابراہیمؑ نے کیا ہے۔ اور اب خدا تعالیٰ نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ہم کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اے محمد ﷺ کیا واقعی یہ کام حضرت اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ نے کیا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں۔ انہوں نے کہا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے فرزند تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ کہ بہت ہی اچھا دین ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے میں اپنے والد سے دریافت کرلوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر قبول کرنا ہے تو کرلو والد سے نہ پوچھو۔ لیکن وہ گھر سے باہر چلے گئے اور دل میں ایک خیال آیا اور فوراً اندر آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ میں نے آپکا دین اختیار کر لیا ہے۔ مجھے باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب بتائیے کہ میں کیا کروں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسکے بعد آنحضرت ﷺ بی بی خدیجہؓ اور حضرت علیؓ نے نماز ادا کی۔ حضرت زید بن حارثؓ نے جو رسول خدا ﷺ کے غلام تھے۔ جب دیکھا کہ تینوں حضرات نماز پڑھ رہے ہیں تو پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ یہ ہمارا دین

اور حضرت ابراہیمؑ' اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا دین ہے۔ یہ سن کر انہوں نتے کہا کہ میں نے یہ دین قبول کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کہولا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ۔ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ جب یہ بات مشہور ہوئی کہ حضرت محمد ﷺ کوئی دعویٰ کر رہے ہیں اور جو انکی بات سنتا ہے ایمان لے آتا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آ گئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیاں ہاں دے رہا ہوں۔ انہوں نے کہ وہ کونسا دین ہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ وہ دین یہ ہے کہ خدا ایک ہے' بت باطل ہیں اور میں محمد ﷺ پیغمبر آخر الزمان ہوں۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ میں آپؐ پر ایمان لایا۔ آپؐ سچ فرماتے ہیں کہ بت باطل ہیں اور خدا ایک ہے اور آپؐ خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ روایت ہے کہ دو حضرات ایسے ہیں کہ جنہوں نے بغیر تامل اسلام قبول کیا اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔ حج کے موقعہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ باہر ہزار افراد کے ساتھ غلفان سے مکہ معظمہ آئے۔ آپ ہمیشہ بتوں سے نفرت کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ۔ انکا عقدہ یہ تھا کہ خدا ایک ہے یہ بت باطل ہیں۔ اور بت پرستی اچھی چیز نہیں ہے۔ آپ قبیلہ کے سردار تھے۔ کفار عرب نے تمام زائرین کو ایک جگہ جمع کیا اور اعلان کیا کہ ہمارے اندر ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جو بتوں کو باطل قرار دیتا ہے۔ اور نئے دین کی دعوت دیتا ہے۔ تم لوگ اسکی بات نہ ماننا کیونکہ وہ دیوانہ ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اس واقعہ سے آنحضرت ﷺ کی عام شہرت ہو گئی اور ہر شخص اسبات کا خواہشمند ہوا کہ دیکھیں وہ کون ہے اور کیا کہتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی یہ خبر سن کر بارہ ہزار نفور کے ساتھ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ آپ کس دین پر مبعوث ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ میرا دین یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ بت باطل ہیں اور میں محمد ﷺ خدا تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ آپؐ سچ فرماتے ہیں کہ بت باطل ہیں خدا ایک ہے۔ اور آپؐ نبی آخر الزمان ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فی الفور مسلمان ہو گئے۔ اور ان بارہ ہزار آدمیوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! اگر ہمارے بت جن کا نام نائلہ اور اسکان ہیں آپکو قبول کرتے ہیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ایمان لے آئیں گے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے نائلہ اور اسکان کے پاس جا کر فرمایا کہ اے بتان! تم جانتے ہو کہ خدا برحق

ہے اور میں پیغمبر آخرالزمان ہوں۔ اگر یہ بات سچ ہے تو تم خدا تعالیٰ کو سجدہ کرو۔ یہ سنتے ہی تمام بت قبلہ رُو ہو کر سجدہ میں گر گئے۔ بارہ ہزار آدمیوں نے جب یہ حال دیکھا تو سب آنحضرت ﷺ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سجدہ خدا تعالیٰ کے لئے ہے میں اسکے بندوں میں سے ایک ادنیٰ بندہ ہوں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا کہ میں اس کے دین کی طرف لوگوں کو بلاؤں۔ چنانچہ بارہ ہزار آدمی اسی روز مشرف باسلام ہوئے۔

روز یکشنبہ ۱۵۔ ماہ شعبان

شبِ برات میں نوافل کا بیان

چاشت کے وقت شبِ برات یعنی پندرھویں ماہ شعبان میں نوافل پڑھنے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ حرمین شریفین میں یعنی حرم مکہ اور حرم مدینہ میں شبِ برات میں چار پانچ سو آدمی جمع ہوتے ہیں اور ایک ایک سو رکعت نفل شبِ برات ادا کرتے ہیں۔ صاحب قوت القلوب کے نزدیک نوافل کا جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ لا اکراہ النفل بالجماعت۔ لیکن بعض فقہا کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس رات سورۂ یٰسین کا پڑھنا بھی بعض روایات میں آیا ہے لیکن شیخ شہاب الدینؒ کے اوراد میں کم دیکھنے میں آیا ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادھمؒ کے فضائل اور محامد پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ سلطان ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ **ادعبنافی الکلام دلحنافی الاعمال لیتنا اعربنافی الا عمال و لحنافی الکلام** یعنی ہم کلام میں فصیح ہوئے اور اعمال میں ناقص ثابت ہوئے کاش کہ ہم اعمال میں کامل ہوتے اور کلام میں ناقص۔ یہاں اعمال میں فصاحت اور عدم فصاحت سے مراد کمال و نقصِ اعمال ہے۔

اسمِ اعظم

نیز حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ سے جب اسمِ اعظم کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا **یجیع بطنک و آخری جسدک عن حسد و کل اسم سیمته، هو اسم الاعظم** (یعنی پیٹ کو بھوکا رکھ اور تن کو حسد سے خالی کر پس جس نام سے تو اسکو یاد کرے گا وہی اسمِ اعظم ہے)۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا سطان ابراہیم بن ادھمؒ کا ہم پلہ ہونا

حضرت شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے فرمایا ایک رات ہم حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' کی صحبت میں شب بیداری کررہے تھے۔ شاید ایک تہائی رات گزر چکی تھی۔ میں تھوڑی دیر سو کر اٹھا اور مراقب ہونے کا ارادہ کررہا تھا کہ ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ مولانا محمود (شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ) کہاں ہیں۔ یہ سن کر مجھے پریشانی ہوئی کہ شاید کوئی شخص آکر میری خلوت میں مزاحمت کرے گا۔ کسی نے انکو بتایا کہ فلاں جگہ پر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئے میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ مولانا برہان الدین ہانسویؒ تھے۔ جو شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ کے والد اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں انکے سامنے مودب ہو کر بیٹھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں آپکو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں وہ یہ کہ میں اسوقت حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی ایک ابراہیم ہے۔ یہ سن کر میں حیران ہوا کہ ہماری جماعت میں وہ کون بزرگ ہیں جنکو حضرت اقدس سلطان ابراہیم بن ادھمؒ کا ہم پلہ بتا رہے ہیں۔ جب کسی نے دریافت کیا وہ کون ہیں تو فرمایا کہ محمود اودھی (یعنی خود حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ)۔ چنانچہ میں آپکو یہ بشارت دینے آیا ہوں تا کہ اپنے لئے دعا اور معاونت طلب کروں۔ آپ نے اپنی دستار مبارک سے مسواک نکال کر میرے سامنے رکھا۔ اور کہا کہ مجھے دعائے خیر میں یاد رکھیئے گا۔ اسوقت حضرت مولانا ابو المعائیؒ موجود تھے۔ یہ واقعہ سن کر کہنے لگے کہ کیا زمانہ تھا! اور کیسے صادقین موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مجاز ہیں اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے بھی خلافت یافتہ ہیں لیکن حضرت شیخ نظام الدینؒ کے ایک مرید (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) کے پاس آکر کس اعتقاد اور توجہ کا مظاہر کر رہے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ واقعی صادقین کا زمانہ تھا۔ آجکل کے زمانے جیسا زمانہ نہیں تھا کہ لوگ خود پسند ہیں اور اس بات کے لئے مر رہے ہیں کہ انکی شہرت ہو اور خلق خدا ان کی عزت وتکریم کرے۔ ان حضرات کے دل میں اپنی بزرگی کا خیال بالکل نہیں تھا۔ اور ہمہ وقت دین کے

کاموں میں استقامت اور قرب حق کے خواہاں تھے۔

اسکے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب میں نے کتاب بزودی ختم کی تو دو خوان حلوا لیکر حضرت شیخ کے پیش کیا۔ اسوقت چند مریدین خاص حضرت اقدس کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے وہ حلوا ان کے سامنے رکھ دیا اور سب نے کھانا شروع کیا۔ یاران نے دریافت کیا کہ بابا سید یہ حلوا کیسا ہے۔ میں نے کہا حضرت شیخ کی دعا سے بزودی ختم کی ہے۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے مذاق کے طور پر فرمایا کہ تم نے کام تو بڑا کیا ہے لیکن حلوا تھوڑا لائے ہو۔ اسوقت ہمارے ایک رشتہ دار موجود تھے جنکے میرے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ کی یہ بات سن کر مجھ پر طعنہ زنی شروع کی۔ لیکن چونکہ حضرت شیخ بھی جانتے تھے کہ وہ میرے مخالف ہیں اس لیے آپ نے مزید فرمایا کہ یہ حلوا جو تم لائے ہو بہت ہے۔ پہلے تو اتنا نہیں ہوتا تھا۔ اسوقت قوالی کی اجرت تقریباً چھ چیتل (چھ پیسے) ہوتی تھی اور حسن مہندی جو سب سے بڑا قوال تھا سولہ چیتل سے زیادہ نہیں لیتا تھا۔ یا چھ چیتل کا آٹا، تین ٹکہ اور ایک سیر گھی اور کچھ شکر اسکی اجرت ہوتی تھی۔ جب ہم کوئی کتاب ختم کرتے تھے تو طالب علموں کو جمع کر کے محفل سماع جماتے تھے۔ ہمارے اس رشتہ دار نے پوچھا کہ کیا طالب علموں کو بھی شریک محفل کیا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں انکو بھی شامل کیا جاتا تھا۔ انکو خوب ذوق وشوق ہوتا تھا اور رقص بھی کرتے تھے جس سے انکے کپڑے پھٹ جاتے تھے۔ اس آدمی نے پھر کہا کہ آجکل کے طالب علم انکی مثل کیوں نہیں ہیں۔ فرمایا وہ زمانہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے قرب کا زمانہ تھا۔ آپکے قرب کی وجہ سے وہ زمانہ صادقین کا زمانہ تھا۔ لیکن آجکل کا زمانہ خود پرستوں، خود پسندوں اور جاہ طلب کرنے والوں کا زمانہ ہے۔

روز دوشنبہ ۱۶۔ ماہ شعبان ۸۰۲ھ

مسخ اجسام بند لیکن مسخ قلوب جاری ہیں

چاشت کے وقت ایک دانشور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے کہا یہ کیا ہی اچھا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا مولانا سنو! اگر دل علائق دنیا سے آزاد ہو کر مشغول بحق اور زندہ بمشاہدۂ حق ہے تو ہر مقام بہشت ہے۔ اگر نعوذ باللہ یہ چیز حاصل نہیں ہے تو اعلیٰ علیین اسکے لئے دوزخ ہے۔

جودل کہ مر چکا ہے قابل حیات نہیں ہے اور جودل کہ زندہ ہے قابل ممات نہیں ہے۔کل قیامت کے دن ارواح واجسام کا حشر ہوگا (یعنی روح اور جسم از سرِ نو اٹھیں گے) قلوب کا حشر نہ ہوگا کیونکہ جو قلب زندہ ہو چکا ہے اسکے حشر کے کیا معنی۔اور جو قلب مردہ ہو چکا ہے وہ ہرگز زندہ نہیں ہوگا۔لہذا اس کا حشر بھی بے معنی ہے۔یہ جو کہا گیا ہے کہ "سرہا خفتہ دلہا بیدار" (سر سوئے ہیں لیکن دل بیدار ہیں) اسکا مطلب بھی وہی ہے۔یہ بات لطائف قشریہ میں کہی گئی ہے۔لطائف قشیریہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگلی امتوں میں قلوب اجسام اور صورتیں مسخ ہوتی تھیں۔لیکن نبی آخر الزمان ﷺ کی دعا سے اجسام اور صورتوں کا مسخ ہونا بند ہو گیا لیکن قلوب کا مسخ ہونا باقی ہے۔قلوب کا مسخ ہونا بڑی مصیبت ہے۔

دل کا زندہ ہونے کے اسباب

اسکے بعد مولانا مذکور نے دریافت کیا کہ حضور دل کے زندہ ہونے کے اسباب کیا ہیں۔آپ نے جواب دیا کہ مرشد کے فرمان کے مطابق ذکر دوام۔اور انکے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ اس میں بشری ضروریات کا پوری طرح ترک کر دینا لازمی نہیں۔ بلکہ اسقدر ترک کرے کہ جسم زندہ رہ سکے۔اور دل میں کدورت نہ رہنے پائے۔دوسرے انبیاء علیہم السلام کا یہ حال تھا کہ انکی موت پر انکا دین بھی ختم ہو جاتا تھا اور دوسرا نبی نیا دین لاتا تھا۔ ہمارے لئے ہمارا دین ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر ختم نہیں ہوا بلکہ بدستور قائم ہے۔یعنی خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان۔لیکن بعد میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ بلکہ بعض اوقات تو صرف لفظوں پر اختلاف ہوتا ہے۔مثلاً شیعہ لوگ حضرت علیؓ کے نام مبارک کے ساتھ صلوٰۃ وسلام اللہ عیلہ اور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ شامل کرتے ہیں۔بارہ اماموں کو معصوم کہتے ہیں۔اوران کے ناموں کے ساتھ بھی صلی اللہ علیہ وسلم اور صلوٰۃ علیہ وسلام اللہ علیہ شامل کرتے ہیں۔میں ان سے کہتا ہوں کہ صلی اللہ علیہ وسلم، صلوٰۃ اللہ علیہ، رحمتہ اللہ علیہ، قدس اللہ سرہ، رضی اللہ عنہ، اور رضوان اللہ علیہم سب ہم معنی الفاظ ہیں۔اسی طرح الصلوٰۃ من اللہ السلامتہ من اللہ، التقدیس ورضاء اللہ، اور تکریم اللہ، سب ہم معنی ہیں جنکا مطلب رحمت ہے۔اسی طرح عصمت اور حفظ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔اسلئے صرف لفظی فرق پر اسقدر بحث ومباحثہ کی کیا ضرورت ہے۔

ایک مشکل مسئلہ

اسکے بعد فرمایا کہ ایک اور مسئلہ ہے جو میرے لئے بہت مشکل ہے۔کوئی اس کا حل نکالے۔وہ یہ کہ سنّی ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں جس کے لئے وہ عقلی ونقلی دلائل قائم کرتے ہیں۔اسی طرح معتزلہ فرقہ کے لوگ اس مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے ثبوت میں وہ بھی عقلی اور نقلی (یعنی کتاب وسنت سے اور عقلی دلائل) پیش کرتے ہیں۔سنّی ان لوگوں کی بیان کردہ آیات واحادیث کی تاویل کرتے ہیں (یعنی دوسرے معنی بتاتے ہیں) اور انکی عقلی دلائل کا جواب دوسرے عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔

معتزلی بھی سنّیوں کی بیان کردوہ آیات واحادیث کی تاویل کرتے ہیں اور عقلی دلائل کا دوسری عقلی دلائل سے جواب دیتے ہیں۔مثلاً رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ کے ثبوت میں ہم یہ آیت پیش کرتے ہیں۔وجوہ " یومئذناظرۃ الیٰ ربّھا ناظرہ (اس روز لوگ اپنے رب کی طرف دیکھیں گے) اس کے جواب میں معتزلی کہتے ہیں کہ ای الیٰ ثواب ربّھا (یعنی اپنے رب کے عطا کردہ ثواب کی طرف دیکھیں گے۔) وہ لوگ فاسق کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے پر یہ آیت پیش کرتے ہیں فجزاءہٗ جھنّم خالداً فیھا (اس کی جزا جہنم جہاں ہمیشہ رہے گا) سنّی اسکی یوں تاویل کرتے ہیں کہ خالِداً فیھا سے مراد عرصۂ دراز ہے (نہ کہ ہمیشگی) ایک فرقہ کے نزدیک جو چیز حقیقت ہے دوسرے کے نزدیک باطل ہے۔اب کیسے معلوم ہو تم سنّی اور وہ اہل بدعت کس طرح ہو گئے۔وہ اپنے آپ کو اہل عدل وتوحید سمجھتے ہیں اور ہمیں حشویہ اور مجریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اور ہم اپنے آپ کو اہل سنّت وجماعت کہتے ہیں۔اور ہم انکو معتزلی اور قدریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ہر فرقہ اپنے زعم کے مطابق اپنے آپ کو حق پر اور دوسرے کو باطل سمجھتا ہے۔

حق پر کون ہے

لیکن حق پر وہ ہے جس کے قلب پر الہام حق ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ سے براہ راست تعلق رکھتا ہے اور اسکے فرمان کے مطابق چلتا ہے اور ہر کام کرتا ہے۔لہذا مذہب حق پر وہی ہے یہ زندہ دلوں کی صفت ہے۔ وہ ہر وقت اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی سے دریافت کرتے ہیں۔اور جس کام میں انکو قرب ومشاہدہ حق میں ترقی ہوتی ہے وہی کرتے ہیں۔

اورذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں وہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگر کسی بات پر ان کے قلوب پر ذرا سی کدورت پیدا ہوتی ہے تو اسکو ترک کرتے ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں استغفار کرتے ہیں اور دوبارہ اسکے نزدیک نہیں جاتے۔ اور وہ ایسے لوگوں کا اتباع کرتے ہیں جو بدلائل قاطع ویقین کامل حق پر ہوتے ہیں اور جن میں شک اور خطا کی ذرا بھر گنجائش نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ایک نابینا ہے جو عصا کے سہارے چلتا ہے اور دوسرا اپنی آنکھوں سے راستہ دیکھ کر چلتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان کتنا فرق ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور چیونٹی

ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہیں جارہے تھے۔ راستے میں آپ کے پاؤں کے نیچے ایک چیونٹی آ گئی۔ جس سے اسکا پاؤں مجروح ہو گیا آپ تھوڑی دیر کھڑے ہو گئے اور افسوس کرتے رہے۔ حتٰی کہ چیونٹی سوراخ میں چلی گئی۔ رات کو اپنے خواب میں دیکھا کہ حضور رسول مقبول ﷺ فرمارہے ہیں کہ اے علی! تم نے کل کیا کام کیا کہ جس سے خدا تعالیٰ اور اسکے تمام فرشتے تجھ پر غضب آلودہ ہیں۔ اپنے دریافت کیا کہ کس وجہ سے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے چیونٹی کا پاؤں زخمی کر دیا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کے صدیقین میں سے ہے اور جب سے پیدا ہوئی ہے ذکر الہٰی سے غافل نہیں ہوئی سوائے اس وقت کہ جب اسکا پاؤں مجروح ہوا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب میرا حال کیا ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے علی! اگر وہ چیونٹی تمہارے لئے معافی نہ مانگتی تو کام بہت مشکل تھا لیکن اس نے بارگاہ رب العزّت میں عرض کر دیا کہ

اعمال کا انحصار نیّت پر ہے

اے اللہ! تیرے نزدیک اعمال کا دارومدار نیّت اور ارادہ پر ہے۔ لیکن علیؓ کا اس کام میں کوئی قصد اور ارادہ نہیں تھا۔ تو بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اسکی معافی قبول فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرّہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرًا یرّہ (جس نے ذرہ بھر نیکی کی اسکو دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی اسکو بھی دیکھے گا) اب حقیقتِ کلام (الٰہی) کا تقاضا یہ ہے عمل کے سرزد ہوتے ہی سزا اور جزا کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جزا کا لازم" آنا شرط عمل پر منحصر

ہے۔(عمل ہوا تو جزا لازم ہوئی۔ کما وجد الشرط وجد الجزا اما ان وخلت الدار فانت طالق (جب شرط پوری ہوئی جزا لازم آ گئی جیسے کوئی بیوی سے کہے کہ اگر تو والد کے گھر میں داخل ہوئی تو طلاق ہوگئی) یعنی گھر میں داخل ہوتے ہی طلاق پڑ جاتی ہے۔

فقہا اور صوفیاء میں فرق

لیکن فقہا کہتے ہیں ہر کام محقق اور یقینی اسوقت ہوتا ہے جب وقوع پذیر ہے۔ اور صوفیاء حقیقت پر نظر رکھتے ہیں اور عمل کے ہوتے ہی ان پر خیر اور شر کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ زندہ دلوں کی صفت ہے۔ (یعنی اہل مشاہدہ کی)

صوفیاء کی نماز

دل میں ذرا سی کدورت کے آتے ہی محبوب سے بُعد (دوری) محسوس کرتے ہیں۔ یعنی فوراً غلطی سرزد ہوتے ہی انکو تنبیہ ہو جاتی ہے۔ انکے نزدیک نماز میں بھول جانا نا قابل معافی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے نماز میں حالت مذاکرہ ہے (یعنی حق تعالیٰ سے ہمکلامی ہے۔) یہ حضرات ہر وقت مشہد حق (یعنی ہر وقت حق تعالیٰ کے سامنے) اور مظہرِ رب (رب کے حضور میں) ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر نماز ان کے لئے حالت مذاکرہ (ہمکلامی) ہے۔ نماز کے اندر وہ حق تعالیٰ کے شہود اور وتجلیات میں غرق ہوتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود وہ بدمست نہیں ہوتے اور ہمیشہ نیکی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ انکے نزدیک بدمستی کم ظرفی کا نتیجہ ہے۔ یہ حضرات نہ گھر کے اندر بدمست ہوتے ہیں نہ باہر جا کر گھر کا راستہ بھولتے ہیں۔ اگرچہ وہ حق تعالیٰ کے جمال کے مشاہدہ میں غرق رہتے ہیں تاہم ارکان و آداب نماز کی ادائیگی سے غلطی نہیں کرتے۔ بالفاظ دیگر اگرچہ وہ مست ہوتے ہیں لیکن شراب اور پیالہ ان کے ہاتھ سے نہیں گرتا۔ اگرچہ انکے ہاتھ کانپتے ہیں لیکن صراحی سے پیالہ پُر کرتے وقت وہ ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے (یعنی مشاہدۂ حق اور فیوضِ ربانی سے کماحقہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور ذرہ بھر ضائع نہیں ہونے دیتے۔) چنانچہ انکی نماز کی ظاہری صورت (یعنی رکوع سجود) میں بھی فرق نہیں آتا اور پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (یعنی روحانی طور انکو حق تعالیٰ کے ساتھ حضوری حاصل ہوتی ہے۔ حضور قلب کا

مطلب ہے ۔ حاضر ہونا یعنی انکے ہاں حق تعالیٰ غیب نہیں ہوتے بلکہ حاضر یعنی سامنے ہوتے ہیں ۔) انکے نزدیک نماز بغیر حضوری نماز نہیں ہے بلکہ نماز کی مشابہت ہے ۔ البتہ حق تعالیٰ اپنے کرم سے نماز کی ظاہری صورت کو اصلی نماز کی طرح قبول فرما کر بندہ کو فرض سے عہدہ برآ کرتے ہیں ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لاصلوٰۃ الاّ بحضور القلب (نماز میں جب تک روحانی طور پر مقام حضوری حاصل نہ ہو نماز نہیں ہوتی ۔) اس حدیث سے فقہاء یہ مراد لیتے ہیں کہ حضور قلب کے بغیر نماز کمال کو نہیں پہنچتی ۔ لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک حضور قلب کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں ۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ پر قاتلانہ حملہ اور آپ کا عفو

اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کا ذکر ہونے لگا ۔ حضرت شیخ (حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ) نے فرمایا کہ ترابی نام ایک دیوانہ تھا جو ہمیشہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ رہتا تھا ۔ ایک دفعہ حسبِ معمول وہ اکیلا حضرت اقدس کی خدمت میں موجود تھا ۔ اس نے اچانک ایک چاقو ہاتھ میں لیا اور حضرت اقدس پر ضربیں مارنا شروع کیا ۔ جونہی وہ ضرب مارتا حضرت اقدس فرماتے تھے کہ ترابی تجھے کیا ہو گیا ہے ۔ اور اپنا ہاتھ آگے کر دیتے تھے جس سے آپکی تمام انگلیاں زخمی ہو گئیں اور خون نالی سے نکل کر باہر کی جانب تقریباً دس گز تک بہہ چلا ۔ باہر باورچی خانہ میں مولانا زین العابدین اور دوسرے خدام بیٹھے تھے ۔ خون دیکھ کر مولانا زین الدین دوڑتے ہوئے اندر آئے ۔ ترابی نے مولانا زین الدین کو دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا اور دور سے ان پر چاقو پھینکا ۔ جس سے انکو بھی ہاتھ پر قدرے زخم آیا ۔ آخر خواجہ بشیر نے اسے پکڑ لیا ۔ حضرت اقدس نے حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا کرم یہ تھا کہ میں اس وقت ہوش میں تھا (یعنی مراقبہ کی محویت طاری نہ تھی) اور میں نے سب لوگوں کو کہہ دیا کہ اسے کچھ نہ کہو ۔ جس نے اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی میں اس سے ناراض ہونگا ۔ اگر میں یہ بات نہ کہتا تو لوگ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ۔ اس سے شہر میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت شیخ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا ہے ۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ آپکا انتقال ہو گیا ہے ۔ چنانچہ شہر میں شور مچ گیا اور لوگ سر برہنہ ہو کر گلی کوچوں میں رونے لگے ۔ چونکہ چاقو زیادہ تیز نہیں تھا اس سے کوئی کاری زخم نہ آتا ۔ ران پر صرف ایک بڑا زخم آیا ۔ حملے کی خبر سن کر

طبیب، خلق خدا اور قاضی صدر جہاں اور ملک نتھو جو بادشاہ کا حاجب خاص (دربان خاص) حضرت اقدس کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ ملک نتھو نے کہا کہ بادشاہ کی طرف سے مجھے حکم ہوا ہے کہ ترابی کو گرفتار کر کے ہمارے پیش کرو۔ چنانچہ ترابی کو انکے حوالہ کر دیا گیا۔ لیکن حضرت شیخ نے قاضی صدر جہان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ قاضی صاحب زخم مجھے آیا ہے۔ میں نے اپنا حق اسکو بخش دیا اور میرے وارثوں نے بھی بخش دیا ہے۔ آپکے ورثا یعنی بھتیجے اور بھانجے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے بیک آواز ہو کر ترابی کا گناہ معاف کر دیا۔ اسکے بعد جب ترابی پر شریعت کی رُو سے کوئی گناہ باقی نہ رہا تو قاضی صدر جہاں نے کہا کہ اب میں وزیر کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کرتا ہوں اسکا جو حکم ہوگا اسی طرح کیا جائے گا۔ اس وقت وزیر ملک کبیر تھا۔ اس نے کہا کہ از روئے شرع اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا اسے رہا کر دیا جائے۔ اب ترابی ملک نتھو کے گھر میں تھا۔ اسے رہا کرنے میں خوف یہ تھا کہ جونہی وہ شہر میں جائیگا لوگ اسے پتھر مار مار کر سنگ سار کر دینگے۔ اسلئیے حضرت شیخ نے نتھو کو طلب کر کے فرمایا کہ خلقت اسکو قتل کر دیگی۔ پچاس سپاہی اسکے ہمراہ بھیج کر باہر پہنچا دو۔ نیز وہ بھوکا ہے دو روپے اسکو دے دو۔ جب اسے باہر لایا گیا تو خلقِ خدا نے چاہا کہ اسے پتھر مار کر سنگ سار کر دیں لیکن جب انہوں نے سرکاری سپاہی دیکھے تو منتشر ہو گئے ایک سال کے بعد جب ملک کبیر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگا کہ بادشاہ نے دریافت کیا ہے کہ حضرت شیخ کو قتل کرنے والے آدمی کے ساتھ تم لوگوں نے کیا سلوک کیا ہے۔ اب میں کیا جواب دوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب ضرورت ہوئی تو میں خود بادشاہ کو جواب دے دونگا۔

حضرت عباسؓ اور طلبِ ولایت

ظہر کی نماز کے بعد عباسی خاندان کا ایک مخدوم زادہ پابوس ہوا۔ آپنے اس سے فرمایا کہ حضرت عباسؓ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ سے کسی علاقے کی ولایت طلب کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے چچا جان! آپ اپنا بوجھ اٹھائے رکھیں خلق کا بوجھ نہ اٹھائیں۔

مسئلہ خلافت کے متعلق حضرت عباسؓ کی تشویش

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو

حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ یہ مرض مجھے خطرناک نظر آ رہا ہے آپ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کریں کہ انکے بعد امیر المومنین کون ہونگے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے چچا جان چونکہ یہ معاملہ نازک ہے میں نہیں دریافت کرونگا۔ آنحضرت ﷺ کیا کہیں گے۔ جب انہوں نے دوسری بار یہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے وہی جواب دیا۔ جب تیسری بار انہوں نے سوال کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا اے چچا جان! اگر رسول خدا ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور کو نامزد فرمایا تو پھر بات کرنے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس مصلحت کی وجہ سے وہ خاموش ہو گئے۔ جب رسول خدا ﷺ نے پردہ پوشی فرمائی تو حضرت علیؓ بے ہوشی کے عالم میں دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہی حضرت عثمانؓ کی حالت تھی۔ اس وقت خلافت کا معاملہ طے کرنے کے لیئے حضرت سعد عبادہؓ جو رئیس الانصار تھے کے ہاں ان سے بیعت کرنے کیلئے صحابہ کا ایک گروہ آیا ہوا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا چلو وہاں چلتے ہیں۔ راستے میں حضرت عمرؓ سوچ رہے تھے کہ وہاں جا کر ان کو کیا کہنا چاہیے اور یہی بات حضرت ابوبکر صدیقؓ سوچ رہے تھے۔ جب وہاں پہنچے تو ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں انہوں نے کہا ہم اس کام کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ خدا اور اس کا رسول ﷺ یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ انصار میں سے امیر المومنین مقرر کیا جائے کیونکہ قبول اسلام، قرابت اور صحبت رسول ﷺ میں سبقت مہاجرین کو حاصل ہے اور اس سے مہاجرین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ انصار کی۔ اسکے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہاتھ آگے بڑھائیں ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اے ابوعبیدہ جب سے آپ نے اسلام قبول کیا ہے آپ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی لیکن آج حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہوتے ہوئے آپ مجھے خلافت کے لئے تجویز کرنے کی غلطی کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی، تو آپ نے قبول کر لی اور حضرت عمرؓ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور دیگر صحابہ کرام نے جو اسوقت موجود تھے آپ سے بیعت کی۔ اسکے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے گھر پر گئے اور دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور اہل بیعت تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں۔ جب حضرت عباسؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کا علم ہوا تو

حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہنے لگے اے عمر کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ عم الرجل منوابیه۔ یعنی عم شاخ اور درخت اسکا باپ ہے۔ یہ ہمارا حق آپ زبردستی لے رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ سچ کہتے ہیں لیکن اب معاملہ طے ہو چکا ہے اور گفت وشنید کی گنجائش نہیں ہے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد نبوی ﷺ میں جا کر یہ خطبہ دیا **الا انّ من کان منکم یعبد محمد** ﷺ اقدامات **و من کان یعبد ربّ محمد فھو حییّ ولایموت ابداً** (اے لوگو سنو اگر تم میں سے کوئی شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو محمدؐ انتقال فرما گئے ہیں اور اگر ربّ محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے کبھی انتقال نہیں فرماتا۔) آخر کار آپ نے طویل خطبہ ختم کیا اور عام بیعت شروع ہوگئی۔ لیکن حضرت علیؓ کو اس بیعت عام وخاص کا علم نہ ہو سکا۔ اور رسول خدا ﷺ کی تجہیز و تکفین و تدفین کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ خلافت کا معاملہ کیسے طے کرنا چاہیئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ معاملہ طے ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کسی نے مشورہ نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ وقت تنگ اور معاملہ نازک تھا۔ وقت ہاتھ سے جا رہا تھا۔ اسکے بعد حضرت عباسؓ نے کچھ وقت کیلئے بیعت نہ کی۔ اور جب تک حضرت بی بی فاطمہؓ زندہ رہیں اہل بیعت میں سے کسی شخص نے بیعت نہ کی[1]۔ جب حضرت عباسؓ نے بیعت کی تو فرمایا کہ کیا کروں آپ لوگوں کی کثرت ہے میں اکیلا ہوں اسلیۓ ضرورتاً بیعت کر رہا ہوں۔ اسی روز سے مذاہب میں فرق پیدا ہوا جس سے اسلام میں خرابی کی بنیاد پڑ گئی۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ

جب حضرت علیؓ کی خلافت کا وقت آیا تو حضرت امیر معاویہؓ نے مخالفت کی۔ اور حضرت عمر بن عاصؓ انکے وزیر ہوئے۔ اور انکے بیٹے عبداللہ بن عمر بن عاصؓ جو زہاد صحابہ میں سے تھے اپنے باپ کی طرف سے حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہوئے۔ اب جو شخص حضرت علیؓ سے جنگ کرتا ہے اسکی حالت کیا ہوگی۔ اسوجہ سے کہ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غایت درجہ کا اتحاد، اتصالِ ظاہری و باطنی، اور قربت حاصل تھی۔ جب حضرت عمر بن عاصؓ کا آخری وقت آیا تو انہوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے بیٹے سے کہا کہ اسے لے لو یہ مال و دولت سے بھرا

1 بعض مورخین مثل طبری وغیرہ لکھتے ہیں کہ پہلے روز حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن عاصؓ نے جواب دیا کہ کاش یہ صندوق فقر سے بھرا ہوا ہوتا۔ یہ کہہ کر صندوق قبول نہ کیا۔ لیکن حضرت علیؓ سے جنگ ضرور کی۔ کتاب آداب المریدین میں لکھا ہے کہ انتقال کے وقت حضرت عمر بن عاصؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا موت کے وقت جو حال مجھ پر گزریگا تم کو بتاؤں گا۔ عین موت کے وقت بیٹے نے باپ سے حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کے ساتھ طبق میرے سینے پر رکھے گئے ہیں اور سانس لینے کی گنجائش نہیں ہے اور جو سانس میرے سینے سے باہر آیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوئی کے سوراخ سے نکل رہا ہے۔ (یعنی بہت مشکل ہے۔) اس مشکل حالت میں ہوں۔ نیز آداب المریدین میں لکھا ہے کہ جب ابو محمد دوم کو موت کے وقت کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو تو اس نے جواب دیا کہ لا اُحسُّ غیرہ' (مجھے اس کے غیر کا احساس تک نہیں ہے۔) لفظ احساس میں ایک [1] راز پوشیدہ ہے جسکو بغیر اہل فہم کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کسی نے حریریؒ سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا میں اسے بھول گیا ہوں کہ یاد کروں۔ یہ حال ہے امت محمد یہ کے متبعین اور حضرت علیؓ کے پیروکاروں کا۔ اور اکثر مشائخ عظام کا سلسلہ حضرت علیؓ پر جاملتا ہے۔

روز سہ شنبہ ۱۷۔ ماہِ شعبان

ذکر اللہ کی برکات

چاشت کے وقت حضرت اقدسؒ نے یہ حدیث بیان فرمائی **ایما عبد ذکر نی فی نفسہ ذکرتہ' فی نفسی و ایّما عبد ذکر نی فی مَلا ءِ ذکر تہ' فی ملاءِ خیر" منہ'** (جب کوئی میرا بندہ مجھے خلوت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے خلوت میں یاد کرتا ہوں اور جب کوئی مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں [1]) شارحین حدیث کے نزدیک بہتر مجمع سے مراد جمع ملائک ہے۔ لیکن حضرت اقدس نے فرمایا کہ بہتر مجمع ملائکہ کا مجمع نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو حق تعالیٰ نے وہ مراتب عطا فرمائے ہیں کہ ملائک کو وہاں پہنچنے کی مجال نہیں ہے۔

---

[1] راز یہ ہے کہ ذاتِ حق میں فنا و غرق اور ماسوئ اللہ سے بالکل بے خبر تھے اگر چہ انسان کامل کا کمال عبدیت اور کمال بندگی میں ہے جو مقام دوئی ہے جب اسکے سپرد ہدایت خلق کی خدمت سپرد ہوتی ہے لیکن آخری وقت میں تمام اہل اللہ مقام فنا میں چلے جاتے ہیں جو مقام وصال ہے۔

اس لئے ملائکہ مراد لینا درست نہیں ہے۔ نیز اس توجیہ سے شارحین حدیث پر یہ اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے کہ ملاءِ خیر منہ سے ملائکہ مراد لیکر ملائک کو خواصِ بشر سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ملائک کے بھی بیشمار اقسام ہیں ایک سالک روحانی ترقی کرتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو بعض اوقات ایک خیمہ نصب شدہ نظر آتا ہے۔ وہ خیمہ نہ ریشم سے بنا ہوا ہوتا ہے نہ کپڑے سے نہ کسی اور چیز سے لیکن اسکو اسی طرح نظر آتا ہے۔ پھر اس خیمہ کے دروازے پر ایک خوبصورت جوان دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک عصا ہے جس طرح دربان ہوتے ہیں۔ لیکن وہ شخص نہ آدمی ہے نہ فرشتہ بلکہ اسی طرح نظر آتا ہے۔ اسی طرح نہ اس جگہ ہاتھ ہے' نہ قبضہ' نہ کھڑا ہونا' نہ دربان' لیکن اسی طرح نظر آتا ہے۔ اسی طرح اس کے ہاتھ میں جو عصا ہے وہ نہ لکڑی کا ہے نہ لوہا ہے نہ تانبا ہے نہ سونا نہ چاندی ہے لیکن اسی طرح نظر آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس خیمے کی طناب' میخین' وغیرہ نظر آتی ہیں لیکن ہوتی نہیں ہیں۔ نیز وہ خیمہ ایک مکان میں نصب شدہ نظر آتا ہے حالانکہ وہ لامکان ہے وہاں نہ زمین ہے نہ آسمان' لیکن اسی طرح نظر آتا ہے۔ نیز خیمے کے اندر جب سالک داخل ہوتا ہے تو اسکے ساتھ کئی قسم کے معاملات پیش آتے ہیں۔ وہ خیمہ' اور اسکے طناب' دربان اور میخ اور زمین اس سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اگر ان تمام کا نام رکھا جائے تو فرشتہ کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ اب معلوم نہیں اس قسم کے فرشتوں کو کس سے افضل اور کس سے مفضول قرار دیا جائے۔ یہ کون ہیں اور انکی حقیقت کیا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ کون شخص کس مقام پر پہنچتا ہے جہاں یہ فرشتے نہیں پہنچ سکتے۔ فرشتوں کی دوسری قسم وہ ہے جو رزق کی تقسیم اور لوگوں کی زندگی اور موت پر تعینات ہوتے ہیں۔ آسمان سے زمین پر وارد ہوتے ہیں اور مختلف قسم کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اب ان کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے کہ کون افضل ہے اور کون مفضول۔ پس جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ یہ فہم و ادراک سے بالاتر ہیں نہ انکا کوئی نام ہے نہ انکی حقیقت کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ ضرورت کے لحاظ سے ان کو فرشتہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس لئے فی ملاءِ خیر " منه' سے وہی کچھ مراد ہے جو ہم نے قبل ازیں بیان کر دیا ہے۔ اس میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

حدیث بی یَسمَعُ اور بی یَبصرو کا مطلب

اسکے بعد فرمایا کہ حدیث لایزال العبد یتقرب الیَّ بالنوافل....یبصربہ (میرا بندہ

جب نوافل یعنی زاید عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور اس سے اتنا قریب ہو جاتا ہوں کہ اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے۔ اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔ اسکے پاؤں بن جاتا ہوں اور مجھ سے چلتا ہے۔) کے معنی میرے نزدیک یہ ہیں۔

رباعی

چشمے دارم ہمہ پراز صورت دوست　　بادیدہ مراخوش چوں دوست در دوست
زدیدہ و دوست فرق کرون نہ نکواست　　بااوست بجائے دیدہ با دیدہ ہموست

(میری آنکھوں میں دوست کی صورت بھری ہوئی ہے۔ میری آنکھیں مجھے محبوب ہیں اسلئے کہ دوست انکے اندر ہے۔ آنکھوں اور دوست کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا آنکھیں دوست کی اور دوست آنکھوں کی جگہ ہیں۔)

درازیٔ عمر کے برکات

ظہر کی نماز کے بعد درازیٔ عمر کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ طویل عمر موجب تکالیف و مصائب ہے لیکن اس سے بیش بہا تجربات حاصل ہوتے ہیں اور عارفین معرفت میں کامل تر بن جاتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں وددت ان لم امت طفلاً حیث عرفت اللہ (میری یہ تمنا تھی کہ بچپن میں نہ مر جاؤں کیونکہ طویل عمر سے میں نے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی اور اسکی بعض جزئیات سے مطلع ہوا۔) پس یہ چیز طویل عمر کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اسکے بعد دعا کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ سے تھوڑی دعا نہیں مانگنی چاہیے ممکن ہے قبولیت کا وہی وقت ہو[1]۔ تھوڑی اور بہت چیز اسکی قدرت کے مقابلہ میں سب برابر ہے جو چاہتا ہے دے سکتا ہے۔ فرمایا کہ ایک گویا تھا۔ اس نے دعا کی کہ تمام پہاڑ سونا بن جائیں۔ قبولیت کا وقت تھا دعا قبول ہوگئی اور پہاڑ سونا بن گئے۔ بہت خوش ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ بڑی چیز مل گئی ہے۔ بیچارہ گویا تھا اسکے نزدیک

---

[1] بعض عارفین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ سے جو دعا مانگی جائے سب قبول ہوتی ہے کوئی دعا رد نہیں ہوتی کیونکہ اتنی بڑی سرکار ہے کیسے کسی کو خالی بھیج سکتے ہیں البتہ قبولیت دعا کے وقت میں فرق ہوتا ہے۔ کبھی فوراً، کبھی دیر سے، کبھی بہت دیر سے اور کبھی آخرت میں اس کا اثر ملتا ہے۔ اسلیئے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ میری خواہش ہے میری کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہو اور سب دعائیں آخرت میں قبول ہوں۔ کیونکہ آخرت کے انعامات اور دنیاوی مفاد میں کوئی حساب ہی نہیں۔

سونے کے پہاڑ سے زیادہ بڑی چیز کیا ہوسکتی تھی اس نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ سے کم مانگتا ہے اسکی آنکھیں اندھی ہوں۔ اسے کیا معلوم تھا کہ خود اس نے بڑی چیز نہیں بلکہ کم مانگی تھی جونہی یہ کلمات منہ سے نکلے اسکی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ کوہِ زر حق تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ کوہِ زر طلب کیا اور آنکھیں کھو بیٹھا۔ (اس لئے بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ بعض دعائیں اس لئے بھی اس دنیا میں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ انسان کیلئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔)

روز چہار شنبہ ۱۸۔ ماہِ شعبان ۸۰۲ء

حضرت الیاسؑ کی فریاد

چاشت کے وقت حضرت شیخ نے اس آیت کے معانی بیان فرمائے:۔

ولو یو آخذ اللہ النّاس بما کسبوا ماترک علیٰ ظھر ھامن دابتہ ولکن یا خرّھم الیٰ اجل مسمّی فاذاجاء اجلھم فانّ اللہ کان بعبادہ بصیراً۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو انکے اعمال کیوجہ سے گرفت کرلے تو ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے۔ لیکن وہ ایک عرصے تک انکو مہلت دیتا ہے اور جب مہلت پوری ہوجاتی ہے وہ اپنے بندوں کے اعمال سے بخوبی ہے۔ (یعنی نیکوں کو نیکی اور بروں کو برائی کا پھل ملتا ہے۔) فرمایا کہ جب حضرت الیاسؑ نے اپنی امت کی خاطر بہت مشقت برداشت کی اور کسی نے بھی اطاعت نہ کی تو آپ نے تنگ آکر حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ سات سال تک بارش کا معاملہ میرے اختیار میں دیا جائے۔ جب میں عرض کروں اس وقت بارش دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے تو میرے تمام بندے مرجائیں گے۔ سات سال کا عرصہ زیادہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اچھا چھ سال کے لئے دے دیں۔ یہ بھی قبول نہ ہوئی۔ اس طرح پانچ اور چار سال کے لئے درخواست کی تو منظور نہ ہوئی۔ جب انہوں نے تین سال کے لئے عرض کیا تو حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول کرلی۔ جب ایک سال تک بارش نہ ہوئی تو بہت لوگ مرگئے اور مویشی اور حیوانات بھی مرنے لگے یہ دیکھ کر لوگ حضرت الیاسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور اپنے بت بعلبک کو ترک کردیا۔ کیونکہ وہ باطل ہے۔ ہمیں بارش عطا کرو۔ نیز ان کے ساتھ عہد و پیمان بھی کئے۔ تو بارش شروع ہوگئی۔ لیکن انکے پاس بیج نہیں تھا کہ کاشت کرتے۔ حضرت الیاسؑ کی خدمت

میں جا کر عرض کیا بیج نہیں ہے کیا کریں۔ آپ نے فرمایا شورہ کاشت کرو۔ جب انہوں نے شورہ کاشت کیا تو قدرے چنے اُگ آئے اور دو تین دن کے اندر کھانے کے قابل ہو گئے۔ چنانچہ وہ شورگی ابتک چنوں میں موجود ہے۔ اب جونہی غلہ ان کے پیٹ میں گیا وہ حضرت الیاسؑ سے منحرف ہو گئے۔ اور اُسی بت بعلبک کی پرستش شروع کر دی یہ دیکھ کر حضرت الیاسؑ عاجز آ گئے اور آپ نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ خداوندا! مجھے اپنے پاس بلا لئے۔ اسکے بعد غیب سے ایک گھوڑا نمودار ہوا۔ حضرت الیاسؑ اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا ہوا ہو گیا۔ اسوقت حضرت یونسؑ بن متی پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا آپ جا رہے ہیں کام کس کے سپرد کیا ہے۔ انہوں نے کہا تمہارے سپرد کیا۔ حضرت یونسؑ نے کہا کہ اسکی کیا سند ہے۔ اس پر حضرت الیاسؑ نے ہوا سے ایک کپڑا انکی طرف پھینکا اور زندہ آسمان پر چلے گئے اور انکے بعد حضرت یونسؑ پیغمبر ہو گئے۔ اور یہ جو بستیوں اور قصبوں میں لوگوں کی امداد کر جاتے ہیں وہی الیاسؑ ہیں۔ اسکے بعد حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ "وَلَا تَزِرُ وَزِرَۃٌ" (کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) سے کیا مراد ہے۔ اس کمترین بندگان اور کہترین خدمت گاران نے عرض کیا کہ بعض نے اس سے مراد آخرت لی ہے کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یعنی یہ عدل نہیں ہے یہ بھی عدل نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کا بوجھ اٹھائے۔

دوزخ میں حق تعالیٰ کا قدم رکھنا

اسکے بعد حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض کتب میں لکھا ہے کہ جب دوزخ آدمیوں سے پُر نہیں ہوگی تو حق تعالیٰ دوسری خلقت کو پیدا کرے گا۔ اور دوزخ میں ڈالے گا۔ اسکا کیا مطلب ہے۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ **ینادی الجحیم ربّہ' یوم القیٰمته یا رب انک عاھدت الیٰ آن ملّانی من الخلق وما ملئت بعد و فھل من مزید ثم یدخل اللہ فیه جمعاً من الناس فیقول ھل من مزید ثم یدخل آخر و آخر وھو یقول فھل من مزیدی فیضع الرّب قدمه فینزدی اللہ فیقول، فطنی قطنی یارب** (قیامت کے دن دوزخ رب العزت کو ندا دیگی کہ اے رب تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ خلق کے ساتھ تجھے پر کروں گا۔ حق تعالیٰ کچھ لوگ اسکے اندر ڈالے گا۔ لیکن وہ زیادہ طلب

کرے گی۔ حق تعالیٰ پھر اور لوگ دوزخ میں ڈالیں گے وہ پھر مطالبہ کرے گی۔ حتّٰی کہ تین بار مطالبہ کرنے کے بعد حق تعالیٰ اپنا قدم مبارک دوزخ میں بڑھائیں گے تو دوزخ پکار اٹھے گی یارب بس کافی ہے۔ بس کافی ہے) تفسیر زاہدی میں لکھا ہے کہ "وضع قدم" متشابہات میں سے ہے۔ بعض نے اسکی یہ تاویل کی ہے کہ نئ خلق پیدا کر کے دوزخ کے اندر ڈالا جائے گا تو وہ پر ہو کر کہے گی قطنی قطنی یارب (بس یارب بس) اس پر آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے کیا گناہ کیا ہوگا کہ (پیدا ہوتے ہی) دوزخ میں ڈالے جائیں گے بندہ نے عرض کیا کہ وہ لوگ اسطرح پیدا کئے جائیں گے کہ دوزخ کے لائق ہونگے۔ مثلاً آگ سے پیدا کئے جائیں گے۔ اس لئے انکو دوزخ موافق آئیگی۔ جب کوئی چیز اپنے اصل مقام پر رکھی جائے تو یہ ظلم نہیں ہے۔

حضرت امام حسینؓ پر گریہ طاری ہونا

اسکے بعد حضرت شیخ نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دن حضرت امام حسینؓ گھر کے ایک کونے میں بیٹھے رو رہے تھے۔ حضرب بی بی فاطمہؓ نے دوڑ کر انکو گلے لگایا اور پیار کر کے پوچھا کہ میرے بیٹے کیوں رو رہے ہو۔ کیا تمہیں بھوک لگی ہے یا گھر میں کسی نے کچھ کہا ہے یا کسی چیز کی ضرورت ہے۔ آپ نے جواب دیا ان میں سے کوئی وجہ نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ انہوں نے ایک آدمی سے فرمایا اگر خداوند تعالیٰ کل قیامت کے دن میری والدہ آمنہ اور میرے بھائی عیسیٰ کو عذاب دے تو یہ عدل ہوگا۔ ہمیں تو رسول اللہ ﷺ پر بھروسہ ہے کہ ہماری شفاعت کریں گے اور انکی شفاعت سے ہم دوزخ سے نجات پائیں گے لیکن آنحضرت ﷺ خدا کے عذاب کو عدل بتا رہے ہیں ہمارا کیا حال ہوگا۔ فرمایا چونکہ اہل بیت میں خداترسی اور خداپرستی حد درجہ تھی۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا اور اگر معاذ اللہ کسی وقت کوئی لغزش ہو جاتی تو جبتک توبہ قبول نہ ہوتی برابر توبہ واستغفار کئے جاتے تھے۔

حضرت امام حسینؓ کا معمولی بات پر چالیس دن کمرہ میں بند ہو کر توبہ واستغفار کرنا

فرمایا ایک دفعہ حضرت علیؓ اور حضرت اما حسنؓ اکٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ایک مغز دار ہڈی تھی

امام حسنؓ اس میں سے مغز نکال کر کھا رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے میرے بیٹے جو کچھ تم کھا رہے ہو مجھے بھی یہ چیز پسند ہے۔ لیکن تو میرا بیٹا ہے اور میں تیرا باپ ہوں مجھے اس سے راحت ہوئی کہ تم مغز کھا رہے ہو لیکن تم فرزند رسولؐ ہو کر اتنا بھی نہیں جانتے کہ اس مغز میں ہم دونوں شریک ہیں تم نے اکیلے کیوں کھایا۔ یہ سنتے ہی حضرت امام حسنؓ نے معافی طلب کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے پہلے کہدیا ہے تیرے مغز کھانے سے مجھے دلی مسرت ہوئی ہے لیکن تم نے خدا کے نزدیک گناہ کا کام کیا ہے اسلئے توبہ کرو۔ شاید قبول ہو جائے۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ حجرہ میں جا کر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے اور چالیس روز تک اسی کام میں لگے رہے۔ جب کوئی آنے والا آتا تو دیکھتا تھا کہ آپ نے بوریا لپیٹ کر علیحدہ رکھدیا تھا۔ اور زمین گیلی تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ اے فرزند رسول ﷺ آپ وضو اور غسل اسی حجرہ میں کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وضو اور غسل حجرہ میں نہیں کرتا بلکہ یہ میری آنکھوں کے آنسوؤں سے کمرہ گیلا ہو گیا ہے۔ چالیسویں رات آپکو خواب میں رسول خدا ﷺ کی زیارت ہوئی فرمایا کہ اے حسن اگر تمہارے باپ علی کی شفقتِ پدری تمہاری دستگیری نہ کرتی تو تمہاری حالت بہت نازک تھی۔ اب تم نے توبہ و استغفار سے کام لیا ہے اور حق تعالیٰ نے توجہ قبول فرمائی ہے اور تمہاری خطا معاف کر دی ہے[1]۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا دیکھو یہ انکا گناہ تھا اور اسقدر توبہ و استغفار سے کام لیا۔

---

[1] اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسولِ خدا ﷺ کے نواسے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے سے اسقدر معمولی غلطی ہونے پر اسقدر عتاب کیوں ہوا تو اسکا جواب یہ ہے کہ "نزدیکاں رابس بوَد حیرانی" جو حضرات کہ مقرب بارگاہ میں انکی طرف سے چھوٹی سی خطا بھی بڑی لگتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین (عام نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا نیک کام ہے لیکن عارفین اور مقربین ڈھائی فیصد زکوٰۃ گناہ سمجھتے ہیں وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر کے پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا اسی طرح جب ایک دفعہ حضرت علیؓ کے پاؤں سے چیونٹی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ علی تم نے کیا گناہ کیا ہے کہ حق تعالیٰ اور تمام فرشتے غضب میں آ گئے ہیں۔ لیکن جب چیونٹی نے معاف کر دیا تو آپکی خطا معاف ہو گئی۔ چیونٹی نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ علی نے جان بوجھ کر مجھ پر قدم نہیں رکھا بلکہ اتفاقاً میں انکے پاؤں کے نیچے آ گئی۔ گناہ کی نیت نہیں تھی۔ اسی طرح جب شیخ منصور کو لوگ پتھر مار رہے تھے تو وہ ہنس رہے تھے جب انکے دوست ابوبکر شبلی نے ایک چھوٹی سی کنکر ماری تو چیخ اٹھے کیونکہ وہ عارف کی کنکری تھی۔ ان جان کی نہیں تھی۔ ان جان کی خطا جلدی معاف ہو جاتی ہے لیکن جاننے والا خطا کرے تو بہت بری بات سمجھی جاتی ہے۔

خرقۂ خلافت کی اصل

ظہر کی نماز کے بعد مولانا عمر ولد شیخ سعید حاضر خدمت ہوئے اور دریافت کیا کہ یہ جو روایت ہے کہ خرقہ مشائخ حضرت جبرائیلؑ لائے تھے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں صحیح ہے۔ کتب سلوک میں لکھا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے معراج کی رات بہشت میں ایک حجرہ دیکھا جو سونے کا بنا ہوا تھا اور اسکا دروازہ اور قفل بھی سونے کے تھے۔ آپ نے چاہا کہ اندر جائیں۔ جبرائیل سے کہا اسے کھولو میں اسے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ جبرائیل نے کہا اجازت درکار ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تو اجازت مل گئی۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولا تو اندر ایک بڑی سونے کی صندوق رکھی تھی اور اس پر سونے کا قفل لگا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قفل کھولو۔ جبرائیل نے حق تعالیٰ سے اجازت لیکر قفل کھولا تو اس کے اندر ایک اور صندوق تھا جس پر سونے کا قفل لگا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے کھولنے کو کہا تو حضرت جبرائیل نے اجازت لے کر اسے بھی کھولا تو اسکے اندر ایک اور صندوق تھی جس پر سونے کا قفل لگا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق اسے کھولا گیا تو اندر سے اور صندوق برآمد ہوا۔ جس پر سونے کا قفل لگا تھا۔ جب اسے کھولا گیا تو اندر اور چھوٹا صندوق تھا جس پر سونے کا قفل تھا جب اسے کھولا گیا تو اس کے اندر خرقہ مشائخ پڑا پایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے اخی جبرائیلؑ میری خواہش ہے کہ یہ خرقہ مجھے ملے۔ حق تعالیٰ سے فرمان ہوا کہ اتنے ہزار پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ یہ خرقہ ہم نے کسی کو نہیں دیا۔ آج آپ کو دیا جاتا ہے کیونکہ یہ آپ ہی کے لیے رکھا تھا۔ فرمان ہوا کہ اسے پہنو۔ آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا۔ اپنی قدیم عادت کے مطابق عرض کیا کہ حضور یہ خرقہ صرف میرے لئے ہے یا میری امت میں سے کسی کو مل سکتا ہے یا نہیں۔ فرمان ہوا کہ مل سکتا ہے لیکن آپ کے چار یاروں میں سے جو شخص یہ بات کہے اس کو عطا کرنا۔ جب آپؐ دنیا میں تشریف لائے تو چاروں صحابہ کرامؓ کو بلا کر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے یہ خرقہ عطا فرمایا ہے اور یہ فرمان ہوا کہ چار یاروں میں جو شخص ایک مخصوص جواب دے اسکو عطا کیا جائے۔

چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ اگر تجھے دیا جائے تو کیا کرو گے۔ انہوں نے

جواب دیا کہ صدق سے کام لونگا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گئے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اگر تجھے دیا جائے تو کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ عدل سے کام لونگا۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ تم کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا حیا سے کام لونگا۔ آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گئے۔ اسکے بعد حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ بندگان خدا کی عیب پوشی کرونگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا انتَ لہ وَھُوَ لکَ (تو اسکے لیے ہے اور یہ تیرے لئے) اسے پہن لو۔ چنانچہ یہی خرقہ مشائخ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت علیؓ کو پہنچا اوران سے مشائخ سلسلہ کو ملا۔ لیکن میں نے یہ واقعہ کسی صحیح وحسان کتاب حدیث میں نہیں دیکھا۔

اقسامِ خلافت

ارشاد فرمایا کہ خلافت دو قسم کی ہے۔ خلافتِ کبریٰ و خلافتِ صغریٰ۔ خلافتِ کبریٰ باطنی خلافت کو کہتے ہیں۔ اور خلافتِ صغریٰ ظاہری خلافت کا نام ہے۔ خلافتِ کبریٰ حضرت علیؓ کے لئے مخصوص تھی اور اسبات پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ خلافت صغریٰ کے متعلق اختلاف ہے۔ سنّیوں کا اسبات پر اتفاق ہے کہ اسکے حقدار حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے اور شیعہ و رافضی لوگ جنکے مختلف گروہ ہیں حضرت علیؓ کو اسکا حقدار سمجھتے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے چند نکات

اسکے بعد حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جب سے ہم دہلی میں شیر خان کی حویلی کے علاقے میں آئے تھے آخر شب جامع مسجد میں جاتا تھا اور دوپہر کے وقت گھر واپس آتا تھا تاکہ قبل از دوپہر ملاقات کے لئیے آنے والوں سے نجات ملے۔ ماہ رمضان تھا اور قاضی آدم اور مولانا نصیر الدین تھانیسری اور خواجہ احمد خادم مسجد میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں معتکف تھے۔ اتفاق سے میرا ان کے پاس سے گزر ہوا۔ ملاقات ہوئی اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ قاضی آدم نے کہا کہ محی الدین ابن عربیؒ کی کتاب فتوحات مکی میرے پاس ہے۔ آپ اسے دیکھیں۔ میں نے کہا کہاں ہے؟ انہوں نے کتاب میرے ہاتھ میں دی۔ میں نے کھول کر دیکھا اور واپس کر دی۔ خواجہ احمد خادم نے پوچھا کہ ابن

عربیؒ کی کتابوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے تین دفعہ جواب دینے سے احتراز کیا۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو میں نے کہا کہ انکے متعلق میرا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا کلام بھی منحرف ہے اور وہ بھی منحرف ہیں۔ لیکن میری بات کسی کو پسند نہ آئی اور نہ ہی وہ لوگ میرے ساتھ بحث کرنا پسند کرتے تھے۔ مولانا عمر نے کہا کہ فتوحات مکی میں شیخ لکھتے ہیں کہ **من توکل فقد اثبت الوھیّت الاسباب** (جس نے توکل کیا اس نے اسباب کو خدا کا درجہ دیا۔) اس کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ توکل کا مطلب ہے اسباب سے قطع تعلق کرنا اور خدا پر بھروسہ کرنا۔ اور جس چیز سے قطع تعلق کیا جائے اور اس سے اعراض یعنی روگردانی کی جائے پہلے اسکا وجود تسلیم کیا جاتا ہے ورنہ معدوم سے کس طرح اعراض کیا جاتا ہے اور اس سے قطع تعلق کیسے واقع ہوتا ہے[1]۔ ان کا کلام درویشانہ، صوفیانہ، محققانہ اور عارفانہ ہے۔ اسکے بعد انہوں نے اپنے کلام میں یہ اشعار سنائے

آنجا کہ صنم نہ لآ است نے جائے نَعَم زیراچہ ہمہ یکیست نہ افزون است نہ کم

بیزارم از وصال واز ہجراں ہم بے کارم از وجود چہ لذّت چہ اَلم

نے وقت ماند نے ذوق نے حال و نے مقام نے ماندہ من ونہ اوہمہ گشت عدم

(جس مقام پر میں پہنچ چکا ہوں وہاں نہ لا کا وجود ہے نہ نَعَم کا یعنی وہاں نہ اثبات ہے نہ نفی۔ اسوجہ سے کہ سب ایک ہی وجود ہے۔ (وجود باری تعالیٰ) نہ زیادہ ہے نہ کم۔ ۲۔ مجھے نہ وصال سے غرض ہے نہ ہجر سے میں خود غیر کے وجود کو نہیں جانتا۔ اسلیئے میرے لئے لذّت اور غم برابر

---

1 مطلب یہ کہ جب اسباب کا وجود تسلیم کر لیا گیا تو اس سے وحدت الجود میں رخنہ پڑ گیا۔ کیونکہ وحدت الوجود میں غیر اللہ کا وجود نہیں ہے۔ اور جب اسباب کا خدا سے علیحدہ وجود تسلیم کر لیا گیا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ بھی قدیم ہے حالانکہ خدا کے سوا ہر چیز حادث ہے۔ اور جس چیز کو قدیم مان لیا جائے وہ خدا کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ خدا قدیم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ شیخ اکبرؒ نے جو یہ فرمایا کہ جس نے توکل کیا اس نے اسباب کو الوہیت کا درجہ دیا صحیح فرمایا ہے کیونکہ جو شخص اسباب کو ترک کرتا ہے وہ اسکو غیر اللہ جان کر ترک کرتا ہے حالانہ غیر اللہ کا وجود نہیں ہے۔ اسلئے توکل کے یہ معنی نہیں کہ اسباب سے قطع تعلق کیا جائے بلکہ جو شخص اسباب پیدا کرتا ہے اور روزی کماتا ہے وہ بھی اللہ پر بھروسہ کرنے والا ہے کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور کا وجود نہیں ہے۔ پس توکل جس کی تاکید نصوص میں آئی ہے یہ ہے کہ اسباب پیدا کرے اور اعتماد اللہ پر رکھے کیونکہ اسباب سے روزی دینے والا بلکہ اسباب کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ بلکہ وحدت الوجود کی زبان اسباب بھی خود آپ ہے۔ اسلیئے اسباب سے اعراض غلط ہے کیونکہ اس سے حادث کو قدیم کا درجہ ملتا ہے۔ یعنی خدا کے ساتھ باقی اشیاء کو بھی علیحدہ قدیم کا درجہ دینا پڑتا ہے۔

ہے۔۳۔نہ میرے لئے اب وقت کا وجود ہے نہ ذوق کا نہ حال کا نہ مقام کیا (یا چاروں منازل سلوک ہیں۔) اب نہ میں باقی ہوں اور نہ وہ سب عدم محض یعنی بحرِ لاتعین میں گم ہیں۔)

صوفیاءاکثر خاموش کیوں رہتے ہیں

عشاء کی نماز کے بعد صوفیاء کے کلام کرنے کی برائی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔فرمایا صوفیاء کو بات چیت کرنے سے کیا کام۔انکے موافقِ حال مشاہدۂ محبوب میں استغراق اور غیر اللہ سے اعراض ہے۔اسکے بعد یہ اشعار پڑھے۔

آں بہ کہ نظر باشدو گفتار نہ باشد تامدعی اندر پسِ دیوار نباشد

ے خواہم معشوقِ زمینے و زمانے من باشم و او باشد و اغیار نباشد

(بہتر یہ ہے صوفی بات نہ کرے اور مشاہدۂ دوست میں غرق رہے۔ممکن ہے کہ مخالف دیوار کے پیچھے سُن رہا ہو۔ مجھے تو صرف محبوب چاہیے۔جو خالقِ زمین و زمن ہے۔میں ہوں اور وہ ہو۔غیر کوئی نہ ہو۔) اسکے بعد فرمایا کہ ایک درویش تھا جو بات نہیں کرتا تھا کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا مکوِن کے متعلق بات کروں یا مکوَن کے متعلق (یعنی خالق کے متعلق یا مخلوق کے متعلق) کیونکہ خالق کے متعلق کوئی بات نہیں کہی جاسکتی اور مخلوق کسی بات کے لائق نہیں۔کسی کے متعلق بات کرو۔یہ کہہ کر خاموش ہوگئے اور ساری عمر خاموش رہے۔

روز پنجشنبہ ۱۹۔ ماہ شعبان

حضرت جرجیس علیہ السلام کے زندہ جلانے کا واقعہ

عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ مجھے اسبات کی تلاش تھی کہ کس پیغمبرؑ کو لوگوں نے زندہ جلایا اور اسی سے انکی موت واقع ہوئی۔آخر میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ جرجیسؑ کو لوگوں نے چند بار قتل کیا لیکن وہ پھر زندہ ہو جاتے تھے۔آخر انہوں نے سِیسہ لیکر اس سے ایک گائے کا ڈھانچہ بنایا اور جرجیسؑ کو اس گائے کے پیٹ میں بند کر کے آگ میں ڈال دیا۔چنانچہ آپ اسی جگہ انتقال فرماگئے اور پھر زندہ نہ ہوئے۔سبحان اللہ! ان لوگوں کے دلوں میں کس نے یہ بات ڈالدی کہ یہ کرو۔اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔یہاں سوائے تحیّر کے کوئی بات کرنے کی مجال نہیں ہے۔

روزِ جمعہ ۲۰۔ ماہ شعبان

انگوٹھی کے ذریعے یاد دہانی

عصر کی نماز کے بعد ایک آدمی انگوٹھی لایا اور حضرت اقدس سے پہننے کی درخواست کی۔ آپ نے انگوٹھی لے لی اور جو انگوٹھی آپ نے پہلے پہنی ہوئی تھی اسکے متعلق فرمایا کہ یہ ملک ابراہیم اسحاق نے دی تھی۔ اسکے بعد مقرب خان ایک انگوٹھی لایا اور پہننے کی درخواست کی۔ قطب خان نے عرض کیا کہ پہلی انگوٹھی اتار کر یہ پہن لیجئے۔ آپ نے فرمایا میں پہلی انگوٹھی ہرگز نہیں نکالونگا کیونکہ وہ خلوصِ نیّت سے لایا تھا۔ اب یہ انگوٹھی بھی خلوصِ نیّت سے لائی گئی اسے بھی پہن لیتا ہوں۔ جب انگلی میں ڈالی تو راست نہ آئی۔ اور نکال لی۔ یہ دیکھ کر پیش کرنے والا غمگین ہوا۔ اسے دیکھکر آپ نے اسے پھر انگلی میں ڈال دیا لیکن چونکہ وہ راست نہ آتی تھی نکال کر کسی اور کو دیدی۔ اور فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ صوفیاء ہمیں اپنے خاص وقت میں یاد رکھیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ خاص اوقات میں کون یاد رہ سکتا ہے البتہ اگر کوئی چاہے کہ صوفیا انکو یاد رکھیں تو اسکے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خود رات دن انکو یاد کرے۔ انکو یاد کرنے کا وہی اثر ہوتا ہے جو تجھے انکے یاد کرنے سے ہوتا ہے۔ یا کوئی چیز لائی جائے جسکو دیکھ کر یاد دہانی ہو جائے۔ اس سے مقصد پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر ہاتھ میں انگوٹھی رکھی جائے اس سے یاد دہانی ہو جاتی ہے۔

نیز فرمایا کہ ہمارے لئے اپنے آباؤ اجداد سے ایک انگوٹھی وارثت میں چل آرہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے میں اکیسویں پشت پر ہوں۔ سب انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ رسول خدا ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق عقیق کی تھی۔ میں انگوٹھی دائیں ہاتھ میں نہیں پہنتا۔ کیونکہ اس سے شیعہ اور روافض سے مشابہت ہوتی ہے۔ البتہ کسی خاص نیّت سے پہنی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت اقدسؒ نے انگشتری پیش کرنے والے سے کہا کہ کل آنا میں تمہیں پیر ہن دونگا۔ یہ دیکھ کر اس کمترین خدمت گار کو اس آدمی کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ انگوٹھی پیش کرنے والا جوہری تھا اس نے اپنی کمائی سے انگوٹھی پیش کی۔ یہ دیکھ کر میں نے یہ شعر پڑھا

انجیر فروش راچہ بہتر　　کانجیر فروشد اے برادر

(انجیر بیچنے والے کیلئے اس سے بہتر کیا کام ہے کہ انجیر بیچتا ہے۔) حضرت اقدسؒ نے اس خستہ حال کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ خوب کہا ہے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک بڑھئی تھا۔ ایک دن بادشاہ کے محل کے قریب سے گزرا تو اسکی نظر شہزادی پر پڑ گئی اور ہزار جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ کہاں بڑھئی اور کہاں بادشاہ کی بیٹی۔ اب سوچ رہا ہے کہ وہاں تک کیسے رسائی کی جائے۔ اس خیال میں جا رہا تھا کہ ایک راہگیر نے یہی شعر پڑھا۔ بڑھئی نے شعر سنا اور کہنے لگا کہ بہت اچھا کہا ہے۔ اب میں بھی اپنے پیشہ کی بدولت اپنا مقصود حاصل کرونگا۔ چنانچہ جا کر محل کے سامنے بیٹھ گیا اور ہاتھی، گھوڑے وغیرہ کی مورتیاں بنانے لگا۔ اور انکو خوب بنا سنوار کر رکھا۔ محل کے اندر سے کنیزیں آئیں اور مورتیاں خرید کر اندر لے گئیں۔ رفتہ رفتہ محل کے اندر چرچا ہو گیا کہ محل کے سامنے ایک بڑھئی بیٹھا ہے جو خوب مورتیاں بناتا ہے۔ کنیزوں نے بار بار آ کر خریدنا شروع کیا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسکے لئے حکم آ گیا کہ محل کے اندر بیٹھ کر مورتیاں بناؤ۔ چنانچہ وہ حرم میں ملازم ہو گیا اور وہیں اسکا مقصد پورا ہوا۔

روز شنبہ ۲۱۔ شعبان ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت ان جھوٹے مکاروں کا ذکر ہو رہا تھا۔ جو احکام دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور دین کو پسِ پشت ڈالکر مختلف تدابیر اور مکاریوں سے مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور انکے حقوق کو پامال کرتے ہیں اور طرہ یہ کہ اپنی اس خباثت کو وہ زیرکی اور دانائی سمجھتے ہیں۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت مغیرہؓ والی دمشق تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں خط لکھا جو کہ ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ میں آپ کو ولایت دمشق کے حالات تحریر کرنا چاہتا ہوں۔ بیت المال سے کچھ کاغذ یا ہرن کی کھال ارسال فرمائی جاوے۔ امیر المومنین نے جواب میں لکھا کہ بیت المال میں نہ کوئی کاغذ ہے نہ ہرن کی کھال۔ تم قلم باریک اور کلام مختصر کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے قاصد سے پوچھا کہ کیا تم نے امیر المومنین میں سنّتِ رسول ﷺ سے کوئی اختلاف پایا ہے۔ اس نے کہا ہاں پایا ہے۔ وہ یہ کہ ایک رات انہوں نے دو انڈے کھائے اور دو بستر کے کر سوئے۔ مغیرہؓ نے کہا استغفر اللہ۔ مجھے عمرؓ کی

ولایت نہیں چاہیے۔ لوگوں نے کہا کہ کل صبح میں مدینہ چلا جاؤں گا اور خلقت سے الوداع کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے دن وہ اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مغیرہؓ کو متغیر حالت میں دیکھ کر حیران ہوئے اور پوچھا کہ مغیرہؓ یہ کیا حال ہے؟ مغیرہؓ نے جواب دیا کہ آپ سنتِ رسول ﷺ سے منحرف ہو گئے ہیں۔ امیر المومنین نے کہا بخدا میں منحرف نہیں ہوا۔ مغیرہ نے کہا آپ نے ایک رات دو انڈے کھائے اور دو بستر استعمال کئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس رات مجھے زکام ہو گیا تھا۔ طبیب نے حکم دیا کہ انڈے کی سپیدی اور زردی دونوں کھائی جائیں۔ چنانچہ وہی کچھ میں نے کھایا اور چونکہ مجھے بخار بھی تھا اسلئے ایک گلیم میں نے نیچے بچھائی اور ایک اوپر اوڑھ لی[1]۔ اسکے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہماری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اہتمام دین جو ہم سب کے لیے نہایت ضروری ہے اور ہر شخص کو اسکے لیئے کمر بستہ ہونا چاہیے۔ آجکل ہم نے ایک ایک افسانہ بنالیا ہے اور دل سے اس کام کو کوئی نہیں کرتا۔

نحوست تین چیزوں میں ہو سکتی ہے۔

اسکے بعد فرمایا کہ یہ حدیث ہے **الشوم فی ثلثہ فی دارِ المراۃ والخیل** (نحوست اگر ہو سکتی ہے تو تین چیزوں میں ہے۔ مکان۔ عورت اور گھوڑا۔) اسکے متعلق فرمایا کہ کتاب فراست میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ یہ زمین منحوس ہے یا مبارک تو اسے چاہیے کہ مکان کے صحن میں ایک گڑھا کھودے۔ اور پھر اسی مٹی سے اسے پُر کر دے۔ اگر اس مٹی سے گڑھا پوری طرح پُر ہو گیا تو سمجھ لے یہ مکان نہ منحوس ہے نہ مبارک۔ اگر مٹی ختم ہو جائے اور گڑھا کچھ بچ جائے تو منحوس ہے۔ اگر گڑھا بھر جائے اور مٹی بچ رہے تو مکان مبارک ہے۔ وہاں رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] واقعہ یہ تھا کہ رسولِ خدا ﷺ کی سنت یہ تھی اور تمام صحابہ کرامؓ کا اس پر عمل تھا خواہ وہ امیر المومنین ہو یا کسی صوبہ کا گورنر کہ ایک سے زائد کھانے نہیں تناول فرماتے تھے بلکہ ایک وقت میں صرف ایک ہی چیز کھاتے تھے۔ روٹی کے ساتھ سالن استعمال کرتے یا دودھ۔ دودھ اور سالن دونوں بیک وقت نہیں کھاتے تھے۔ نہ ہی گوشت پلاؤ زردہ بیک وقت کھاتے تھے۔ یہ سادگی کی وجہ سے تھا اور اس وجہ سے بھی کہ غربا و مساکین کو ایکوقت میں کئی کھانے کب میسر آتے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی مومن بن ہی نہیں سکتا جبتک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ایک کھانا کھانے سے ہاضمہ درست رہتا ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ سے انڈا پکانے کے لیئے فرمایا تو انہوں نے اس خیال سے کہ ممکن ہے انڈے کی سفیدی درکار ہے یا زردی۔ دونوں کو الگ الگ کر کے پکا دیا۔ اسلئے اگرچہ چیز ایک ہی تھی نظر دو چیزیں آرہی تھیں۔ چنانچہ دو کھانوں کا نام سنتے ہی حضرت مغیرہؓ برہم ہو گئے۔ صوبہ شام کی گورنری کو لات مار کر واپس آگئے۔

ابن عربیؒ کا ایک اور قول

عصر کی نماز کے وقت فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ:۔ روا باشد ولی را علمے باشد کہ نبی را آں علم نبود (ہوسکتا ہے کہ ولی کو کوئی علم حاصل ہو جائے جو نبیؐ کو نہ ہو۔) اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مادہ کھجور کو نر درخت سے تقویت دینے سے منع فرمایا تو اس سال پھل کم ہوا۔ جب لوگوں نے اسکا ذکر آنحضرت ﷺ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا کہ انتم اعلم باموردنیاکم (تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو۔) لہذا جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب بھی کرو۔ علماء نے اس حدیث کے متعلق کافی گفت وشنید کی ہے۔ میں اسکا احتجاج ایک اور دلیل سے کرتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مَامِن نَبِیِّ اِلاَّ وَلَہُ نَظِیر ’’فِی اُمّتیِ (کوئی ایسا نبی نہیں جسکی نظیر میری امت میں نہ ہو[1]۔ پس ہر نبی ایک علم کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ وغیرھم جنکی نظیر اس حدیث کے مطابق امتِ محمد یہ ﷺ میں ہے۔ چنانچہ وہ علم جو حضرت ابراہیمؑ کو حاصل تھا حضرت موسیٰؑ کو نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو وہ علم حاصل ہوگا جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو حاصل نہ ہوگا۔ ان میں سے کوئی علیحدہ علیحدہ نظیر نہ بن سکتا تھا۔

فضائلِ اہل بیتؓ

عشاء کی نماز کے بعد فضائل اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ فرمایا کہ اہل بیت میں سے کوئی فرد سیرتِ رسول اللہ ﷺ سے نہ ہٹا۔ اور جب تک زندہ رہے۔ سنّتِ رسول ﷺ کے پابند رہے۔ اور تمام کے تمام حضرات نے پامردی سے احکام دین متین کو بلند کیا اور اس بارے میں ذرہ بھر تبدّل اور تغیر روا نہ رکھا۔ انکے دشمن بھی اسی وجہ سے ان پر ظلم کرتے رہے لیکن وہ شریعت کی پابندی سے ہر گز نہ ہٹے۔ دشمنوں نے احکامِ دین کو بلائے طاق رکھ کر انکو طرح طرح کی اذیتیں دیں، مکروفریب سے کام لیا، زہر دیا، قتل کیا۔ غرضیکہ ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ لیکن ان حضرات نے اپنی جانیں ناموسِ شریعت پر قربان کردیں۔ اور سیرتِ رسول اللہ ﷺ کو ہر حال پر قائم رکھا۔ حتّٰی

[1] اس کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء یعنی اولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کے ہم مرتبہ ہیں۔)

کہ دشمنوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل بیت میں سے کوئی خورد ہو یا کلاں جنگ کے دوران پیچھے نہ ہٹا۔ سچ یہ ہے کہ جگر گوشگانِ رسول ﷺ اور نور چشمانِ مصطفیٰ سیّد اولین و آخرین کس طرح دین متین سے ہٹ سکتے تھے۔ کوفہ جاتے وقت حضرت امام حسینؓ کے پاس آ کر حُر نے کہا کہ یزید نے مجھے دو ہزار فوج دیکر آپکے خلاف بھیجا ہے۔ اسوقت امام موصوف کے ساتھ صرف چار سو آدمی تھے۔ زہیر قین حضرت امام حسینؓ کا طرفدار تھا۔ اسنے حضرت امام حسینؓ سے کہا کہ اسکی دشمنی اب ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ رات کے وقت اس پر حملہ کر کے ہم گھوڑے اور اسلحہ پکڑ لیں تا کہ ہماری قوت بڑھ جائے لیکن امام حسینؓ نے فرمایا کہ میرے جدِّ امجد (رسول اکرم ﷺ) نے یہ حکم نہیں دیا اور نہ میرے والدِ محترم نے کبھی ایسا کام کیا ہے۔ جب تک کہ کوئی مسلمان ہم پر تلوار نہیں اٹھاتا ہم اس پر ہرگز دست درازی نہیں کرینگے۔ زہیر قین نے کہا اے امام یہ لوگ ہر روز زیادہ سے زیادہ ہو رہے ہیں اور چند روز کے بعد انکی تعداد اسقدر ہو جائے گی کہ ہم انکا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ امام موصوف نے فرمایا۔ رضینا بقضاء اللہ (ہم اللہ کی قضا پر راضی ہیں) جو کچھ مقدر میں ہے ہو کر رہے گا۔ لیکن مجھ سے وہ کام نہیں ہو سکتا جو نہ میرے والد محترم نے کیا ہو نہ میرے جدّ امجد ﷺ نے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جنگ کے دن ایک جہان ان پر حملہ آور ہوا۔ امام موصوف کے حامی بھی بھاگ گئے اور صرف ستر آدمی بچ گئے جن میں سے اٹھارہ آدمی اہل بیت سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی امام موصوف کے بھائی اور خدّام وغیرہ۔ لیکن پھر بھی انہوں نے جنگ کی ابتدا نہ کی۔ جب دشمن نے لڑائی کی ابتدا کی تو پھر انہوں نے تلوار اٹھائی۔ اہل بیت کے بارہ امام بھی حضرت علیؓ امام حسنؓ و امام حسینؓ کی طرح ان اوصاف سے مزین تھے۔ اسکی وجہ وہی نورِ نبوّت ہے جو ان حضرات کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا اور انکے باطن نور ''علی نور ہو چکے تھے۔ سبحان اللہ! حضرت امام زین العابدینؓ کیسے آقا تھے اور کن اوصاف کے مالک تھے۔ وہ پاک اور مقدس ہستی تھے۔ اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ آپ امام حسینؓ کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؓ نے کس قدر اسرار الٰہی بیان فرمائے ہیں اور قرآن مجید کے کیسے اسرار و رموز ظاہر کیے ہیں۔ آپکا سینہ علم الٰہی کے سمندروں میں سے ایک سمندر تھا آپ علی ثانی تھے۔ غرضیکہ ان میں سے ہر امام کے ایسے کمالات و محاسن ہیں کہ نہ کوئی زبان ادا کر سکتی ہے نہ کوئی دل اسکا احاطہ کر سکتا ہے۔ لہذا جو لوگ ان صفات سے متصف ہیں وہ حسینی، علوی اور فاطمی

نہیں ہو سکتے۔ قوت القلوب (مصنفہ ابو طالب مکی) میں لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں انکی مناسبت کے مطابق اخوت کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھائی بنایا' حضرت عثمانؓ اور حضرت الرحمٰن بن عوفؓ کو بھائی بنایا اور آنحضرت ﷺ نے اپنا بھائی حضرت علیؓ کو بنایا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خصوصیت حضرت علیؓ کی سب سے افضل فضیلت ہے۔ اسوجہ سے کہ آپ نے ہر صحابی کو اسکے ہم جنس کے ساتھ منسلک کیا اور حضرت علیؓ کو اپنا متماثل' متشاکل اور مجانس (ہم جنس) قرار دیا اور یہ بات بلاشک وشبہ حضرت علیؓ کی سب سے افضل فضیلت ہے۔

روز یکشنبہ ۲۲۔ ماہ شعبان ۸۰۲ھ

ارواح کا خوشبو سے خوش ہونا

چاشت کے وقت ارواح کے حظ اٹھانے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ ارواح بھی خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جب قبروں پر پھول رکھے جاتے ہیں یا خوشبو لگائی جاتی ہے تو اہلِ قبور کی ارواح اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تتشام الارواح کما تتشام الخیل (ارواح میں سونگھنے کی قوت ایسی ہوتی ہے جیسے گھوڑے میں) چنانچہ گھوڑا اپنے بچے کو اسکی بُو سے پہنچانتا ہے۔ اسی طرح ارواح بھی اپنے ہم جنس لوگوں کو بُو سے پہنچانتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق ارواح کھانا بھی کھاتے ہیں۔ دیگر احادیث میں بھی اس قسم کے ارشادات موجود ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد فرمایا کہ جس زمانے میں خواجہ جہان دہلی پر قابض تھا اور سلطان فیروز شاہ باہر سے حملہ کر رہا تھا غلہ گندم چھ چیتل فی سیر ہو گیا تھا۔ ایک رات ہمارے سامنے کچھ بھات' گھی اور شکر لائی گئی۔ مولانا محی الدین بھی آ گئے۔ معلوم نہیں میں نے کسطرح ان کے سامنے معذرت کی کہ جب کھانا کھایا گیا تو اسمیں لذت نہ تھی۔ میں نے آج تک اس قسم کا بے مزہ کھانا نہیں کھایا۔ مجھے خیال آیا کہ شاید مولانا محی الدین کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ اسلئے ہمارے پاس آئے اور کھانا کھا کر چلے گئے لیکن اس معذرت کی پشیمانی اور شرمندگی اور طعام کی بدمزگی اب تک باقی ہے اور جب مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے وہی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

روز دوشنبہ ۲۳۔ شعبان ۸۰۲ھ

طے کا روزہ رکھنے کا طریقہ

ظہر کی نماز کے وقت ایک صوفی نے عرض کیا اگر کوئی شخص طے 1 کا روزہ رکھنا چاہے تو اسکا طریقہ کیا ہے۔ فرمایا خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ اسے چاہیے کہ پہلے صوم دوام 2 پر قائم ہو جائے۔ جب اس پر پابند ہو جائے تو پھر یوں کرے کہ مغرب کے وقت روزہ افطار کرنے میں ذرا دیر کرے یعنی اوّابین 3 کے نوافل پڑھ کر افطار کرے۔ اسی طرح دیر کرتے کرتے ساری رات بغیر افطار گزار دے اور پھر سحری کے وقت ایک ساتھ کھا لے۔ جب اسکی عادت ہو جائے تو پھر ایک دن سحری بھی نہ کرے اس سے دو دن اور ایک رات کا روزہ ہو جائیگا۔ یہ ایک طے کا روزہ ہے اسی طرح جسقدر ہمت ہو بڑھاتا جائے۔ البتہ اگر کوئی باہمت آدمی چاہے تو اس تدریجی عمل کو ترک کر کے یکبارگی بھی طے کا روزہ رکھ سکتا ہے۔ ہم جب طے کا روزہ رکھتے تھے تو وہ اکثر موسم گرما میں ہوتا تھا کیونکہ موسم سرما میں وہ حرارتِ قلب میسر نہیں آتی تھی جو اس روزہ سے مقصود ہے۔ اسی طرح ہم سات آٹھ دن تک پہنچ جاتے تھے اس اثناء میں ہم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس سرہ' اور حضرت شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' کے مزارات کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے۔ لیکن کسی شخص کو یہ معلوم نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہم روزہ رکھ رہے ہیں۔ نیز اکثر روزہَ طے کے دوران ہم قوالوں کو بلا کر قوالی سنا کرتے تھے۔ اسکے بعد چند روز کے لئے ترک کر کے کھا پی لیتے تھے۔ نیز فرمایا کہ مولانا سنو اصل چیز کیا ہے۔ اصل چیز تقلیل طعام و آب (کم کھانا پینا) اور تقلیل صحبت (لوگوں سے کم ملنا) اور تقلیل کلام (کم بات کرنا) ہے۔ بلند ہمت ہے وہ جو مطلوب حقیقی کے سوا کسی چیز کو خیال میں نہیں لاتا۔ جسکے اندر یہ صفت نہیں ہے وہ طالب ہی نہیں ہے۔

---

1 طے کا روزہ یہ ہے کہ کئی دن مسلسل بغیر افطار و سحری روزہ رکھا جائے۔

2 صومِ دوام سے مراد مسلسل روزے رکھنا ہے لیکن سحری اور افطار کے وقت کچھ کھا لیا جاتا ہے۔ ایک تیسری قسم کا روزہ بھی ہوتا ہے جسے صومِ داوٗدی کہتے ہیں یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن ناغہ کرنا۔

3 اوّابین ان نوافل کا نام ہے جو بعد نماز مغرب پڑھی جاتی ہیں۔ انکی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔

حصولِ عشقِ الٰہی کا طریقہ

حاضرینِ مجلس میں سے ایک اور شخص نے دریافت کیا کہ آیا حق تعالیٰ کی محبت میں بندہ کی طرف سے کوشش کا کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ فرمایا بندہ کی طرف سے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ دوستان و عاشقانِ خدا کی صحبت کو لازم کرے۔

مصرع:۔ با عاشقاں نشیں و ہمیں عاشقی گزیں (عاشقوں کے ساتھ بیٹھ اور عاشقی اختیار کر) صحبت میں بڑا اثر ہے۔ عاشقوں سے عشق کی باتیں سنتے رہو۔ اس سے دل میں خدا کی محبت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ عاشق سوختہ اور محبِ سرگشتہ ہو جاتا ہے۔ وَالاذن تعشق قبل العین (آنکھ سے پہلے کان کے ذریعے عشق پیدا ہوتا ہے[1]۔ بالکل صحیح ہے۔ محبوبوں کے حسن و جمال کے قصے سن کر بغیر دیکھے ان سے عشق ہو جاتا ہے[2]۔ اور یہ چیز عاشقان و دوستانِ حق کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب محبوب کے حسن و جمال کے قصے سن کر دل میں طلب و عشق کے شعلے بلند ہوں تو اسے چاہیے کہ کسی عاشق صادق کی خدمت میں رہ کر رات دن کی کوشش سے جمالِ محبوب حقیقی تک رسائی حاصل کرنے میں منہمک ہو جائے ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنی ہستی مٹا دے۔

بیت: اے دل نکند اگر قبولت — خود را بستم بزلفِ او بند

(اگر دوست تجھے قبول نہ کرے تو تُو زبردستی سے اسکی زلف کا قیدی بن جا) اسطرح ہر وقت اور ہر آن دوست کے ساتھ رشتۂ محبت جوڑنے میں لگا رہے۔ تا کہ غیب کا دروازہ اسکے دل کے اندر کھل جائے اور پھر اسے جمالِ جہاں آرائے محبوب کا دیار نصیب ہو جائے اور اسکا شمار عاشقانِ صادق اور دوستانِ کامل میں ہو جائے۔ اس آدمی نے پھر سوال کیا کہ اگر صحبت کا اثر ہوتا ہے تو ابوجہل پر بھی اثر ہوتا۔ آپ نے فرمایا ابوجہل علیہ اللعنت نے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اختیار نہیں کی تھی اس نے کہا کہ

---

[1] عارف رومیؒ نے فرمایا ہے۔ قصہائے عشق مجنوں میکند (عشق کے قصے مجنوں پیدا کرتے ہیں۔)

[2] عارف رومیؒ نے مثنوی شریف میں ایک قصہ بیان فرمایا ہے کہ شہزادی کے کپڑے دیکھ دیکھ کر اور اپنی ماں سے شہزادی کے حسن و جمال کا حال سن کر دھوبی کا لڑکا شہزادی پر عاشق ہو گیا۔ ادھر شہزادی بھی لڑکے کی ماں سے اسکا حال سن کر بن دیکھے اس پر عاشق ہو گئی۔ ایک دن ماں نے اس خوف سے کہیں بیٹے کے عشق کا قصہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے۔ بیٹے کو آ کر بتایا کہ آج شہزادی مر گئی ہے۔ جونہی اس نے یہ خبر سنی جان بحق ہو گیا۔ دھوبن روتی ہوئی جب بادشاہ کے محل میں گئی اور شہزادی کو معلوم ہوا کہ اسکا عاشق فوت ہو گیا ہے تو وہ بھی گر کر فوراً جان بحق ہو گئی۔

حضرت ابوطالب پر صحبت کا کیا اثر ہوا۔آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوطالب پر صحبت کا اسقدر اثر ہوا کہ اسکی نہ کوئی حد ہے نہ حساب۔ انہوں نے مصطفیٰ علیہ اسلاام اور انکے دین کی حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔اور اس حدیث کے اعتراف میں کچھ اشعار بھی کہے تھے۔ نیز انہوں نے تبلیغ دین میں رسول خداؐ کی اعانت بھی کی۔ یہ ان ہی کی حمایت کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ میں تیرہ سال اسلام کی تبلیغ کی۔ جب تک حضرت ابوطالب زندہ رہے کفار کی مجال نہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر دست دراز کرتے۔ چنانچہ کل قیامت کے دن سب سے کم عذاب پانے والے حضرت ابوطالب ہونگے۔انکو آگ کا جوتا پہنایا جائیگا۔ جسکی وجہ سے انکا دماغ گرما جائیگا۔ان پر اور کوئی عذاب نہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ تفسیر امام المعانی میں ایک عجیب بات یہ لکھی دیکھی ہے کہ حجتہ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو کسی کام کیلئے باہر بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے علی کیا تجھے معلوم ہے کہ رات خداوند تعالیٰ نے مجھ پر کیا مہربانی فرمائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور مجھے معلوم نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا رات میں نے حضرت حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ ابوطالب اور میرے ماں باپ کی مغفرت ہو جائے۔ حق تعالیٰ سے یہ جواب ملا کہ یہ میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ جو شخص میری توحید اور آپکی نبوت پر ایمان نہیں لاتا اور بتوں کو باطل نہیں سمجھتا اُسے بہشت نہ دونگا۔ اور نہ اسے دوزخ سے نجات ملے گی۔ آپ فلاں پہاڑی پر جا کر اپنے ماں باپ اور ابوطالب کو آواز دو۔ وہ زندہ ہو کر آپکے پاس آئیں گے۔ آپ انکو ایمان کی دعوت دیں۔ جب وہ ایمان لائیں گے۔ تو انکو عذاب دوزخ سے نجات مل جائیگی۔ چنانچہ میں نے پہاڑی پر انکو آواز دی کہ اے میری ماں، اے میرے باپ، اے میرے چچا۔ یہ سنتے ہی تینوں مٹی جھاڑتے ہوئے آگئے۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ پر میری نبوت کی حقیقت، خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور بتوں کا باطل ہونا محقق ہو گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! محقق ہو گیا کہ خدا ایک ہے اور آپ پیغمبر ﷺ برحق ہیں اور بت باطل ہیں۔ اس سے انکی مغفرت ہو گئی اور خوش خوش اپنی قبروں میں چلے گئے۔

ام المعانی میں یہ بھی لکھا دیکھا ہے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھا یہ بات بھی بہت عجیب ہے جس سے سرور کائنات ﷺ کے بلند مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ فرمایا قوت القلوب میں لکھا ہے حضرت عباسؓ اور ابولہب دونوں سگے بھائی تھے۔ حضرت عباسؓ کو اکثر یہ خیال آتا تھا کہ ابولہب نے

رسول خدا ﷺ کو بہت ستایا اور آخر اسی ایذا رسانی میں مر گیا معلوم نہیں اس پر کیا عذاب ہو رہا ہو گا۔ انہوں نے سوموار کی رات کو خواب میں ابولہب کو دیکھا کہ سفید پوشاک پہنے ہوئے بہت خوش نظر آ رہا ہے۔ حضرت عباسؓ نے اس سے کہا کہ تم ساری عمر رسولِ خدا ﷺ کو ستاتے رہے اور اسی کام میں مر گئے۔ لیکن یہ حالت تم کو کیسے نصیب ہوئی؟ اس نے کہا اے عباس! مجھ پر سارا ہفتہ خدائے عزوجل کی طرف سے ایسا عذاب ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے لیکن سوموار کی رات اور سوموار کے دن مجھے عذاب سے نجات مل جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس روز یا جس رات رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے میری کنیز ثوبیہ نے جس کو دودھ پلانے کے لیے لے گئے تھے آ کر مجھ سے کہا کہ آپکے بھائی کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اس سے مجھے خوشی ہوئی اور اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے میری اس رات کی خوشی کو قبول فرمایا اور اس وجہ سے مجھے ہر سوموار کی رات اور سوموار کے دن عذاب سے خلاصی ہو جاتی ہے اور بہت خوش و خرم رہتا ہوں۔

بعض موذی جانوروں کا بیان

موذی جانوروں اور پرندوں کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ یہ آیہ پاک "بَلدَۃٌ وَرَبٌ غَفُور" کی تفسیر میں مفسر لکھتے ہیں کہ بلدۃ طیبۃ سے مراد بیت المقدس کی زمین ہے کیونکہ اس سرزمین میں مکھی، مچھر، کاٹنے والے کیڑے اور چچڑی نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک وادی میں ایک ایسی قسم کا سانپ رہتا ہے کہ جس جاندار پر اسکی نظر پڑتی ہے مر جاتا ہے۔ اس سانپ کا نام سل ہے۔ جہاں وہ رہتا ہے نہ کوئی سبزہ باقی رہتا ہے نہ کوئی جاندار رہ سکتا ہے۔ اسی طرح وادی نمل میں ایک سانپ رہتا ہے جس کے اردگرد کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ کتاب تعریف الحیوانات میں لکھا ہے کہ سنا ہے وادی نمل میں ایک چیونٹی ہے جو بکری کے برابر بڑی ہے۔ مصنفِ کتاب کہتا ہے کہ میں نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کیا لیکن آخر کار اپنی آنکھوں سے دیکھ کر باور کیا۔ اسکا ایک سینگھ خلیفہ مامون کے پاس لایا گیا تھا جو وزن میں چند درم تھا۔

طریقِ فاتحہ بر طعام

کھانا کھانے کے بعد برادر زادہ بزرگ سیّد احمد فاتحہ پڑھنے پر مامور تھے۔ حسبِ دستور اس طرح

رسم فاتحہ ادا کی جاتی تھی کہ بعد فاتحہ دستر خوان اور نمکدان اپنے ہاتھ میں لیکر نیچے جھک گئے اور دائیں پاؤں کا انگوٹھا بائیں پاؤں کے انگوٹھے پر رکھ کر نعمت کا شکر بجالائے اگر کوئی خادم پاس ہوتا تو دستر خوان وہ اٹھالیتا اور نمکدان خود اٹھا کر یہ رسم ادا کرتے تھے۔ اسکے بعد حاجتمندوں کی حاجت برآری کے لئے دوسرا فاتحہ پڑھتے [1]۔ اگر کسی بزرگ کو ایصالِ ثواب کی خاطر طعام تیار کیا جاتا تو حضرت شیخ فرماتے کہ فلاں بزرگ کو ایصالِ ثواب کیلئے فاتحہ پڑھو۔ یا اگر کسی کی طرف مہمانی کے طور پر طعام آتا تھا تو ایک فاتحہ اسکے لیے پڑھا جاتا تھا۔ (یعنی اسکے حق میں دعا کی جاتی تھی۔) اس کے بعد ایک فاتحہ حضرت خواجہ علیہ رحمہ (حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ) کی روح مقدس کو ایصالِ ثواب کی خاطر پڑھا جاتا تھا۔ اگر طعام نہ کسی کی روح کیلئے تیار ہوتا نہ مہمانی کیلئے تو حاجت مندوں کی حاجت برآری کی خاطر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے فاتحہ پڑھا جاتا تھا۔ اسکے بعد ہاتھ کے اشارہ کرتے اور خادمان نعمت کے شکریہ میں جھک جاتے تھے۔ فرمایا ہمارے خواجہ علیہ رحمہ کے ہاں اسی طرح فاتحہ پڑھا جاتا تھا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ ہمارے خواجہ علیہ رحمہ کے ہاں پہلے شکر نعمت کے طور پر فاتحہ ادا کیا جاتا تھا۔ اس کمترین بندگان نے عرض کیا کہ حضور نے یہ کام کس وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ فرمایا جب سے سلطان محمد تغلق نے ظلم وستم کے بعد دو ہزار تنکہ ماہوار ہم سے قبول کرایا ہم نے فاتحہ شکر بند کر دیا۔ اس وجہ سے کہ اب میرا دستر خوان حضرت خواجہ کے دستر خوان کی مانند نہ رہا۔ حالانکہ اس رقم سے ایک تنکہ تک حضرت اقدسؒ کے دستر خوان پر خرچ نہیں ہوتا تھا بلکہ امانت کے طور پر مولانا زین الدین کے ہاں جمع ہوتا تھا۔ بعض احباب نے فاتحہ خوانی میں کئی چیزیں زیادہ کر دی ہیں لیکن ہمارے ہاں وہی طریقہ ہے جو ہمارے خواجہ علیہ رحمہ کے ہاں تھا۔

حکماء کے بعض ناموزوں کلمات

اس کے بعد حکماء کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا حکماء کو کسی پر کم اعتقاد ہوتا ہے۔ ایک دن میری والدہ کے پردادہ مولانا جمال الدین نے مجھ سے کہا کہ اے میر سید (یعنی بندہ نواز گیسو دراز صاحبِ ملفوظات) ایک دن میں تمہارے پیر کی خدمت میں گیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ آیئے ملک الاطباء۔ یہ سن کر مجھے غصہ لگا لیکن میں نے دل میں کہا کہ عنداللہ میں طبیب تو ضرور ہوں۔ یہ

[1] شاید یہ اسوقت ہوتا جب کوئی حاجتمند حاجت برآری کیلئے طعام پکوا کر حضرت شیخ کی خانقاہ میں پیش کرتا۔

بزرگ اگر تعظیم کی خاطر تجھے ملک الاطباء کہہ رہے ہیں تو کیا ہوا۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ روز بہان بقلی شیرازیؒ[1] کہتے ہیں ایک دن حق تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ اے روز بہان تم نے جانوروں کی طرح بات کی ہے اور ہنستے ہو۔ اس کے بعد فرمایا اے روز بہان میں نے کہا لبیک یارب لبیک یارب۔ حق تعالیٰ نے فرمایا **اَنَا راض منک فھل انت راضی مِنّی** (میں تجھ سے راضی ہوں کیا تو مجھ سے راضی ہے۔) میں نے جواب دیا کہ لایارب لایارب (نہیں یارب نہیں یارب یعنی میں تجھ سے راضی نہیں ہوں)

حضرت اقدس اکثر یہ حکایت بیان فرما کر ہنستے تھے۔

اسکے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکیم جالینوس کو اپنے دین قبول کرنے کی دعوت دلائی تو اس نے یہ دریافت کیا کہ وہ کیا معجزہ لائے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ مردہ پر پانی ڈالتے ہیں تو زندہ ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا گرم پانی یا سرد۔ انہوں نے کہا کہ سرد۔ حکیم جالینوس نے کہا جاؤ اس پر ایمان لے آؤ۔ وہ بلاشبہ خدا کے پیغمبر ہیں۔ اسکے بعد اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ خط لکھا کہ اے اللہ کے نبی اور اے کامل برحق آپ ناقصوں کو کامل بنانے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں کاملوں کو آپکی ضرورت ہے یعنی میں کامل ہوں اسلئے مجھے معذور رکھیں۔

اس کے بعد قرآن کے حروف والفاظ کی عظمت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ شیخ علی کہتری لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا اور جٹ آدمی تھا۔ لیکن جب اسکے سامنے مختلف قسم کے الفاظ کچھ عربی، کچھ فارسی، کچھ ہندی لکھے جاتے تھے اور درمیان میں کسی جگہ قرآن کے الفاظ درج کر دیئے جاتے تو دیکھ کر فوراً قرآن کے الفاظ پر انگلی رکھ دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ کلام اللہ ہے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ آپکو کیسے پتہ چلا تو جواب دیا کہ قرآن کے الفاظ پر مجھے زمین سے آسمان تک ایک نور نظر آتا ہے۔ پس مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی کا کلام نہیں ہے۔ خدا کا کلام ہے۔ اور جن حروف پر وہ نور نظر نہیں آتا میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔

[1] شیخ روز بہان بقلی شیرازیؒ بہت بڑے بزرگ تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے آپ حضرت شیخ سراج الدین محمود بن خلیفہ کے مرید تھے۔ اور شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے ساتھ بیٹھ کر درس صحیح بخاری لیا تھا۔ آپکی تصانیف بیشمار ہیں۔ آپکی مشہور تصنیف تفسیر عرائس البیان ہے۔

روز سہ شنبہ ۲۴۔ ماہ شعبان

کنیزوں سے شادی کرنا

چاشت کے وقت کنیز سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا مردِ عاقل پاکباز کیلئے مناسب نہیں کہ کنیزوں سے اولاد حاصل کرے۔ کیونکہ جس عورت کا ایک ساعت بھی آزار بند محفوظ نہ ہو اس پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اسکے شکم سے جو بچہ پیدا ہو اس میں ہزار قسم کے شبہات وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ جو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ **علیکم بالسّراری فانہ' فی الولد یجتمع حمیۃالعرب و دھاء العجم** (کنیزوں سے شادی کرو کیونکہ انکی اولاد میں عرب کی حمیّت اور عجم کی دانائی مجتمع ہوتی ہے) ان حضرات کی کنیزیں ہماری بیبیاں ہیں۔ ہمارے ملک میں وہ بیبیاں کہاں ہیں۔ اگر کہیں اس قسم کی ایک عورت بھی مل جائے تو ہمارے لئے وہ بی بی کا درجہ رکھتی ہوگی۔ حضرت ماریہ جو رسول خدا ﷺ کی کنیز تھیں قبیلہ قبط سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور حضرت محمد حنفیہ (ابن حضرت علیؓ) کی والدہ قبیلہ بنی حنفیہ سے تھیں۔ یہ قبیلے رسولِ خدا ﷺ کے زمانہ مبارک میں فتح ہوئے تھے۔ اور یہ کنیزیں ان قبائل میں سے تھیں۔ حضرت عمرؓ نے جو کچھ فرمایا ہے انہوں نے اپنے ملک اور اپنے وقت کی کنیزوں کے متعلق فرمایا ہے۔ اسکے مقابلے میں جو کنیزیں ہندوستان کے شہروں اور قصبوں سے تعلق رکھتی ہیں جس سے خسیس تر' خوار تر' اور فحشہ تر کوئی نہیں ہے۔ نہ ان میں شرم ہے' نہ حمیّت' نہ دانائی' انکا قرب عقل و ہمت کو برباد کرتا ہے۔ ہاں اگر ضرورت ہو پھر لاچاری ہے[1]۔ جس طرح کی بیت الخلاء میں جانا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اُن عورتوں سے شادی کرنا اور اولاد حاصل کرنا اس سے خدا کی پناہ' یہ عقلمندوں' عزت داروں اور باہمت وحشمت لوگوں کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی عورتوں کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ان سے گھر آباد نہیں ہوتا بلکہ بدنام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کی خلقت میں سب برابر نہیں ہیں۔ کوئی نیک ہے کوئی بد۔ لیکن حکم ہمیشہ

1 کنیزوں کو گھر میں رکھنے اور ان سے مباشرت کرنے کا جواز اسوقت ہوتا ہے جب جہاد فی سبیل اللہ کے وقت کفار مغلوب ہو کر مسلمانوں کے قیدی بن جائیں۔ اس وقت شرع شریف کر رُو سے کفار مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں اسکا کوئی جواز نہیں ہے البتہ آئندہ کسی کافر قوم یا ملک کے ساتھ مسلمان جہاد کریں اور انکے مرد اور عورتیں قیدی بن کر آئیں تو پھر جائز ہے۔ ہندوستان کے سلاطین اسلام کے وقت میں تو ہر وقت کفار سے جہاد رہتا تھا۔ حضرت شیخ اس جہاد والی کنیزوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اغلب حالت پر دیا جاتا ہے۔ اسکے برعکس شریف قبائل میں حمیتِ عرب اور زیرکی، عجم جمع ہوتی ہے۔ خواہ وہ کنیز کیوں نہ ہو۔ حضرت امام زین العابدینؓ کی والدہ ماجدہ کنیز تھیں اور ایران کے آخری بادشاہ یزجرد کی بیٹی تھیں۔ وہ شاہِ عجم تھا اور اسکے بعد کوئی کسریٰ نہ بنا۔

زندیق سے کیا مراد ہے؟

اس کے بعد لفظ زندیق کے معنوں پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا بعض کہتے ہیں کہ زندیق سے مراد دہریہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس مراد ثنوی ہے، بعض کے نزدیک لفظ مزدک سے مشتق ہے۔ مزدک نوشیروان عادل کے دربار میں ایک حکیم تھا۔ ایک دن اس نے نوشروان سے پوچھا کہ اگر سار جہان مارگزیدہ ہو جائے (یعنی ساری خلقت کو سانپ کاٹ لے) اور ان میں سے بعض کے پاس سانپ کا منتر ہو اور بعض کے پاس نہ ہو تو کیا آپ یہ حکم دینگے کہ جس کے پاس منتر نہ ہو وہ دوسروں سے لے لے۔ نوشیروان نے کہا میں حکم دے دوں گا کہ جس کے پاس منتر ہو وہ دوسروں کو دے دے۔ حکیم نے باہر آ کر کہا کہ بادشاہ کا حکم ہو گیا ہے کہ جو شخص بیوی نہیں رکھتا ہے وہ اس کو اس شخص کے پاس جانے سے منع نہیں کر سکتا جس کے پاس بیوی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ جواز عام ہو گیا۔ جب اس کا چرچا ہوا اور بادشاہ کو اسکا علم ہوا تو اسنے پوچھا کہ یہ بلا کس نے ایجاد کی ہے لوگوں نے کہا حکیم مزدک نے۔ چونکہ وہ بادشاہ کا مقرب تھا اس لئے اس کے حکم سے کسی کو چوں و چرا نہ تھا۔ بادشاہ نے مزدک کو بلا کر دریافت کیا کہ میں نے کب حکم دیا ہے۔ اس نے کہا میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ اگر سارا جہان مارگزیدہ ہو جائے اور صرف چند لوگوں کے پاس سانپ کا منتر ہو تو آیا وہ لوگ دوسروں کو منتر دے سکتے ہیں آپنے فرمایا کہ ہاں دے سکتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ شہوت سے بڑھ کر کونسا سانپ ہو سکتا ہے اور اسکے زہر کو دفع کرنے کے لئے عورت سے بڑھ کر کونسا منتر ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر نوشیروان خاموش ہو گیا اور وہ مذہب باقی رہ گیا۔ جب نوشیروان کا انتقال ہوا تو اسکی جگہ اس بیٹا قباد تخت نشین ہوا۔ ایک دن مزدک نے قباد کی والدہ کو قباد کی موجودگی میں اپنے پاس بلایا۔ یہ بات قباد کو بے حد ناگوار گزری۔ ایک دن وہ اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور مزدک پیچھے چھپا ہوا تھا قباد اسبات کا علم نہیں تھا۔ قباد نے کہا اب چند کام ایسے ہیں کہ مجھے فوری طور پر کرنے چاہیں۔ پہلا کام مزدک کو قتل کرنا ہے۔ مزدک اگرچہ حکیم تھا لیکن احمق تھا وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ تم مجھے قتل

نہیں کر سکتے۔ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میرے ساتھ ہزاروں آدمی ہیں۔ بادشاہ نے کہا تم نے میری بات سن لی ہے اسنے کہاں ہاں سن لی ہے۔ بادشاہ نے کہا قبل اسکے کہ تم ہزاروں آدمی جمع کر سکو اسوقت تم میرے سامنے اکیلے ہو۔ فوراً تلوار نکالی اور اسکا سر قلم کر دیا۔ اسکے بعد اسکے حامیوں سے جنگ ہوتی رہی۔ آخر فتح قباد کو نصیب ہوئی۔

بعض کہتے ہیں کہ لفظ زندیق معرّب ہے عربی نہیں ہے اور زندقہ سے ماخوذ ہے۔ اگرچہ معنی صحیح نکلتے ہیں یہ لفظ بہت بعید ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کے نزدیک زندیق سے مراد بے دین ہے جیسا کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے **کلّ طریقة روة الشریعة فھوزندقة** (جس طریقہ کو شریعت رد کرے وہ زندقہ ہے) کشف المحجوب میں آیا ہے کہ زند کا مطلب ہے قومِ خدا اور قہ کا مطلب ہے عبادت۔ یعنی خدا کی عبادت کرنے والی قوم۔ اسکے بعد عام استعمال میں اس سے مراد وہ لوگ ہو گئے جو نہ شریعت کی اتباع کرتے ہیں نہ سنّتِ رسول ﷺ پر چلتے ہیں۔ (یعنی صرف خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں)

دقائق واسرارِ رقص

اس کے بعد دقائق اور اسرارِ رقص صوفیاء کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا مولانا علاؤ الدین نے مولانا جمال الدین مغربی سے کہا کہ جب ہم سماع سنیں گے تو آپکو بھی دعوت دینگے ضرور تشریف لانا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آؤنگا۔ لیکن یہ جو صوفیوں کا رقص ہے جسمیں لوگ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مجھے پسند نہیں کیونکہ یہ بے ہودہ حرکات ہیں۔ میرے نزدیک اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ البتہ نغمہ سماع ایک ضروری چیز ہے۔ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے بغداد میں صوفیائے کرام کو دیکھا کہ سماع کے وقت ذرا بھر جنبش نہیں کرتے تھے۔ صرف اللہ اللہ کہتے تھے اور انکی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے تھے۔ اوران حرکات میں سے کوئی حرکت میں نے انکے اندر نہ دیکھی۔ یہ سن کر ہم نے کہا بیانِ رقص ہم سے پوچھو۔ ہم سماع میں ٹھنڈی آہیں نکالتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک آہِ سرد ان کے سامنے بھری۔ انہوں نے کہا کہ مچھلی کی طرح کیا چیز ہے۔ ہم نے کہا ہم آہِ سرد نکال کر لفظ ھُو کہتے ہیں۔ اس نے کہا واللہ! یہ خوب ہے۔ اسکے بعد ہم نے دونوں بازو کشادہ کیے اور گرد گھما کر ایک ہاتھ دوسرے پر مارا۔ اس نے کہا یہ کیا ہے۔ ہم نے کہا اسکا مطلب یہ ہے (کہ ہم نے اشارۃً یہ کہا) کہ خدا کے سوا کسی چیز کا وجود

نہیں ہے۔اور دونوں جہانوں کو لپیٹ کر ہم نے ایک کونے میں پھینک کر ترک کر دیا۔اس حرکت سے اسکے سوا میرا اور کوئی مطلب نہ تھا۔اسکے بعد ہم نے دونوں ہاتھوں کو سر پر مارا اور پھر دونوں ہاتھوں کو سَر کے اوپر گھما کر ایک ہاتھ دوسرے پر مارا۔اسکا مطلب یہ ہے کہ سارے جہان کو میں نے جمع کیا اور ایک کونے میں رکھدیا۔کیونکہ میرا مطلوب میرے خدا کے سوا کوئی نہیں۔یہ سن کر مولانا جمال الدین حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ ہاں یہ آپ کا سماع ہے اور آپکے ساتھ مخصوص ہے۔ہم نے کہا بخدا مجھے یقین ہے کہ ہمارے تمام اصحاب اور صوفیاء اسی پر قائم اور فائز ہیں۔

روز چہار شنبہ ۲۵۔ ماہ شعبان

عشق اور اسکی آفات

چاشت کے وقت عشق اور اسکی آفات کا ذکر ہورہا تھا۔فرمایا ہر چیز کی ایک آفت ہوتی ہے عشق کی دو آفتیں ہیں۔ایک آفتِ ابتدا اور دوسری آفت انتہا۔

آفتِ ابتدا

آفتِ ابتدا یہ ہے کہ معشوق کے عشق میں وہ اسقدر درد و داغ میں مبتلا ہوتا ہے کہ درد اس پر غالب آجاتا ہے اور عرصہ دراز تک اس میں جلتا رہتا ہے حتٰی کہ اسے لذتِ کامل میسر آتی ہے۔لیکن پھر بھی وصالِ محبوب کی کوئی صورت اسے نظر نہیں آتی۔اور درد والم کے سوا اسے کوئی چیز نصیب نہیں ہوتی کافی عرصہ تک اس حالت میں رہنے سے یہ درد الم اسکی طبیعت بن جاتا ہے۔اور ذوقِ درد جاتا رہتا ہے۔گویا نہ لذتِ وصال حاصل ہوتی ہے نہ ذوقِ درد۔اسکی تڑپ ختم ہو جاتی ہے اور آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے پس جس طرح پہلے تھا اسی حالت پر آجاتا ہے اور خسران وحرمان (خسارہ اور مایوسی) کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

آفتِ انتہا

آفتِ انتہا یہ ہے کہ جب محبوب کا وصال نصیب ہوتا ہے تو لذتِ وصل میں مشغول ہو جاتا ہے اور ہجر و فراق رخصت ہو جاتا ہے۔لیکن کچھ عرصہ بعد وہ وصال اسکی عادت اور طبیعت بن جاتی ہے اور ذوقِ وصال بھی ختم ہو جاتا ہے۔اب چونکہ مقصودِ زندگی محبوب کا وصل ذوق وشوق اور خوشی و

راحت ہے جب دونوں حالتوں میں (یعنی وصل وہجر میں) مقصود فوت ہو جاتا ہے وصال بے ذوق اور فراق بے لذت سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ آدمی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ عشق جاتا رہتا ہے اور وہ ذوقِ جمالِ محبوب سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اگر چہ جمال دوست اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے لیکن اب وہ ذوق کہاں کہ جس سے اسے لذت حاصل ہو۔ خالی وصال سے کیا بنتا ہے۔

بہترین حالت کیا ہے؟

لیکن عاشقِ برخوردار (خوش نصیب) وہ ہے جو ابتدائی حالت میں بھی لذتِ فراق اور ذوق الم سے محفوظ ہو اور انتہا میں بھی۔ جس قدر قرب و وصال زیادہ نصیب ہو اسکا ذوق وشوق اسی قدر بڑھتا جائے اور طلب زیادہ ہو۔ درد پر درد بڑھے اور ذوق پر ذوق افزوں ہو۔ اس عاشق کے متعلق کہا جائے گا کہ اسکی عاقبت بخیر ہوئی اور وہ اپنے عشق سے برخوردار (بہرہ ور) ہوا اور حظ کامل سے محفوظ ہوا۔ ورنہ نعوذ باللہ وہ محروم رہا۔

شرح:۔ مرزا بیدل کا یہ شعر عشق کامل کو ظاہر کرتا ہے۔

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما چہ قیامتے کہ نمے رسی زکنارِ ما بکنارِ ما

عشق کی بہترین حالت یہ ہے کہ کبھی آتشِ فراق میں جلتا رہے اور کبھی لذتِ وصل سے بہرہ ور ہو۔ اور ہجر و وصل کی گھڑیاں ہر وقت بدلتی رہیں۔ اگر چہ عارفین کے نزدیک یہ نقصان کی بات ہے لیکن لذت اسی میں ہے قطع نظر کمال ونقص کے (عین وصال میں ہجر و فراق اور عین ہجر و فراق میں وصال یہی مردان خدا کا کمال ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ نے خوب کہا ہے۔

شدہ عکس در عکس ای بنا کہ فنا بقا ہے بقا فنا

اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستتار (عارفین کا مشاہدہ تجلی اور بندش کے درمیان ہوتا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

(کبھی میں بلند مقامات کی سیر کرتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نظر نہیں آتی) سلوک الی اللہ میں جو حالتِ قبض وبسط پیش آتی ہے۔ اسمیں بھی یہی فائدہ مضمر ہے کہ حالتِ قبض میں طلب

میں اضافہ ہوتا ہے اور حالتِ بسط میں جد و جہد کا انعام ملتا ہے۔ نیز یہ جو شعراء نے اکثر محبوب کے ظلم وستم کا چرچا کیا ہے اس ظلم وستم کا مدعا و مقصد بھی وہ عاشق کی آتشِ عشق کو بھڑکانا ہے۔ کبھی ہجر اور کبھی وصال سے تڑپ کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے نہ سزا دینا۔ اسلیئے کہ محبوب کا ظلم بھی محبوب ہوتا ہے۔

جب سالک بیک وقت فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوتا ہے تو اس مقام کی جامعیّت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ داد و فراق کے مزے بھی اُڑاتا ہے اور قرب و وصال کے بھی۔ اس وجہ سے وہ عشق کی انتہا کی آفت سے بچ جاتا ہے۔ جسکا ذکر حضرت شیخ فرمار ہے ہیں۔ اس مقام کو حضرت شیخ سعدیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

عجب ایں نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست عجب این است کہ من واصل و مہجورم

(تعجب کی بات یہ نہیں کہ عاشق پریشان حال ہوتا ہے بلکہ تعجب یہ ہے کہ میں بیک وقت واصل بھی اور مہجور بھی)

مولانائے رومؒ نے اس مقام کو یوں بیان فرمایا ہے۔

دل آرام و بردل آرام جوئے ہچوں مُستقی تشنہ بر آبِ جوئے

(محبوب بغل میں ہے اور محبوب کی تلاش ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ پیاس کی مرض کے مریض کی طرح دریا کے کنارے پیاسا بیٹھا ہوں)

خواجہ غلام فریدؒ نے ایک کافی میں اس مقام کو یوں بیان فرمایا ہے۔

جتھاں خود قرب ہے دوری اتھاں کیا وصل و مہجوری

انانیت ہوئی پوری ہے انسانوں و رحمانوں

(جہاں قرب بھی بُعد بن جائے وہاں ہجر و وصال کا سوال اٹھ جاتا ہے۔ اسوقت عاشق و معشوق دونوں اپنی اپنی خودی کا دم مارتے ہیں۔)

اولیاء اللہ کے اساتذہ کی فضیلت

نماز عشاء کے وقت ایک معلم آ کر پابوس ہوا۔ اس سے پہلے بھی معلموں کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو معلم ایک مدت دراز تک کسی مقام پر درس دیتا ہے ہوسکتا ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کوئی ولی اللہ اسکا شاگرد رہا ہو۔ جب قیامت کے دن اُن ولی اللہ کو حق تعالیٰ کے حضور

میں شفاعت کی قدرت نصیب ہوگی تو وہ ضرور اپنے استاد کی دستگیری کرینگے۔ اولیاء اللہ مکارم اخلاق سے موصوف ہوتے ہیں ان سے کوئی شخص محروم نہیں رہتا۔ بالخصوص وہ شخص جس سے انکو اس قسم کا نفع حاصل ہوا ہو۔

فرمایا ہمارے محلہ میں ایک معلم تھے جنکا نام مولانا محمود تھا۔ بڑے نیک آدمی تھے اور حافظِ قرآن بھی تھے۔ اور ہمارے شیخ کے مرید اور شاگرد تھے۔ وہ بڑے شریف آدمی تھے اور کسی سے کوئی وظیفہ روزینہ ماہانہ طلب نہیں کرتے تھے۔ حتٰی کہ بچوں کو سپارہ بھی خود دیتے تھے خواہ کوئی ہدیہ دے یا نہ دے۔ نیز ہر شاگرد کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے خواہ کوئی چیز پیش کرے یا نہ کرے۔ اور برابر تعلیم دیتے تھے۔ ہم نے بھی اپنے بچوں کو برکت کی خاطر انکے ہاں داخل کیا تھا اگرچہ بچے دوسری جگہوں پر پڑھتے تھے۔ لیکن برکت کی خاطر پہلی تختی انکے ہاں لکھوائی تھی۔ اور بسم اللہ بھی انکے ہاں کروائی تھی۔ مولانا مذکور کی بیوی پر پریوں کا سایہ تھا۔

جنّات پر اولیاء اللہ کا اثر

ایک دفعہ انکی بیوی نے اپنی نوزائیدہ بچی کو گہوارہ میں سلا دیا تھا کہ اچانک بچی چیخنے لگی۔ جب جا کر دیکھا گیا تو اسکے بازو اور پہلو پر دانتوں کے نشان تھے۔ نیز بچی کی والدہ کے بازو پر بھی نشان تھے۔ جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں یہ ماجرا بیان کیا گیا تو آپ نے تعویز دیکر فرمایا کہ اسے عورت کے بازو پر باندھ لو۔ صبح اُٹھ کر دیکھا تو تعویز نہیں تھا۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں جا کر عرض کیا حضور جنّات نے تعویز اٹھا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ مولانا گھر چلے گئے وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ پری وہاں آئی ہوئی اور رو رہی ہے اور فریاد کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ جاؤ اور حضرت خواجہ صاحبؒ کو عرض کرو کہ پری نے توبہ کر لی ہے کہ پھر کبھی اس گھر میں داخل نہیں ہوگی۔ اگر میرا بھائی آیا تو میرا کوئی مطلب نہ ہوگا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ پری نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو حضرت خواجہؒ کے در پر بیٹھنے کی اجازت ملی ہوئی تھی لیکن آج انہوں نے فرمایا ہے کہ حور کو اور اس کے بھائی کو دروازہ پر نہ بیٹھنے دو۔ اب میں جا رہی ہوں اور پھر کبھی اس گھر میں نہیں آؤنگی۔ آپ لوگ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں جا کر یہ عرض کریں۔ مولانا

اسی وقت حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وداع کے وقت اٹھ کر وہ بات کرنی چاہی لیکن آپنے فرمایا اچھا۔ یہ سن کر مولانا خاموش رہے اور واپس چلے گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن میں اور مولانا برہان الدینؒ غیاث پور سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں مولانا نے مجھے دو حکایات سنائیں۔ ایک حکایت یہ تھی فرمایا ہمارے رشتہ داروں میں ایک شخص تھا جو بہت تندرست اور توانا اور خوبصورت تھا۔ جب اسکی شادی ہوئی تو بہت ناخوش اور رنجیدہ خاطر رہتا تھا کیونکہ اسکو اپنی بیوی سے دسترس نہیں ہوتی تھی۔ گھر کے تمام لوگ حیران تھے کہ جوان آدمی ہے تندرست اور توانا ہے اسے کیا ہو گیا ہے کہ بیوی پر کامیاب نہیں ہوسکا شادی کے بعد اسکی بُری حالت ہوگئی ہے۔ رنگ زرد پڑ گیا تھا اور بے حد مغموم اور پریشان رہتا تھا۔ جب عزیزوں نے حال دریافت کیا تو اس نے کہا جب رات ہوتی ہے تو ایک آدمی آتا ہے جو میرے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیتا ہے اور میری بیوی کے ساتھ ہم بستر ہو جاتا ہے۔ جب بھی میرا ارادہ ہوتا ہے کہ بیوی کے پاس جاؤں وہ فوراً حاضر ہو جاتا ہے اور میرے سر پر ایسا مکا مارتا ہے کہ کئی روز درد محسوس ہوتا ہے۔ میرے دونوں ہاتھ باندھ دیتا ہے اور میری بیوی کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہمارے وہ رشتہ دار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے مریدوں میں سے تھے۔ ہم نے انکی خدمت میں یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی آدمی کی یہ ہمت ہوتی ہے کہ رات کو کشمیری دروازہ سے باہر سو جائے۔ یہ سن کر اُسی شخص نے جو اس مصیبت میں مبتلا تھا عرض کیا کہ جی ہاں حضور میں سوسکتا ہوں۔ آپ نے ایک کاغذ لکھ کر اس کو دیا اور فرمایا کہ یکشنبہ یا دوشنبہ کی رات کو مجھے اچھی طرح یاد نہیں کونسی رات تھی۔ وہاں جا کر سو جاؤ۔ پہلے ایک خوف ناک آواز آئے گی اس کے بعد ایک ایسے ہاتھی کی صورت سامنے آئیگی جو عام ہاتھیوں سے سوگنا بڑا ہو گا۔ پھر بندروں کی صورتیں ظاہر ہونگی اور شیر وغیرہ بھی سامنے آئینگے لیکن تم بالکل خوف زدہ نہ ہونا۔ اس کے بعد ایک سفید پوش آدمی گھوڑے پر سوار آئے گا اور اس کے ساتھ سفید پوش سپاہ ہو گی۔ جو آدمیوں کی شکل میں ہوں گے۔ تم کو بس یہ کام کرنا ہوگا کہ وہاں کھڑے ہوئے یہ کاغذ کھول کر اس کو دکھانا۔ چنانچہ وہ آدمی رات کو کشمیری دروازے کے باہر سو گیا۔ کچھ رات گزرنے کے بعد جسطرح کہ حضرت شیخ نے فرمایا تھا وہی آواز آئی اور پھر وہی صورتیں ظاہر ہونے لگیں اسکے بعد وہ

سفید پوش آدمی گھوڑے پر سوار سامنے آیا اور اسکے ساتھ سفید پوش سپاہ بھی تھے۔ اسے دیکھ کر اس نے کاغذ نکالا اور کھول کر دکھایا۔ سپاہ میں سے ایک آدمی نے اس سردار سے کہا کہ ایک شخص کاغذ ہاتھ میں لئے کھڑا ہے اسنے کہا جاؤ اور کاغذ لے آؤ۔ جب اس نے کاغذ پڑھا تو فوراً گھوڑے سے اتر کر غیاث پور کی طرف جھک کر سلام کیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کیا تم ان لوگوں میں سے اس آدمی کو پہچان لو گے جو تمہاری بیوی کے ساتھ یہ حرکت کرتا ہے اس نے ادھر دیکھ کر کہا کہ ان میں وہ آدمی نہیں ہے۔ سردار نے پوچھا کہ کیا کوئی اور آدمی کسی جگہ ہے۔ اسکے خادموں نے کہا جی ہاں ایک اور آدمی ہے۔ سردار نے کہا اسکو بلاؤ۔ جب وہ آیا تو اس نے اپنا منہ کپڑے سے چھپا رکھا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ منہ کھولو جب اس نے منہ ظاہر کیا تو اس شخص نے کہا یہی شخص ہے جو میری بیوی کے پاس جاتا ہے۔ اس سردار نے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو جس جگہ تم جاتے ہو یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے غلاموں کا گھر ہے تم اس کام سے باز آ جاؤ۔ اس نے کہا میں ہرگز باز نہیں آؤنگا میں اس عورت پر عاشق ہوں۔ سردار نے کہا اگر تم باز نہیں آتے تو تیری گردن اڑا دونگا۔ اس نے کہا جب تک میرے جسم میں جان ہے میں ہرگز باز نہیں آ سکتا۔ سردار نے جلاّد کو بلا کر حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔ جلاّد نے تلوار نکالی اور اسکا سر قلم کر دیا۔ سردار نے اس شخص سے کہا جاؤ اور حضرت شیخ کو میرا سلام عرض کر کے کہو کہ جو بد بخت حضور کے غلام کے گھر کی بے ادبی کرتا تھا میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ وہ آدمی پہلے اپنے گھر گیا اور اپنی عورت سے ملا جیسا کہ ملنا ہوتا ہے۔ اسکے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ماجرہ بیان کرے۔ لیکن آپ نے اسے ہرگز بات کرنے کا موقعہ نہ دیا اور خود آغاز کلام کر کے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ قوت کیونکر ہاتھ آتی ہے۔ جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے کائنات کی ہر چیز اسکی ہو جاتی ہے [1]۔ اور اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ وہ سودا نہیں جس میں نقصان کا اندیشہ ہو۔ یہ نفع در نفع کا سودا ہے۔ البتہ جو شخص خدا تعالیٰ سے اخلاص نہیں رکھتا ہے اور دوزخ کے ڈر سے اور بہشت کے طمع کیوجہ سے عبادت کرتا ہے وہ خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ احیاء العلوم [2] میں لکھا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ابغض عبادی الیّ

---

1 یہ مضمونِ حدیث ہے من کان للّٰہ کان اللہ لہ (جو اللہ کا ہو جائے اللہ اسکا ہو جاتا ہے)

2 مصنفہ امام غزالیؒ۔

من عبدفي لخوف جحيم و بطمع جنته. (میرا بدترین بندہ وہ ہے جو دوزخ کے خوف اور بہشت کے طمع سے میری عبادت کرتا ہے [1]۔) وہ بندہ خدا نہیں ہے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے معبودک مقصودک (تو اسی کی پرستش کرتا ہے جسے تو چاہتا ہے) مجلس ابوعلی فارمدی میں لکھا ہے کہ شیخ ابوعلی سیّاح نے فرمایا ہے کہ اگر خلق خدا کیلئے خدا سے بھاگ جانے کا کوئی رخنہ ہوتا تو ساری خلقت کا ہجوم اسی رخنہ میں ہوتا۔ مردان خدا اور بندگان خدا بہت کم ہیں۔ ہر شخص اپنی نفسانی خواہشات میں گرفتار ہے۔ پس وہ بندۂ ہوائے خویش ہے نہ کہ بندۂ خدا۔

روز پنجشنبہ ۲۶ شعبان

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کی لطافت ونظافت

عصر کے وقت حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ قدس سرہٗ کے مزاج کی لطافت اور نظافت [2] کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ جس جگہ پر حضرت اقدس قیام فرماتے تھے نہایت پاک وصاف اور روشن ہوتی تھی۔ آپکے حُسن و جمال میں میں نے کبھی کمی نہ دیکھی تھی۔ اور کسی روز یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپکی پوشاک جمعہ کی پوشاک نہیں ہے۔ (یعنی ہر روز پوشاک نئی معلوم ہوتی تھی) بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ پوشاک ابھی زیب تن فرمائی ہے۔ صرف دامن اور آستین کے شکنوں سے پتہ چلتا تھا کہ یہ دو دن سے پہنی ہوئی پوشاک ہے۔ ایک دن عصر کے وقت حضرت اقدس اِسی عزت عظمت، صفائی، پاکیزگی، نورانیّت اور تازگی کی حالت میں سجادہ مکرمت اور شیوخت پر ہزار بزرگی و حشمت کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ اور دائیں بائیں قسم قسم کے پھولوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اسوقت لوگ مجھ خراب حال، خستہ وگریاں کو حضرت اقدس کے سامنے لائے۔ آپ نے میری جانب

---

1 کسقدر خوفناک بات ہے۔ اب ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھے کہ آیا خالصاً اللہ کی عبادت کرتا ہے یا بہشت کے مزوں یعنی حور وقصور کی خاطر جان مار رہا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بہشت کے مزوں کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ بہشت کا وعدہ صرف ان بندگان خدا کیلئے ہے جو نفس کو مار کر خالصۃً اللہ کے ہو جاتے ہیں۔ جب تک نفس نہیں مرا اور نفسیاتی خواہشات کا غلبہ ہے۔ عبادت میں خلوص نہیں آتا اور مستحق جنت نہیں ہوتا۔ اور دراصل جنت کی نعمتیں اور حور وقصور سے مراد بھی حق تعالیٰ کی تجلیات ہیں جنہیں عام لوگ نفسانی اور جسمانی مزے سمجھتے ہیں۔

2 تقدس، پاکیزگی

دیکھ کر فرمایا سنو سالکین کا طریقہ کیا ہے؟ اپنی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ اسطرح نہ ہو جانا' ہمیں اس شان وشوکت کے باوجود کوئی سکون نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں کسی جگہ سکون و آرام نہیں دیتا۔ اور ہر وقت مضطرب' پریشان اور بے چین رکھتا ہے۔ پس جو کام ہمارے بس میں نہیں' اس پر صبر کرنا لازم ہے۔ فرمایا تمہیں چاہیے کہ بلند آواز سے بات نہ کرنا' ہر شخص کے ساتھ ہمکلام نہ ہونا' جو بات کرنا عزت وقار اور عظمت سے کرنا' بے فائدہ' بے قاعدہ بات نہ کرنا' غیر قسم اور غیر جنس کے ساتھ میل ملاپ نہ رکھنا' کسی نے حضرت کے سامنے پانی کی صراحی اور چند پیالے لا کر رکھے۔ ایک پیالہ پر ذرا سا سیاہ داغ تھا سیاہ داغ کو دیکھ کر فرمایا زین الدین اس پیالے کو دور کر دو۔

حضرت اقدسؒ کا مزاح

یہ آپ نے مزاحیہ طور پر فرمایا۔ ایک دن فرمایا کہ حاجی مجھے بھوک لگی ہے کوئی چیز پکی ہے۔ اس نے کہا خیر سے نہیں پکی۔ آپ نے تبسّم سے فرمایا کہ جب کھانا تیار نہیں تو خیر کہاں سے آئی۔ ایک دن ایک معتبر مسافر وارد ہوا۔ آپ اسے نزدیک بٹھا کر سفر اور مشائخِ راہ کا حال دریافت فرما رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ فلاں مشائخ سے میں نے فلاں پیراہن حاصل کیا ہے۔ اور فلاں سے فلاں کپڑا ملا ہے۔ ان سب کو ملا کر میں نے ایک خرقہ بنایا لیکن راستے میں وہ خرقہ چور لے گئے۔ اگر حضرت شیخ کا یہ پیراہن مجھے مل جائے تو ساری کمی پوری ہو جائے گی اور دل میں قرار آ جائے گا۔ حضرت اقدس نے فرمایا زین الدین دوسرا پیراہن لاؤ۔ آپ نے اپنا پیراہن اتارتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے ساتھ چوروں نے کیا ہے تم نے ہمارے ساتھ اس سے کم نہیں کیا۔ یہ سن کر خادموں کو اسقدر ہنسی آئی کہ سامنے سے بھاگ گئے۔

مسئلہ فضیلت صحابہؓ کے متعلق ایک نیا نکتہ

عشاء کے بعد مختلف مذاہب کے اختلافات کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا ایک مسئلہ جو زیادہ طول پکڑ گیا ہے تفاضل (فضیلت) صحابہؓ کا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عند اللہ جس صحابیؓ کو فضیلت حاصل ہے اسکا علم کسی کو نہیں ہے۔ بس ہر شخص اپنے اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ لیکن دلائل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ قوت القلوب میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ قال علیہ السّلام اصدقکم ابوبکر'

واعدلکم فی الدین عمر ابن خطاب، و احملکم عثمان، و اقراء کم ابی واعلمکم باالحلال و الحرام معاذ بن جبل و اقضاکم علی دھذہ خصلته جامعته، بخصائل اجمع و ھذا مقام المحبوب المراد۔ یعنی تم میں سے اصدق (سب سے زیادہ سچا) ابوبکر ہے، اعدل (سب سے زیادہ عادل) عمر ابنِ خطاب ہے، احلم (سب سے زیادہ حلیم) عثمان ہے، اقراء (سب سے زیادہ پڑھا ہوا) اُبیؓ، اعلم بالحلال والحرام (حرام وحلال کا جاننے والا) معاذ بن جبل اور اقضٰی (سب سے زیادہ حاکم بحق (عادل) علی رضی اللہ عنہم ہے۔ اور عادل (حاکم بحق) اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اصدق، اعدل، احلم، اقراء اور اعلم نہ ہو۔ پس صفت اقضٰی جامع ہے، جمیع صفاتِ مذکورہ کی۔ اور یہ مقامِ محبوب ومراد[1] ہے یعنی جہاں بھی کوئی صفتِ حمیدہ ہوگی وہ اسکی ذات میں بکمال وتمام موجود ہوگی۔

کیا ایک مسلمان گناہوں کیوجہ سے اسلام سے خارج ہوجاتا ہے؟

فرمایا یہ مسئلہ مصطفٰے علیہ السلام کے زمانے میں نہیں تھا۔ یہ مسئلہ حضرت امام حسن بصریؒ کے زمانے میں پیدا ہوا جس سے لوگ پریشان ہوئے۔ امام حسن بصریؒ نے حضرت امام حسنؓ ابن امیر المومنین حضرت علیؓ کو یہ خط لکھا انتم اھل بیت رسول اللہ مثلکم سفینۃ نوحِ من رکبھا نجاد من تخلف عنھا غرق و تردیٰ۔۔۔۔ یعنی آپ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ آپکی مثال سفینۂ نوح کی سی ہے کہ جو شخص اس پرسوار ہوا بچ گیا اور جس نے اختلاف کیا وہ غرق ہوا۔ پس جس نے آپکے ساتھ تعلق پیدا کیا گمراہی اور ضلالت کے گڑھے میں غرق ہونے سے بچ گیا۔ اور جس نے آپکی مخالفت کی وہ غرق ہوا اور ہلاک ہوگیا۔ اب حکم دین کے اس مسئلہ میں حق بات کیا ہے تا کہ ہم بھی اسی راستے پر چلیں۔ اور اسکے سوا باقی کو باطل سمجھیں۔ اسکا جواب حضرت امام حسنؓ نے وہی دیا جو اہل سنت وجماعت کا مسلک ہے۔

صحابہ کرامؓ کا اتفاق

اسی طرح تخلیق قرآن اور عدم تخلیق کا مسئلہ بھی، آنخضرت ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ اسی طرح تمام مذہبی فرقت آنخضرت ﷺ کے زمانے کے بعد وجود میں آئے۔ اور اسلام کی خرابی کا باعث ہوئے۔ عہد نبوی ﷺ میں گناہوں سے بچنے اور اسلام کی عظمت کا یہ حال تھا جسکا

[1] مرید وہ ہے جو اللہ کا طالب ہے مراد وہ ہے جس کا اللہ طالب ہو۔ یعنی اللہ کا محبوب ہونا ہے۔

اندازہ نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام اور اہل بیت کے دلوں میں اسلام کی اسقدر ہیبت و عظمت تھی کہ ذرا سے گناہ سے بے چین ہو جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کون سا کفر کا کام کیا تھا اور کیا گناہ کیا تھا کہ لوگوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ انہوں نے چند ایسے امور نکالے تھے جو عہد نبوی ﷺ میں نہ تھے۔ لیکن اس زمانے میں خوف خدا غالب تھا اور گناہِ صغیرہ سے اسقدر پرہیز کرتے تھے جیسے کوئی گناہ کبیرہ سے کرتا ہے۔ اور گناہ کبیرہ کو وہ لوگ کُفر کی طرح خطرناک اور بد سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں مذہب حق وہی تھا جو حضرت امام حسنؓ نے امام حسن بصریؒ کو بتایا۔ افک کے معاملہ کو لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت بی بی عائشہؓ کی خادمہ کو طلب فرمایا۔ حضرت علیؓ اس لڑکی کو آپ کے پاس لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے لڑکی بتاؤ راستے میں کیا واقع ہوا۔ اس نے کہا واللہ! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے بی بی عائشہؓ سے کوئی گناہ نہیں دیکھا سوائے ایک گناہ کے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ گناہ کیا ہے اس نے کہا وہ گناہ یہ ہے کہ جَو کا آٹا گوندھتے وقت وہ جَو کے چھلکے کو پھونک مار کر دور کر دیتی ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت شیخ نے آہِ سرد نکالی اور فرمایا سبحان اللہ! ان کی نظر میں یہ بھی گناہ تھا۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

گر عشق حق خویش طلب خواہد کرد پس مدعیاں را کہ ادب خواہد کرد

(اگر عشق نے اپنا حق طلب کیا تو جھوٹے دعویداروں کا کیا حال ہوگا۔ انکو کون پوچھے گا۔)

فرمایا حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں ام المومنین عائشہؓ کے پاس نوّے ہزار دینار فقراء میں تقسیم کرنے کی خاطر بھیجے۔ حضرت عائشہؓ روزہ دار تھیں۔ اور سر پر ایک چھوٹا سا کپڑا رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے شام کی نماز تک سب کچھ تقسیم کر دیا۔ جب کچھ باقی نہ بچا تو خادمہ نے کہا بی بی آپ نے اپنے کھانے کیلئے ایک پیسہ بھی نہیں چھوڑا اور اپنے دوپٹے کے لئے بھی کچھ رقم نہیں رکھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں تم سچ کہہ رہی ہو۔ کیا کروں مجھے یاد نہیں رہا۔ تو نے کیوں یاد نہیں دلایا۔ اس کے بعد حضرت بی بی عائشہؓ نے فرمایا دیکھو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ **آتریدین ان تلحقنی بی یوم القیامته قلت بلٰی رسول الله قال فعلیک بعیش الفقراء** (کیا تم یہ چاہتی ہو کہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں رسول اللہ فرمایا فقراء پر احسان لازم پکڑو۔)

بڑھاپے کی خرابیاں

اسکے بعد بڑھاپے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق (جسے ہم بڑھاپا دیتے ہیں اسکی حالت الٹی کر دیتے ہیں۔) کوئی ایسا بوڑھا نہ ہوگا جس کے اندر حسرت نہ ہو۔ بڑھاپے سے بڑھکر اور کیا خرابی ہوسکتی ہے۔ عقل کی کمزوری' مزاج کی سبکی' یہ سب بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بوڑھا آدمی جب کوئی ایسا کام کرتا ہے جو بعضوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بوڑھا ہوگیا ہے اور عقل کھو بیٹھا ہے۔ عارفوں کے معارف ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں لیکن جب آدمی خرف (بے حد بڑھاپا) کی حد کو پہنچتا ہے تو اسکے حواس میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور اسکے معارف آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس سے بڑھکر بڑھاپے کی کیا مصیبت ہوسکتی ہے۔ ابناء ثمانین عتقاء اللہ (اسّی سال کے بعد آدمی اللہ کا ہو جاتا ہے) جب قوت ختم ہو جاتی ہے تو اعضاء و مفاصل (جوڑ) سست پڑ جاتے ہیں۔ پاؤں بے کار ہو جاتے ہیں۔ لازماً عتقاء اللہ بن جاتے ہیں۔ نیز داناؤں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسّی سال کے بعد لازماً انکے مزاج میں فرق آ جاتا ہے اور تقریباً جنون کا حکم ان پر صادق آتا ہے اس لحاظ سے بھی وہ عتقاء اللہ (اللہ کے بوڑھے) کہلانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

اسکے بعد فرمایا کہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال ہوگئی تھی لیکن دو تین بال کے سوا آپکی ریش مبارک کا رنگ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ جب لوگوں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آنحضرت ﷺ کے بال سفید نہیں ہوئے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے آپکو بڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس نے پھر کہا کیا بڑھاپا عیب ہے۔ حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ ہر شخص کے لیے بڑھاپا یکساں نہیں ہوتا۔ اسکے بعد فرمایا کہ چاروں صحابہ کرامؓ عمر میں تقریباً برابر تھے۔ کسی کی عمر باسٹھ سال تھی۔ کسی کی تریسٹھ سال' کسی پینسٹھ سال۔ غرضیکہ ستر سال سے کسی کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ اور قوت' تجربہ' پختگی اور کمال عقل وفہم کی عمر بھی یہی پچاس سے ساٹھ سال یا زیادہ سے زیادہ ستر سال ہے۔ جب ستر سال سے عمر تجاوز کر جاتی ہے تو کمزوری' لاغری اور سستی جسم پر غالب آ جاتی ہے اور آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔ روایت

ہے کہ سب سے پہلے جو شخص بوڑھا ہوا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جب آپکی نظر سفید بالوں پر پڑی تو حق تعالیٰ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ فرمان ہوا کہ ھذاالوقار (یہ موجب عزت ہے۔) عرض کیا اللّٰھم زدنی وقاراً (یا اللہ میرا وقار زیادہ کر۔)

تھوڑی دیر خاموش رہ کر حضرت اقدس نے اس کمترین بندہ کی طرف دیکھا اور بندہ کے مخصوص نام سے آواز دیکر مخاطت فرمایا جس سے اس غلام کو اسقدر مسرت حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے کیونکہ اس سے میری عزت عرش وکرسی سے تجاوز کر گئی۔ یعنی آپ نے فرمایا اے محمد کتاب عوارف المعارف میں لکھا ہے کامل کو ذوق سماع نہیں رہتا۔ اس غلامانِ غلام نے عرض کیا کہ اسکا مطالب یہ تو ہوا کہ جیسا کہ حضور اقدس نے پہلے فرمایا ہے وہ آفت انتہائے عشق میں مبتلا ہوا۔ وہ اپنے آپ سے کٹ گیا' اور اسکے پاس کچھ نہ رہا۔ واصل ہو کر وصل کا عادی بن گیا۔ اور عادی ہونے کے بعد اسکا ذوق سرد پڑ گیا اور راحت وخوشی جاتی رہی۔ فرمایا ہاں عشق کی وہی دو آفتیں ہیں جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ آفتِ ابتدا اور آفتِ انتہا۔ تم ٹھیک کہتے ہو ایسے شخص پر **اولئک کالا نعام بل ھم اضل سبیلا** (وہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں) صادق آتا ہے۔ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن جو شخص آفتِ انتہائے عشق سے محفوظ ہوتا ہے اسکی حالت یہ ہوتی ہے۔

عجبے نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست　　عجب اینست کہ من واصل وسرگردانم

(یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ طالب دوست سرگشتہ اور پریشان ہوتا ہے بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ عین وصل میں بھی سرگردان و پریشان ہوں۔[1])

ہمہ عمر باتو قدح زدیم ونرفت رنج خمار ما　　چہ قیامتے کہ نمے رسی زکنارِ ما بکنارِ ما

(اے دوست ہم نے ساری عمر تیرے شربت وصل کے پیالے نوش کیئے لیکن کسقدر قیامت اور غضب ہے کہ تو میری آغوش سے میری آغوش میں نہیں آتا۔) یہ وہ فریاد ہے جو عاشق صادق اور

---

[1] واصل کی پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ بمصداق ع قلندر آنکہ فوق الوصل جوید (قلندر وہ ہے جو وصل سے بھی اونچے مقام کا طالب ہے) عاشق صادق قرب ووصال حق کی جتنی منازل طے کرتا ہے وہ مطمئن نہیں ہوتا اور قریب سے قریب تر ہونا چاہتا ہے اب چونکہ ذاتِ حق کی اور اسکے حسن و جمال کی کوئی انتہا نہیں منازلِ قرب کی بھی کوئی انتہاء نہیں اور شربت وصل، کے جتنے پیالے دریا رنوش کرتا ہے ھل من مزید کے نعرے لگا کر اس سے بھی بلند مقاماتِ قرب ووصال اور حسن و جمال کا متلاشی رہتا ہے گویا وہ قرب ووصل کے باوجود آتش ہجر وفراق میں جلتا رہتا ہے۔ من واصل ومہجورم سے یہی مقام مراد ہے۔ اس مقام کو بیدلؔ نے یوں بیان کیا ہے۔

محب کامل اپنے بے پناہ جذبہ عشق و محبت میں عین وصل کی حالت میں بلند کرتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ کو خط لکھا کہ حضور اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ قرب بھی بُعد بن گیا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ اپنے سرائیکی دیوان میں فرماتے ہیں۔

جتھاں خود قرب ہے دوری اُتھاں کیا وصل و مہجوری　انانیت تھئی پوری ہے انسانوں تے رحمانوں

(جہاں خود قرب بھی دوری بن جائے وہاں وصل اور مہجوری برابر ہے) اس مقام پر عاشق پر بھی انانیت صادق آتی ہے اور معشوق پر بھی یعنی عاشق دوئی کو گم نہیں کر پاتا بلکہ عین وصل کی حالت میں آتش عشق میں جلتا رہتا ہے۔ ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں۔

شدہ عکس در عکس ایں بنا　که فنا بقا ہے بقا فنا

یعنی مقام فنا میں بھی اَنائے عاشق اور اسکی آہ و فریاد باقی ہے۔

روز جمعہ ۲۷۔ شعبان

امام خطابی کی رائے دربارہ فضیلتِ صحابہؓ

نماز کے بعد فرمایا کتاب شیخ الصحابہ وہ کتاب ہے جس سے تصنیف شرح آثار مزیّن ہے۔ اس کتاب میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت منقول ہے۔ کہ **کنّافی زمان النّبی علیه السلام لا نعدل بابی بکرا حداً عمر ثم عثمان ثم علی ثم نترک اصحاب رسول الله لا نفاضل بینهم** (نبی علیہ السلام کے زمانے میں ہم ابوبکر کے مقابلے میں کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ انکے بعد عمر کو انکے بعد عثمان کو اور انکے بعد علی کو باقی صحابہ آپس میں کسی کو افضل نہیں سمجھتے تھے)

وهذا ابدل علٰی انّ ابوبکر افضل هذِهِ الامته هو کان اول الرجال الاحرار اسلاما

(اس وجہ سے کہ ابوبکر اس امت میں افضل ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا)

قال الخطابی قوله ثم نترک بین الصحابته لا نفاضل بَینَ هُم امراد بهٖ الشیوخ وذوالاسنان وکان علی فی زمان رسول الله حدث السن ولاینکر احد فضل علی بعد عثمان وقال بعض

السلف هوافضل من عثمان والمتاخرین فی هذا مذاهب وبعضهم علی تقدیم ابوبکر من جهته الصحابته و تقدیم علی من جهته القرابته و قال قوم لا

تقدم بعضهم علی بعض و کان

بعض المشائخ یقول ابوبکر خیر" و علی افضل" بات الخیرّیته غیر باب الفضیلته وھذا کما یقول ان الحَرُ الھاشمی' افضل و قدیکون العبد الحبشی خیر" من خیرُ الھاشمی فی معنی الطاعت للہ تعالیٰ والمنفعته للناس و باب الخیریت متعدیة و باب الفضیلته لازم" یعنی امام خطابی نے فرمایا ہے کہ ابن عمر کے قول "لا نفاضل بینھم" سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جو بوڑھے اور طویل عمر والے تھے علی ان میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نوجوان تھے۔ پھر یہ جو ابن عمر نے کہا ہے کہ "ثم نترک اصحاب رسول ﷺ" علی صحابہ میں سے بھی نہیں ہیں وہ داخل اہل بیت ہیں اور اہل بیت کا جزو ہیں۔ لہذا صحابہ کرام کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کا معاملہ صرف صحابہ کرام کے درمیان ہے اور دین کے معاملے میں انکی آپس میں فضیلت وسبقت پر منحصر ہے۔ لیکن علی کا معاملہ الگ ہے وہ بیٹا بھی ہے داماد بھی ہے بھائی بھی ہے اور صحابی بھی۔ اسکی فضیلت صرف دینی فضیلت نہیں ہے۔

اس لئے وہ اس تقسیم اور ترتیب میں شامل نہیں ہوسکتے اور نہ کم افضل ہونا انکے حق میں صادق آسکتا ہے۔ جیسا کہ ایک بادشاہ کے امراء و وزراء میں ایک کو دوسرے پر فضیلت تو ضرور حاصل ہوتی ہے لیکن اس فہرست میں بادشاہ کے اہل بیت مثل بیٹا' بھائی اور داماد وغیرہ شامل نہیں ہوتے یا جس طرح جب کوئی مرید اپنے پیر بھائیوں کا ذکر کرتا ہے اور ایک کو دوسرے سے افضل قرار دیتا ہے اس کے شیخ کے اہل بیت اس میں شامل نہیں ہوتے۔ یہ امر محقق اور مُسلّم ہے۔

امام خطابیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد باقی صحابہ کرام پر حضرت علیؓ کی فضیلت کا کوئی منکر نہیں ہے بلکہ بعض سلف صالحین حضرت عثمانؓ پر بھی آپکی فضیلت کے قائل ہیں۔ لیکن متاخرین کا اس میں اختلاف ہے اور کئی گروہ پیدا ہوگئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ قرابت میں سب سے افضل ہیں اور حضرت ابوبکرؓ صحبت کے لحاظ سے سب سے افضل ہیں۔ بعض کہتے ہیں ابوبکرؓ خیر الصحابہ اور حضرت علیؓ افضل الصحابہ ہیں۔ کیونکہ خیر الصحابہ ہونا ایک بات ہے اور افضل الصحابہ ہونا دوسری۔ (یعنی ان دونوں میں فرق ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ایک حُر ہاشمی (آزاد ہاشمی) افضل ہے غلام حبشی سے۔ لیکن بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ عبد حبشی (غلام حبشی) طاعتِ خدا

اور منفعت خلق میں حُر ہاشمی سے بازی لے جاتا ہے۔ دراصل فضیلت یعنی افضل ہونا امرِ لازم ہے اور خیریت یعنی اچھا یا بہتر ہونا امرِ متعدی ہے لازم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی کوشش سے ہاشمی نہیں بن سکتا۔ لیکن خیریت (خیر ہونا) متعدی ہے یعنی اپنی جدوجہد سے خیر بن سکتا ہے۔ نیز فرمایا کہ کتاب خیر الصحابہ میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت ابن عباسؓ مسجد میں نماز پڑھ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے رو کر کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موت قریب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین خدا آپکی عمر دراز کرے۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھے فکر اس بات کا ہے کہ خلافت کا یہ عظیم کام کس کے سپرد کروں۔ حضرت عباسؓ نے کہا **ما تقول فی عثمان قال انہ' کلف بآقار بہ** (آپ کا عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا وہ اپنے رشتہ داروں کی دوستی میں گرفتار ہے۔) اسکے بعد حضرت عباسؓ نے کہا ماتقول فی صاحبنا یعنی علیًا (ہمارے صاحب یعنی علیؓ کے متعلق آپکا کیا خیال ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا **ھوَ لو لَافیہ فکاھت** (اگر اسکے اندر مزاح اور خوش طبعی نہ ہوتی تو وہی لائق تھے۔)

مزاح صحابہؓ

اسکے بعد مزاحِ صحابہؓ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا رسول خداﷺ بھی مذاق فرمایا کرتے تھے لیکن آپؐ مذاق میں بھی حق اور سچ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی آپس میں مذاق کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک صحابی ابن مکتومؓ جو نابینا تھے نے حضرت خواطہ انصاریؓ سے کہا کہ مجھے پیشاب کی ضرورت پیش آئی ہے کسی جگہ لے چلو تا کہ فارغ ہو جاؤں۔ خواطہ نے انکو لے جا کر چوک بازار میں بٹھا دیا اور خود چلے گئے۔ جب ابن مکتوم پیشاب کرنے بیٹھے تو لوگوں نے شور مچا دیا کہ بازار میں پیشاب کر رہے ہو۔ اب وہ حیران و پریشان ہوئے۔ خیر حاجت سے فارغ ہو کر جب مسجد نبوی میں واپس گئے تو غصے سے بھرے ہوئے تھے کہ خواطہ کی پیٹھ پر ڈنڈا مارونگا۔ اس اثناء میں خواطہ نے آواز تبدیل کر کے ابن مکتوم سے کہا کہ آؤ میں آپکو خواطہ دکھاؤں۔ ایک کونے میں حضرت عثمانؓ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ خواطہ نے کہا۔ یہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ ابن مکتوم نے آگے بڑھ کر زور سے حضرت عثمانؓ کی پیٹھ پر ڈنڈا مارا۔ خواطہ بھاگ چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ

حیران ہوئے کہ یہ کیا ہوگیا۔ جب ابن مکتوم کو معلوم ہوا کہ خواطہ کی بجائے حضرت عثمانؓ کو پیٹا ہے تو بہت شرمندہ ہوئے۔ اور سمجھ گئے کہ خواطہ نے پھر شرارت کر دی۔

ایک دفعہ کسی جنگ کے دوران حضرت ابوبکرؓ رسول خداﷺ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے خواطہ کو کسی کام کیلئے بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک صحابی کو سامان خورد ونوش پر نگہبان مقرر کیا ہوا تھا۔ خواطہ نے اسکے پاس جا کر کھانا طلب کیا۔ انہوں نے نکار کیا۔ خواطہ نے کہا خدا کی قسم میں تجھے فروخت کر دونگا۔ باہر جا کر دیکھا ایک قافلہ آ رہا تھا۔ ان کے پاس جا کر کہا میرا ایک غلام ہے جو نہایت فصیح اللسان ہے اور خوبصورت ہے اور غلام معلوم نہیں ہوتا میں اسے آپ لوگوں کے ہاں فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے قبول کر لیا اور ایک سو دینار میں سودا ہو گیا۔ خواطہ نے سوداگروں کو اچھی طرح بتا دیا کہ میرا غلام بڑا چالاک آدمی ہے وہ واویلا کریگا کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ میں قریشی ہوں۔ تم اسکی بات نہ ماننا۔ انہوں نے کہا فکر نہ کرو، ہم اسکو باندھ کر لے جائیں گے۔ چنانچہ وہ انکو لے گیا اور دور سے دکھایا کہ وہ ہے۔ سوداگروں نے جا کر اسکی گردن میں کپڑا ڈال دیا اور کہا کہ تم ہمارے غلام ہو۔ ہمارے ساتھ چلو۔ تمہارے آقا نے تجھے ہمارے پاس فروخت کیا ہے۔ صحابی نے شور مچایا اور غصہ دکھایا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور پکڑ کر لے گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو اس بات کا علم ہوا تو حیران ہوئے اور لوگوں کو ان کے پیچھے دوڑایا اور سب کو واپس بلا لیا۔ اور سوداگروں کو رقم ادا کر کے صحابی کو رہا کرا لیا۔ جب یہ ماجرا رسول اللہؐ کے سامنے بیان کیا گیا تو آپؐ ہنسے۔ اور ایک سال تک آپؐ جب بھی خواطہ کو دیکھتے وہ واقعہ یاد کرا کر ہنستے تھے۔

ایک دن رسول خداﷺ صحابہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص باہر کھجور بیچ رہا تھا۔ خواطہ اس سے کھجور کا ٹکرا لے آیا اور رسول اللہؐ کے سامنے رکھ دیا۔ سب نے یہ خیال کیا کہ شاید کسی نے تحفہ بھیجا ہے اور کھانا شروع کر دیا۔ جب کھجور ختم ہو گئے تو خواطہ نے اس آدمی کو لا کر سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہ قیمت طلب کر رہا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہﷺ نے ہنس دیا اور فرمایا کہ اسے قیمت ادا کر دی جائے۔ یہ کہہ کر آپ نے صحابی مقدادؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ تمہارے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہے۔ آنحضرتﷺ کا ایک غلام تھا جسکا نام انس تھا۔ اس کے کان لمبے تھے۔ آپ اسے یاذالازنان (لمبے کان والا) کہہ کر بلاتے تھے بطور مذاق[1]۔

---

1 لیکن اس مذاق میں جھوٹ نہ تھا۔ اس کے کان واقعی لمبے تھے۔

روز شنبہ ۲۸۔ شعبان

برہمنوں کے ساتھ بحث اور فتح یابی

چاشت کے وقت ایک برہمن حاضر خدمت ہوا۔ اس نے کہا چالیس برس سے میں ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہو اور اس پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو کہ اسکے سوا کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ایسا شخص وہ ہوتا ہے جس نے اپنے قلب کو مسخر کر لیا ہو اور قلب کے مسخر کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ جو شخص اپنے قلب پر قابو پا لیتا ہے وہ اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے اور پھر اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے خارج کوئی چیز نہیں ہے۔ برہمن نے کہا ہمارے ہاں ایک بزرگ تھا جو چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتا تھا اور نہ ہی کسی کا چہرہ دیکھتا تھا اس نے بھی اپنے قلب پر قابو پا لیا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا اگر چالیس دن چھوڑ کر چالیس برس تک نہ کھائے یا بالکل ہی کھانا ترک کر دے اور ہمیشہ کیلئے اپنی آنکھیں بند رکھے یہ سب جسمانی چیز ہے، ہم اسے ابواب برّ کہتے ہیں۔ یہ قلب کو مسخر کرنا نہیں ہے اس سے تسخیر قلب میسّر نہیں آتی۔ تسخیر قلب کیلئے اور کام کی ضرورت ہے۔ جو ان تمام کاموں سے جدا ہے۔ اس کے بعد اس بندۂ ضعیف کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ برہمن لوگوں کا سلوک یہاں تک ہے کہ انکے لئے گناہ اور طاعت یکساں ہو جائے۔ نیز فرمایا کہ انکے (ہندوؤں) کے علماء تناسخ کے قائل ہیں۔ یہ درست ہے کہ جو شخص مرتا ہے اس نے پھر زندہ ہونا ہے لیکن یہ نہیں کہ مر کر وہ پھر دوسرے کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ کتا بن جاتا ہے بندر بن جاتا ہے سانپ بن کر پیدا ہوتا ہے بادشاہ پیدا ہوتا یا گدا بن کر نکلتا ہے۔ جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر نیک ہے تو اچھی صورت میں پیدا ہوگا اور بد ہے تو بُری صورت میں بلکہ انسان بھی نہ ہوگا۔ چونکہ وہ ہندو تھا ہم نے اس سے پوچھا کہ تم گوشت کیوں نہیں کھاتے۔ اس نے کہا کہ اسوجہ سے کہ جب جانور کا گوشت میرے پیٹ میں آئے گا تو میرے ساتھ دشمنی کرے گا۔ حالانکہ ان کے بزرگ یہ کہتے ہیں کہ جانور جب تک زندہ ہے باقی ہے جب مر جائے گا تو ختم ہو جائے گا اور کچھ بھی نہیں رہے گا۔ اس لئے مر جانے اور واپس آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے انکے نزدیک حشر و نشر، قیامت، حساب و کتاب جسکے ہم قائل ہیں کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کے علماء اور بزرگ کئی بار میرے پاس بحث و

مباحثہ کی خاطر آئے اور عہد کیا کہ جس شخص کا دعویٰ سچا ثابت ہو دوسرا شخص اس کا اتباع کریگا۔ چنانچہ جب یہ عہد ہو گیا تو میں نے ان سے کہا کہ پہلے آپ بات کریں۔ انہوں نے کہا نہیں پہلے آپ شروع کریں۔ میں نے انکی سنسکرت کی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور ان کے افسانوں سے واقف تھا سب کچھ ان کے سامنے بیان کر دیا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ واقعی یوں ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنا دین پیش کیا اور دونوں کا مقابلہ کیا اور اپنے دین کی حقانیت کو ثابت کر دیا اس سے وہ بہت حیران ہوئے۔ گریہ طاری ہوا اور میرے قدموں پر سر رکھ دیا۔ جس طرح وہ بت کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح میرے سامنے سجدہ کیا۔ میں نے کہا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہمارے درمیان یہ شرط تھی جس کی بات سچی ثابت ہو جائے دوسرا اس کو تسلیم کریگا اور اس کا مذہب اختیار کریگا۔ کسی نے کہا کیا کروں میرے بال بچے اور کاروبار ہے۔ کسی نے کہا ہم اپنے بزرگوں کی روش کو کس طرح چھوڑ سکتے ہیں جو کچھ ہے ٹھیک ہے۔ جو حشر انکا ہوگا ہمارا بھی ہوگا۔ ان میں سے ایک دعویدار مقام سامانہ سے میرے پاس بحث و مباحثہ کی خاطر آیا میں نے اسکے سامنے بھی یہی شرط رکھی اور اس نے تسلیم کر لی۔ میں نے اپنا بیان شروع کیا اور وہ قائل ہو گیا۔ لیکن یہ کہا کہ آپکی باتوں کو میں اپنے کشف کے ذریعے دیکھونگا اگر سچی ثابت ہوئی تو آپکی بات مان لونگا۔ اس سے مجھے تعجب ہوا کیونکہ ہمارا کشف کا طریق الگ ہے اور کافروں کو ایمان کے بغیر صحیح کشف نہیں ہوتا آخر میں نے یہ خیال کیا کہ چونکہ وہ عبادت گزار آدمی ہے اسکا دل صاف ہو چکا ہے اگر وہ ہمارے دین کی عظمت کا مشاہدہ کر لے تو مان لے گا۔ چنانچہ میں نے اسکو کچھ پڑھنے کیلئے بتایا۔ علی الصبح وہ پہنچ گیا اور سر زمین پر رکھ کر کہنے لگا کہ جسطرح اپنے بتایا تھا میں نے کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں بیٹھا ہوا ہوں جو بے حد تنگ و تاریک ہے۔ اور مجھ پر اسقدر وحشت طاری ہوتی ہے کہ ہاتھ پاؤں مارتا ہوں لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا۔ نیز یہ دیکھتا ہوں میرے اردگرد سانپ' بچھو ہزار پا' اور دیگر موزی جانوروں کا ہجوم ہے۔ میں نے وہاں سے دیکھا کہ کچھ دور ایک نہایت ہی فراخ' پاک وصاف اور منور مقام ہے جہاں ایک چبوترہ ہے جو مختلف قسم کے فروش سے آراستہ ہے اور اس پر بڑی شان و شوکت' عظمت' نظافت اور لطافت سے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں دیکھ کر آپکو آواز دیتا ہوں کہ مجھے بھی اپنے پاس بلا لیں۔ اور اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اپنی اس جھونپڑی کو توڑ دے اور میرے

پاس آ جا۔ یہ سن کر میں نے کہا اب کہو کیا کہتے ہو۔ اب مسلمان ہو جاؤ۔ اور میرے تابع ہو جاؤ۔ اس نے کہا میرا ارادہ ہے کہ سالانہ واپس جاؤں۔ میں نے نئی شادی کی ہوئی ہے اسے بھی لے آؤں۔ میں نے کہا تم بھاگنا چاہتے ہو ہرگز واپس نہیں آؤ گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ وہ چلا گیا اور واپس نہ آیا۔

قدیم الایام ہندوؤں کی رسمِ نکاح

اس کے بعد فرمایا کہ قدیم الایام میں ان لوگوں کے درمیان نکاح کی رسم نہیں تھی۔ ان کے ہاں جب لڑکی بالغ ہوتی تو جہاں چاہتی جا کر اپنی مراد حاصل کر لیتی تھی۔ انکے ہاں پانچ برہمن دیو (اوتار) ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ یدھشٹر، بھیم، ارجن، نکل، سہویو۔ اور پنتھلی اور سیوراج ایک باپ سے نہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک کا باپ معلوم نہیں کہ کون تھا۔ انکی ماں کا نام کونتا تھا۔ اسکے ہاں چھٹا بیٹا بھی پیدا ہو گیا۔ جسکی وجہ سے وہ اپنے بیٹوں سے شرمسار تھی کہ اب تک بچے جننے سے باز نہیں آئی۔ اس بچے کا نام اس نے کرن رکھا ایک دن اسے کپڑے میں لپیٹ کر دریا پر گئی اور پانی میں ڈال دیا۔ پانی میں بہتا ہوا وہ شاہی محل سے جا لگا۔ بادشاہ نے اسے دیکھ کر منگوا لیا۔ اور کھول کر دیکھا تو وہ ایک لڑکا تھا۔ بادشاہ نے اسے بیٹا بنا لیا اور بیٹوں کی طرح اسکی پرورش کی۔ جب وہ بڑا ہوا تو اسقدر قومی اور طاقتور تھا کہ کوئی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ اسے کہتے تھے کہ تمہاری طاقت اور قوت سے معلوم ہوتا ہے کہ تو اس بادشاہ کا بیٹا نہیں ہے[1]۔ وہ اس قدر طاقتور تھا کہ پہاڑ کی چٹان کو آسانی

---

[1] یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسی طرح رام چندر جی کا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے قصے سے مشابہ ہے۔ نیز لفظ برہمن اور ابراہیم بھی آپس میں مشابہ ہیں۔ ہندو مائتھالوجی میں اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں جن سے ان کے یہودی الاصل ہوئے کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز آج کل کی ریسرچ سے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہندو لوگ دراصل یہودیوں کے وہ دس قبائل ہیں جو ہر جگہ ظلم و ستم سے ڈر کر ہندوستان فرار ہو گئے۔ اور اپنا نام و نسل ترک کر کے دوسرا نام اختیار کر لیا۔ ڈاکٹر آئن سٹائن، پنڈت برج ناتھ، اور دیگر ماہرین علم آثار قدیمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت مولانا سیّد محمد ذوقی شاہؒ نے اپنی کتاب نیو سرچ لائٹ آن ویدک ایرینز میں ثابت کر دیا ہے کہ ہندو لوگ یہودی الاصل ہیں۔ چونکہ انبیاء علیہ السلام کے قتل کے سزا میں ان پر جہاں جاتے تھے۔ پھٹکار اور ظلم و ستم ہوتے تھے۔ وہ اپنے وطن مالوف یعنی شرق وسطی کو ترک کر کے ہندوستان آئے اور یہاں بھیس بدل لیا۔ لیکن اپنے عادات و خصائل نہ بدل سکے۔ جسطرح یہودی لوگ سود خوری، گاؤ پرستی اور چھوت چھات میں مبتلا تھے یہ لوگ بھی بعینہ ان ہی رسومات کے پابند ہیں۔ شروع میں گاؤ پرستی یہودیوں کے سردار سامری نے شروع کی تھی اور قرآن مجید کے مطابق اسکو یہ سزا ملی کہ وہ نہ کسی کو ہاتھ لگا تا تھا نہ ہاتھ لگنے دیتا تھا ورنہ بخار میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ یہاں سے گاؤ پرستی اور چھوت چھات کی ابتداء ہوئی جو ہندوؤں میں آج تک جاری ہے۔ کتاب نیو سرچ لائٹ آن ویدک ایرینز۔ بزم اتحاد المسلمین 80 بی طارق روڈ لاہور کینٹ سے مل سکتی ہے۔

سے اٹھالیتا تھا لیکن اسکی خوراک کیا تھی لوہے کے گھڑے میں پانی بھر کر سارا دن وہی پیتا رہتا تھا۔ ہر شخص اسے یہ کہتا تھا کہ تو کونتا کا بیٹا ہے اور تمہارے پانچ بھائی ہیں۔ اس لئے اس نے سفر اختیار کیا اور انکے پاس پہنچا۔ پہلے وہ ایک بت خانے میں وارد ہوا۔ جسکا نام مہریتی تھا۔ اور بت خانے کے اندر بیٹھ گیا تا کہ جو شخص آئے اس سے حال دریافت کرے۔ اتفاق سے سب سے پہلے اس کی والدہ کونتا بت پرستی کیلئے آئی۔ اس نے اسکا تہ بند پکڑ لیا گویا کہ اسے اتارنا چاہتا ہے۔ کونتا نے سختی سے دامن چھڑوالیا اور باہر چلی گئی۔ اس نے جا کر بھیم سے شکایت کی۔ اور بھیم وہاں چلا گیا۔ کرن نے بھیم کا تہ بند بھی پکڑ لیا۔ اس سے دونوں کے درمیان لڑائی ہو گئی اور کرن نے بھیم کو زمین پر دے مارا۔ بھیم نے کہا مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اتنا طاقتور ہے۔ اسلیئے میں غافل رہا۔ اب مجھے زمین پر گراؤ تو تجھے مرد سمجھوں گا۔ چنانچہ دونوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ اس دفعہ بھیم نے کرن کو نیچے گرا دیا۔ اور اسکے سینہ پر بیٹھ کر کہنے لگا کہ ہم پانچ بھائی ہیں تم اب ہم سے نہیں بچ سکتے۔ کرن نے کہا تمہارے بھائیوں کے نام کیا ہیں۔ اسنے نام بتائے اور واپس آ کر اپنی ماں کونتا سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ ہم پانچ بھائیوں کے علاوہ تم نے کوئی اور بیٹے کو بھی جنم دیا ہے۔ پہلے اس نے انکار کیا۔ جب بھیم نے بہت اصرار کیا تو اس نے تسلیم کر لیا کہ ہاں۔ بھیم نے کہا تم نے بڑی بلا کو جنم دیا ہے۔ اس بلا کو ہندو لوگ کو ہیچ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جسکے ہاں یہ پیدا ہوا اس کے سامنے کوئی نہیں جا سکتا نہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اب اس بلا کا کس طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا اسکے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ بارہ دن اور رات بارش میں ننگا کھڑا رہے اور بارش برداشت کرے۔ دوسرا یہ کہ بارہ سال سفر کرے۔ ماں نے یہ مشورہ دیا کہ اگر تم بارہ دن بارش میں کھڑے رہو گے تو مر جاؤ گے۔ اسلئے سفر اختیار کرو۔ چنانچہ انہوں نے سفر اختیار کیا اور شہر شہر پھرتے رہے۔ آخر ایک شہر میں پہنچے۔ وہاں کے بادشاہ پرکھت نے ایک مہمان خانہ بنایا ہوا تھا۔ اس مہمان خانہ میں ایک لوہے کی چارپائی پڑی تھی جس پر لوہے کی تیر و کمان رکھی تھی اور ایک چھوٹا سے نشانہ بال کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ جب ارجن اندر آیا تو صورت حال دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ انتظام مجھ جیسوں کے لئے کیا گیا ہے۔ اس نے کمان اٹھائی اور ایسا تیر کھینچ کر لگایا کہ نشانہ کے پار ہو گیا۔ جب بادشاہ کو اسکا علم ہوا تو اس نے اپنی شہزادی کی شادی اسکے ساتھ کر دی۔ بھیم نے اپنی والدہ کے پاس جا

کر کہا کہ ارجن کی شادی بہت اچھی جگہ پر ہوگئی ہے۔ انکی ماں نے حکم دیا کہ اس عورت کو پانچوں کی بیوی سمجھو اور باری باری اسکے پاس جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔

عشاء کے بعد اس کمترین بندگان نے عرض کیا کہ کیا صحابہ کرامؓ میں سے کسی صحابی کو بزدلی سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ تاریخ میں آیا ہے کہ جنگ احزاب کے دوران جب ایک دشمن گھوڑے پر سوار ہو کر مستورات کے قلعہ کے نزدیک آیا تو آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت بی بی صفیہؓ نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ اسے قتل کردو لیکن وہ قتل نہ کر سکے[1]۔ اور بی بی صاحبہ نے خود اُوپر کھڑے ہو کر اسکے ایسا نیزہ [2] مارا کہ دشمن گر کر مر گیا۔ دوسری بات یہ ہے جنگ احد میں رسول خدا ﷺ نے حضرت سعد بن وقاص سے فرمایا کہ **ارم فداک امی وابی** (تیر مارو اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں) اور حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ **اهجم فان روح القدس معک** (اے حسان قریش کی ہجو میں شعر لکھو۔ جبرائیلؑ تمہارے ساتھ ہے) اس سے ظاہر ہے کہ جس کام کے کوئی لائق ہوتا ہے وہی کام اسکے سپرد کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک شاعر سے یہی کام ہو سکتا تھا۔

حرمت شراب

اس کے بعد حرمت شراب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا شراب کی حرمت اس وجہ سے آئی ہے کہ اس سے قانون کی خلاف ورزی اور عقل میں فتور واقع ہوتا ہے۔ بلکہ شراب کو حرام قرار دینے کیلئے عقل کا فتور ہی کافی وجہ تھی اس پر اس کمترین بندگان نے شراب کی ممانعت کا قصہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک دفعہ بندش شراب سے قبل حضرت امیر حمزہ نے شراب میں مست ہو کر حضرت بی بی فاطمہؓ کی سانڈنی کو زخمی کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اسکی شکایت رسول خدا ﷺ سے کی۔ آنحضرتؐ اٹھ کر امیر حمزہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ شراب کے نشے میں چور بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں۔ اسوقت آنحضرت ﷺ نے ان کو کچھ نہ کہا اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علی یاد رکھنا ایک دن فاطمہؓ کی سانڈنی کا زخم حمزہ کو سزا دیگا۔ جب جنگِ احد میں حضرت امیر حمزہ شہید ہوئے تو

---

1 مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت حسانؓ ایک بیماری میں مبتلا تھے جسکی وجہ سے انکو جنگ احزاب سے مستثنیٰ کر کے مستورات کے پاس چھوڑا تھا۔

2 بعض تواریخ میں نیزہ کی بجائے پتھر لکھا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے علی تم نے دیکھا فاطمہ کی سانڈنی کے زخم نے حمزہ کے ساتھ کیا کیا۔ علاوہ ازیں ایک دفعہ چند مہاجرین و انصار یکجا شراب پی رہے تھے کہ یکایک بگڑ گئے اور ایک دوسرے پر تلوار تان لی۔ اگر اس پر بروقت قابو نہ پالیا جاتا تو عظیم قتل و غارت ہوتی۔ ان دو واقعات کے بعد پہلے یہ آیت نازل ہوئی کہ **لا تقربو الصلواۃ و انتم سکارا** (جب تم شراب میں مست ہوتو نماز کے قریب مت جاؤ) اس پر صحابہ میں سے ارباب عقل وفہم کو معلوم ہو گیا کہ اب شراب کی بندش کا وقت آ گیا ہے کیونکہ دن میں پانچ وقت نماز فرض تھی اور ایک دفعہ شراب پینے کا اثر دیر تک رہتا تھا۔ اگر ظہر کے بعد پی جائے تو عصر کے وقت اسکا نشہ کیسے دور ہو سکتا تھا اور اگر چاشت کے وقت پی جائے تو ظہر کیسے ادا ہو۔ اسلئے بعض صحابہ کرامؓ نے اسی آیت پر شراب پینا پورے طور پر ترک کر دیا۔ اسکے بعد اسکی مکمل حرمت اور نجس ہونے کی آیت نازل ہوئی۔

روز یکشنبہ ۲۹۔ شعبان

کیا بیماری کو متعدی سمجھنا اور فال نکالنا جائز ہے

نماز ظہر کے بعد امراض کے متعدی ہونے (یعنی ایک سے دوسرے کو لگ جانے) اور فال نکالنے کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ **لا عدویٰ ولا طیرۃ فی الاسلام** (اسلام میں ایک دوسرے کو بیماری کا لگ جانا اور فال نکالنا نہیں ہے۔) یعنی بیماری کا ایک دوسرے کو لگ جانا اور پرندوں یا جانوروں کی آواز سے فال نکالنا یا اس بات کی فکر کرنا کہ فلاں نے کیا بات منہ سے نکالی اور کیا پیش آیا اس کے متعلق حضرت اقدس نے فرمایا کہ بات قطعی نہیں ہے۔ میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ یہ بات صحیح ہے دوسری حدیث میں دیکھا ہے کہ یہ نہیں ہوتا۔ دراصل اسلام میں اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے لایضاف الحکم الی العدویٰ (یعنی حکم الٰہی کو عدویٰ یا شگون کے ساتھ منسوب نہ کرے۔) کوئی بات صحیح نکلے یا غلط اسکو شگون پر نہیں بلکہ حکم خدا پر منحصر کرے یہ سمجھے کہ یہ فال اسلئے صحیح نکلی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا۔ اور اگر فال غلط نکلے تو یہ بھی اسی کے حکم سے غلط ہوا۔ جس طرح لوگ کہتے ہیں کہ انبت الربیع البقل (موسم ربیع نے سبزی پیدا کر دی) یہاں سبزی کو ربیع سے منسوب کرنا مجازی ہے۔ حقیقت میں اسکا پیدا کرنے والا اللہ ہے یعنی

انبت اللہ ابقل (اللہ نے سبزی پیدا کی۔) موسم ربیع میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس سے سبزی نکل آتی ہے۔ لہذا مجازاً سبزی نکالنے والا موسم ربیع اور حقیقتاً اللہ ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ فرّ من المجذوم کما تفرّ من الاسد (جذام یعنی کوڑھ کی بیماری والے سے اسطرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔) ایک اور حدیث میں ہے کہ الشوم فی ثلاث فی المراۃ والدار و الفرس (نحوست تین چیزوں میں ہوسکتی ہے۔ عورت میں، مکان میں اور گھوڑے میں۔) ایک اور حدیث میں ہے انا بایعنک فارجع [1] (تمہاری بیعت ہوگئی واپس جاؤ۔) ان احادیث سے عدویٰ کا اثبات نکلتا ہے۔ اور شک و شبہ مٹ جاتا ہے۔ عمل صالح سے جنت میں داخل ہونے اور ادویات سے صحت یاب ہونے کا یہی مطلب ہے۔ دراصل جنت میں داخل ہونا اور صحت پانا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ یہاں اسکو عمل صالح اور ادویات پر منحصر کرنا مجازاً صحیح ہے جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اشراب فی ثلثتہ القاس امراءُ و اشغی و اشھٰی و ابدا (تین سانس کے ساتھ پانی پینا آسان ہے، شفا دینے والا ہے اور خوش آنے والا ہے۔) میرے پاس ایک شیشے کی صراحی تھی جسمیں تھوڑا سا پانی آتا تھا۔ صوم دوام (روزانہ روزہ رکھنا) کے زمانے میں اسی پانی سے افطار کرتا تھا۔ وہ ایک ہفتہ میں ختم ہوتی تھی۔ حالانکہ اکثر روزے گرمی کے موسم میں رکھے جاتے تھے۔ اس حالت میں، ہم سب کام کرتے تھے۔ روزانہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی زیارت کو جاتے تھے۔ حضرت شیخ کی ہفتے میں چند بار زیارت کو جاتے تھے اور تعلیم کیلئے روزانہ جاتے تھے اور احباب کے ساتھ مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ کھانے پینے کی طرف کوئی رغبت نہ ہوتی تھی۔ اور نہ افطار کیلئے اضطراب لاحق ہوتا تھا۔ جب کوئی چیز باہر سے آجاتی تھی تو افطار کر لیتے تھے۔ (یعنی خود افطار کیلئے اہتمام نہیں کرتے تھے جس طرح آجکل دستور ہے۔)

روز دوشنبہ۔ ۳۰ شعبان

چاشت کے وقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی فتوحات (غیبی آمدنی) اور آپکی فیاضی اور سخاوت کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا خسرو خان نے جنکو تغلق بادشاہ کے ہاں

[1] یہ کلمات آنحضرت ﷺ نے برص کی بیماری والوں کو کہے اور جلدی رخصت کر دیا۔

قرب حاصل تھا ایک لاکھ تنکہ (روپیہ) حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ اسکے علاوہ انہوں نے پچاس ہزار روپے سید حسین کیلئے تیس ہزار ایک اور خادم کیلئے' ایک اور خادم کیلئے بیس ہزار' اور ایک ہزار اس غلام زادہ کیلئے ارسال کیا۔ حضرت شیخ نے ایک محفل سماع میں پچاس ہزار روپے خرچ کر دیئے اسی طرح ایک اور محفل میں پچاس ہزار خرچ کیئے۔ جب آپ کسی کو کچھ دینا چاہتے تھے تو خواجہ اقبال خادم کو حکم دیتے کہ اسکو دے دو۔ خواجہ اقبال جیب میں ہاتھ ڈالتے تھے اور جو کچھ ہاتھ میں آتا تھا۔ دو چار' پانچ روپے نکال کر دے دیتے تھے۔ ایک شخص کیلئے حضرت شیخ نے دو ٹوکرے کھجور کا حکم دیا اور فرمایا کہ خواجہ اقبال کمرے میں جاؤ۔ دو ٹوکرے اسکو دے دو باقی جو کچھ بچ رہے تم لے لو۔ خواجہ اقبال نے اندر جا کر دیکھا تو پورا کمرہ کھجور سے پُر نظر آیا۔ دو ٹوکرے اس آدمی کو دیئے اور باقی خود اٹھالیا۔

حضرت اقدس جس دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ' کے مزار کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے تھے راستے میں فاحشہ عورتوں کا مجمع لگ جاتا تھا۔ حضرت اقدس انکو کہلا بھیجتے کہ سایہ میں بیٹھ جاؤ۔ حضرت شیخ نے ہر ایک کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور انکو مل جاتا تھا۔ راستے میں کھڑے ہو کر وہ سلام کرتی تھیں۔ اور حضرت شیخ حکم دیتے تھے کہ انکے وظائف ادا کر دیئے جائیں۔ عرسوں کے موقعہ پر بھی انکے وظائف نقد و اشیاء کی صورت میں مقرر تھے۔ کسی کے لئے دو عطیے اور دو روپے کسی کے لئے ایک عطیہ اور ایک روپیہ' ایک دن خواجہ ابو کو جو خواجہ اقبال کے رشتہ دار تھے خواجہ اقبال نے ایک عطیہ اور ایک روپیہ دیا کہ فلاں طوائف کو دے دو۔ جب انہوں نے جا کر وہ وظیفہ اسے دیا تو اس نے دامن پکڑ لیا اور کہا میرے لئے دو عطیات اور دو روپے مقرر ہیں۔ باقی تم خود لے رہے ہو۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے خواجہ اقبال نے یہی کچھ دیا ہے۔ آخر بمشکل اس سے نجات پا کر واپس آیا اور خواجہ اقبال سے ماجرا بیان کیا۔ اسکی بات حضرت شیخ نے اوپر سے سن لی۔ (آپ اوپر بالا خانہ میں رہائش رکھتے تھے) اور دریافت فرمایا کہ لالا ابو کیا کہہ رہا ہے۔ خواجہ اقبال نے کہا کہ فلاں طوائف نے یہ کہا ہے۔ فرمایا اسکے لئے دو عطیات اور دو روپے مقرر ہیں پورا ادا کر دو۔ فرمایا ایک دن حضرت شیخ نے دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے ایک عورت کنوئیں سے پانی نکال رہی ہے۔ آپ نے اسکے پاس جا کر پوچھا کہ اے خاتون تو دریا کے کنارے پر کھڑی کیوں اسقدر مشقت کر کے کنوئیں سے پانی نکال رہی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا خاوند غریب آدمی

ہے۔ چونکہ دریا کے پانی سے بھوک زیادہ لگتی ہے میں کنوئیں سے پانی نکال کر لے جاتی ہوں کیونکہ ہمارے پاس کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ جونہی حضرت شیخ نے یہ بات سنی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور خواجہ اقبال کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمارے قصبہ غیاث پور میں یہ عورت اسقدر غریب ہے بھوک کے خوف سے دریا کا پانی نہیں پیتی۔ فوراً جاؤ اور اس سے معلوم کرو کہ روزانہ تمہارے گھر کا خرچ کیا ہے۔ اور جو کچھ وہ بتائے ہر ماہ اسکو باقاعدگی سے دے دیا کرو۔ انہوں نے اسکے گھر پر جا کر دریافت کیا۔ اس نے جسقدر بتایا۔ حضرت شیخ نے حکم دیا کہ انکو دیدیا کرو اور انکو کہہ دو کہ دریا کا پانی پیا کرو۔

اسکے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت شیخ بالاخانہ سے نکل کر باہر دھوپ میں ننگے پاؤں کھڑے ہوگئے اور جب تک آگ نہ بجھی آپ بدستور کھڑے رہے۔ اسکے بعد خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ تمام گھروں کو گن کر آؤ اور ہر گھر کیلئے دو روپے نقد اور دو خوانچے طعام اور ایک گھڑا ٹھنڈے پانی کا لے جاؤ۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور تمام مصیبت زدہ لوگوں کے لئے جیسا کہ فرمان ہوا تھا اشیاء مہیا کر دیں۔ اس زمانے میں دو تنکہ یا دو روپے کی اتنی قدر و قیمت ہوتی تھی کہ جہیز کیلئے کافی ہو جاتے تھے بلکہ کچھ بچ بھی جاتا تھا اور ایک خوانچہ طعام سے پورا گھرانہ کھانا کھاسکتا تھا۔ اور ٹھنڈے پانی کا گھڑا بھی بہت مرغوب چیز تھی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرے شیخ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان جسکا چہرہ چاند کی طرح خوبصورت تھا میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ **وما ارسلناک الاّ رحمتہ للعلمین** (اے پیغمبر ﷺ ہم نے آپکو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) یہ خطاب سن کر میں نے شرم کے مارے سر نیچا کر لیا کیونکہ یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کیلئے مخصوص ہے۔ بندۂ نظام کون ہے کہ اس خطاب سے مخاطب کیا جائے۔ میں نے بار بار سر نیچا کیا اور اس نے بھی ہر بار آ کر اسی خطاب سے مجھے مخاطب کیا کہ **وما ارسلناک الا رحمتہ للعلمین**۔

مذمتِ دنیا و اہلِ دنیا کے بیان میں

اس کے بعد مذمت دنیا اور اہل دنیا کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت حاتم اصمؒ اکثر سفر پر رہتے تھے۔ بغداد میں ایک تاجر تھا جو مسافروں کو اپنے ہاں ٹھہراتا تھا اور خدمت کیا کرتا تھا۔ حضرت حاتم بھی اسکے ہاں ٹھہر گئے۔ ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سوداگر پریشانی کی حالت میں گھر

سے باہر جارہا ہے۔آپ نے پوچھا کہ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں۔اس نے جواب دیا کہ قاضی محمد مقاتل ایک بڑے عالم، بزرگ اور صاحب فتوت ہیں وہ بیمار ہیں انکی عیادت کیلئے جارہا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ جس قسم کے انسان کا تم ذکر کررہے ہو مجھے بھی چاہیے کہ انکو ملوں۔چنانچہ وہ بھی تاجر کے ساتھ چلے آئے۔قاضی کے گھر جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ شاندار محل ہے۔اس میں رنگ رُنگ کے گچ چونہ سے بنے ہوئے محراب ہیں۔جب اندر داخل ہوئے تو قسم و قسم کے قالین بچھے ہوئے تھے جن پر ہر قسم کے بیشمار آدمی بیٹھے تھے۔ذرا آگے گئے تو ایک اور صحن دیکھا وہ بھی خوب آراستہ و پیراستہ تھا۔اور لوگوں کا ہجوم تھا۔اس سے آگے بڑھ کر صفہ میں داخل ہوئے جہاں بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔قاضی صاحب ایک بڑے تخت پر لیٹے ہوئے تھے اور انکے گرد لوگ بیٹھے تھے۔تاجر نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملائے اور طبع پرسی کی۔انہوں نے تاجر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس کے بعد حضرت حاتم اصمؒ نے آگے جاکر قاضی سے ہاتھ ملائے۔اور طبع پرسی کی۔قاضی نے انکو بھی بیٹھنے کیلئے کہا۔لیکن وہ نہ بیٹھے اور کھڑے رہے۔قاضی نے دوبارہ بیٹھنے کو کہا۔انہوں نے کہا۔میں ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔قاضی نے کہا کیا مسئلہ ہے۔انہوں نے کہا ذرا اٹھ کر بیٹھ جائیں کیونکہ یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔قاضی صاحب تکلف سے اٹھے اور تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔حضرت حاتم اصمؒ نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کوئی ایسی حدیث دیکھی ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ آنحضرت ﷺ ایک ایسے شاندار محل میں رہتے تھے جس میں فرش، قالین اور طرح طرح کی زیبائش کا سامان تھا۔قاضی نے کہا استغفراللہ رسول خدا ﷺ نے کبھی اس قسم کی زندگی بسر نہیں فرمائی۔حاتمؒ نے فرمایا یا علماء سوء بمن اقتدیتم بفرعون وقارون ام بمحمد واصحابہ (اے علماء سوء کیا تم فرعون اور قارون کی سنت پر عمل کرتے ہو یا محمدؐ اور اس کے اصحاب کے سنت پر۔) کیا تم لوگ دین محمدؐ کے رہنما ہو یا رہزن ہو۔امراء، سلاطین اور عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علماء ہیں جو کچھ یہ کرتے ہیں۔رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام نے یہی کیا ہوگا۔اس لئے وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تم کرتے ہو۔لہذا لوگوں کو گمراہ کرنے والے تم ہو۔تم خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہو۔یہ سن کر قاضی کی بیماری میں اضافہ ہوگیا۔جب یہ واقعہ بغداد میں مشہور ہوا تو لوگوں نے حضرت حاتم اصمؒ سے کہا کہ جس قسم کا عالم آپ چاہتے ہیں وہ رقاشی ہے جو شہر رے میں رہتا ہے اور یہاں سے بہت دور ہے۔چنانچہ انہوں نے رے کا سفر اختیار کیا اور رقاشی کے

جماعت خانہ میں پہنچ کران کو باہر طلب کیا۔رقاشی نے کہلا بھیجا کہ اندر آجائیں۔انہوں نے کہلا بھیجا کہ شریعت کا مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں اور ابھی واپس جانا چاہتا ہوں۔آپ باہر تشریف لائیں۔ چنانچہ رقاشی باہر آئے اور مصافحہ کے بعد حضرت حاتم نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے وضو کرنا سیکھوں۔پانی کا لوٹا منگوایا گیا اور حضرت حاتمؒ نے وضو کرنا شروع کیا۔پہلے ہاتھ دھوئے۔اسکے بعد تین دفعہ کلی کی اور پانی لیکر چوتھی بار کلی کرنے لگے تو رقاشی نے کہا چوتھی بار کلی مت کرو یہ اسراف ہے۔حاتم نے کہا یا شیخ آپ پانی کی ایک کلی کو تو اسراف بتا رہے ہیں اور یہ جو شاہی لباس آپ نے زیب تن کر رکھا ہے اور یہ شاندار مکان اور سامان آرائش' کیا یہ اسراف نہیں ہے اور پانی کا ایک گھونٹ اسراف ہے۔یہ سنکر رقاشی بہت شرمندہ ہوا اور گھر کے اندر داخل ہوکر چالیس دن یا ایک مہینہ کسی کو منہ نہ دکھایا۔آخر کار تارک ہوا اور راہ خدا اختیار کی۔

دعا اور اس کے اثر کے بیان میں

دعا اور اسکی تاثیر کا ذکر ہو رہا تھا۔ارشاد فرمایا کہ دعا کے قبول ہونے میں شک نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ یقین رکھے میری دعا ضرور قبول ہوگی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ' عشاء کے بعد مسجد سے گھر تشریف لے جا رہے تھے۔راستے میں ایک آدمی ملا جس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا اور رو رہا تھا۔حضرت علیؓ کو اس پر ترس آیا اور اسکے کٹے ہوئے ہاتھ کو لیکر اپنی جگہ پر رکھا ارو کچھ پڑھ کر دم کیا تو ہاتھ جُڑ گیا۔اس سے وہ آدمی بہت خوش ہوا اور نہایت عجز وانکسار سے دریافت کیا کہ آپ نے جو کچھ پڑھا ہے۔مجھے بھی بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے۔وہ خوش ہوکر گھر چلا گیا اس خیال سے جب بھی میرا ہاتھ کاٹا جائیگا فاتحہ پڑھکر ٹھیک کر لونگا۔چنانچہ اس نے دوسری بار چوری کی اور اسکا ہاتھ پھر کاٹ دیا گیا۔اب اس نے فاتحہ پڑھا لیکن ہاتھ ٹھیک نہ ہوا دوسری بار پڑھا پھر بھی ٹھیک نہ ہوا۔روتا ہوا حضرت علیؓ کے پاس آیا اور عرض کی کہ حضور میرا ہاتھ پھر کٹ گیا ہے۔میں نے کاٹا ہوا ہاتھ اپنی جگہ پر رکھ کر فاتحہ پڑھا لیکن ٹھیک نہیں ہوا۔خدا کیلئے مجھے سچ بتائیں کہ فاتحہ کے ساتھ آپ نے اور کیا چیز پڑھی تھی۔آپ نے فرمایا کہ میں نے تو صرف فاتحہ پڑھی تھی۔دراصل تمہیں فاتحہ پڑھنی نہیں آتی۔فرمایا اب کی دفعہ تمہارا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا تو کیا چوری سے باز آجاؤ گے۔اس نے کہا جی ہاں باز آجاؤں گا۔آپ نے اسکا کٹا ہوا ہاتھ اپنی جگہ پر رکھا اور فاتحہ پڑھی جس سے ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔اس سے ثابت

ہوا کہ دعا کے ساتھ اخلاص، قبولیت کی امید اور یقین ضروری ہے۔ دعا کا اثر شرائط کے بغیر نہیں ہوتا۔

سبب مرض

نماز ظہر کے بعد امراض کے وجوہات کا ذکر ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ وہ امراجو کسی اندرونی خرابی کے بغیر لاحق ہو جاتی ہیں انکا خارجی (بیرونی سبب معلوم کرنا چاہیے کہ آیا عشق کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے یا سحر اور جادو کی وجہ سے۔ حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ[1] کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوریؒ کا پیشاب ایک نصرانی طبیب کے پاس لایا گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ یہ پیشاب اس شخص کا ہے کہ جسکا جگر عشق الٰہی میں جل کر خاکستر ہو چکا ہے۔ اور پھر مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضرت ابو علی فارمدیؒ نے لکھا ہے کہ اگر انصاف کی بات کی جائے تو انکا پیشاب میرے قول (یعنی تلقین) سے بہتر ہے[2]۔

عام لباس اور لاعلمی کیوجہ سے مشائخ پر ظلم

اسکے بعد لباس مشائخ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا پہلے مشائخ عظام کا لباس اور شکل و صورت عام لوگوں سے ممتاز اور جداگانہ نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب سے امام اعظمؒ کو وہ واقعہ پیش آیا مشائخ نے ممتاز اور جداگانہ لباس اختیار کر لیا[3]۔

خواجہ ابو تراب نخشبیؒ کی عام لباس کیوجہ سے بے حرمتی

ایک دفعہ حضرت خواجہ ابو تراب نخشبیؒ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص ملا جسکی گائے چوری ہو گئی تھی۔ چونکہ آپ عام لباس میں تھے۔ اس نے خیال کیا یہی چور ہے۔ اور پکڑ لیا۔ چونکہ آپ صوفی اور متوکل تھے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ خاموش کھڑے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس سے اسکے دل میں پختہ یقین ہو گیا کہ یہ چور ہے کیونکہ اپنی صفائی

---

1 حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ امام محمد غزالیؒ کے پیر تھے اور حضرت شیخ ابو یوسف دارائیؒ کے مرید۔ شیخ ابو یوسف دارائیؒ وہ ہستی ہیں جنکے ہاتھ پر چنگیز خان کا پوتا خازان بغدادی مسلمان ہوا اور بعد تربیت مقام ولایت کو پہنچا۔ انکا مزار روس کے شہر خازان میں ہے جو انکے نام سے مشہور ہوا ہے۔

2 یعنی ہماری پند و نصائح سے کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ لیکن سفیان ثوریؒ کا پیشاب دیکھ کر عیسائی حکیم مسلمان ہو گیا۔

3 افسوس ہے کہ احقر مترجم کو امام اعظمؒ کا واقعہ معلوم نہیں جسکا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ شاید عام لباس کیوجہ سے کوئی شخص لاعلمی سے بے ادبی سے پیش آیا ہو گا جیسا کہ حضرت شیخ ابو ترابؒ کی حکایت سے معلوم ہوتا ہے۔

پیش نہیں کر رہا۔ چنانچہ اس نے جوتا اتارا اور حضرت شیخ کی پیٹھ پر مارنا شروع کیا۔ آپ ہنستے رہے اور کچھ نہ کہا۔ اس سے اسکا گمان اور بھی زیادہ ہوا کہ اگر چور نہ ہوتا تو کیوں مار کھاتا۔ چنانچہ اس نے اور ضربیں لگائیں حتیٰ کہ سات مرتبہ جوتا مارا۔ اس اثنا میں ایک اور آدمی وہاں سے گزرا۔ جو حضرت شیخ کو جانتا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا گیا اور کہنے لگا کہ اے بدبخت' اے احمق' یہ خواجہ ابوتراب نخشبیؒ ہیں۔ تم کیا کر رہے ہو۔ جونہی اس نے آپکا نام سنا گھبرا گیا اور معافی کا طلبگار ہوا۔ حضرت شیخ نے فرمایا فکر مت کرو۔ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ میں تجھ سے نہیں بلکہ خدا سے سمجھتا ہوں مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ تجھ سے میں راضی ہوں۔ اس نے کہا اگر آپ میرے گھر چل کر کھانا کھائیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ چنانچہ آپ اسکے گھر پر تشریف لے گئے اور کھانا کھایا۔ اس نے سفید روٹی اور انڈا پیش کیا اور یہی وہ غذا تھی جسکی حضرت خواجہ کو بارہ سال سے خواہش تھی لیکن نفس کشی کی خاطر ترک کر رکھی تھی۔ لہذا آپ نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو تم نے سفید روٹی اور انڈے کی تمنا کی تھی۔ سات جوتے کھائے تب تمہاری خواہش پوری ہوئی اب خیال کرنا کوئی اور خواہش نہ کرنا ورنہ وہی سزا ملے گی۔

سلطان ابراہیم ادہم کا صبر

فرمایا ایک دفعہ سلطان ابراہیم بن ادہمؒ قافلے کے ساتھ ایک شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ امیر قافلہ نے حاکمِ شہر کو کہلا بھیجا کہ ہمارے ساتھ سلطان ابراہیم بن ادہمؒ ہیں۔ حاکم نے ہر طرف آدمی دوڑا دیئے تاکہ انکو لے آئیں اور وہ پابوسی حاصل کرے۔ آپ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے سر میں مٹی تھی' بال بکھرے ہوئے کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں ہیں۔ حاکم شہر کے آدمیوں میں سے ایک لڑکے نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو دیکھ کر پوچھا کہ سلطان ابراہیم کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اسکو مل کر کیا کرو گے وہ امت میں بدترین اور گنہگار ترین آدمی ہے۔ یہ سن کر اس لڑکے کو غصہ لگا اور کہنے لگا کہ او بے ادب تم سلطان الاولیا کو بدترین بتا رہے ہو شرم نہیں آتی۔ یہ کہا اور کئی چابک آپکی پیٹھ پر مارے۔ وہاں سے ایک آدمی کا گذر ہوا جو حضرت شیخ کو جانتا تھا۔ اس نے کہا۔ اے ظالم یہی تو سلطان ابراہیم بن ادہمؒ ہیں۔ یہ سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا اور معافی کا طلبگار ہوا۔ آپ نے فرمایا تم نے

مجھے چابک مارے ہیں اور مجھے ترقی ملی ہے۔ اسلئے ہم ایسے شخص کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ بد دعا نہیں کرتے۔ اور نہ رنج ہوتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا ہی اچھے دن تھے۔

فرمایا کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ روزانہ چمڑے کا پیرہن پہنے' گھڑا سر پر رکھ کر دریائے دجلہ پر پانی بھرنے جایا کرتے تھے۔ یہ آپ کے سلوک کا زمانہ تھا۔ ہمارے زمانے میں یہ باتیں کہاں میسر آتی ہیں۔

فرمایا میں ایک دن حظیرۂ شیر خان میں قیام کے دروان میں بازار سے سودا خریدنے گیا۔ ایندھن کی لکڑی فروش کے پاس گیا اور لکڑی طلب کی۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ کہاں آ گئے۔ بڑی کوشش کے بعد میں نے لکڑی خریدی۔ لکڑی کو بغل میں لیکر میں نان بائی کی دکان پر گیا اور شوربا طلب کیا۔ لوگ مجھے دیکھ کر گرد جمع ہونے لگے اور میں تماشا بن گیا۔ میں نے دل میں کہا سبحان اللہ! یہ کیا بات ہے۔ چونکہ میں ہجوم اور بازی گری نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے یہ کام ترک کر دیا۔

ایک درویش کی مار پیٹ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہم جامع مسجد میں بیٹھے تھے اور بارش ہو رہی تھی۔ عصر کے وقت میں مسجد میں بیٹھا رہا اور بے گاہ باہر آیا۔ باہر آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درویش جسکا نام شینان تھا لنگوٹی باندھے' سر پر ٹوپی اور باریک پیراہن پہنے سورج کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہے۔ کچھ نوجوان اسکے قریب سے گذر رہے تھے اور وہ ہنس رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھکر کہا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جو کام میں کر رہا ہوں اچھا نہیں بُرا کام ہے۔ آپکا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا کہاں میں اور کہاں حدیثِ عشق۔ اور یہ شعر پڑھا۔

بے صبح شبے خواہم کو راغم خود گویم   من گویم واُوخنند تنہا من وتنہا او

(ہر رات میں دلمیں کہتا ہوں کہ بے صبح یعنی طویل رات مل جائے تا کہ اپنے غم سے دوست کو آگاہ کر سکوں میں روتا ہوں اور وہ ہنستا ہے۔ وہ بھی تنہا ہے میں بھی تنہا۔) میری یہ بات سن کر وہ خوش ہوا اور کہنے لگا کہ آؤ یہاں بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر اسکے پاس بیٹھ گیا۔ یقین جانو کہ اس نے وہی اسرار و رموز بیان کرنا شروع کیئے جو قاضی عین القضات اور امام محمد غزالیؒ نے اپنی کتابوں میں بیان کیئے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ ایک دن میں اپنی ہمشیرہ کو لانے بیابان میں گیا ہوا تھا۔ اس روز

سلطان فیروز شاہ شکار کو گیا ہوا تھا۔ اور خلق خدا اس سے ملاقات کر رہی تھی۔ میں نے دور سے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے چند نوجوان اسی درویش شینان کو سخت چابک مار رہے ہیں۔ میں نے نزدیک جا کر اسکو پہچان لیا۔ وہ لوگ مجھے جانتے تھے گھوڑوں سے اتر کو مجھ سے ملے۔ میں نے ان سے کہا کہ اس درویش کو کیوں مار رہے ہو۔ انہوں نے کہا مخدوم جو کچھ یہ کہتا ہے اگر آپ سن لیں تو اسکا پیٹ پھاڑ دیں گے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس کی جان رہائی کراؤں۔ اس خیال کے آتے ہیں اس نے تیز نظر سے مجھے دیکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے میری تعریف کی تو میں اسکا ذمہ دار نہیں ہونگا۔ تم ہو گے۔ اسکے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ نہیں کہونگا وہ اسے مار رہے ہیں تو مارنے دو۔ پس میں دور ہو کر کھڑا ہو گیا اور وہ اسکو مارتے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو میں وہاں سے چلا آیا۔ معلوم نہیں انہوں نے اسکو کتنا مارا۔ واللہ اعلم۔

عشاء کی نماز کے بعد پیر کے خدّام' ملازمین اور متعلقین کی عزّت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ انکی عزّت کرنا بڑی سعادت اور موجوب ثواب ہے۔ جس کو یہ دولت نصیب ہو اسے چاہیے کہ اس کام میں مستعد اور ثابت قدم رہے تا کہ اسے سعادت نصیب ہو۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' کے اصحاب میں سے ہمارے خواجہ (یعنی خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) جس قدر ان کے متعلقین کی عزّت کرتے تھے اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔ اور ان لوگوں کا جور و جفا جس قدر ہمارے خواجہؒ نے برداشت کیا اور کسی سے نہ ہو سکا۔ تمام اصحاب میں سے جس قدر راثر ورسوخ' ثابت قدمی اور خلق خدا میں اعتماد ہمارے خواجہؒ کو حاصل تھا اور کسی کو نہیں تھا۔ آپ نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن اودھ میں حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ' کا قوال حسن میمندی اپنے ایک معشوق کے پیچھے پھر رہا تھا۔ اسکے معشوق نے اودھ کے ایک بزرگ کا بالا پوش دیکھ کر کہا کہ یہ مجھے چاہیے۔ حسن نے کہا کہ حضرت مولانا نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے سوا یہ بالا پوش اور کوئی نہیں دلا سکتا۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ فلاں بزرگ کا بالا پوش دلا دیجئے۔ میں نے حیران ہو کر کہا کہ ایک بزرگ کا لباس کیسے اتروا کر دلاؤں۔ خیر میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو وہ بزرگ کئی بار مجھ سے طلب کر چکے تھے لیکن میں نے نہیں دی تھی۔ وہ کتاب لیکر انکے پاس پہنچا اور انکے دروازے کے سامنے بیٹھ گیا۔ جب اس بزرگ نے سنا کہ مولانا محمود آئے ہیں حیران اور

پریشان ہو کر باہر آئے کہ میرے گھر پر کسطرح آ گئے۔ دوڑتے ہوئے انہوں نے میرے ساتھ مصافحہ کیا اور میں نے وہ کتاب انکے ہاتھ میں دے دی اس سے وہ مزید حیران ہوئے کہ میں نے کئی بار یہ کتاب مانگی تھی اور آپ نے نہیں دی تھی اب کیا وجہ ہے کہ آپ مجھے خود بخود دے رہے ہیں۔ میں نے کہا وہ بالا پوش جو پہن کر باہر گئے تھے مجھے لا دیں اور یہ کتاب لے لیں۔ انہوں نے فوراً بالا پوش مجھے لا کر دے دیا۔ دوسرے دن حسن میمندی آیا اور اسے لے گیا۔

خواجہ بایزیدؒ کا مجاہدہ

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ جنیدؒ کا زمانہ بھی خوب تھا۔ اس زمانے میں جنیدؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ اسی زمانے میں حضرت بایزید بسطامیؒ بھی تھے۔ ایک رات خواجہ بایزیدؒ سے تہجد کے وقت اٹھنے میں ذرا کاہلی ہوگئی۔ عجب حضرات تھے۔ انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ آخر یہ سستی کس وجہ سے ہوئی۔ بالآخر انکو یاد آیا کہ آج رات پانی کا ایک پیالہ مقدار سے زیادہ پیا اس لئے کاہلی لاحق ہوئی۔ چنانچہ اپنے نفس کو سزا دینے کی خاطر آپ نے چھ ماہ اور بعض روایت میں ہے کہ ایک سال تک پانی نہ پیا۔ جب ایک سال گذر گیا تو قبرستان میں جا کر بیٹھے اور دل میں خیال کر رہے تھے کہ ذرا سی کاہلی کی وجہ سے میں نے ایک سال پانی نہیں پیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اعرابی اونٹ پر سوار ہو کر آ رہا ہے۔ آپ نے نور باطن سے معلوم کر لیا کہ یہ شخص مقرب بارگاہ حق تعالیٰ ہے۔ حضرت خواجہ بایزیدؒ نے زمین کو اشارہ کیا کہ اسکے اونٹ کے پاؤں پکڑ لے زمین نے اونٹ کے پاؤں پکڑ لئے اور وہ چلنے سے رک گیا۔ اس مردِ اعرابی نے کہا کہ اے بایزید تو مجھے اپنی کرامت دکھا رہا ہے۔ میں نے اپنی ایک آنکھ جو باندھ رکھی ہے اگر کھولوں تو تجھے بسطام میں پھینک دونگا یہ کہہ کر روانہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ آج مجھے خداوند تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بایزید اِترا رہا ہے اسکی خبر لو۔

صاحبِ ولایت کی طاقت

اسکے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ابو سعید ابوالخیرؒ کسی شہر میں وارد ہوئے۔ شہر کے دروازے پر ایک دیوانہ بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو نور باطن سے معلوم ہو گیا کہ یہ شہر اسکی ولایت میں ہے۔ اسکے پاس جا کر کہنے لگے کہ اے خواجہ اگر اجازت ہو تو آپکے شہر میں جاؤں۔ دیوانہ نے کہا بابا ابو سعید بیشک جاؤ

بشرطیکہ خیانت نہ کرو۔ خواجہ ابوسعید اندر چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم کسی مسکین پر ظلم کر رہا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ اسکو ظلم سے بچاؤں لیکن پھر یاد آیا کہ میں نے خیانت نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب تو خیانت ہوگئی۔ اسلئے واپس جا کر دیوانہ سے معافی طلب کی۔ اس نے کہا ابوسعید تم نے میری ولایت میں خیانت کی ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں خطا ہوگئی ہے۔ بخش دیجئے۔ اس نے کہا اب تجھے اختیار ہے کہ تم سزا اپنی حیات پر چاہتے ہو یا ایمان پر۔ یہ سن کر شیخ ابوسعید پر لرزہ طاری ہوا اور فوراً بول اٹھے کہ ایمان پر تو ہرگز سزا برداشت نہیں کرسکتا۔ حیات کے متعلق آپ خود جانیں۔ اس نے کہا تین دن کی مہلت ہے۔ اسکے بعد وہ گھر چلے گئے اور تین دن کے بعد جاں بحق ہوگئے۔

روز سہ شنبہ یکم رمضان المبارک

اس حدیث کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی کہ جب رسول اکرم ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ **اللھم انت الصاحب فی السّفر والخلیفته فی لاھل والولد** (یا اللہ تو میرا رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے میرے اہل وعیال کیلئے۔) یعنی تو میرے بعد باقی ہے کیونکہ ہمارا شہود فانی ہے اور تیرا شہود باقی اور دائم ہے۔ اس لئے تو ہمارا رفیق سفر اور والئی اہل وعیال ہے ہمارے بعد۔ جو شخص کسی کے بعد رہ جاتا ہے۔ اس پر لفظ خلیفہ کا اطلاق راست آتا ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ مجھ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے مولانا محی الدین کاشانی کے لئے جو خلافت نامہ لکھا تھا۔ اس میں یہ شرائط تھیں۔ **اِنّ فعلت ھذا فانت خلیفتی والاّ فا للہ خلیفتی علی المسلمین** (اگر تم نے یہ کام کیا تو میرا خلیفہ ہے ورنہ مسلمانوں پر اللہ میرا خلیفہ ہے۔) خدا تعالیٰ کو خلیفہ کہنے کا کیا مطلب ہے۔ اسکا مطلب بھی وہی ہے جو حدیث مذکورہ میں ہے یعنی تو دائم اور باقی ہے ہمارے بعد خلق کی اعانت وہدایت کیلئے۔ اگر تو ان شرائط پر جو میں نے لکھیں ہیں پابند رہے گا تو تو دعوت وہدایت خلق کیلئے میرا جانشین ہوگا۔ ورنہ یہ امر محقق ہے کہ خدا تعالیٰ میرے بعد ہادی خلق باقی ہے۔

ظہر کے بعد ایک دوست نے نہر والا سے خط لکھا کہ اگر میرے والدین منع نہ کرتے تو میں ضرور حاضر خدمت ہوتا۔ اس پر اس بندہ کمترین نے عرض کیا کہ۔

در ہر گامے ہزار بند افزون است   زیں گرم روی بند شکن مے باید

(ہر قدم پر ہزاروں رکاوٹیں ہیں۔اس ستم کوشی کی تمام رکاوٹیں توڑ دینا چاہیے۔) حضرت اقدس نے فرمایاہاں لیکن یہ تعلیم کسی کونہیں ملی ہے۔اس لئے نہ میں اسے بلاتا ہوں نہ اسکے آنے پر راضی ہوں اگر کسی کو شوق بھی ہوتو کیا کرے اس کو کوئی آنے ہی نہیں دیتا۔اگر آ بھی جائے تو ہر وقت پریشان رہے گا۔فرمایا کہ شروع میں جب میری والدہ حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں وہ میرے صوم دوام (مسلسل روزہ رکھنا) اور طے کے روزہ اور شب بیداری پر بالکل راضی نہیں تھیں۔چنانچہ میں نے اس بات کی شکایت حضرت پیرومرشد سے کی۔آپ نے فرمایا کہ مولانا فخر الدین زرادی[1] کی والدہ چاہتی تھیں کہ اسکی شادی انکے بھائی کی لڑکی سے ہو جائے۔اسکے بعد جب مولانا مذکور نے بیعت کر لی اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہو گئے تو لڑکی والوں نے کوشش شروع کر دی کہ یہ شادی جلدی کر دیا ہمیں اجازت دے دو کہ کسی اور جگہ اس کا کام کر دیا جائے۔ مولانا کی والدہ نے کہا کہ اگر تم یہ کام نہیں کرتے تو میں تجھ سے راضی نہیں ہوں گی۔اس پر مولانا بہت پریشان ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ چلو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں چلیں۔آپ میری طرف سے ان کی خدمت میں عرض کریں۔چنانچہ ہم حضرت خواجہ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ہم آپکی باتوں میں اس قدر مشغول ہوئے کہ وہ بات کہنا بھول گئے۔جب اٹھنے لگے تو مولانا نے یاد دلایا۔اور میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ مولانا فخر الدین حضور کے حکم کے تابع ہے ان کو کسی اور کی پرواہ نہیں ہے۔حضرت اقدس نے ایک جائے نماز عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ مولانا کی والدہ کیلئے ہے۔یہ انکو دے دو اور میرا اسلام دیکر یوں کہو کہ تم اسکی مادرِ نسبی ہو اور میں اسکا روحانی باپ ہوں۔جس طرح آپ کا فرمان بجالانا اس کے لئے ضروری ہے میرا حکم بجالانا بھی ضروری ہے۔جونہی ہم نے انکو جائے نماز دیکر وہ بات کہی انکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگیں کہ بابا فخر الدین میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے تم جانو اور فرمانِ شیخ۔جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے یہ حکایت تمام کی تو ایک جائے نماز مجھے عنایت فرمائی۔میں نے گھر جا کر وہ جائے نماز والدہ کو دی اور اُسی طرح حکایت

[1] مولانا فخر الدین زرادیؒ حضرت سلطان المشائخ کے اجل خلفاء میں سے تھے اور عشرہ مبشرہ یعنی آپکے دس نامور خلفاء میں شامل تھے۔

بیان کی۔ تو ہاہے ہائے کر کر رونے لگیں اور فرمایا کہ حضرت اقدس نے یہ جائے نماز اس لئے میرے پاس ارسال کی ہے کہ میں بھی تجھے ترک کر دوں اب میں تجھے رنجیدہ نہیں کرتی جو کچھ شیخ فرمادیں اسی طرح کرو۔ لیکن پھر بھی انہوں نے میرے ساتھ مزاحمت جاری رکھی۔ حتیٰ کہ جب مولانا علاؤ الدینؒ مولانا صدر الدین طبیبؒ اور مولانا جمال الدین مغربیؒ کی صحبت ملی تو والدہ ان سے اپنے مطلب کی بات کرتی رہیں۔ آخر جب حضرت پیر ومرشد کا وصال ہو گیا تو اس سے کئی سال بعد میرے حالات کے تجسس میں رہیں لیکن میری معتقد نہ ہوئیں (یعنی میرے کاموں کو قبول نہ کیا۔) بعض اوقات یہ کہتی تھیں کہ میں نے تمہارے والد اور بعض صوفیوں سے سنا ہے کہ درویشوں کو اسطرح ہونا چاہیے کہ بھنگ فروش کی دکان پر جا کر کچھ بھنگ کھالیں تا کہ لوگ ان سے بدظن ہو جائیں اور وہ یکسوئی کے ساتھ مشغول بحق رہیں۔ نیز وہ چند روز کے بعد مٹھی بھر چنے کھائیں۔ غرضیکہ درویشی بڑی مشکل چیز ہے ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن جب میرے حالات سے آگاہ ہوئیں تو قائل ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ جو کوئی اعتراض کرے اس کی بات نہ سنو۔ اور اپنے کام میں لگے رہو۔ تم میرے بیٹے ہو میں سترہ سال تک تیرے حال کے تجسس میں رہی اور اب جان گئی کہ جو کچھ میں نے حضرت شیخ فرید الدینؒ نظام الدینؒ اور نصیر الدینؒ کے متعلق سنا تھا تمہارے اندر وہی دیکھا ہے گویا جس نے تجھے دیکھا' انکو دیکھا۔ اسکے بعد وہ اپنے نہالچہ پر نہیں بیٹھتی تھیں بلکہ وہ میرے حوالہ کر کے خود ایک کونے میں چلی جاتیں۔

علامت صدق نبوت اہل بیت کا ایمان لانا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ صدق نبوت کی ایک علامت اہل بیت کا ایمان لانا ہے کیونکہ وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے تمام حالات' افعال واحوال سے خلوت وجلوت میں آگاہ تھے اگر خدانخواستہ آپ ﷺ میں کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو وہ ایمان نہ لاتے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایمان لانے والی انکی اہلیہ بی بی سارہ تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے آپکی اہلیہ حضرت بی بی خدیجہؓ تھیں جو آنحضرت ﷺ سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ شادی کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال اور حضرت بی بی خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ چالیس سال کی عمر

میں جب آنحضرت ﷺ پر نبوت کا ظہور ہوا تو اس سے پہلے پندرہ سال تک بی بی خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کے تمام حالات وواقعات کا ملاحظہ کرتی رہیں اور سب سے پہلے ایمان لے آئیں۔ اور اس شبہ کو بھی انہوں نے رفع کیا کہ رسول خدا ﷺ انسان ہیں فرشتہ نہیں۔ یہ کمترین بندگان عرض کرتا ہے کہ یہ تمام قصہ چودہ ماہ شعبان کی مجلس میں بیان ہو چکا ہے۔ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کے ہاں کسی اور گھر سے فرزند پیدا نہ ہوا سوائے حضرت بی بی ماریہ قبطیہؓ کے جن کے بطن مبارک سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ اور زمانہ نبوت میں سے پہلے جو دختر پیدا ہوئیں وہ حضرت بی بی فاطمہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے ہاں ایک اور فرزند بھی پیدا ہوئے جنکا نام عبد مناف تھا جو نبوت سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؓ بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے وصال پا گئے تھے۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ کی عمر نو سال تھی جبکہ آپکی شادی ہوگئی۔ اور اٹھارہ سال کی تھیں کہ جب رسول خدا ﷺ کا وصال ہوا۔

اس کے بعد شعر گوئی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ شعر گوئی میں الفاظ معانی اور صوت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اور جس قسم کا مضمون ہو اسکے لئے موزوں الفاظ اور مناسب صوت کا لحاظ رکھے۔ مثلاً اگر بیزاری، عجز وانکسار اور تضرع مقصود ہے تو اسکے لئے نہایت موزوں الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اور اگر عظمت، استغنا اور شان دکھانا مقصود ہے تو الفاظ اور صوت وسرود مناسب حال استعمال کرے۔ اسی طرح ناز و کرشمہ، عشوہ وغمزہ اور خدوخال کے بیان کیلئے اپنے اپنے الفاظ اور اصوات ہیں۔ ان کو منتخب کرنا چاہیے۔ فرمایا ایک دفعہ میرے پاس ایک درویش آیا جو سرود میں ممتاز تھا۔ حوضِ سلطان کے راستے پر ایک کنیز جا رہی تھی جس کے سر پر پانی کا گھڑا تھا۔ اور خوب آراستہ و پیراستہ اور ناز و انداز سے چلتی ہوئی گاتی جا رہی تھی۔ میں نے اس درویش سے کہا کہ کیا تم اس صورت کا پورا نقشہ کھینچ سکتے ہو۔ اس نے فی البدیہہ اشعار کہنا شروع کیے اور پورا نقشہ جما دیا۔

اس کے بعد فرمایا یہ دو اشعار بھی خوب ہیں۔؎

ماطبل مغاں دوش چہرے باک زدیم   عالی علمش برسرِ افلاک زدیم

از بہر یکی مغنچہ مے خوارہ   صدر بار کلاہِ توبہ برخاک زدیم

ترجمہ (کل رات ہم نے کس آزادی سے مستانہ سرود نوائی کی اور اپنے نغموں کو آسمان تک

پہنچادیا۔ایک مست محبوب مے فروش کی خاطر ہم نے سو دفعہ اپنی توبہ کو خاک میں ملا دیا۔)

شیخ بابو سنار کے گھر ایک دن ناقوس کی آواز پر لوگ رقص کر رہے تھے۔ انکا یہ رقص دہکتے ہوئے انگاروں پر تھا۔ میرے والد بھی ان میں شامل تھے۔ اس رات انہوں نے تقریباً سات سیر کوئلے استعمال کیئیے۔ لیکن میرے والد پر انکا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ انگاروں کو پاؤں کے نیچے بے فکری سے دباتے رہے۔ جب گھر واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ انکے پاؤں پر کوئی نشان بھی نہیں تھا۔ حتٰی کہ سیاہی بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریشم کے کپڑوں پر رقص کرتے رہے ہیں۔ شیخ بابو کا یہ دستور تھا کہ سماع میں آنکھیں بند کر کے رقص کرتے تھے۔ حتٰی کہ انکے پاؤں جواب دے جاتے تھے۔ جیسے سردی میں کوئی سُن ہو جائے۔ اسوقت انکی ناک اور منہ سے پانی بہتا تھا۔ کبھی کبھی لوگ انکے سر پر پانی ڈال دیا کرتے تھے۔ جس سے انکو افاقہ ہوتا۔ اسکے بعد وہ پھر رقص شروع کر دیتے تھے۔ اور لوگ کئی بار انکو باہر لا کر سر پر پانی ڈالتے تھے۔ لیکن ہمارے والد پر اس قسم کا کوئی تغیر نہیں آتا تھا۔ اور شروع سے آخیر تک خاموشی سے سرود سنتے رہتے تھے۔ شیخ بابو کے پاس ایک باطنی نعمت تھی۔ جو بعد میں ان سے چلی گئی اور کچھ باقی نہ رہا۔

سُلطان المشائخؒ کے اصحاب کا خلوص

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے اصحاب کے خلوص کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ میرے والد کہا کرتے تھے کہ حضرت شیخ کے اصحاب میں سے ایک بزرگ کی ٹوپی جو حضرت شیخ نے عنایت فرمائی تھی دریائے نربدا کو عبور کرتے وقت پانی میں غرق ہوگئی۔ اسکے ساتھ میری ٹوپی بھی غرق ہوگئی۔ اس کے بعد میں اپنے بال بچوں کی وجہ سے گھر چلا گیا لیکن وہ وہاں بیٹھے رہے۔ اس نے عہد کر لیا کہ نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیئوں گا بلکہ یہاں بیٹھا ہوا مَر جاؤں گا یا پھر حضرت شیخ ٹوپی دلا دیں۔ اسی حالت میں اسی پر غنودگی طاری ہوگئی اور کیا دیکھتا ہے کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں۔ اور وہی ٹوپی دے کر غائب ہوگئے ہیں۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شیخ نے پوچھا کہ کیا وہ حضرت شیخ خود تھے؟ آپ نے فرمایا' تمہارا خیال ہے کہ وہ مَر گئے ہیں۔ وہ تو صرف ہماری آنکھوں سے غائب ہوگئے ہیں۔ انکو موت نہیں آتی۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا شہاب الدین کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا ہے کہ ایک بزرگ کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے جنازے پر سات دن سماع کی مجلس قائم کرنا۔ اسکے بعد دفن کرنا۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ ساتویں دن وہ بزرگ اٹھے اور رقص کر کے جنازہ پر سو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے جنازے پر تین دن محفلِ سماع قائم کرنا۔ اسکے بعد مجھے دفن کرنا۔ اور یہ کام مولانا شہاب الدین کے ذمے لگایا کیونکہ شاید خادم لوگ اس پر عمل کریں یا نہ کریں۔ حضرت شیخ کی نماز جنازہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے پڑھائی۔ اسکے بعد مولانا شہاب الدین نے قوالوں کو بلایا اور حضرت شیخ رکن الدینؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت سلطان المشائخ نے یہ وصیت فرمائی تھی۔ انہوں نے فرمایا سماع شروع ہوتے ہی یہ جوان رقص شروع کر دے گا۔ جس سے جہان میں فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ خدا کیلئے یہ کام نہ کرو۔ مولانا شہاب الدین نے کہا حضرت شیخ نے وصیت کی تھی اور قیامت کے دن اسکا جوابدہ میں ہوں۔ جب حضرت شیخ کو دفن کر دیا گیا۔ تو سلطان محمد نائب جو باہر گئے ہوئے تھے نے بہت افسوس کیا کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں کی گئی۔ فرمایا اگر میں موجود ہوتا تو وصیت پوری کرنے سے پہلے شیخ کو دفن نہ کرنے دیتا۔ اگر وہ موجود بھی ہوتا اور حضرت شیخ کا جنازہ سر پر بھی اٹھا لیتا تو اس ہجوم میں اسکی کون سنتا اور کس کو معلوم ہوتا کہ بادشاہ کہاں ہے۔

عصر کی نماز کے بعد قوالوں کی بے وفائی کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے زمانے میں ایک قوال تھا جو ماہر تنبور تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوا تو لوگوں نے گھر سے نکال دیا کہ جاؤ گداگری کرو اور روزی کماؤ۔ شہر مہنہ [1] کے باہر قبرستان تھا۔ اس نے تنبور اٹھایا اور قبرستان میں بیٹھ کر بجانے لگا اس نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کی کہ خداوندا سالہا سال میں نے تیرے بندوں کے سامنے تنبور بجایا ہے۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرا کوئی خریدار نہیں رہا اب تو میرا خریدار بن جا۔ میں تیرے دروازے پر تنبور بجا رہا ہوں۔ اور تنبور کے ساتھ یہ رباعی گا رہا تھا۔

مقبول تو غیر مقبل جاوید نشد   وز لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نشد
عونت بکدام زرہ پیوست دمے   کان ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

(جسے تو نے قبول کیا وہ ہمیشہ کے لیئے مقبول ہو گیا۔ اور تیرے لطف و کرم سے کوئی بندہ محروم

[1] حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ مہنہ کے رہنے والے تھے جو خراسان میں ہے۔ مشہور شاعر انوری کا وطن بھی یہی تھا۔

نہ رہا۔ جس ذرہٗ ناچیز پر تیری نظر کرم ہوگئی وہ قدر و قیمت میں ہزار آفتاب سے بڑھ گیا۔)

اسی طرح ساری رات گذر گئی اور دن ہو گیا۔ اس نے تنبورہ سر کے نیچے رکھا اور سو گیا۔ اسی صبح کے وقت ایک شخص نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا۔ آپ کے خادم خواجہ حسن نے مودبانہ طریق سے عرض کیا کہ حضور یہ رقم خانقاہ کی خرچ کیلئے عنایت فرمائیے۔ شیخ نے فرمایا فی الحال رہنے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ فلاں قبرستان میں جاؤ وہاں ایک تنبور نواز تنبور سرہانے رکھے سو رہا ہے۔ اسے کہو کہ خدا تعالیٰ نے تیری تنبور انوازی کو قبول فرمایا ہے۔ اور تجھے سلام دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لے لو اور آئندہ جس قدر ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لینا۔ بندہ ابوسعید کو فرمان ہوا ہے کہ جو کچھ وہ طلب کرے اسے دے دیا کرو۔

روز چہار شنبہ ۲۔ رمضان ۸۰۲ھ

آتشِ عشق و آتشِ دوزخ

چاشت کے وقت عذاب دوزخ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بعض صوفی کہتے ہیں کہ دوزخ میں دوزخیوں کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ وہ ناری بن کر مظہرِ قہر بن جاتے ہیں۔ اور آگ بھی مظہر قہر ہے۔ آگ کو آگ کیسے جلا سکتی ہے۔ بلکہ انکو راحت ہوگی۔ جیسے کہ آگ کے کیڑے سمندر کو آگ میں سکون ملتا ہے۔ اور مومنین چونکہ مظہر لطف و جمال ہیں اور بہشت بھی مظہر لطف و جمال ہے انکو بہشت میں لذت حاصل ہوگی۔ جیسے مچھلی کو پانی میں۔ اسی طرح کافر لوگ دوزخ میں آگ سے لذت حاصل کریں گے۔ صوفی کہتے ہیں کہ قرآن کا لفظ عذاب غدوبتہ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں مٹھائی اور راحت۔ یہ بات قرآن اور تمام کتب سماوی اور انبیاء و اولیاء کے خلاف ہے۔ اور اسکی اصل کوئی نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ کافر کا جسم آگ کے کیڑے کی طرح کیسے بسیط ہو سکتا ہے۔ انسان کا جسم چار اضداد کا مرکب ہے جن کو عناصر اربعہ کہتے ہیں۔ جن کی خاصیت ایک دوسرے کے مخالف ہے۔ مثلاً ہوا اور خاک کی آپس میں لڑائی ہے۔ اور پانی اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسلیئے مچھلی اور آگ کے کیڑے کی مثال یہاں نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ وہ مجموعہ اضداد نہیں ہیں۔ کہ بہشت میں بھی اور دوزخ میں بھی دونوں مقامات پر یکساں آرام حاصل کر سکیں۔ لیکن انسان کا حال یہ

ہے کہ گرمی سے گرم ہو جاتا ہے اور سردی سے سرد۔ کفار پر دوزخ میں عذاب اسی قسم کا ہوگا۔ اس بندہ کمترین نے عرض کیا کہ بعض مشائخ مثلاً شیخ شبلیؒ نے کہا ہے **املأھا من الشبلی واعف عن عبیدک لتروّح الشبلی تبعذیبات کما یتردّ ح جمیع عبادک بالعوافی** ۔(یعنی خداوندا دوزخ کو شبلی سے بھر دے اور اپنے بندوں کو معاف کر دے تا کہ وہ آرام پائیں اور شبلی دوزخ میں رہ جائے۔ اور تیرے تمام بندے عافیت و آرام سے رہیں۔) نیز حضرت شیخ ابو یزیدؒ فرماتے ہیں کہ من ھو النار کیف یحترق (یعنی جو شخص عین آتش بن چکا ہے کیسے جل سکے گا۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ بات اور جہان کی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم آتشِ عشق کے جلے ہوئے ہیں اور ہم آتشِ عشق میں جلنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ حتٰی کہ وہ ہماری خوراک اور غذا بن چکی ہے۔ اور آتشِ دوزخ آتشِ عشق کی ایک ادنیٰ سی چنگاری ہے اس لیئے آتشِ دوزخ انکو ہرگز نہیں جلاسکتی۔ چونکہ یہ لوگ مجسم آتشِ عشق بن چکے ہیں۔ آتشِ دوزخ میں انکو راحت ہوگی۔ کیونکہ انکی غذا آتشِ عشق ہے اور یہ آتشِ دوزخ اسکی ایک چنگاری ہے۔ لیکن کفار کی حالت جسطرح کہ قرآن میں بیان کی گئی ہے اس سے مختلف ہے۔ عشاق الٰہی کے ان کلمات سے کافروں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

شیطان کو دوزخ میں کس نوعیت کا عذاب ہوگا۔

اس کے بعد برادرم سید ابن الرسول سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا ابلیس لعین تو آگ سے بنا ہوا ہے دوزخ میں اسکا عذاب کس نوعیت کا ہوگا۔ فرمایا عذاب کا مطلب ہے غیر ملائم کا ایصال (یعنی طبیعت سے مخالف چیز کا حصول۔) اور خداوند تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اسکے لیئے ایصال غیر ملائم کا انتظام کر دے جس سے وہ عذاب والم میں مبتلا ہو جائے۔ کتاب مجالس ابو علی محمد فضل فارمدیؒ میں لکھا ہے کہ کل قیامت کے دن فرمان ہوگا کہ ستر ہزار فرشتے آگ کے زنجیر شیطان کے گلے میں ڈال کر اسکو دوزخ میں لے جائیں۔ فرشتے حکم کی تعمیل کریں گے اور اسکو دوزخ میں لے جانے کی کوشش کریں گے لیکن وہ اسے ہلا بھی نہیں سکیں گے۔ اسکے بعد وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ہم تو شیطان کو ہلا بھی نہیں سکتے۔ حق تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مزید مقرر کرینگے لیکن پھر بھی اسکو نہیں ہلا سکیں گے۔ اور دوبارہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ہم تو عاجز آ گئے ہیں۔ حق تعالیٰ مزید ستر ہزار فرشتے مقرر کرینگے۔

وہ بھی اپنا زور لگا کر عاجز آ جائیں گے اور حق تعالیٰ کی جناب اپنے عجز کا اقرار کریں گے تو حق تعالیٰ حکم دیں گے کہ تم لوگ دور ہو جاؤ۔ اسکے بعد حق تعالیٰ خود شیطان کی پیشانی پر لعنت کا داغ جو لگا ہوگا اسکو دور کریں گے اور دوزخ سے ایک کتا برآمد ہوگا اور شیطان کو لقمہ بنا کر دوزخ میں لے جائے گا اور وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس وقت شیطان کی فریاد یہ ہوگی کہ خداوندا کیا ہی اچھا ہوتا کہ داغ لعنت جو میری پیشانی پر تھا ابدی (ہمیشہ کیلیئے) ہوتا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ داغ لعنت کے مٹا دینے کا مطلب ہے اس لعین کے باطن میں ایقاع تفرقہ [1]۔ چنانچہ اسکے لیئے دوزخ یہی ہے۔ اور اثبات کے بعد تفرقہ تمام عذابوں سے زیادہ عذاب ہے۔ وہ شہودِ دوام اور حضور کا طلب گار تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن شیخ بایزید بسطامیؒ نے امت کیلیئے عذاب دوزخ سے نجات کی دعا مانگی اور وہ دعا قبول ہوگئی۔ اسکے بعد آپ نے ابلیس کے لیئے معافی کی دعا کی۔ فرمان ہوا کہ وہ آتش ہے آتش کی تاب لا سکے گا۔ تم خاکی ہو اپنی فکر کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مَن قَالَ فی سُوق یُباعُ فِیه لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهُ لَا شَرِیکَ لَهُ لَهُ المُلکُ وَلَهُ الحَمدُ یُحیِی وَ یُمِیتُ وَهُوَ حَیّی وَلَا یُمُوتُ بِیَدِهِ الخَیر وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ قَدیر کَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اَلفَ اَلفَ حَسُنته وَ مَحی عَنهُ اَلفَ اَلفَ سَیِّئَته وَرَفَع لَه اَلفَ اَلفَ دَرجته وَبَنیٰ لَه بَیتًافِی الجَنّته۔ (جس نے بازار میں یہ تسبیح پڑھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک واحد لاشریک ہے۔ اس کا ہے سارا ملک اور اسی کی ہے سب تعریف۔ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ خود زندہ ہے اور موت سے پاک ہے۔ اس کے ہاتھ میں خیر و برکت ہے۔ اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے لئے لکھ دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہزار ہزار نیکیاں اور مٹا دیتا ہے اس کے ہزار ہزار گناہ اور بلند کرتا ہے اس کے ہزار ہزار درجے اور تعمیر کرتا ہے اس کے بہشت میں گھر۔) اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ

---

[1] یعنی تفرقہ کا اثبات۔
ایک دفعہ شیخ ابوبکر شبلیؒ نے کہا کہ عَلَیکم لَعنَتی کے حکم سے کم بخت شیطان مجھ سے بازی لے گیا۔ کاش یہ لعنتی کی نسبت میرے ساتھ ہوتی۔ مطلب یہ کہ "لعنتی" کا معنی ہے "میری لعنت" پس حق تعالیٰ نے یہ جو لعنت کو اپنے ساتھ نسبت دی ہے اسکی بڑی قدر و قیمت ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے خواہ لعنت ہی سہی عزت ہے۔ جو چیز منسوب ہے دوست باعث عزت و افتخار ہے۔ اس لیئے شیطان کی پیشانی سے لفظ لعنت کا مٹانا اسکو ناگوار گذرا اور اس وجہ سے اس کو عذاب ہوا۔ اگر حق تعالیٰ کی نسبت اس پر قائم رہتی تو عذاب سے بچ جاتا۔

بہاؤالدین زکریاؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ سفر کر رہے تھے۔ شیخ بہاؤالدینؒ جس شہر میں جاتے تھے گوشہ نشین ہو کر مشغول بحق ہو جاتے لیکن شیخ جلال الدین تبریزیؒ پہلے بازار جا کر ایک گشت لگا لیتے تھے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ بازار کس لیئے جاتے ہیں۔ آپ نے حدیث بالا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بازار جا کر یہ حدیث پڑھتا ہوں تا کہ یہ تمام ثواب حاصل کر سکوں۔

اس کے بعد عجیب اور نادر جانوروں اور عجیب چیزوں کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا مولانا جمال الدین مغربی نے کہا ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک مچھلی کے دانت کی پیمائش کی جو دس گز پیمائش ہوئی۔ کہتے ہیں کہ کسی علاقے میں ایک ہاتھی ہوتا ہے جو دس گز لمبا ہوتا ہے اور ایک درخت ہے جسکے نیچے تین ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور ایک بادشاہ کے محل میں ایک درخت ہے جسکے نیچے چار ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔

مولانا بدر الدینؒ کے جمع کردہ ملفوظات

اسکے بعد ملفوظاتِ مشائخ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ عشاء کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ ثواب کی خاطر نہیں بلکہ اپنی اغراض کی خاطر ملفوظات لکھتے ہیں۔ امیر حسن شاعر نے حضرت سلطان المشائخ کے جو ملفوظات [1] لکھے ہیں معتبر ہیں۔ اسکے علاوہ حضرت خواجہؒ کے جو ملفوظات لکھے گئے ہیں ہوائی ہیں۔ میں نے اجودھن (پاکپتن شریف) میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات دیکھے جنکو مولانا بدر الدین اسحاقؒ کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے یہ بالکل افترا ہے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ مولانا بدر الدین اسحاقؒ نے جمع نہیں کیئے۔ اسکے بعد فرمایا کہ مولانا محمد ایک صاحب تھے جو حضرت سلطان المشائخ کے اصحاب میں سے تھے اور کچھ عرصہ انکی امامت بھی کرتے رہے۔ اور کچھ تعلیم بھی حاصل کی۔ انہوں نے بھی حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات لکھے تھے۔ جب حضرت اقدس ٹھٹھہ تشریف لے گئے تو وہ ملفوظات لوگوں میں مشہور ہو گئے۔ ایک اچھی خاصی کتاب کی صورت میں جمع ہو گئے تھے۔ جب حضرت اقدف ٹھٹھہ سے واپس آئے تو نسخہ آپکی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے مولانا زین العابدین کو طلب کر کے فرمایا کہ پانی کا ایک تغار لاؤ اور ان ملفوظات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دھوڈالو۔ آپ نے اپنے سامنے انکو ختم کرایا۔ اور جو ملفوظات حمید قلندر نے لکھے تھے حضرت اقدس کے خواہر زادہ مولانا کمال الدین نے اسکے

[1] امیر حسن کا پورا نام امیر حسن علاؤالدین سنجریؒ ہے اور جو ملفوظات آپ نے جمع کیئے ہیں وہ فوائد الفوائد کے نام سے موسوم ہیں۔

تقریباً دو جزو حضرت اقدس کو دکھائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کچھ کہا ہے اور مولانا حمید الدین نے کچھ لکھا ہے۔ پس آپ نے وہ لے کر باہر پھینک دیئے۔ مولانا کمال الدین نے کہا حضرت شیخ نظام الدینؒ کی یادگار تو ان کے ملفوظات ہیں۔ آپ کی یادگار بھی ہونا چاہیے۔ فرمایا کیا کروں فرصت نہیں ہے کہ ان کو صحیح کروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا حمید کے ہم مجلس چند دوست تھے۔ مثل مولانا آدم، خواجہ کدھوشاہ اور مولانا شرف الدین وغیرہ جو اکثر آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ لیکن میں انکے پاس کبھی نہیں جاتا تھا جب یہ لوگ اوپر جاتے تھے تو میں انتظار کرتا رہتا تھا کہ وہ واپس آجائیں۔ (پھر جاؤں گا) کیونکہ یہ لوگ اہل تصوف اور اہل عشق و محبت کی سی باتیں نہیں کرتے البتہ میں مولانا برہان الدین غریبؒ [1] کے اصحاب کی صحبت میں جاتا تھا۔ اور اسکی کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ ہم لوگ اکثر عشق و محبت یا اپنے شیخ کے ساتھ اعتقاد کی باتیں کرتے تھے۔ ایک دن مولانا لدھوشاہ نے کتاب مرصاد [2] میں یہ دیکھا کہ مرید کو چاہیے کہ ذکر کی حالت میں ربط قلب اپنے پیر کے ساتھ رکھے۔ انکو معلوم نہیں تھا کہ پیر کے ساتھ ربط قلب کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا کہ اچھا قاضی آدم سے کہتے ہیں کہ حضرت شیخ سے دریافت کرے۔ مولانا آدم نے حضرت شیخ سے دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک راز ہے پیر اور مرید کے درمیان جب اس مقام پر پہنچو گے تو معلوم ہو جائے گا۔ اب مجھے ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ۔ کیوں نہ خلوت میں رہوں۔ اگر شیخ کی زبان سے ایک کلمہ سُن لوں تو مدت عمر تک اس سے فائدہ حاصل کرونگا۔ مرید کو چاہیے کہ خلوت میں بھی پیر کی صحبت محسوس کرے۔ نیز ہجوم خلق کے وقت بھی یہ کام جاری رہے۔ خواہ ہجوم میں ہو خواہ خلوت میں ہر وقت شیخ سے فیضان حاصل کرتا رہے [3]۔

---

1 مولانا برہان الدین غریبؒ بھی حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں اور عشرہ مبشرہ یعنی آپکے دس خلفاء میں شامل ہیں۔ ایک دفعہ حضرت اقدس کے سامنے حضرت بایزید بسطامیؒ کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بھی ایک بازید ہے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے آپ نے فرمایا برہان الدین غریبؒ۔ یہ ہے مقام حضرت المشائخ کے غلاموں کا۔

2 مرصاد کا نام مرصاد العباد ہے اسکے مصنف حضرت شیخ نجم الدین رازی ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ یہ احقر کر رہا ہے۔

3 خلوت اور ہجوم میں شیخ سے فیضان حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انکی روح کی طرف متوجہ رہے انکا روحانی فیضان خود بخود جاری ہو جاتا ہے۔ عالم ارواح کیلئے مکان و زمان کی قید نہیں۔ مکان و زمان سورج اور زمین کی تخلیق کے بعد وجود میں آئے۔ جب آپ کسی بزرگ کی روح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ فوراً تمہاری طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور فیضان شروع ہو جاتا ہے۔ فیضان سے مراد تزکیہ نفس اور انوار تجلیات کی مرید کے قلب پر بارش ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نصیر الدین نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ ایک ڈبیہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں نے اسکو کھولا ہے۔ شیخ الاسلام نے اسکی یوں تعبیر دی کہ ڈبیہ کسی چیز کا باطن ہوتا ہے اور اس کے کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ تجھے اسکا راز یعنی باطن معلوم ہوگا۔ اور ان حضرات صوفیہ کرام کے اسرار و رموز سے حصہ ملے گا۔

کیا مرید کا مرتبہ پیر سے زیادہ ہوسکتا ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ بعض اوقات مرید کو شاید کوئی جزوی علم ہو جاتا ہے جو پیر کو نہ ہوا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مرید کو پیر پر فضیلت حاصل ہوگئی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک راہبر چند آدمیوں کو کسی مقام کی طرف لے جارہا ہے۔ راستے میں کوئی بستی یا درخت آتے ہیں راہبر ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اس کے پیچھے جارہے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص اس بستی یا درخت کو تفصیلی نظر سے دیکھ لیتا ہے۔ آگے پہنچ کر وہ اس گاؤں اور درخت کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ لیکن راہبر وہ کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ لیکن راہبر راہبر ہے اور پیچھے چلنے والا پیچھے چلنے والا ہے۔ اس سے نہ راہبر کی راہبری میں فرق آتا ہے نہ پیچھے چلنے والا راہبر سے افضل بن سکتا ہے[1]۔ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ بعض اوقات ولی کو ایک بات کا علم ہوتا ہے تو نبی کو نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بعض مرید اپنے پیر سے سبقت لے گئے۔ جیسے کہ حضرت جنید بغدادیؒ اپنے شیخ سری سقطیؒ سے اور حضرت خواجہ قطب الدینؒ اپنے شیخ خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے۔ اب یہ عام بات ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا علم کس قدر ہے اور خواجہ قطب الدینؒ کا مرتبہ ان کے مقابلے میں کیا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اقسام قطب

اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق اپنے پیر کو قطب کہتا

---

[1] یہ تو عام مسئلہ ہے اور اہل تصوف کے ہاں مانی ہوئی بات ہے کہ کشف و کرامات کا حاصل ہونا کوئی بلند مرتبہ کی چیز نہیں ہے بلکہ اکابر اولیاء اللہ نے کشف و کرامات سے اجتناب کیا ہے۔ کیونکہ یہ نیچے کی چیز ہے ان کے ہاں کشف حقائق اور قرب حق قابل قدر چیز ہے جس کیلئے وہ ہر وقت اور ہر آن کوشاں رہتے ہیں۔ اور کشف و کرامات کی طرف ذرا بھر توجہ نہیں کرتے۔ اب جو حضرات کم مرتبہ رکھتے ہیں وہ کشف و کرامات میں منہمک رہتے ہیں اور اوپر کے مقامات سے بے خبر رہتے ہیں۔ اس لئے صرف کشف کی وجہ سے وہ اکابر اولیاء سے کس طرح افضل ہوسکتے ہیں۔

ہے۔فرمایا قطب کی چند قسمیں ہیں۔قطب ابدال' قطب اوتادٗ قطب اولیاء' اقطاب' لیکن قطب اقطاب کو بہت کم کوئی جانتا ہے۔وہ اکثر پوشیدہ رہتے ہیں۔ان کے پوشیدہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ساری دنیا میں ایک ہوتا ہے۔اور فقیروں اور مسکینوں کی طرح ذلیل وخوار رہنا پسند کرتے ہیں یا کبھی بندروں کا تماشا کراتے ہیں۔نیز فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرمایا کرتے تھے۔کہ کہتے ہیں کہ قطب الاقطاب کوہ لبنان میں ایک غار ہے وہاں رہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے پنہاں ہوتے ہیں۔کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ ابوالحسن نوریؒ کوہ لبنان میں تشریف لے گئے اور وہاں غار کے اندر قطب اقطاب سے ملاقات ہوئی۔

روز پنجشنبہ ۳۔رمضان المبارک

حکیم بوعلی سینا کی بچپن میں ذہانت

چاشت کے وقت بچوں کی طبائع میں فرق کا ذکر ہو رہا ہے۔فرمایا جب بوعلی سینا کی عمر چار سال اور چار ماہ ہوئی تو ان کے والد جنکا نام سینا تھا ان کو استاد کے پاس مسجد میں لے گئے۔استاد نے انکو اپنے پاس بٹھایا۔مسجد میں چار سو تختیاں تھیں۔بوعلی سینا نے بیٹھے بیٹھے پہلے ہی دن وہ سب یاد کرلیں۔ دوسرے دن جب آئے تو چار سو طالب علم استاد کو وہ تختیاں سنا رہے تھے۔بوعلی نے ہر ایک طالب علم کی غلطیاں پکڑنا شروع کر دیں۔یہ دیکھ کر استاد حیران ہوا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ تختیاں کب پڑھی ہیں۔اور کب یاد کیں۔اس نے جواب دیا کہ کل جب میں آپ کے پاس بیٹھا تھا۔میں نے ان کو دیکھا' پڑھا اور یاد ہوگئیں۔یہ دیکھ کر استاد نے حاکم اعلیٰ کے پاس جا کر کہا ہے کہ یہ کیا بلا ہے۔جو ہمارے مدرسہ میں داخل ہونے آیا ہے حاکم نے کہا اس لڑکے کو شہر میں کوئی تعلیم نہ دے۔نیز۔وہاں کے حکماء نے بھی حاکم شہر کے ساتھ اتفاق کیا۔اس کے بعد بوعلی نے اپنے والد سے کہا کہ یہاں کے حکماء میرے ساتھ حسد کرتے ہیں۔مجھے حکماء یونان کے پاس لے چلیں۔ان کو مجھ جیسے طالب علم پسند ہیں۔مجھے اچھی طرح تعلیم دیں گے۔چنانچہ سینا اپنے بیٹے کو لیکر یونان کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو والد تھکان کی وجہ سے ایک درخت کے نیچے سو گئے اور بیٹا بیٹھا رہا۔اسی اثناء میں دو حکیم شہر سے آئے اور درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ایک علم سیمیا کا ماہر تھا اور دوسرا علم کیمیا کا۔ایک

نے چاہا کہ اپنے علم کے متعلق گفتگو کرے۔ دوسرے نے کہا کہ ہم انکی موجودگی میں کیسے اپنے رموز بیان کر سکتے ہیں۔ پہلے نے پھر کہا کہ ان میں سے ایک تو سویا ہوا ہے دوسرا بچہ ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں بیٹھ کر علم کیمیا اور سیمیا بیان کر دیا۔ بوعلی بیٹھا سنتا رہا۔ اور اسکو سب کچھ یاد ہو گیا۔ جب اس کے والد بیدار ہوئے تو کہنے لگا کہ ابا جان واپس چلو مجھے سب کچھ حاصل ہو گیا۔ انہوں نے کہا کس طرح بوعلی نے جواب دیا کہ جب آپ سو گئے تھے تو دو آدمی یہاں بیٹھے علم کیمیا اور سیمیا بیان کر رہے تھے۔ مجھے یہ علوم حاصل ہو گئے ہیں۔ باپ نے کہا اتنی جلدی کس طرح حاصل ہو گئے۔ بیٹے نے کہا کہ اگر آپ کو اعتبار نہیں آتا تو میری آستین پکڑو۔ باپ نے اس کی آستین پکڑی اور بیٹا گم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کہا کہ یہ سیمیا ہے۔ باپ نے پوچھا علم کیمیا کیا ہے۔ بیٹے نے کہا ذرا آگے چلیئے میں ایک گھاس لے کر آپ کو کیمیا بھی دکھا دونگا۔

پیر بھائیوں کے ساتھ مروّت

اس کے بعد پیر بھائیوں کے ساتھ رعایت و مروّت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا ایک دن سلطان علاؤ الدین خلجی نے غصے میں آ کر حکم دے دیا کہ ایک اہل کار کی آنکھیں نکال دی جائیں۔ وہ اہل کار ملک کمال الدین گرگ صوبیدار جاکور کے قائم مقام کے طور پر جاکور میں فرائض انجام دے رہا تھا۔ اب بادشاہ کا حکم تھا۔ ملک کمال الدین کیا کر سکتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک آدمی کو فرمان لکھ کر دیا۔ کہ جاکور جا کر اہل کار کی آنکھیں نکال دو۔ وہ آدمی جاکور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور اہل کار کے گھر پر پہنچ کر اطلاع کرائی۔ اہل کار نے باہر آ کر بادشاہ کے قاصد کی بہت تعظیم کی اور کھانا وغیرہ کھلایا۔ اب قاصد نے چاہا کہ شاہی فرمان دکھا کر اسکی آنکھیں نکال لے۔ لیکن اچانک اس کی نظر ایک ٹوپی پر پڑ گئی۔ جو اہل کار نے سر پر پہن رکھی تھی۔ ٹوپی دیکھ کر قاصد رُک گیا۔ اور سوچ میں پڑ گیا۔ اسے خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ ٹوپی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی دی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ بھی حضرت شیخ کا مرید تھا اور اس فکر میں پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ ایک پیر بھائی کے ساتھ یہ سلوک کس طرح کر سکتا ہوں۔ اہل کار نے اسکی یہ حالت دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو کیا فکر لاحق ہو گیا ہے۔ قاصد نے پوچھا کہ یہ ٹوپی تم نے کہاں سے لی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرے شیخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے عطا فرمائی ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے فوراً شاہی فرمان نکال کر اسکو دکھایا کہ بادشاہ کا حکم

ہے۔ میں ضرور اس کی تعمیل کرتا لیکن اس ٹوپی کی وجہ سے میں یہ کام نہیں کرتا۔ اہل کار نے کہا کہ تم کو شاہی حکم ملا ہے۔ اس کی تعمیل ضرور کرنی چاہیے۔ یا پھر مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو۔ قاصد نے کہا خواہ کچھ ہو جائے۔ میں بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ آؤ میں تمہیں بادشاہ کے دربار میں لے چلتا ہوں۔ چنانچہ وہ دونوں دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُدھر بادشاہ نے ایک دن ملک کمال الدین سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اس بیچارے کی آنکھیں نہ نکالی جائیں کیونکہ مجھے وہ بے گناہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اسوقت تک اس کی آنکھیں نکل چکی ہونگی۔ ملک کمال الدین نے جواب دیا کہ جی ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ خیر ایک دو دن دیکھ لیتے ہیں۔ قاصد آنے والا ہوگا۔ جب وہ قاصد اور اہل کار دہلی پہنچے تو پہلے سیدھے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ماجرا بیان کیا۔ حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اچھا۔ آؤ۔ تمہارے لئے فاتحہ دعا پڑھتے ہیں۔ ان کے لئے فاتحہ دعا پڑھ کر حضرت شیخ نے دونوں کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ ملک کمال الدین دربار کے باہر آ کر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اہل کار کو صحیح وسلامت دیکھ کر وہ خوشی سے دوڑتا ہوا بادشاہ کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا کہ حضور کی کرامت ظاہر ہو گئی ہے۔ اہل کار صحیح و سلامت آ گیا ہے۔ جب بادشاہ نے کیفیت دریافت کی تو انہوں نے سارا ماجرا بیان کر دیا بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس اہل کار کو اپنی ملازمت پر بحال کر دیا۔ اور خلعت بھی عطا کی نیز اس قاصد کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا۔

پیر کی تلقین و تعلیم پر کاربند ہونے کے بیان میں

اس کے بعد پیر کی تلقین و تعلیم کی پابندی پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ جو کچھ پیر تلقین و تعلیم کریں ان کو کم نہ سمجھے اور اس سے بے پرواہی بھی نہ کرے۔ کیونکہ وہ عظیم چیز ہوتی ہے خواہ اس کی نظر میں حقیر معلوم ہو بے پرواہی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چیز اس سے چلی جاتی ہے اور اسے بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ فرمایا ایک دن حضرت خواجہؒ نے مجھے اپنا ایک مراقبہ تعلیم فرمایا۔ میری عمر کم تھی۔ میری سمجھ میں نہ آیا اور میں نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ میں حضرت اقدس سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں مولانا محمود جو مولانا برہان الدین غریبؒ کے دوستوں میں

سے تھے مل گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا خوند مولانا محمود[1] نے مجھ پر بڑا کرم اور احسان عظیم فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا انہوں نے مجھے فلاں مراقبہ تعلیم فرمایا ہے اور یہ وہی مراقبہ تھا جو حضرت اقدس نے مجھے تعلیم کیا تھا۔ یہ سُن کر میں متنبہ ہوا کہ سبحان اللہ! انہوں نے مجھے کتنی عظیم نعمت سے نوازا ہے اور میں اس کی پروانہیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد گھر جا کر اس پر عمل کیا تو ایسے فوائد ظاہر ہوئے کہ سبحان اللہ! بیان سے باہر ہیں بلکہ آج تک اس سے فائدہ حاصل کر رہا ہوں۔

خلفائے بنی عباس کی اصل

اس کے بعد خلفائے بنی عباسؓ کی اصل کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا ابوعبداللہ علی سجاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے بیٹے کو امیر المومنین حضرت علیؓ کی خدمت میں لائے۔ آپ نے ان کی کنیت ابوالاملاک رکھی۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ لیکن بیعت خفیہ طور پر صرف ایک بیٹے سے کراتے تھے۔ ان کے تین بیٹے اسی حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام ابراہیم تھا۔ جو کہ کوفہ میں رہتے تھے اور لوگوں سے خفیہ بیعت لیتے تھے۔ جب ان کی بیعت کا راز فاش ہو گیا تو ان کو پکڑ کر لوگ ابوالعباس سفاح، جعفر[2] اور دانقی کے پاس لے گئے۔ اس کے بھائیوں نے آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کی وارثت اس کے پدر زاد بھائی کو ملتی ہے یا مادر زاد بھائی کو' جواب ملا کہ مادر زاد بھائی کو' چنانچہ ابوالعباس سفاح نے اس سے بیعت کر لی۔ علی سجاد کا ایک باغ تھا جس میں ایک ہزار کھجور کے درخت تھے وہ رات کو ہر درخت کے نیچے دو رکعت نفل شکرانہ ادا کرتا تھا۔ اس لیے اس کا نام سجاد پڑ گیا (یعنی زیادہ سجدے کرنے والا) اسے کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ ایک غلام ہوگا جو عقل و دانش میں بے نظیر ہوگا اس کی بدولت ملک ہم کو ملے گا۔[3] چنانچہ جب حج پر گئے تو ابومسلم کی بہت تعریف سُنی۔ ابومسلم ایک ایسے شخص کا غلام تھا جو علی سجاد کا حامی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا غلام نہیں بیٹا تھا۔ بعض کے نزدیک وہ اس کی کنیز کے بطن سے تھا۔ غرضیکہ علی

---

[1] مولانا برہان الدین غریبؒ نواز کے احباب ہمارے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو خوندہ مولانا محمود کے نام سے پکارتے تھے۔

[2] ابوعباس عبداللہ سفاح خاندان بنوعباس کا پہلا خلیفہ تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی جعفر تخت نشین ہوا۔

[3] یاد رہے کہ بنوعباس سے پہلے بنی امیہ حکمران تھے اور وہ غلام جس نے بنوامیہ کے خلاف بنوعباس کے حق میں بغاوت کی اور ان کا تختہ الٹ کر بنوعباس کو حکومت دلائی ابومسلم خراسانی تھا۔

سجاد نے اس کے مالک سے کہا کہ ابو مسلم کو مجھے دے دو۔ اور اس نے ان کے حوالے کر دیا۔ ابو مسلم کو دیکھ کر علی سجاد کو فراست (کشف) سے معلوم ہو گیا کہ یہ وہی آدمی ہے جس سے ملک ہم کو ملے گا۔

چنانچہ انہوں نے ابو مسلم کو اس کام پر لگا دیا اور وہ اپنا نام بَدل کر دوسرے نام سے ملک میں پھرتا رہا۔ اور ابراہیم کے نام سے خفیہ بیعت لوگوں سے لیتا رہا۔ جب ابراہیم کی بیعت کا راز فاش ہو گیا تو اس کو بنی امیہ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد سفاح کے نام پر بیعت ہونے لگی جو ابراہیم مقتول کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔ ابراہیم کے قتل کے بعد ابو مسلم نے سیاہ کپڑے پہن لئے' اب مروانیوں نے (مروان بنوامیّہ میں سے بادشاہ وقت تھا۔) اس نے تمام لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جنہوں نے ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس سے سارے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا اور لوگوں نے ابو مسلم کے زیر اثر ہر شہر اور گاؤں میں بنوامیّہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت میں تمام بنوامیّہ قتل ہو گئے اور ملک سفّاح کے ہاتھ آ گیا۔ اس کو سفاح اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے بنوامیّہ کا خون کثرت سے بہایا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بارہ ہزار نفوس بنی امیّہ کو تہِ تیغ کیا اور یہ سیاہ لباس اسی دن سے مروّج ہوا ہے۔ انہوں نے سیاہ لباس کو لباس مصیبت سمجھ کر اختیار کیا لیکن ۔۔۔۔۔۔۔ وہ ان کے حق میں مبارک ثابت ہوئی۔ چنانچہ خلافت کا لباس بھی سیاہ ہونا قرار پایا۔

جادو کا اثر

اس کے بعد جادو کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اَلسِّحرُ حَق " (جادو کا اثر حق ہے) ایک دفعہ جب میں پرانی دہلی میں بداؤن دروازہ کے نزدیک رہتا تھا۔ تو مجھے پر بھی جادو کیا گیا تھا۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک لڑکا جس کا رنگ سیاہ تھا میری دیوار کے ساتھ بیٹھا نقش بنا رہا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے پر بیقراری اور بے چینی لاحق ہو گئی۔ ایک دفعہ خطیرہ شیر خان میں بھی کسی نے ہمارے شیخ علیہ رحمہ پر جادو کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا کھانا پینا ترک ہو گیا۔ حتّی کہ اس کام کا ماہر ایک دن حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور شکل دیکھ کر خواجہ اقبال خادم سے کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ پر کسی نے جادو کیا ہے۔ لیکن مجھے انکی خدمت میں عرض کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ خواجہ اقبال نے کہا کہ اگر جادو کیا ہے تو تم اسے نکالو۔ اس نے کہا اچھا اور خانقاہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ ایک مقام پر ٹھہر کر زمین کو سونگھا اور کہا کہ اس جگہ کو کھودو۔ جب کھودا گیا تو اندر سے ایک بُت نکلا جس کی ناک'

آنکھ، پہلو اور دست و بازو میں سوئیاں ہی سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جا کر حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا پھر ہر سوئی پر کچھ دَم کر کے باہر نکالا، جہاں جہاں گرہ لگی ہوئی تھی اس کے بعد آپ کی طبیعت درست ہو گئی۔ اس آدمی نے کہا اگر اجازت ہو تو جس شخص نے یہ کام کیا ہے اسے حاضر کروں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جس نے یہ کام کیا ہے وہ جانے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ پر بھی کسی نے جادو کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کا قرار مفقصود ہو گیا اور اعضاء اور جوڑوں میں درد شروع ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ احباب سے کہو کہ معلوم کریں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ چنانچہ تمام احباب نے باطنی طور پر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے فرزند مولانا بدرالدین سلیمانؒ کو معلوم ہوا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ حضرت شیخ پر شہاب نامی جادوگر کے بیٹے نے جادو کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کو دفع کس طرح کیا جائے۔ اس نے کہا کہ کوئی آدمی شہاب جادوگر کی حویلی میں جائے اور رات وہیں بسر کرے اور ایک گز لے جا کر اس کی قبر پر مارنا اور یہ پڑھنا۔

یا ایصا المقبور المتلے ان ابنک سر و قل لهٗ کیف شررت، عَنّا وَالا یعیبُ بہ صا احاب۔ ''اے صاحب قبر جو مبتلا شدہ ہے۔ تمہارے بیٹے نے جادو کیا ہے۔ پس اس سے کہو کہ کیوں ہمارے ساتھ شرارت کی ہے۔ اس کی باز پرس کرو۔ درد پہنچے گا جو تم کو پہنچے گا۔''

اس کی حویلی شہر سے باہر تھی اور ایک خوفناک جگہ تھی۔ شیخ نظام الدینؒ کو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ آپ نے جا کر رات اسی جگہ بسر کی اور اس کی قبر پر مارنا شروع کر دیا۔ حکمات پڑھے تو غیب سے ایک آدمی ظاہر ہوا اور شہاب ساحر کے چبوترے کی طرف اشارہ کیا جو تمام چونے کا بنا ہوا تھا لیکن ایک کچی جگہ بھی تھی۔ اس کچی جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسے کھودو۔ شیخ نے اسی نے سے وہ جگہ کھودی اس سے ایک پوٹلہ برآمد ہو۔ حضرت شیخ کو ایک ندی کے کنارے پر لے جایا گیا جسے فریدوال کہتے تھے۔ وہاں آپ نے غسل کیا اور اس پوٹلے میں سے سوئیاں نکالی گئیں جو سوئی نکلتی تھی۔ حضرت شیخ کو راحت محسوس ہوتی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی جادو کیا گیا ہے جس کا آپ کے جسم مبارک پر اثر ہوا۔ اس کے بعد معجزہ سے اس کو نکالا گیا۔

قبولیت کُتب

اس کے بعد قبولیت کتب کا ذکر ہونے لگا۔فرمایا ہر علم پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن قبولیت بہت تھوڑی کتابوں کو نصیب ہوتی ہے۔احادیث کی کتابوں میں سے مشارق الانوار کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صحیح احادیث کے سوا کوئی حدیث درج نہیں۔لیکن اگر مؤلف نے کسی جگہ تصرف بھی کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مقبول ہوگا۔فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام وحضرت سلطان المشائخ' نے فرمایا کہ راجح ثواب تھا (یعنی اس تصرف سے بھی ثواب ہوگا۔)

مقبولیّتِ خلق

عشاء کے بعد مقبولیّتِ خلق کا ذکر ہونے لگا۔فرمایا۔لاعبرۃ بقول الخق فانه یقبلون بلاشئ ویر دون بلاشئ۔''قبولیتِ خلق کا کوئی اعتبار نہیں۔کیونکہ لوگ بلا وجہ قبول کرتے ہیں اور بلا وجہ ردّ کرتے ہیں۔'' لہذا قبول خلق مکمل علامت نہیں ہے۔اور تمام جزئیات اس کے مطابق نہیں نکلتیں۔بعض اوقات مقبول بھی ردّ کی زد میں محفوظ نہیں ہوتا۔اور کبھی مردود مقبول ہو جاتا ہے۔چار بادشاہ تھے۔جن کی سارے جہان پر حکومت تھی۔ان میں سے دو مسلمان تھے۔ایک حضرت سلیمان علیہ السلام' دوسرے سکندر جن کی نبوت میں تو اختلاف ہے۔لیکن خدا کے ولی بلاشبہ تھے اور دو کافر تھے۔ پہلا نمرود' دوسرا بخت نصر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب نے رد کر دیا تھا۔اور نمرود چونکہ بادشاہ تھا۔ بڑا مقبول تھا لیکن آخر کار نمرود مردود ہو گیا اور ابراہیم علیہ السلام مقبول ہوئے۔اس کے بعد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام پر سوائے سات آدمیوں کے کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ایمان لانے والوں میں آپ کے تین بیٹے' تین پوتے' اور ایک آپ کی بیوی تھی۔آپ کے بیٹے صام حام اور یافث تھے۔صام کی اولاد عرب ہیں۔حام کی اولاد فارس اور روم کے لوگ ہیں اور یافث کی اولاد حبشہ (افریقہ) ترکستان اور منگولیا والے ہیں۔روایت ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر نہیں آیا جس کا کم از کم متبع نہ ہوا ہو۔کیونکہ کوئی صادق نہیں جس کی متابقت نہ کی گئی ہو۔کتاب قوت القلوب میں یہ عجیب بات درج ہے کہ بعض اوقات ایک پیغمبر آتا ہے لیکن اس کی متابقت کوئی نہیں کرتا۔فرمایا۔اس کی بعثت کا کیا فائدہ۔قوت القلوب کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایسے ہوئے جو

رسولوں کے رسول تھے یعنی ان کے متبعین میں رسول بھی شامل تھے۔ جیسے حضرت شمعون علیہ السلام
جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے جنکو آپ نے دعوتِ خلق کے لیے کسی علاقے میں بھیجا لیکن
وہاں کے لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اور ان پر کوئی ایمان نہ لیا۔ حضرت شمعون اور چند دیگر نبیوں کو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ مریم کے پاس رکھا تھا۔ حضرت بی بی مریم نے شمعون علیہ
السلام کو انطاکیہ بھیج دیا جہاں ان کو قتل کر دیا گیا اور ان پر کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ دوسروں کو انہوں نے
اور مقامات پر بھیجا جہاں وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد بی بی مریم خود تشریف لے گئیں۔
جب لوگوں نے سُنا کہ وہ عورت خود آ رہی ہے تو لوگ ان کے پیچھے دوڑے تاکہ پکڑ لیں۔ لیکن جب
وہ نزدیک پہنچے تو وہ زمین کے اندر غیب ہو گئیں۔ جس طرح کہ آپکا بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) گم
ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہاں کے حاکم نے آ کر زمین کھدوائی لیکن کوئی نشان نہ پایا۔ اس نے
لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے۔ اور کیا کام کرتے تھے اور کیا کہتے تھے جب
لوگوں نے بتایا کہ اس قسم کے لوگ تھے یہ باتیں کرتے تھے اور اس قسم کی طہارت اور بندگی انکے اندر
تھی تو وہ حاکم وہیں کھڑے کھڑے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس سے زیادہ عجیب بات عرائیس (تفسیر عرائیس البیان مؤلفہ حضرت شیخ
روز بہان بقلیؒ) میں درج ہے وہ یہ کہ بلعم باعور نبی تھا۔ فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم یعنی گناہوں
سے پاک ہوتے ہیں۔ (بلعم باعور تو ایمان کھو بیٹھے تھے) بھلا ایک پیغمبر کیسے ایمان سے محروم ہو سکتا
ہے۔ بڑی مشکل بات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اسی موقعہ پر حضرت اقدس نے بلعم باعور کا قصہ
بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بلعم باعور کے شہر کی فصیل کے قریب پہنچے تو
لوگوں نے بلعم باعور سے کہا کہ ان کے حق میں بددعا کرو۔ اس نے کہا کہ وہ خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔
میں ان کو دعائے بَد نہیں دے سکتا۔ آخر لوگوں نے بلعم باعور کو زن اور زر کی دعوت دی اور ورغلایا۔ سچ
ہے کہ جو شخص زن اور زَر پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ بیوی نے اسے مجبور کر دیا
کہ ضرور موسیٰ علیہ السلام کو بددعا کرو چنانچہ وہ گدھے پر سوار ہو کر پہاڑ کی جانب گیا۔ جہاں اس کا
عبادت خانہ تھا۔ لیکن راستے میں گدھا بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی اللہ ہے اور ہرگز
دعائے بَد کے لیے تم کو اپنی پیٹھ پر بیٹھا کر نہیں لے جاؤں گا۔ یہ دیکھ کر وہ واپس گھر چلا گیا۔ لیکن لوگوں

نے دوبارہ آ کراس پر زور دیا کہ بد دعا کرو۔ اب اس نے ایک تجویز نکالی۔ لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میری بد دعا کا موسیٰ پر اثر ہو تو تم خوبصورت عورتوں کو جمع کر کے اس کی فوج میں بھیج دو۔ اس سے شہوت پرست لوگ گناہ میں مبتلا ہوں گے اور گناہوں کی شامت سے وہ میرے دعائے بَد کے مستحق ہو جائیں گے۔ لوگوں نے اس کی تجویز پر عمل کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگل میں پھرتے رہے۔ اور جہاں سے چلتے تھے پھر اُسی جگہ واپس آ جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بلعم باعور مستجاب الادعوات تھا اور اس کو اسم اعظم معلوم تھا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا اسی جگہ انتقال ہوا۔ اور بَد دعا کی شامت سے بلعم باعور کا ایمان سلب ہو گیا۔ اب اس نے اپنی بیوی کو بَد دعا کی۔ جس کیوجہ سے وہ کتیا بن گئی اور کتے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پیغمبر ہوئے ان کو فرمان ہوا کہ اُ نجا پہنچ کر باغیوں پر حملہ کرو۔ یوشع بن نون علیہ السلام نے جا کر شہر پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔

روز جمعہ ۴۔ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

علم باللہ اور علم تصوف کی اہمیت

نماز جمعہ کے بعد فرمایا کہ کہتے ہیں کہ **من تن هذ بغير علم جنّ في آخر عمره او مات كافرا**[1]۔ ''یعنی جس نے بغیر علم زہد کیا آخر عمر میں دیوانہ ہوا یا کافر ہوا۔ فرمایا اس علم سے علم باللہ اور علم تصوف مراد ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ جو دانشور بغیر علم کے زہد اختیار کرتا ہے وہ وسواس میں مبتلا اس قدر ہو جاتا ہے کہ یا نماز کی نیت میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے کہ فرض نماز کا وقت فوت ہونے لگتا ہے اور وہ زبان سے نیت باندھتا رہ جاتا ہے حالانکہ زبان سے نیت کرنا سنت ہے (گویا سنت کی ادائیگی میں فرض مخدوش ہو جاتا ہے) اور بعض کو وضو میں ایسا خلل واقع ہوتا ہے کہ ہرگز

---

[1] امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ **من يتصوف ولا يتفقه نزندق ' من يتفقه ولا يتصوف نفسق من جمع بيُصمَا تحقق** 'جس نے تصوف اختیار کیا اور علم شریعت حاصل نہ کیا وہ زندیق یعنی بے دین ہوا۔ جس نے علم شریعت حاصل کیا لیکن تصوف اختیار نہ کیا۔ فسق و فجور میں مبتلا ہوا جس نے دونوں کو جمع کیا یعنی علم شریعت اور طریقت حاصل کیا حق کو پہنچا' حضرت امام مالکؒ تابعی تھے اور پہلی صدی ہجری میں تھے۔ آپ نے ساری عمر اس خوف سے مدینہ سے باہر قدم نہ رکھا کہ شاید باہر مر جاؤں اور مدینہ میں قبر نصیب نہ ہو۔ آپکے قول سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں بھی تصوف رائج ہو چکا تھا۔ ویسے روح تصوف یعنی قرب و دجال حق تو صحابہ کو بدرجہ اتم حاصل تھا لفظ تصوف بھی انہی کے زمانہ میں رائج ہو چکا تھا اور یہ الزام غلط ہے کہ تصوف بعد کے زمانے کی چیز ہے۔

طہارت نصیب نہیں ہوتی اور نماز پر نماز قضا کیئے جاتے ہیں اور زیادہ تر جنب کی حالت میں رہتے ہیں۔اس بات میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

جب یہ بات محقق ہوگئی تو یقیناً قولِ بلا میں علم سے مراد علم باللہ وعلم تصوف ہے جس خطرات میں وساوس رفع دفع ہوتے ہیں۔

کیمیا سے انکار

اس کے بعد علمِ کیمیا کا ذکر ہونے لگا۔ایک دن ایک جوان سال جوگی جس کی عمر تیس سال ہو گی۔میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں نے کچھ خلوت میں عرض کرنا ہے۔چونکہ لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔میں نے خضر خادم سے کہا کہ لوگوں کو ذرا روک دو اور جو لوگ موجود تھے ان سے معذرت کر کے باہر جانے کو کہا۔جب خلوت ہوگئی تو جوگی نے کہا میں آپ کی خاطر خاص طور پر دُور سے آیا ہوں۔مجھے میرے گورو نے ایک چیز دی ہے اور یہ تلقین کی ہے کہ کسی مرد کو دینا میں نے ان سے پوچھا کہ مرد کسے کہتے ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ مرد وہ ہے جو اس چیز سے خوش نہیں ہوگا۔میں نے بہت تحقیق کی ہے آپ کے سوا کسی کو مرد نہ پایا۔اب جو گورو کا فرمان ہے پورا کرنا چاہتا ہوں اور وہ چیز آپ کو دینا چاہتا ہوں۔میں نے کہا کہ وہ چیز کیا ہے اس نے کہا وہ چیز دسائین یعنی کیمیا ہے لیکن میں یوں نہیں کروں گا کہ چیزیں بازار سے منگوا کر آپ کے سامنے آگ جلاؤں بلکہ سب چیز میرے پاس تیار ہے اور میری زنبیل میں موجود ہے۔میں نے کہا میرا کیمیا یہی ہے۔مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔اس نے کہا مجھے معلوم ہے یہ آپ کے کام کی چیز نہیں ہے۔لیکن آپ کسی غریب مسکین بال بچے دار فقیر کو دے سکتے ہیں تا کہ اس کے کام آ سکے۔میں نے کہا کیا یہ چیز میں اس کو دوں جس کو خدا دلوائے یا خدا کی مرضی کے بغیر جسے چاہوں دے دوں۔اس نے کہا جسے خدا دلائے اس کو دیں۔میں نے کہا وہ بندگانِ خدا ہیں اور خدا ان پر مجھ سے زیادہ رحیم ہے۔وہ میرے بغیر بھی ان کو دے سکتا ہے۔اور ان کی مشکل حل کر سکتا ہے درمیان میں میں کیوں فضول دخل دوں۔ہمارے ہاں یہ اصول ہے کہ جو شخص اس جہان سے خالی ہاتھ جاتا ہے اسے کل قیامت کے روز جاہ وجلال، قدر ومنزلتِ عظیم ہوگی اور جس شخص کے پاس کیمیا ہوتا ہے۔وہ ہرگز خالی ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ مال ودولت سے مالا مال ہوتا ہے اور فقیر نہیں ہوتا۔دولت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا

ہے اور قلب پریشان اور مکدر رہتا ہے۔ پس مجھے کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اپنی دولت سے محروم ہو جاؤں۔ کسی اور نے اس جوگی سے کہا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا۔ کہ یہ مرد ہیں تمہاری چیز ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اس نے کہا اچھا میرے پاس ایک اور چیز ہے وہ قبول کر لیں۔ میں نے کہا وہ کیا چیز ہے اس نے جواب دیا کہ اس شہر میں خون ریزی ہوگی اور بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔ میں آپ کو ایک چیز بتاتا ہوں۔ جس کی بدولت کوئی دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے گا میں نے کہا' کیا یہ چیز تقدیر کو دفع کر سکتی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا بھلا مجھے اس چیز سے کیا فائدہ۔ میں کیوں یہ بلا اپنے سر پر لوں جب اجل آئے گا تو دردِ سر یا پیٹ کے درد سے موت واقع ہو جائے گی۔ اس کا کیا فائدہ' اس نے کہا مجھے شرم آ رہی ہے کہ آپ نے مجھ سے کچھ قبول نہیں کیا۔ اچھا میرے پاس سرمہ ہے جس کے لگانے سے آدمی لوگوں کی نظروں سے غیب ہو جاتا ہے۔ آپ کے مرید بہت ہیں۔ آپ سرمہ لگا کر بیٹھ جائیں تو آپ سب کو دیکھتے رہیں گے لیکن آپ کو کوئی نہیں دیکھے گا۔ اس لئے آپ ان کی باتیں سن کر ان کو بتائیں کہ تم نے یہ یہ کیا۔ اس سے وہ لوگ آپ کے اور زیادہ معتقد ہو جائیں گے اور آپ کے کام میں ترقی ہوگی۔ میں نے کہا ہم اس طریقے سے کسی شخص کو دھوکہ نہیں دیتے۔ اگر ہم کسی کے حال پر اطلاع چاہیں تو اپنے دل سے معلوم کر لیتے ہیں۔ اس نے کہا اچھا مجھے شرمندہ نہ کریں اور ایک چیز اور قبول کریں۔ آپ کے ہاں عورتیں بہت آتی ہیں۔ میرے پاس امساک کی دوائی ہے اس کو قبول کریں۔ خوب لذّت ہوگی۔ میں نے کہا جس شخص نے سالہا نفس کُشی کی ہے اور تزکیہ نفس حاصل کیا اسے ان لذّات سے کیا غرض۔

یہ سن کر اس نے کہا میں نہیں کہتا تھا کہ یہ مرد ہے اور کچھ قبول نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ آپ اکیلے رہتے ہیں اور ہر بار چارپائی اندر لے جاتے ہیں۔ اور باہر لے جاتے ہیں میں ایک عمل بتاؤں گا جس سے چارپائی خود بخود اندر چلی جائے گی اور باہر آ جائے گی۔ میں نے کہا تم مجھے یہ بتاؤ کہ درویش کے لیے لوگوں کا ہجوم فائدہ مند ہے یا نقصان دہ ہے۔ اس نے کہا نقصان دہ۔ میں نے کہا تم نے دیکھا ہے کہ میرے پاس لوگوں کا کس قدر ہجوم رہتا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! بہت ہجوم رہتا ہے میں نے کہا ابھی ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ میری چارپائی خود بخود اندر آ جاتی ہے اور باہر آ جاتی ہے اس کے باوجود اتنا ہجوم ہے اگر دیکھ لیں تو پھر ہجوم زیادہ

ہو گا یا کم۔ یہ سن کر اس نے شکستہ دل ہو کر کہا کہ میں دور سے آیا ہوں۔ شرمندہ ہو کر واپس جا رہا ہوں۔ کیونکہ آپ نے مجھ سے کوئی چیز قبول نہیں کی۔ میں نے کہا شرمندہ کس لئے ہوتے ہو۔ تم نے جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے لیکن جو چیز میرے کام کی نہیں ہے میں اسے کیوں قبول کروں۔ اس کے بعد میں نے کچھ پس خوردہ اس کو دیا اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہے لیکن یہ میری طرف سے تحفہ ہے لے لو۔ اس نے لے لیا۔ اور کپڑے میں باندھ لیا۔ اس کے بعد میں نے اس کو ایک انار تبرک کے طور پر دیا۔ اس نے کہا یہ میں پورا کھا لوں گا۔ انار لے کر اس نے سر آنکھوں پر رکھا اور سر آستانہ پر رکھا اور ہاہا کر کے رونے لگا اور پھر روانہ ہو گیا۔ لیکن جلدی واپس آ کر کہنے لگا کہ میرے استاد نے آ کر مجھے کہا ہے کہ تم شرمندہ ہو کر جا رہے ہو۔ لہذا آپ ضرور مجھ سے کچھ لے لیں۔ میں نے کہا جس چیز کی مجھے ضرورت نہیں ہے لے کر کیا کروں گا۔ اس کے بعد وہ واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ میں پھر آؤں گا۔ میں نے کہا اچھا آ جانا۔ کچھ دور جا کر پھر واپس آیا اور کہنے لگا کہ میرا نام بار کندائی ہے۔ اگر کسی سے آپ یہ نام سنیں تو یقین کر لیں کہ وہ میں ہوں گا۔ اس کے بعد وہ کبھی واپس نہ آیا۔ حاضرین سے ایک شخص نے کہا۔ جوگیوں کے درمیان بار کندائی نام ہوا کرتا ہے۔ جو ان کے ہاں بہت معزز و مکرم ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں! لکھنوتی بنی ہوتا ہے۔ ایک دن لکھنوتی کے بادشاہ نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ لیکن اس کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ وہ آدمی سفید کپڑے پہنے بازار میں پھر رہا ہے۔ اسے پھر پکڑ کر لے گئے۔ لیکن اس دفعہ اس کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا اور کنوئیں کو پتھر سے بھر کر اوپر سے ہموار کر دیا۔ اس کے بعد وہ چند جوگیوں کے ہمراہ گداگری کرتا ہوا بازار میں دیکھا گیا۔ بادشاہ نے اس کو پکڑ کر اس کی گردن میں بڑا پتھر باندھ دیا اور دریائے لکھنوتی میں غرق کر دیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ وہ بادشاہ کے سامنے مراقبہ میں بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے اس بار اس کو اٹھا کر اچھے کپڑے پہنائے اور تعظیم اور معذرت سے پیش آیا حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ جوگی بوڑھا تھا لیکن ہمارے پاس جو آیا وہ جوان تھا اس کی عمر تیس سال تھی فرمایا کہ اس کے علاوہ جب ہم پرانی دہلی میں دروازہ بداؤں کے قریب رہتے تھے تو ایک دو جوگی اور آئے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان سبز رنگ تھا جو سر اور پاؤں سے ننگا تھا۔ وہ ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ آپکے دوست عبدالغفار کے پاس ایک چیز یعنی کیمیا تھا

دوسری چیز یعنی سیمیا نہیں تھا اس جوگی نے بھی بہت کوشش کی کہ ان میں سے کوئی چیز قبول کرلوں۔ لیکن میں نے کہا کہ میرے کام کی نہیں ہے ہرگز نہ لوں گا۔ اس جوگی نے مجھ سے بہت اسرار کیا جس طرح اوپر بیان کیا جاچکا ہے اور کئی بار گیا اور آیا۔ اور کئی بار کہا کہ مجھے شرمندہ نہ کریں لیکن میں نے کہا کہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اس نے بھی پیشانی آستانہ پر رکھی اور رو کر چلا گیا۔

روز شنبہ ۵۔ رمضان المبارک

جانوروں پر بوجھ لادنے کے بیان میں

چاشت کے وقت اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے پر مناسب بوجھ لانے کا مسئلہ بیان ہو رہا تھا۔ فرمایا فقہ کی کتابوں میں ان میں سے کسی مناسب بوجھ کا تعین نظر نہیں آتا۔ اس احقر نے پیشانی زمین پر رکھ کر عرض کیا کہ واقعی اس کے متعلق فقہ میں کوئی تعین نہیں آیا۔ اس مضمون پر حضرت اقدس نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دن شیخ بایزیدؒ نے دو اونٹوں کا بوجھ ایک اونٹ پر رکھا ہوا تھا یہ دیکھ کر لوگوں نے شور مچایا کہ کس قدر ظالم ہے دو اونٹوں کا بوجھ ایک اونٹ پر لاد دیا ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ ذرا غور کرو اور دیکھو جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سارا بوجھ ہوا میں معلق ہے اور اونٹ خالی جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر لوگ دوڑے اور شیخ کے پاؤں میں گر گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! کیسے لوگ ہیں ابھی مجھے ظالم قرار دے رہے تھے اور اب میرے پاؤں میں گر رہے ہیں اور قبلہ بنا رہے ہیں۔

اس کے بعد دہلی کی زیارت گاہوں کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا پہلے دہلی میں بے شمار زیارت گاہیں تھی لیکن سلطان محمد تغلق کے زمانے میں شہر کی جو بربادی ہوئی اس سے تمام زیارت گاہیں خراب ہوگئیں ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور عید گاہ کے پیچھے والی چند زیارت گاہوں کے علاوہ باقی تمام زیارت گاہیں ختم ہوگئیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ، کے متعلق فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جو عظمت کہ اس مزار کے اندر رکھی ہے کسی اور جگہ نظر نہیں آتی۔ وہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے میرا عرصہ سے یہ خیال تھا کہ کبھی وہاں علی الصباح میں سب سے پہلے جاؤں۔ چنانچہ میں نے ایک رات اسی احاطہ میں بسر کی۔ آخر

شب اٹھ کر مزار پر حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کسی نے مجھ سے پہلے وہاں حاضر ہو کر مزار پر تازہ پھول رکھدئے ہیں۔ چنانچہ میں نے مزار مبارک کو کسی وقت خالی نہ دیکھا۔ اگر اس زمانے میں بھی جبکہ سراسر تباہی کا زمانہ ہے وہاں جا کر دیکھو تو کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہوگا اور اگر کوئی شخص مزار مقدس پر جا کر عرض کرے تو اسے غیب سے اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ بسر اوقات ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ صلاح الدین کا مزار شروع میں نہیں تھا اور نہ ہی اس احاطہ میں کوئی گنبد یا عمارت تھی۔ آپ کی مزار کے خواجہ سرائے خواجہ یعقوب تھے۔ چونکہ خواجہ یعقوب کی اولاد نہیں تھی۔ اور مال بہت تھا آخر عمر میں انہوں نے وہ مال اپنے ایک عزیز خواجہ احمد کے حوالہ کر دیا۔ جس سے انہوں نے ایک گنبد تعمیر کرایا اور شیخ الاسلام (حضرت خواجہ نظام الدینؒ) اور خواجہ احمد ہر جمعہ کی رات وہاں حاضر ہوتے تھے اور خلق کے لیئے وہ مزار زیارت گاہ بن گیا۔

اس کے بعد طویل عمر کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ لمبی عمر بھی بابرکت چیز ہے۔ ہمارا اپنا حال اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اب کوئی ایسا آدمی نہیں رہا جو ہمارے ابتدائی واقعات جانتا ہو اس لیے اگر ہم کوئی بات کہیں تو ہمارے معتقد تو قبول کر لیتے ہیں لیکن دوسرے لوگ شک کرتے ہیں کیونکہ الخبر یحتمل الصدق والکذب (بات سچی بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹی بھی ہو سکتی ہے۔) کے بمصداق اسی میں شک کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ حضرت شیخ (خواجہ نظام الدینؒ) کے وصال کے بعد مولانا علاؤالدین نے کہا کہ ایک دن میں مولانا شہاب الدینؒ (جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے پیش امام تھے) کے پاس گیا انہوں نے میری بہت تعظیم کی اور چونکہ ان کا نہالچہ (نیچے بچھانے کا گدا) چھوٹا تھا انہوں نے لحاف کو تہ کر کے میرے لیے بچھا دیا اور فرمایا کہ اس پر بیٹھو۔ میں نے کہا کہ اس پر نہیں بیٹھوں گا۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدینؒ ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا انہوں نے فرمایا کہ اگر تم اس پر نہیں بیٹھو گے تو میں بھی نہیں بیٹھوں گا۔ مولانا شہاب الدین کی یہ بات سن کر میں تہہ شدہ لحاف پر بیٹھ گیا کیونکہ آخر وہ ضعیف اور بزرگ آدمی تھے۔ اس کے بعد مولانا شہاب الدینؒ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ کوئی بات کریں میں آپکی زبان سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔ لیکن چونکہ آپ حضرت شیخ کے امام تھے میں نے ادباً ان کے سامنے کوئی بات نہ کہی۔

درس کے وقت فرمایا کہ ظاہری علم بخل سکھاتا ہے اور جتنے علمائے ظاہر ہیں۔ ان کو مال جمع کرنے

کی خواہش اور اسے خرچ نہ کرنے کا خیال رہتا ہے ان لوگوں میں دل کھول کر خرچ کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ اس پر پیر سید احمد نے عرض کیا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہا المال شفیق الروح (مال روح کو فرحت بخشتا ہے) اس لیے امساک (خرچ نہ کرنا) بہتر ہے اس پر شیخ عمر ابن شیخ سعید نے کہا۔ کہ رسولِ خدا ﷺ نے بھی ایک صحابی کو سارا مال خرچ کرنے سے منع فرمایا تھا۔ فرمان ہے کہ (کیونکہ جب تم اپنے ورثاء کے لیے مال چھوڑ جاؤ گے۔ تو وہ غنی ہونگے۔ ورنہ وہ لوگوں سے مانگیں گے۔)

اس کے ساتھ جب حضرت بلالؓ کوئی چیز کل کے لیے رکھ دیتے تھے تو آنحضرت ﷺ اس سے ناراض ہوتے تھے۔ غرضیکہ احادیث میں خرچ کرنے یا نہ کرنے کا دارو مدار مختلف لوگوں کے مختلف حالات اور ایمان کی قوت اور اس کے توکل کی قوت پر ہوتا ہے۔ علمائے ظاہر کا چونکہ ایمان ضیعف ہوتا ہے وہ لوگ اس طبقہ کے لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے امساک (خرچ نہ کرنا) کا حکم فرمایا ہے۔ تا کہ ان کے ورثاء کومل سکے۔ اس لیے یہ ان کے لیے صدقہ بلکہ خیر الصدقہ ہوا۔ امساک (بخل نہ ہوا) لیکن درحقیقت یہ بھی ایمان کی کمزوری کی حالت میں جائز ہے۔ یہ خوب تحصیل علم ہوا۔ کہ جس کی وجہ سے ایمان ویقین کمزور ہو جائے۔

تفسیر کشاف میں اعتزال

اس لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم موجب ہدایت نہیں ہے ورنہ تفسیر کشاف[1] کا مصنف معتزلہ نہ ہوتا۔ اس علم سے تو جہل بہتر ہے۔ اگر صاحبِ کشاف سو گنا جاہل ہوتا تو اس کے لیے ہزار گنا بہتر ہوتا تا کہ اعتزال (بے دینی) جیسی بلا میں مبتلا نہ ہوتا۔ اس پر شیخ عمر نے کہا کہ سنا ہے وہ آخر میں تائب ہو گیا تھا۔ فرمایا ہاں اس کے مداح یہی کہتے ہیں۔ ہم نے کسی معتبر کتاب میں نہیں دیکھا۔ اس کو چاہیے تھا کہ اگر توبہ کر لیتا تو اپنی صفائی کر دیتا اس کے بعد فرمایا کہ اس کے اندر اعتزال اس طرح سرایت کر گیا تھا جیسے کہ پانی دودھ کے اندر۔ اس لیے اس کے دل میں اعتزال نکالنا مشکل ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحب مدارک[2] نے اس کا اعتزال نکال دیا ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ مدارک میں بھی بعض مقامات پر عین اعتزال ہے۔ معلوم نہیں یہ کس طرح آ گیا ہے۔

---

1 کشاف ایک تفسیر ہے۔
2 مدارک بھی ایک تفسیر کا نام ہے۔

اس موقعہ پر اس کمترین بندگان نے عرض کیا کہ مدارک میں سے برادرم سیّد احمد نے جو کچھ حضور کے سامنے پڑھا کئی مقامات پر عین اعتزال پایا جاتا ہے جس کا کہ صاحب مدارک نے ازالہ نہیں کیا اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ علماء کہتے ہیں جو شخص کشاف پڑھتا ہے اس میں اعتزال کی ایک رگ رہ جاتی ہے۔ لیکن ہم صوفیوں کا حال علیٰحدہ ہے ہمارا کام توحید اور وحدت پر منحصر ہے یعنی ایک کہنا ایک کرنا اور ایک ہونا۔ لیکن وہ (معتزلہ) وجود عالم کے قائل ہیں جس میں وہ ہر شخص کو خالق و موجد قرار دیتے ہیں۔ (یعنی قدر کے قائل ہیں) اس لیے ہم جہاں پر یہ چیز دیکھتے ہیں۔ لاحول پڑھ کر گزر جاتے ہیں اور ان کی کسی بات کا پر ہم پر اثر نہیں ہوتا۔

رویت باری تعالیٰ

اس کے بعد رویت (باری تعالیٰ کا دیدار) پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ اکثر فقہا نے خواب میں روایت باری تعالیٰ کا جواز نکالا ہے۔ اور خواب بھی دنیا میں ہوتا ہے جس میں رویت بلا جہت' بلا قرب' بلا بعد' بلا مکان ہوتی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ جہت' کیف اور مکان سے منزہ (پاک) ہے۔ **واللہ سبحانہٗ لا تغیرّ فی ذاتہ ولا فی صفاتہٖ حدوث الاکو ان** (اللہ پاک ہے اور اس کی ذات وصفات میں کون ومکان کے تغیر سے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا) پس دلیل واضح ہے کہ آخرت میں رویت ہوگی۔ البتہ وہ حضرات کہ جن کا خواب اور بیداری یکساں ہو چکی ہے ان کو بیداری کی حالت میں بھی رویت حاصل ہو سکتی ہے۔ پس اہل دین کا اسبات پر اجتماع ہے کہ رویت باری تعالیٰ' بلا جہت وکیف' وکمیّت' دنیا وآخرت یہی نیند اور بیداری کی حالت میں ممکن ہے۔

الحمدِ للّٰہ علیٰ ذالکَ اور خواب میں روایت باری تعالیٰ کی علامت بزرگوں نے اس طرح بتائی ہے۔ کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ زبان میں طاقتِ گویائی ہے اور یہ جو خواب میں رویت ہوتی ہے اور دیکھنے والے کو جہت اور صورت نظر آتی ہے اور یہ بھی حقیقی نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ یہ اس کا وہم اور خیال ہوتا ہے اور دراصل اس نے خدا تعالیٰ کا دیدار بغیر جہت و کیف وصورت دیکھا ہوا ہوتا ہے۔ صورت اور جہت مخلوق خدا کے لیے ہے نیز اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ صرف نموداری ہے۔ (یعنی ظاہرداری ہے)

ذبح اسماعیل علیہ السلام کی وجہ

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس آیۂ مبارک (**انی اریٰ فی المنام انی اذبحک**) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ تم کو (اسماعیل) کو ذبح کر رہا ہوں کے متعلق فرمایا کہ کتاب حقائق سلمٰی میں لکھا ہے کہ شیخ واسطیؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم اس لیے ملا کہ ان کو بیٹے سے زیادہ محبت ہو گئی تھی۔ کیونکہ خدا اور بیٹے سے محبت یکجا نہیں ہو سکتی اور یہ بات ان صوفیاء کے نزدیک صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اہل وعیال کی محبت کی وجہ سے خدا کی محبت میں رخنہ پڑتا ہے۔ لیکن بعض حضرات کا یہ عقیدہ نہیں ہے وہ کہتے ہیں خدا کی محبت اور قسم کی ہے اور اہل وعیال کی محبت اور قسم کی ہے۔ اور دونوں بیک وقت ممکن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ عشق مجازی میں بھی یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص کسی عورت پر عاشق ہوتا ہے تو اس کی اپنے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومحبت برقرار رہتی ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ فرمایا ایک دفعہ امیر المومنین حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ ابا جان آپ کو کس سے محبت ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا سے اور تجھ سے۔ امام حسنؓ نے کہا ابا جان ایک دل میں دو کی محبت کس طرح ہو سکتی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اے بیٹے تم سچ کہتے ہو۔ لیکن کیا کروں جو کچھ میرے اندر ہے میں نے وہی کچھ کہہ دیا ہے۔ اس پر حضرت امام حسنؓ نے کہا کہ ابا جان آپکی محبت خدا کے ساتھ ہے۔ میرے ساتھ شفقت ہے یہ سُن کر حضرت علیؓ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ بیٹا! یہ بات جو تم نے کہی ہے۔ علیؓ کی پشت سے نہیں بلکہ فاطمہؓ پیٹ سے ہے یعنی نسبت نبی ﷺ سے ہے نہ نسبت حضرت علیؓ سے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہندوؤں میں ایک قصہ مشہور ہے کہ دو آدمی ایک گورو دوسرا چیلا' کئی سال سے اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ ایک دن ان کو اجازت مل گئی کہ علیٰحدہ سفر کرو۔ چنانچہ وہ الگ ہو گئے۔ گورو سیر کرتا ہوا' ایک جنگل میں پہنچا۔ وہ امساک کی دوائی کا طلب گار تھا۔ اس جنگل میں اس کو وہ دوائی مل گئی۔ دوائی کو آزمانے کے لیے اس نے ایک عورت سے مباشرت کی۔ اور بہت لذّت پائی۔ چونکہ وہ کیمیا بھی جانتا تھا وہیں رہائش اختیار کر لی۔ اور کیمیا گری سے لونڈیاں خرید کر ان کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ وہاں ایک شہر آباد ہو گیا اور وہ جوگی اس شہر کا حکمران بن گیا۔ ادھر اس کا وہ چیلا پھرتا پھراتا اس شہر میں جا پہنچا لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سا شہر ہے

انہوں نے جواب دیا کہ پہلے تو یہ ویرانہ تھا۔ ایک جوگی نے آ کر یہاں قیام کیا اور یہ شہر وجود میں آ گیا ہے اور اب اس شہر کا حکمران بھی وہی جوگی ہے۔ چیلے کے دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ وہی میرا گورو ہے۔ شاید اسے امساک کی بوٹی ہاتھ آ گئی ہے۔ جس کی طلب میں وہ تھا۔ شاید اس نے اس بوٹی کے امتحان کی خاطر کسی عورت سے قربت کی ہو اور اب پھنس کر رہ گیا ہو۔ چنانچہ وہ گورو کے پاس گیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی ہے۔ اس وقت وہ رقص و سرور میں مشغول تھا۔ جب وہ فارغ ہوا تو چیلے نے قریب جا کر ایک شعر پڑھا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے ایک عورت کی محبت کے پیچھے دونوں جہان چھوڑ دیئے اور مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ اس گورو نے بھی اپنے چیلے کو پہچان لیا اور سمجھ گیا کہ میرا پرانا یار ہے۔ چنانچہ اس نے سارا املک و ملک چھوڑ دیا اور اپنے دوست کے ساتھ سفر پر چل پڑا۔ اسی اثناء میں اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے بیٹے کو بھی ساتھ لے لیا۔ چیلے نے کہا اگر یہ لڑکا بھی ہم سے دور ہو جائے تو ہم دنیا سے بے فکر اور لاتعلق ہو کر کام کریں گے۔ دوران راہ میں ایک مقام پر بھڑ گئے اور جوگی مراقبہ میں چلا گیا لڑکے نے کہا مجھے قضائے حاجت کے لیے جانا ہے۔ جوگی نے چیلے سے کہا کہ اسے لے جاؤ۔ وہ اسے جنگل میں لے گیا لیکن جلدی سے واپس لے آیا۔ لڑکے نے پھر کہا مجھے قضائے حاجت کے لیے جانا ہے۔ گورو نے کہا جاؤ۔ اس کی قضا کراؤ۔ چیلے نے دوبارہ اس کو جنگل میں لے جا کر ختم کر دیا۔ جب واپس آیا تو گرو نے کہا کہ لڑکا کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ اس کی قضائی کراؤ۔ میں نے اس کی پوری طرح قضائی کر دی ہے جوگی نے کہا کہ تمہاری خواہش تھی کہ دنیا سے کوئی تعلق نہ رہے یہی ایک تعلق تھا۔ اچھا ہوا تم نے ختم کر دیا۔ آؤ اب بے فکر ہو کر اپنا کام کریں۔ اور اسی پرانی حالت پر لوٹ آئیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے لیے بلائے عظیم یہ نہ تھی کہ سامنے بیٹا تھا بلکہ بلائے عظیم یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم نے غیر اللہ سے محبت کی ہے۔ اب اس کو ہمارے در پر قربان کرو اور فدا کر دو۔ اس کے مناسب حال آپ نے یہ حکایت فرمائی کہ ایک دن میں اپنے چند احباب کے ساتھ محفلِ سماع میں شریک تھا۔ مثل مولانا علاؤ الدینؒ اور سیّد شرف الدینؒ وغیرہم۔ قوال نے یہ شعر پڑھا۔

اتفاقم بسرے کوئے کے افتادہ است   کہ دراں کوئے چومن کشتہ بے افتادہ است

(مجھے ایسے محبوب کے کوچے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں میری طرح کئی عشاق مقتول پڑے تھے)

سیّد شرف الدین نے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تجلیات کو تکرار نہیں [1] ہے حضرت شیخ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کو اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے یا حضرت اسحاق۔ فرمایا کہ حضرت اسماعیلؑ ابوالعرب (عربوں کے باپ) ہیں اور آپ کی جائے پیدائش اور جائے رہائش بھی عرب ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ تاریخ میں آیا ہے کہ آغاز جوانی میں آپ نہایت حسین و جمیل تھے۔ ایک دن غسل کر کے زلف دراز کیئے ہوئے تھے ایک دن خوبصورت گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دل میں ان کی محبت کا غلبہ ہوا۔ اس پر غیرتِ خداوندی جوش میں آئی اور ذبح کا حکم صادر ہو گیا۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی اس امر پر دلیل کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے انا ابن ذبیحین (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں)

اب چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ کی دوسرے ذبیح آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن حضرت عبدالمطلبؓ کیونکہ حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت نذر مانی تھی کہ اپنے محبوب ترین بیٹے کو کعبۃ اللہ پر قربان کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللله کے نام میں سوراخ کر کے رسی ڈالی۔ اور کعبہ کی جانب لے گئے جب چھری لے کر ذبح کرنے لگے تو قریش نے جمع ہو کر واویلا کیا کہ آپ کے اس عمل سے ایک سنت قائم ہو جائے گی اور ہر شخص اپنا بیٹا ذبح کرنے لگے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کیا کروں میں نے نذر مانی ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا چلو کاہن کے پاس چلتے ہیں وہ جس طرح کہے گا وہی کریں گے۔ کاہن نے کہا کہ فدیہ ادا کرو۔ اب وہ اس فکر میں تھے کہ کیا فدیہ دیا جائے۔ آخر انہوں نے ایک کاغذ پر حضرت عبداللہ کا نام لکھا اور دوسرے پر ایک اونٹ لکھا۔ اور قرعہ اندازی کی۔ لیکن قرعہ اندازی میں قربانی کے لیے حضرت عبداللہ کا نام نکلا انہوں نے وہ اونٹ الگ کھڑا کر دیا اور دوسری بار قرعہ ڈالا تو پھر بھی حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ لیکن جب ایک سو بار قرعہ نکالا تو ہر بار حضرت عبداللہ

[1] یعنی تجلیات ربانی کی اس قدر کثرت ہے کہ جب کسی عارف پر ایک تجلی ہوتی ہے تو ساری عمر میں وہ تجلی پھر جلوہ گر نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ نئی تجلیات کا دور ہوتا ہے۔ اس لیے عرفا نے کہا ہے تجلیات ربانی کو تکرار نہیں۔

کا نام نکلا۔ غرضیکہ ہر بار ایک اونٹ علیٰحدہ کرتے گئے اور سو بار قرعہ نکالا تو اونٹ کا نام نکلا اس کے لئے انہوں نے ایک سو اونٹ ذبح کر دیئے اور حضرت عبداللہ کی جان بچ گئی۔ اس سے گوشت کی اس قدر فراوانی ہوگئی کہ پورا شہر مکہ سیر ہو گیا بلکہ تاریخ میں آیا ہے کہ اس علاقے کے تمام پرند چرند اور جنگلی جانور سیر ہو گئے۔ اس وجہ سے حضرت عبدالمطلب کا نام مطعم الطیر والوحوش (پرندوں اور درندوں کو پالنے والا) پڑ گیا۔ عشاء کی نماز کے وقت امتیوں کی اپنے نبی کے ساتھ شاگردوں کی استادوں کے ساتھ اور مریدوں کی پیروں کے ساتھ بے وفائی کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ پیر جو اسباب پر غرّہ ہوتا ہے کہ میرے بعد میرے مرید میری اولاد کے ساتھ وفا کریں گے اور ضرورت کے وقت کام آئیں گے غلط کرتا ہے۔ حضرت خواجہ اُوحد کرمانیؒ بڑے شیخ تھے۔ جن کے بے شمار مرید تھے۔ آپ نے اپنے تجربہ کی بنا پر جو کچھ لکھا ہے۔ یہ ہے۔ مثنوی۔

1 از خلق جہاں کرانہء گیر در کوچہء فقیر خانہ گیر
2 ہم نام ترا بہ ننگ آرند نقد سرہ ربہ ہرزہ دارند
3 دستارِ بزرگ و ریش خواہند آنگاہ ہمہ بدو پناہند
4 گومیند کہ مو سپید باید گر باشد و دل سیاہ شاید
5 اکنوں از پئے قبول ایشان کو کرد بکار و است نتواں
6 وآنکو بتو اعتقاد باشد آنہم زا پئے مراد باشد
7 در راہ اگر نہند جوئے زر خواہد ز تو معجزۂ پیغمبر
8 خواہد کہ تو دام دو گزاری مالش بہ سفر نگاہداری
9 انجورش ز اجل اگر بمیرد منکر شوزو دقیقہ گیرد
10 فہم ار نکند حقائق تو باطل داند نہ دقائقِ تو
11 کار تونکردہ و ندیدہ منکر شود او بہر شنیدہ
12 ور خود تو حکیم غریب و شرقی گویند ہمہ فسوس وزرتی
13 گاوے شدہ کیں بزرگ وار است خربندہ شدہ کہ شہر یاراست
14 افروختہ آتشِ رباحت کانیست مقام روح و راحت

15 لوطے شدہ کیس نظر ز روح است عیاش شدہ کہ ایں فتوح است

16 قد کردہ دوتا کہ ایں نماز است رو کردہ ترش کہ ایں نماز است

17 جامع چو گلاب کایں صیام است ساحر چوں خروس کیں قیام است

18 پابستۂ گندم مدارس گویند کہ خواجہ ہست مدرس

19 برمکر و نفاق خورد و خفّی گویند کہ خواجہ مست مفتی

20 گیسو جوزنان فگندجہ بردوش از کشتن خویش گشتہ بیہوش

21 فرزند علی و میر چشمیم لابد ز جمیع خلق پیشیم

22 بردار شدہ باسم تذکیر خود رائی را شمردہ تفسیر

23 قصاب شدہ کہ مرد غازیست طراز شدہ کہ کار سازیست

24 بروزر نشتہ کیں وزیر است مدبرے ماندہ کہ ایں دبیراست

25 دجال شدہ کہ بادشاہ ہم سلطانم و ہمسایہ خدایم

ترجمہ:

1۔ خلق خدا سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو جا۔

2۔ لوگ تجھے بَدم نام کر دیں گے اور تیری خوبیوں کو برائیاں بنا دیں گے۔

3۔ ان کو فقط بڑی دستار اور بڑی داڑھی درکار ہے۔

4۔ وہ سفید بال دیکھتے ہیں خواہ دل سیاہ ہو۔

5۔ اپنی مقبولیت کی خاطر وہ کام کرتے ہیں جو چھری بھی نہیں کر سکتی ہے۔

6۔ اور جو شخص تیرا معتقد ہے وہ بھی اپنی مراد کی خاطر کی معتقد ہے۔

7۔ جب کوئی شخص تیرے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر دیتا ہے تو پھر تجھ سے کرامات طلب کرتا ہے۔

8۔ بعد میں وہ اپنی رقم واپس طلب کرتا ہے۔ جتنا عرصہ اس کی دولت تیرے پاس رہی وہ اس کو امانت سمجھتا ہے۔

9۔ اگر کوئی آدمی قضا سے مر جائے تو لوگ تیرے منکر ہو کر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

10۔ اگر لوگ تیرے بیان کردہ حقائق نہیں سمجھ سکتے تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔

11۔ جب تمہاری کوئی بات صحیح ثابت نہیں ہوتی تو منکر ہو جاتے ہیں۔
12۔ خواہ تو مشرق و مغرب کا عالم ہے وہ تجھے جادوگر اور مکار سمجھتے ہیں ا
13۔ اگر تیری شکل بزرگوں کی سی ہے تو گائے بن کر عاجزی کرتے ہیں۔ اور گدھا بن جاتے ہیں۔ کہ یہ بادشاہ ہے۔
14۔ اپنے آرام و آرائش کی خاطر آتشِ رباحت جلاتے ہیں یعنی ہر تیرے کام کا جواز نکال لیتے ہیں۔
15۔ عیاشی کی خاطر لوطؑ کی امت بن جاتے ہیں۔ اور جو مال ہاتھ لگتا ہے اس کو فتوح یعنی عطیہ غیب سمجھتے ہیں۔
16۔ ہر کسی کے سامنے نماز کے لیے جھک جاتے ہیں اور اس کو نماز سمجھتے ہیں یعنی نماز نہیں پڑھتے۔ اور صرف عاجزی سے کام لیتے ہیں منہ ترش کرتے ہیں تو اس کو نیاز سمجھتے ہیں۔
17۔ خالی بھوک مرنے کو روزہ کا نام دیتے ہیں اور صبح سویرے اٹھ کر مرغ کی طرح آوازیں نکالتے ہیں۔
18۔ مدارس پر گندم کا احسان کرتے ہیں اور شیخ کو مدرس کا نام دیتے ہیں۔
19۔ مکر اور منافقت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور تمام بڑے کاموں کے فتوے شیخ سے لینا چاہتے ہیں۔
20۔ عورتوں کی طرح بال بنا کر پھرتے ہیں اور مرنے سے بے خبر رہتے ہیں۔
21۔ وہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم سادات ہیں۔ اس لیے سب سے زیادہ معزز ہم ہیں۔
22۔ انا الحق کا نعرہ مار کر دار کے مستحق بن جاتے ہیں اپنی رائے کے مطابق قرآن کے معنی کرتے ہیں اور مفسر کہلاتے ہیں۔
23۔ ہوتے ذات کے قصائی ہیں اور غازی ہونے کا دعویٰ کرتے اور مکر و فریب کر کے لوگوں کے کارساز بن جاتے ہیں۔
24۔ مسند پر بیٹھ کر وزیر بن جاتے ہیں اور تھوڑا بہت لکھنا جانتے ہیں۔ تو رہبر کہلاتے ہیں۔
25۔ ہیں دجال اور بادشاہ بن بیٹھتے ہیں بلکہ سایہ خدا یعنی ظل اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

روز یکشنبہ ۶۔ رمضان ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت کتاب مضمرات اس کمترین بندگان کے ہاتھ میں تھی حضرت شیخ نے پوچھا کہ کونسی کتاب ہے عرض کیا کہ مضمرات ہے۔ فرمایا کہ اس کتاب میں بہت سی روایات ہیں۔ اس کے مصنف مولانا جمال الدینؒ دروازہ بدایون والی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ بڑے فقیہہ تھے۔

انہوں نے یہ کتاب وہیں بیٹھ کر لکھی ہے۔ فرمایا اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ابن امام محمد باقرؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے تم میرے دادا کی احادیث ترک کر رہے ہو۔ اور اپنی رائے کے مطابق عمل کرتے ہو۔ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ اے فرزندِ رسول اللہ ﷺ آپ سے کسی نے غلط کہا ہے۔ آپ یہ فرمادیں کہ آیا نماز بہتر ہے یا روزہ۔ انہوں نے فرمایا نماز۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ حدیث کے مطابق ہم حائض عورت کے لیے روزہ کی قضاء کا حکم لگاتے ہیں نہ کہ نماز کی۔ اگر ہم اپنی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے تو اس کا برعکس کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آیا منی پلید ہے یا پیشاب۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا پیشاب۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر ہم رائے کے مطابق حکم نکالتے تو منی سے پیشاب کے لیے غسل لازم تر کا حکم لگاتے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ عورت کمزور ہے یا مرد؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ عورت۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر ہم اپنی رائے کے مطابق فتویٰ صادر کرتے تو باپ کی وارثت سے بیٹی کے لیے دو حصے مقرر کرتے اور بیٹے کے لیے ایک، لیکن ہم نے نصوص کے مطابق بیٹے کے لیئے دو حصے اور بیٹی کے لئے ایک حصہ نکالا۔

اس کے بعد فرمایا کہ البتہ صوفیاء کے درمیان منافرہ ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ما زالت الصوفیته بخیر ماتنا فروا فاذا اصطلحوا ھلکوا (یعنی صوفیائے کے مابین منافرت اس لیے ہے کہ ہر شخص دوسرے کے حال کے متعلق تجسس اور تحقیق کرے اور ایک دوسرے کے حال سے واقفیت ہو۔ اگر بشریت کی وجہ سے کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو اس سے متنبہ کرے تا کہ اس سے باز رہے۔ ان کی منافرت نعوذ باللہ حسد، عداوت یا کینہ کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ اس کا قلب مثل آئینہ ہے۔ جس کے اندر تمام عیب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک صوفی دوسرے صوفی کا آئینہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ المومن مراۃ المومن) مومن آئینہ ہے مومن کا۔ اس کے مطابق حضرت شیخ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

حکایت

حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے زمانے میں دریائے دجلہ میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ اور خلق خدا غرق ہو رہی تھی۔ مکانات تباہ ہو رہے تھے۔ خلقت نے حضرت شیخ شہاب الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ایک دُرّہ،

(چابک) لے کر دریا پر جاؤ' اور پانی پر چابک مار کر کہو کہ عمر سہروردی کے حکم سے واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ خادم دریا کی طرف روانہ ہو گیا اور خلق خدا اس کے ساتھ ہو گئی کہ دیکھیں کرامت کا کیسے ظہور ہوتا ہے۔ جب خادم نے دریا پر پہنچتے ہی چابک مارا' اور وہی الفاظ دہرائے تو دریا کا پانی تیر کی طرح تیزی سے پیچھے ہٹ گیا اور اپنے اصلی مقام پر جا پہنچا۔ جب یہ حکایت خواجہ ابواللیث سمرقندیؒ کو سمرقند میں پہنچی تو آپ نے شیخ شہاب الدینؒ کے پاس خط لکھا کہ مردانِ خدا کرامت کو چھپاتے ہیں۔ آپ نے کیسے آشکار کیا۔ شیخ نے خط پڑھ کر باہر پھینک دیا اور فرمایا۔ کہ اس بات کو ایک۔۔۔۔ (عام آدمی) کیسے سمجھ سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ اوحد کرمانیؒ کے فضائل پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا شیخ اوحد بڑے بزرگ تھے جن کے کافی مرید تھے انہوں نے ہر طبقہ کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ ان کا بیشتر کلام رباعیات پر ہی ہے۔ بعض کلام مثنوی میں بھی ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ ان کی یہ رباعیات خوب ذوق کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

رباعی

اوحدؔ دل را ز خویش برکن گردار　　ایں رخت بہر سوے میفگن رگردار

عمرے چوگل بیاد دادی یک دم　　چوں غنچہ فراہم شود دامن رگردار

یہ رباعی حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ انفاس کی قبیل سے ہے۔ مولانا برہان الدین کے دوست حضرت خواجہ کے خلفاء تھے۔ مثل مولانا زین الدینؒ دولت آبادی و سیّد نصیر الدین۔۔۔۔ اس مجلس میں موجود تھے۔ جب باہر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ مولانا محمود نے فرمایا کہ یہ قبیل انفاس میں سے ہے۔ لیکن اس کا مطلب کوئی نہ سمجھ سکا۔ اس کے معنی آگے آ رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک رباعی میں نے خسرو کی زبان سے سُنی ہے وہ اسے خوب ذوق سے پڑھتے تھے۔ رباعی یہ ہے۔

گر عاقلم حدیث تو کم کنمی　　وآنگہ رہ گفتگو نے محکم کنمی

دل سوختہ چند فراہم کنمی　　بررفتہ بگریمی و ماتم کنمی

(اگر مجھے عقل ہے تو تیرے متعلق کم بات کروں گا اور زبان بند کر کے خاموش رہ جاؤں گا۔ جلے

ہوئے دل کے ٹکڑوں کو کیسے جمع کیا جائے بس گذری ہوئی عمر پر رونے اور ماتم کرنے کا مقام ہے۔)

اس کے بعد فرمایا:۔ شیخ اوحدؒ کے بعض اشعار اور رباعیات ضرب المثل بن چکی ہیں۔ جیسے یہ رباعی۔

بادوست مرا عشق مجازی نبود جاں بازی من ترا بعشق بازی نبود

از من سخن زلفش بیہودہ مداں بہبودہ سخن بدین درازی نبور

(مجھے دوست یعنی محبوب حقیقی سے مجازی یعنی عارضی عشق نہیں ہے۔ میرا تجھ پر عشق کھیل تماشہ نہیں بلکہ جان بازی ہے میں جو اس کی زلف دراز کے متعلق بات کر رہا ہوں اسے فضول نہ سمجھ کیونکہ اس قدر طویل یعنی مسلسل ستائش بے ہودہ اور فضول نہیں ہو سکتی (بلکہ دل سے نکلتی ہے اور دل نشین ہوتی ہے۔)

فرمایا خسرو کا یہ شعر بھی ضرب المثل بن چکا ہے۔

دَر بزم و حالت دریا کشذ مستاں چوں دَور خسرو آمد مے در سبو نماند

(اے محبوب مستوں نے تیرے شرابِ وصل کے پیمانے نہیں دریا نوش کر لیے لیکن افسوس ہے کہ جب خسرو کی باری آئی مٹکا خالی ہو گیا)

فرمایا: خسرو کے یہ دو اشعار بھی بہت مشہور ہیں۔

مراحد اجل گر خواند کافر چراغِ کذب را بنور فروغے

مسلمان خواند مشن بہر مکافات دردغے راچہ آید جز دروغے

(اگر مجھے سَو عالمِ اجل نے کافر کہا تو پرواہ نہیں کیونکہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ کو پائیداری نہیں)

فرمایا: حسن (شائد امیر حسن علامہ سنجری) کی اس رباعی کا ایک مصرعہ بھی ضرب المثل بن گیا ہے۔

ہنگامِ جوانی کہ بغفلت خفتیم معشوقہ و بادہ را ز کس نہ نہفتیم

کردیم و نمودیم لبسے رعنائی چوں قامت ما خمیدہ خدمت گفتیم

(جوانی کے زمانے میں ہم غفلت سے سوئے رہے اور معشوقہ اور شراب کی باتیں کسی سے نہ چھپائیں۔ ہم نے بہت شوخی کرتے رہے جب بڑھاپے میں ہماری کمر ٹیڑھی ہوئی۔ تب یاد آیا کہ کیا کرنا ہے۔

عظمت ہر گہ کہ مے آمد بیا گو درِ درویش را درباں نبا شد

(اے دوست جب تیرا غم آتا ہے۔ میں کہتا ہوں آجاؤ کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ درویش کے در پر دربان نہیں ہوتا)

افطار۔کے وقت نان بائی سے چند روٹیاں منگوائی گئیں۔حضرت شیخ نے روٹی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈالا اور دوسروں کو بھی تقسیم کیے گئے۔شیخ عمر نے عرض کیا کہ بعض لوگ جو افطار میں اہتمام کرتے ہیں اس کی کیا سند ہے۔فرمایا معلوم نہیں لیکن ہمارے خواجہ شیخ نظام الدینؒ کا دستور یہ تھا کہ پہلے روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے تھے اس کے بعد پانی پیتے تھے۔میں اسی سنت پر عمل کرتا ہوں اور کتاب فقہ میں لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے افطار نہیں کرنا چاہیے مثلاً خرما اور پانی سے افطار کرے۔

دوشنبہ ۷۔رمضان المبارک ۸۰۲ھ

سماع صوفیاء

چاشت کے وقت سماع صوفیاء اور فہم سرود کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔حضرت شیخ اطال عمرہ نے فرمایا صوفی کے ذوق کا انحصار موسیقار کی ضربوں پر نہیں ہوتا کیونکہ ان کی نظر اس چیز پر نہیں ہوتی ان کا معاملہ اپنے خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔جب ایک لفظ یا ایک آواز ان کے موافق حال کا کان میں پڑتی ہے تو بس اُن پر حال طاری ہو جاتا ہے۔اور خوب لطف اٹھاتے ہیں۔بعض اس وجہ سے اُن پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں اور مدہوش ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ کے وصال کے چند یوم بعد آپ کے احاطہ میں سماع ہو رہا تھا۔لیکن مجلس ذوق سے خالی تھی۔جب تنگ آ کر محفل ختم کرنے لگے تو حسن مہندی آیا اور نعرہ مار کر حضرت خواجہ کے مزار کے سامنے سر رکھ کر ہندی زبان کے یہ الفاظ کہے: سوہیلہ مائی سوہیلہ۔

یہ کہنا تھا کہ سب پر گریہ طاری ہوا اور خوب ذوق سے مجلس جم گئی۔ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اے میری ماں خوش ہو جا خوش ہو جا۔پس ایک لفظ سے ساری مجلس پر ایسا ذوق وشوق طاری ہوا کہ یادگار بن گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ نظام الدین کہیں جا رہے تھے۔راستے میں لوگ کنوئیں سے پانی نکال رہے تھے ایک آدمی نے بلند آواز سے یہ الفاظ کہے ''باہری ہو باہری''یعنی ڈول واپس آ گیا۔یہ سنتے ہی حضرت اقدس پر حال طاری ہو گیا۔خواجہ اقبال اور شیخ مبشر سرود جانتے تھے انہوں نے ان الفاظ کو گانا شروع کر دیا۔وہ سارا راستہ حضرت اقدس کے آگے آگے یہی الفاظ گاتے چلے گئے اور

حضرت اقدس پر وجد طاری رہا۔حتیٰ کہ سفر تمام ہوا۔اسی وجہ سے حضرت شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین) نے فرمایا کہ وہ صوفی جو رقص کرنا نہیں جانتا اسے چاہیے کہ ایک کونے میں بیٹھ جائے اور مجلس میں نہ آئے تا کہ دوسروں کا ذوق خراب نہ کرے۔ایک دفعہ قاضی حمید الدین[1] ناگوریؒ کی محفل سماع میں ایک درویش بے طور رقص کر رہا تھا۔خادم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مجلس سے باہر نکال دیا۔جب مجلس ختم ہو گئی تو اس نے حضرت قاضی صاحب کے پاس شکایت کی کہ جب میرا ایک پاؤں بہشت میں تھا اور دوسرا پاؤں اندر رکھنے والا تھا کہ آپ کے خادم نے مجھے پکڑ کر باہر نکال دیا۔قاضی صاحب نے خادم سے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا حضور آپ کا حکم ہے کہ جو شخص بے تال رقص کرے اس کو باہر نکال دینا چاہیے آپ نے تبسم کر کے فرمایا کہ کوئی شخص بے تال بہشت میں نہیں جا سکتا۔

ایک موقعہ پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہو رہا تھا۔فرمایا حضرت یونس علیہ السلام اپنی بوڑھی والدہ کے ساتھ شہر بعلبک میں رہتے تھے۔اس شہر کو بعلبک اس لئے کہتے تھے کہ وہاں بعلبک نام بت کی پرستش کی جاتی تھی۔اس علاقے کے پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام تھے۔ایک رات حضرت الیاس علیہ السلام اس شہر میں آئے اور خوف زدہ ہو کر یونس علیہ السلام کی والدہ کے گھر ٹھہرے۔اس وقت وہ اُن پر ایمان لا چکی تھی۔حضرت الیاسؑ نے دیکھا کہ ناگاہ اس عورت کا بیٹا یونس مرا پڑا ہے۔آپ نے دعا کی اور وہ زندہ ہو گیا اور آپ اسے اپنے ساتھ لے گئے اپنی محبت میں رکھا۔جب حضرت الیاسؑ آسمان پر تشریف لے گئے تو حضرت یونسؑ کو اپنا قائم مقام بنایا۔

تراویح کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہؒ کے سامنے صبح کے وقت جب کھانا شربت اور شرینی لائی جاتی تھی تو آپ اس میں سے ایک دو ٹکڑے خربوزہ کے تناول فرماتے تھے باقی دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ایک دن چند طالب علم اور مولانا احمد تھانیسری حاضر خدمت تھے۔انہوں نے آپ کی خدمت میں خربوزہ پیش کیا۔آپ نے ایک پھانک اٹھا کر کھائی اور چھلکا باہر صحن میں پھینک دیا۔ایک طالب علم نے وہ چھلکا اٹھا کر کھا لیا (تبرک سمجھ کر) اس کے بعد حضرت اقدس نے اور پھانک اٹھا لیا اور کھا کر چھلکا باہر پھینکا۔

---

[1] قاضی حمید الدین ناگوری سلسلہ عالیہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے دوست تھے۔قاضی صاحب سماع کے دلدادہ تھے اور حضرت قطب الاقطاب کے ساتھ شریک محفل رہتے تھے۔موجودہ طرز سماع قاضی صاحب کی قائم کردہ ہے بڑے صاحب ذوق تھے۔

وہ دوسرے طالب علم نے اٹھا کر کھا لیا۔ غرضیکہ جب بھی آپ چھلکا پھینکتے تھے کوئی نہ کوئی طالب علم اٹھا کر کھا لیتا تھا۔ اب صرف مولانا احمد باقی رہ گئے۔ انہوں نے دل میں خیال کیا اب کی بار چھلکا میں کھاؤں گا۔ لیکن حضرت اقدس نے ایک پھانک اٹھائی اور کھا کر دریچہ کھولا اور چھلکا پیچھے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حیران ہوئے اس وقت تک وابستہ مجلس حضرت اقدس سے شرف بیعت حاصل کر چکے تھے صرف مولانا احمد باقی تھے انہوں نے حضرت اقدس کی بیماری کی حالت میں بیعت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ صحت یاب ہو کر مرید بناؤں گا۔ لیکن وہ مرض مرضِ موت ثابت ہوئی اور بیعت سے محروم رہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مشائخ بیماری کی حالت میں کسی کو بیعت کرتے ہیں نہ کسی بیمار کو بیعت کرتے ہیں نہ کسی قیدی کو تاوقت کہ بیماری سے صحت یاب اور قید سے آزاد نہ ہو۔ سید احمد برادر زادہ حضرت مخدومؒ نے دریافت کیا کہ اس میں کیا راز ہے۔ کہ اگر شیخ خود بیمار ہیں تو کسی کو بیعت نہیں کرتے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا دل مرض میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور بیعت دل کا معاملہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ توبہ کرانے میں کونسی دیر لگتی ہے، لیکن ان کو معلوم نہیں کہ بیعت لینا کارِ عظیم ہے ان جاہلوں اور نادانوں کو کیا معلوم۔

اس کے بعد التحیات میں انگلی اٹھانے کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا ہم یہ کام کرتے ہیں اور ہمارے خواجگان بھی کیا کرتے تھے۔ اس سے وحدت اور توحید کی طرف اشارہ ہے لیکن شافعی حضرات مٹھی بند کر کے ایک انگلی اٹھائے رکھتے ہیں اور اُسے ہلاتے رہتے ہیں۔ یعنی اوپر اٹھاتے اور نیچے لاتے ہیں، لیکن ہم مٹھی بند نہیں کرتے بلکہ ہاتھ اور انگلیاں کشادہ رکھتے ہیں صرف سبابہ (پہلی انگلی) اٹھاتے ہیں جیسا کہ ہمارے خواجگان نے کیا ہے۔

سہ شنبہ ۸۔ رمضان ۸۰۲ھ

لباس کے لئے چار جوڑوں کا جواز

نماز چاشت کے وقت فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے پاس ہمیشہ کپڑوں کے چار جوڑے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک جوڑہ پہنتا ہوں ایک دھوبی کے پاس ہوتا ہے اور دو گھر میں دھلے پڑے رہتے ہیں جن میں سے ایک اچانک ضرورت کے لئے ہوتا

ہے۔ مثلاً کپڑوں پر کوئی نجاست لگ گئی ہے اور نماز کا وقت قریب ہے۔ دوسرا جوڑا اس لئے رکھا رہتا ہے کہ شاید اچانک کسی کو دینے کی ضرورت پڑ جائے۔ نیز قوت القلوب میں آیت مبارک حسن لباس لکم وانتم لباس لھن سے بھی چار جوڑوں کے بیک وقت ہونے کا جواز نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کو مرد کا لباس کہا گیا ہے اور چونکہ مرد کے لیے چار عورتیں جائز قرار دی گئی ہیں اس لئے لباس کے بھی چار جوڑے ہونے چاہیں، ورنہ لباس مکمل نہیں ہوتا، ایک جوڑے سے لباس نہیں بنتا۔

اس کے بعد پرانے احباب اور ان کے حسن اعتقاد کا ذکر ہونے لگا۔ سیدی ابوالمعالی نے حکایت بیان کی کہ مولانا معین الدین ہانسویؒ نے حضرت اقدس کے پوتے سے دریافت کیا کہ مولانا آپ کا نام کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ''بندۂ مخدوم'' انہوں نے دوبارہ دریافت کیا تو وہی جواب دیا کہ ''بندہ مخدوم''۔ جب تیسری بار پوچھا تو کہا عبداللہ۔ مولانا قوام الدین وکیل نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحمد رکھا تھا، اس پر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جیسے عبدالمطلب۔ فرمایا مطلب مدینہ کے ایک شخص کا نام تھا جس نے حضرت عبدالمطلب کی پرورش کی تھی۔ اس کی ولادت بھی مدینہ میں ہوئی اور بڑا ہو کر مکہ معظمہ آیا تھا۔

نیز حضرت سید محمد اصغر نے جو حفات عالیہ میں یگانہ عصر تھے مولانا قوام الدین کے متعلق حکایت کی کہ شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کے عرس کے دن حضرت مخدوم (بندہ نواز سید گیسو درازؒ) نے بیماری کی حالت میں پانی نوش فرمایا اور بقیہ پانی مولانا قوام الدینؒ کو دے دیا۔ وہ بے ضبط (جلدی آپے سے نکل جانے والے) تھے، فوراً کھڑے ہو گئے اور چھ سات سو آدمیوں کے سامنے تبرک کا پانی پیا۔ اگرچہ حضرت مخدوم نے منع فرمایا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور سارا پانی پی کر بیٹھ گئے [1]۔ نیز یہ بھی کہا کہ آج میرا روزہ قبول ہوا ہے۔ لیکن یہ بات حضرت مخدوم بندہ نواز گیسو درازؒ کو پسند نہ آئی۔ اس مضمون کے مطابق حضرت مخدوم نے حکایت فرمائی کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ بیمار تھے۔ ماہ رمضان تھا۔ افطار کے وقت آپ خربوزہ تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک پھانک حضرت شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ کو عطا فرمائی۔ اور اگرچہ ان کو روزہ تھا دل میں ارادہ کر لیا کہ شیخ کا عطا کردہ تبرک ضرور کھاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ دو ماہ روزہ کا کفارہ دینا پڑے گا۔ وہ بھی رکھ لوں گا کیونکہ یہ دولت پھر کب ہاتھ آتی

[1] کھڑا ہو کر پانی پینے میں یہ راز تھا کہ جس طرح آبِ زم زم احترام کی غرض سے کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے حضرت مخدوم کا پس خوردہ بھی اُسی احترام کا مستحق تھا۔

ہے۔حضرت شیخ الاسلام گنج شکر قدس سرہ' کو روشن ضمیری سے ان کا ارادہ معلوم ہو گیا۔فرمایا نظام الدین ہمارے لئے احترام شرع واجب ہے۔اِسے رکھ لو' افطار کے وقت کھانا۔

روز چہار شنبہ ۹۔رمضان المبارک

اے ترا باہر کسے رازے دگر[1] چاشت کے وقت اس آیات پاک کے معانی بیان فرمار ہے تھے'وَمَا مِنَّـا اِلَّا لَـهٗ مقام'' مَعلُومَ۔فرمایا حق تعالیٰ کا ہر شخص کے ساتھ جداگانہ سِرّ' راز اور معاملہ ہے۔حق تعالیٰ کا ایک مرید کے ساتھ وہ معاملہ ہوتا ہے جو اس کے پیر کے ساتھ نہیں ہوتا۔فرض کرو پیر اپنے مرید کو ایک مقام پر پہنچاتا ہے جہاں ایک محل یا خیمہ نصب ہے۔وہ خیمہ نہ کپڑے کا ہے نہ ریشم کا لیکن ایسا نظر آتا ہے'اس کے دروازہ پر ایک دربان عصا ہاتھ میں لئے کھڑا ہے لیکن نہ وہ آدمی ہے نہ فرشتہ' نہ جن' نہ اس کا کوئی جسم ہے نہ ہاتھ نہ پاؤں' نہ وہ کھڑا ہے نہ بیٹھا ہے'اسی طرح وہ عصا نہ لکڑی ہے نہ چاندی نہ سونا' نہ تانبا لیکن اسی طرح نظر آتا ہے' پیر اس مرید کو اس کے اندر داخل کرتا ہے'اس کے بعد خدا جانتا ہے اور مرید جانتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا جب مرید واپس آتا ہے تو پیر اس سے دریافت کرتا ہے کہ کیا معاملہ ہوا۔مرید جو کچھ اس سے ہوسکتا بتاتا ہے کیونکہ جو تقریر میں نہ آسکے وہ کیسے بیان کرسکتا ہے' ممکن ہے پیر کے خوف سے کچھ بتا بھی نہ سکے۔اب پیر کیوں دریافت کرتا ہے کیا اس کو علم نہیں ہوتا۔بات یہ ہے کہ الوہیت کی جزئیات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ہر شخص کے لئے علیحدہ راز ہے'اس لئے پیر معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔اس پر سید احمد سلمہ نے پوچھا کہ کیا پیر اس مقام پر پہنچا ہوا نہیں ہوتا۔فرمایا پہنچا ہوا ہوتا ہے۔لیکن جزئیات کی کوئی انتہا نہیں کوئی شخص اُن کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

سماع وسرود ورقصِ صوفیاء

تراویح کے بعد سماع سرود ورقص صوفیاء کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔فرمایا سماع میں ممدوح (مستحسن) حالت یہ ہے کہ آپے سے باہر نہ ہو جائے بلکہ ضبط سے کام لے۔جو کچھ کرے اور کہے ہوش وحواس سے کہے۔البتہ بعض اوقات اس پر ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔اور اس سے ایسی حرکات وسکنات صادر ہوتی ہیں کہ اس میں بے اختیار ہوتا ہے' ان کو روک نہیں سکتا' خواہ وہ مردِ

[1] پورا شعر یوں ہے۔ اے ترا باہر کسے رازِ دگر ہر گدا را بر دات نازے دگر

باوقار ہو اس وقت اس کا وقار مانع نہیں ہوتا۔ اگر چہ اُسے اپنی حرکات وسکنات کا علم ہوتا ہے کہ کیا کر رہا ہوں لیکن اُن سے باز رہنے کی قدرت نہیں رکھتا' جس طرح غیض وغضب کی حالت میں ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے حالانکہ وہ اس کی محبوبہ ہوتی ہے' لیکن غصے میں اُسے کوئی ہوش نہیں رہتا بعد میں جب غصہ فرو ہوتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے۔

بعض اوقات سماع میں بے ہوشی بھی طاری ہو جاتی ہے' لیکن یہ حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ جیسا کہ شراب خوروں میں سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو جسقدر شراب پیئے بے ہوش نہ ہو جو آدمی ہوش کھو بیٹھے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ نیز سماع کا مقصد دل جمعی اور تمام چیزوں سے دل کو ہٹا کر ایک مقصد پر لگانا ہے اس لئے بھی بے خودی مذموم ہے کیونکہ اس سے مقصود سے دل ہٹ جاتا ہے اور مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ایک دانشور ہمارے خواجہؒ کا مرید ہو گیا تھا اور راہ تصوف اختیار کر لیا تھا۔ بعد میں ان کو مولانا زین الدین نے خلافت بھی دی تھی' ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میر سید مجھے سماع میں کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے دل میں کہا اس شخص کو ذوق سماع نہیں ہے اور نہ ہی کبھی سماع کی لذت سے آشنا ہوا ہے۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ سماع کیا چیز ہے۔ سماع تو وصول الی اللہ کے ذریعوں میں سے ایک ذریعہ ہے' جس طرح نماز روزہ اور تلاوت سے خدا تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے سماع سے بھی ہوتی ہے بلکہ سماع میں دلجمعی اور توجہ جو تمام عبادات کا سرمایہ ہے زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اسیوجہ سے شیخ ابو علی وقاقؒ نے فرمایا ہے کہ اَلسَّمَاعُ اَقرَبُ الطُّرُقِ اِلی اللہ (سماع قرب الیٰ اللہ کے لئے تمام راستوں سے قریب ترین راستہ ہے) اس کے مطابق حکایت بیان فرمائی کہ ایک دن میرے والد جس مسجد میں ہم پڑھتے تھے اس کے اندر ایک کونے میں اشراق پڑھ رہے تھے' ہمارے استاد اور دوسرے چند اساتذہ سماع پر بیٹھے بحث کر رہے تھے میرے والد نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا مولانا سنو! میں نماز پڑھ رہا تھا لیکن جو کچھ تم کہہ رہے تھے میں سن رہا تھا۔ اگر کہو تو دہرا دوں۔ لیکن جب میں سماع میں ہوتا ہوں تو سوائے ایک مطلوب کے میرے دل میں کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی پاس بیٹھنے والوں کی کوئی خبر ہوتی ہے۔ اور تم اِس سماع کو حرام کہتے ہو۔ یہ ہے سماع جس کے سوا کوئی اور سماع نہیں۔

احوال اہل سماع

اس کے بعد فرمایا اہل سماع کے احوال متفرق ہوتے ہیں۔ ایک پر جلوہ محبوب دیکھتے ہی بے

خودی طاری ہو جاتی ہے جب دوسری بار دیکھتا ہے تو ایک لمحہ کے لئے چہرہ دیکھ سکتا ہے' تیسری بار دیکھتا ہے تو پورا چہرہ دیکھ سکتا ہے چوتھی بار دیکھتا ہے تو ملاقات مصاحبت ہوتی ہے اور گفت وشنید تک نوبت پہنچ جاتی ہے یہ مردِ متمکن [1] (صاحب تمکین) کی حالت ہے اس کے حق میں کہا گیا ہے کہ **ھو مسیطر علی الحال لا الحال مسیطر علیہ** (وہ حال پر غالب ہوتا ہے۔ نہ کہ مغلوب) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ متمکن کو ذوق سماع کم اور اضطراب بہت ہی کم ہوتا ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اصحاب سماع کے احوال متفرق ہوتے ہیں یہ مبتدی اور متوسط لوگوں کے لئے ہے' جن میں سے ہر شخص کسی نہ کسی بات پر وجد میں آ جاتا ہے۔ فرمایا ایک دفعہ سات صوفی مولانا برہان الدینؒ [2] کے گھر پر بیٹھے تھے ان میں سے ایک میرے والد تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق شعر پڑھ رہا تھا اور اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور وجد آ رہا تھا۔ وہ سات اشعار یہ ہیں:۔

1 جاں ندارد ہر کہ جانا نیش نیست — تنگ عیش است ہر کہ بتا نیش نیست

2 ہر کہ باماہ روئے سرخوش است — دولتے دارد کہ پایانیش نیست

3 ہر کہ صورت نہ بندد سرِ عشق — صورتے وارد ولے جانیش نیست

4 گر دلے داری بدل بندی بدہ — ضائع آں کشور کہ سلطانیش نیست

5 عارفان درویش صاحب درد را — پادشا خوانند گرنانیش نیست

6 خانہ زندان است تنہائی ملال — ہر کہ چوں سعدی گلستانیش نیست

1۔ جس کا کوئی جانان یعنی محبوب نہیں ہے وہ گویا زندہ ہی نہیں ہے مردہ ہے۔ اور جس کا کوئی صنم

---

1 تلوین وتکوین دو مقامات میں تکوین وہ حالت ہے جب سالک مغلوب الحال رہتا ہے اور تکوین میں غالب الحال ہوتا ہے۔ تکوین کے سالک کو ابن الحال اور تکوین کے سالک کو ابوالحال بھی کہا جاتا ہے۔ اصحاب تکوین بڑے بلند ہمت اور عالی ظرف ہوتے ہیں اور شراب وصل کے پیالے نہیں صراحی نہیں خم نہیں دریا نوش کر جاتے ہیں لیکن مدہوش نہیں ہوتے اور ھل من مزید کے نعرے لگاتے رہتے ہیں۔

2 مولانا برہان الدین غریبؒ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ان دس نامور خلفاء میں سے تھے جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ آپ کی شان یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے سامنے ایک دفعہ کسی نے حضرت بایزید بسطامیؒ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے ہاں بھی ایک بایزید ہے یعنی اس مقام کا آدمی ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے فرمایا برہان الدین غریبؒ ہے۔ شان حضرت سلطان المشائخ کے غلامان کی۔ آپ کے غلامانِ غلام یعنی بندہ نواز سید گیسودرازؒ خاتمہ تصوف میں لکھتے ہیں کہ اگر ابن عربی یعنی شیخ اکبر محی الدین ابی عربیؒ میرے وقت میں ہوتے تو میں ان کو اُوپر لے جاتا اور وہ ایسی باتیں نہ کہتے جو انہوں نے کہی ہیں۔ یہ ہے خواجگانِ چشت کے غلامانِ غلام کا مقام۔

نہیں ہے اس کی زندگی دو بھر ہے۔

2۔ جو شخص کہ اپنے محبوب کے وصال میں ہے اس کے پاس ایسی دولت ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

3۔ جس شخص کے دل میں عشق نہیں ہے وہ جسم رکھتا ہے لیکن بے جان ہے۔

4۔ اگر تیرے پاس دل ہے تو اُسے عشق میں لگا دے وہ سلطنت کس کام کی جسکا بادشاہ نہیں ہے۔

5۔ عارف لوگ جب درویش کو بادشاہ سمجھتے ہیں خواہ اس کے پاس روٹی تک نہ ہو۔

6۔ جس کے پاس سعدی کی طرح گلستان نہیں ہے یعنی صاحب کتاب نہیں ہے اسکا گھر قید خانہ ہے۔اور اس کی تنہائی ملال یعنی غم ہی غم ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ ساتواں شعر مجھے یاد نہیں رہا۔

محفل سماع میں مردہ بچہ زندہ ہو گیا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی شخص نے بادشاہ کے سامنے صوفیاء کرام کی سخت شکایت کی۔ بادشاہ نے اس سے متفق ہو کر حکم دے دیا کہ تمام صوفیوں کو ہمارے شہر سے نکال دیا جائے۔ کیونکہ نہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ نہ ان کا ہمارے ساتھ۔صوفیاء کو جب یہ حکم موصول ہوا تو انہوں نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ ہمیں تین دن کی مہلت دی جائے تا کہ ہم اپنے دوست احباب اور رشتہ داروں کو الوداع کہہ سکیں۔ نیز ہمیں یہ اجازت بھی دی جائے کہ ہم محفل سماع قائم کریں۔اس کے بعد ہم چلے جائیں گے۔ بادشاہ نے یہ بات قبول کر لی۔ چنانچہ محفل سماع قائم کی گئی۔شامیانہ لگایا گیا اور بادشاہ جھروکا میں بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ بادشاہ کا ایک چھوٹا لڑکا تھا وہ بھی بادشاہ کے ساتھ بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس لڑکے کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گر گیا جس کی وجہ سے اس کا بند بند جدا ہو گیا اور گردن ٹوٹ گئی۔ بادشاہ پر بیٹے کی محبت غالب آئی اور اس نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ حادثہ صوفیوں کی نحوست کی وجہ سے ہوا ہے اس کے دل میں خیال آیا کہ اب ان کو مناسب سزا دینا چاہیے۔ جب صوفیاء کو اس بات کا علم ہوا تو کہا کہ بچے کو ہمارے پاس لاؤ۔ جب ہم سماع سے فارغ ہوں گے تو زندہ بچہ بادشاہ کے پیش کریں گے' اس کے بعد بادشاہ کے جو جی میں آئے کرے۔ چنانچہ بچے کو شطرنجی میں لپیٹ کر صوفیا کے پاس لے آئے۔اور وہ سماع میں مشغول ہو گئے۔تھوڑی دیر کے بعد بچے نے شطرنجی میں ہلنا جلنا شروع کیا۔اور کہنے لگا کہ مجھے باہر نکالو۔ میں باہر آنا چاہتا ہوں۔ جب انہوں نے اُسے باہر نکالا تو کھڑا ہو گیا اور محفل میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔

یہ دیکھ کر بادشاہ نیچے اُتر آیا اور صوفیاء کرام کے پاؤں کی خاک کو اپنی داڑھی اور سر پر لگایا اور نہایت عزت واکرام سے معذرت کا طلب گار ہوا۔

سماع میں یہودی کا مسلمان ہونا

کتاب سلوک میں لکھا ہوا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ اپنے اصحاب کے ساتھ کوہ لبنان پر سماع سن رہے تھے۔ایک یہودی راہب دور کھڑا فقرے کس رہا تھا' لیکن وہ لوگ سماع میں اسقدر منہمک تھے کہ یہودی کی پرواہ نہ کی۔ جب سماع سے فارغ ہوئے تو دریافت کیا کہ ہمیں کون آواز دے رہا تھا یہودی نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں تھا۔

انہوں نے پوچھا کہ تمہارا کیا مطلب تھا' اس نے کہا آپ کا دین کیا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا دین احمدی ہے۔ اس نے کہا تم لوگ یہ کیا کر رہے تھے۔انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع سن رہے تھے۔اس نے پوچھا کہ سماع کس لئے سنتے ہو۔انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر' یہ بات سن کر وہ حضرت خواجہ جنیدؒ کے پاس گیا اور مسلمان ہو گیا۔اور کہنے لگا کہ میں نے توریت میں لکھا دیکھا ہے کہ احمدؐ مرسل آخر زمانہ میں آئیں گے اور ان کی امت میں ایسے لوگ ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرود سنیں گے اور رقص کریں گے۔

کرامات صحابہؓ

اس کے بعد کرامات کا ذکر ہونے لگا۔فرمایا جس قدر کرامات متاخرینؒ سے منقول ہیں متقدمین سے نہیں ہیں۔اور صحابہ کرام کے اندر جس قدر کرامات حضرت علیؓ سے منقول ہیں دوسرے صحابہ کرام سے نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دو تین کرامات مروی ہیں۔اسی طرح حضرت عمرؓ سے بھی بہت کم منقول ہیں۔ عرائس میں لکھا ہے کہ حضرت اسماؓ بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت علیؓ مسجد نبوی میں نماز عصر ادا کرنے آئے۔لیکن آفتاب غروب ہو چکا تھا۔انہوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ سورج واپس لایا جائے۔ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسجد کی دیوار پر سورج کی دھوپ ظاہر ہوئی اور حضرت علیؓ نے نماز ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج دوبارہ غروب ہو گیا۔فردوسی طوسی نے ایک شعر میں دعویٰ کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے جتنے

معجزے سرزد ہوئے وہ سب حضرت علیؓ سے سرزد ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس سے ایک ایک کر کے سب کا مقابلہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ کا سورج کو واپس بلانا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سورج واپس بلانے کی طرح ہے۔ لیکن چونکہ وہ شاعر ہے اور شاہنامہ کا مصنف ہے۔ جس میں ہر قسم کی سر سبز باتیں درج ہیں مجھے کوئی صحیح قوی روایت نہیں مل رہی تھی۔ لیکن عرائیس میں حضرت اسمٰؓ بنت ابوبکرؓ کی روایت دیکھ کر سند معلوم ہو گئی۔ اسمٰؓ بنت ابوبکرؓ نے یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت علیؓ جنگ میں آنکھیں بند کر کے تلوار چلاتے تھے لیکن ان کی تلوار کبھی کسی مسلمان کو نہیں لگی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت علیؓ جنگِ صفین سے واپس جانے لگے تو امیر معاویہؓ نے تیس ہزار دینار دے کر ایک راہبر سے کہا کہ علیؓ کو ایسے راستے سے لے جاؤ کہ پانی میں غرق ہو جائیں۔ اگر غرق آب نہ ہو سکیں تو ایسے علاقے میں لے جاؤں جہاں پانی بالکل نہ ہوتا کہ ختم ہو جائیں۔ راہبر نے یہ بات قبول کر لی اور سیلاب میں لے گیا۔ حضرت علیؓ نے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اپنے رکاب دار قیصر سے فرمایا کہ اس بلندی پر کھڑے ہو کر جمجمہ کو آواز دو جب اس نے آواز دی تو چاروں طرف سے لبیک لبیک کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ اس نے کہا حضور وہ تو سارا جہان جواب دے رہا ہے کس کو طلب کروں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اب جمجمہ ابن کرکرت کو آواز دو۔ جب اس نے پھر آواز دی تو پھر ہزاروں لوگوں کی طرف سے لبیک کی آوازیں آنے لگیں۔ قیصر نے کہا مجھے جمجمہ ابن کرکرت الملاح کی ضرورت ہے۔ اب ایک آواز آئی کہ کیا کام ہے۔ قیصر نے کہا کہ پانی سے باہر جانے کا راستہ کہاں ہے۔ اس نے کہاں فلاں راستہ ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اپنے لشکر سمیت صحیح وسلامت پانی سے نکل گئے۔ اس کے بعد راہبر آپ کو بے آب ریگستان میں لے گیا جہاں نہ آدمیوں کے لئے پینے کا پانی تھا نہ جانوروں کے لئے۔ اور قریب تھا کہ سب ہلاک ہو جائیں۔ حضرت علیؓ نے قیصر سے فرمایا کہ فلاں مقام پر جا کر دیکھو وہاں پانی موجود ہے اس نے جا کر دیکھا تو بہت پانی موجود تھا۔ چنانچہ لشکر اور جانوروں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ حضرت علیؓ نے قیصر سے فرمایا کہ ایک پیالہ مجھے بھی بھر کر دو۔ جب آپ نے پانی پیا تو محسوس ہوا کہ پانی شور ہے لشکر اور جانور شور پانی سے کیسے سیراب ہوں گے۔ چنانچہ قیصر کو حکم دیا کہ پہاڑ پر جا کر دیکھو وہاں پانی ہوگا۔ جب وہ پہاڑ پر گیا تو دیکھا کہ بہت پانی موجود ہے اور وہ بھی میٹھا

ہے۔ یہ دیکھ کر قیصر نے عرض کیا کہ حضور آپ مُردوں کو زندہ کر رہے ہیں اور صحرا اور پہاڑ میں پانی پیدا کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خدا ہیں۔ آپ نے تلوار نکال کر اس کو ختم کرنا چاہا لیکن وہ پہاڑ پر بھاگ گیا۔ اور اُسی جگہ سکونت اختیار کر لی۔ اور ایک شہر کی بنیاد ڈال کر حضرت علیؓ کی پرستش شروع کر دی۔ اس فرقے کو قیصریہ کہتے ہیں۔

حضرت علیؓ اور روایت حق

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ ایک خاص حالت میں تھے۔ آپ نے فرمایا مانگو جو کچھ مانگتے ہو۔ ایک آدمی نے جس کا نام علیقہ تھا اٹھ کر کہا کہ اس آدمی نے بڑا سخت دعویٰ کیا ہے۔ واللہ! میں اس کو رسوا کروں گا۔ اس نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، حضرت اقدس نے جواب دیا کہ ہاں دیکھا ہے، میں ایسے خدا کی کیسے عبادت کر سکتا ہوں جسے دیکھ نہ لوں۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے کیسے دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے جو بیان[1] دیا وہ آدمی سنکر بے تاب ہو گیا اور بے خود ہو کر نیچے گر پڑا۔ اور ساری خلقت حیران رہ گئی۔ اس وقت آپ نے جو توحید بیان کی ہے وہ صرف حضرت علیؓ ہی بیان کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علیؓ کے تبحر علمی پر اس سے زیادہ کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ **انا مدینتہ العلم و علی بابھا** (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے) جو کچھ شہر میں آتا ہے دروازے سے آتا ہے اور جو شخص شہر سے باہر جانا چاہتا ہے وہ بھی اُسی دروازے سے باہر جاتا ہے۔ جو شخص شہر میں آکر اس کی لذت حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلے دروازے پر آتا ہے اور جس شخص کو شہر میں سے کوئی چیز ملتی ہے وہ بھی دروازے کے ذریعے ملتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن عبداللہ الصائب نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ مَنْ اَنْتَ (آپ کون ہیں) آپ نے جواب دیا کہ انا علی ابن ابی طالب (میں علی ہوں بیٹا ابی طالب کا) اس نے پھر پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا جب اس نے تیسری بار وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا خدا تم کو ہدایت دے میں اور کون ہوں اس نے کہا انت العلی العظیم (آپ علی العظیم ہیں۔)

---

[1] یہ بیان نہج بلاغتہ میں مفصل درج ہے۔ ایسا بیان ہے کہ کوئی بہت بڑا عارف باللہ ہی یہ بیان دے سکتا ہے، عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اِسم شافعی کی وجہ تسمیّہ

اس اثناء میں دو شافعی فرقہ کے آدمی حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ شافعی اور حنفی مذاہب میں اس قدر اختلاف ہے کہ اگر دونوں کی کتابوں کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ علیٰحدہ علیٰحدہ پیغمبروں کی شریعت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعض کے نزدیک شافعیؒ کو اسے لیے شافعی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے انتقال کے دن امام شافعیؒ کی والدہ دردِزہ میں مبتلا تھیں اور بچہ پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ جب امام ابو حنیفہؒ کا جنازہ وہاں سے گزرا تو انہوں نے آپ کو شفیع بنایا اور امام شافعی پیدا ہو گئے۔ اس لیے شافعیؒ کہلائے۔ لیکن کتب تاریخ میں وجہ تسمیّہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بنو شافعی ایک قبیلے کا نام ہے جو حضرت عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ امام شافعی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد اور آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ادریس تھا۔ چنانچہ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ محمدؒ بن ادریس الشافعی المطلبی۔

پنجشنبہ ۱۰۔ رمضان المبارک

جادو کا اثر صحیح بات ہے

جادو اور جنات کی قوت وغلبہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی [1] یہ فروعات میں ہے۔ احوال میں تمام مذاہب متفق ہیں اور وہ یہی فروعات کا اختلاف ہے۔ جسے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رحمت قرار دیا ہے۔ کیونکہ اسلام کسی خاص ملک یا خطے کے لیئے نہیں ہے بلکہ ساری بنی نوع انسان کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے ہے اب چونکہ دنیا میں مختلف قوموں کے مابین بے شمار نسلی، لسانی، تمدنی، ثقافتی، معاشرتی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگر مذاہب کے اختلافات کی وجہ سے احکام

---

[1] اب سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو جادو ہو گیا۔ آپ کے ایک ادنیٰ امتی کے اندر اتنی طاقت کہاں سے آئی کہ ان پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عبدیّت کا غلبہ تھا بلکہ عبدیت آپ کا خاص مقام تھا۔ عبدیّت کا مطلب ہے قرب اور فنافی اللہ کے جملہ مرایب طے کر کے اپنی رضا اور غبت سے مقام دوئی وکثرت پر واپس آنا اور حقیقی معنوں میں حق تعالیٰ کا عبد بن کر کمال عجز وانکسار سے رہتا ہے۔ اور یہی مقام عبدیت تمام مقامات سے بلند ترین مقام شمار کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر انبیاء اور اولیاء فائز ہوتے ہیں وہ اپنے اختیار اور مرضی کو درمیان سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی رضا اور مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت خضرؑ کے قصے میں مقامات کا یہی تفاوت تھا۔ جس کی وجہ سے ایک جلیل القدر پیغمبر ہو کر حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کی جھڑکیاں برداشت کر رہے تھے اور اس وقت حضرت خضرؑ عروج کے مقام میں تھے اور حضرت موسیٰؑ نزول وعبدیت کے مقام پر تھے۔ جو حضرت خضرؑ کے مقام سے زیادہ بلند تھا۔ حضرت خضرؑ پر کشف جاری تھا۔ اور حضرت موسیٰ نے کشف وکرامات ترک کر کے عبدیت کو شیوہ بنالیا تھا۔

اسلام میں یہ لچک نہ ہوتی تو ان پر عمل کرنے میں مشکل ہوتی۔ اب یہ حال ہے کہ ہر قوم اور فرد کے مزاج وطبیعت کے مطابق کسی نہ کسی مذہب میں اس کی گنجائش وموافقت موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام احمد جنیدؒ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ امام شافعیؒ امام محمد کے اور امام محمد امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور ایک دوسرے کا بہت احترام کرتے ہیں۔ فرمایا جادو کا اثر صحیح بات ہے۔ نبی اور ولی پر بھی اس کا اثر ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی اس کا اثر ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کا کھانا پینا اور نیند وآرام خراب ہو گیا تھا۔ اور آپ ایسی مرض میں مبتلا ہو گئے کہ جس کی کوئی ظاہری وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ اور آپ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ تبلیغ احکام دین کی پابندی میں فرق آنے لگا۔ اس سے اصحاب حیران تھے کہ کیا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نیند میں تھے۔ کہ دو فرشتے آئے ایک سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی جانب۔ ایک نے پوچھا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ جادو ہو گیا ہے۔ پہلے نے کہا کہ کس نے جادو کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اعظم لبید بن اعظم یہودی کی بیٹی نے کیا ہے۔ پہلے نے کہا کس چیز میں کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کھجور کے تروتازہ خوشہ میں باندھا ہے۔ پہلے نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ دوسرے نے کہا کہ وہ ذی اَوراں کے کنوئیں میں ہے۔ جس کے گرد بہت سے کھجور کے درخت ہیں اور ان درختوں میں لوگ رہتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام دوڑتے ہوئے وہاں گئے اور اسے نکال کر لے آئے۔ گھر آ کر انہوں نے اس کی گرہوں کو کھولا اور پانی سے دھویا اور پھر چلتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ نیز انہوں نے ہر گرہ کھولتے وقت معوذتین (قل اعوذ بِرَبّ الفلق اور قل اعوذ بِرَبّ النّاس) پڑھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحت یاب ہو گئے۔

شیخ جلال الدین تبریزی پر جادو کا اثر نہ ہوا

اس کے بعد حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے ان کو ایسی قدرت عطا فرمائی تھی کہ ان پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا تھا[1]۔ ایک دفعہ حضرت شیخ جلال الدینؒ ایک چمار کے استھان پر تشریف لے گئے۔ جس کا نام لونا تھا۔ لونا کے آدمی آئے اور شیخ کو وہاں بیٹھا' دیکھ کر چلے گئے اور لونا چمار کے پاس جا کر کہا کہ ایک درویش آیا ہے لونا نے کہا اس کو جا کر کہو کہ تم مسافر ہو ہم تجھے کچھ نہیں کہتے ہمارے یہاں سے چلے جاؤ۔ شیخ نے کہا نہیں جاؤں گا۔ لونا نے کہا تم جا کر اس کے سر

پر کوئی چیز گھماؤ وہ خود بخود چلا جائے گا۔انہوں نے جا کر کوئی چیز ان کے سر پر گھمائی لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ چیز ان پر گھومتی بھی نہیں تھی۔انہوں نے اس سے زیادہ اور قوی تر حربہ استعمال کیا تو اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔آخر انہوں نے سب سے زیادہ اور آخری جادو چلایا لیکن اس کا بھی اثر نہ ہوا۔انہوں نے واپس جا کر لوناسے سارا ماجرا بیان کیا۔اس نے خود آ کر اپنا سارا زور لگایا۔لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔آخر انہوں نے حضرت شیخ سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔آپ نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ایک مسجد بناؤں اور نماز ادا کروں اور پھر چلا جاؤں گا۔انہوں نے کہا آپ جو چاہیں کریں۔ بلکہ انہوں نے عمارت کیلئے سامان بھی فراہم کر دیا اور مسجد کی تعمیر میں بھی ہاتھ بٹایا۔اس کے بعد آپ نے مسجد میں کھڑے ہو کر آذان دی۔نماز ادا کی۔اور چلے گئے۔اس کے بعد فرمایا کہ مولانا عطااللہ ایک بزرگ تھے۔ جو ایک گل فروش کے ہاں آ کر ٹھہرے۔کیا دیکھتے ہیں کہ گھر میں شور مچا ہوا ہے۔اور کئی لوگ رو رہے ہیں۔انہوں ے نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے۔گل فروش نے کہا کہ ہمارے شہر کی ایک رسم ہے۔کہ بادشاہ کے حکم سے ہر روز ایک نوجوان کو دیو کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ اُسے کھا جاتا ہے۔آج میرے بیٹے کی باری ہے۔شیخ نے کہا اچھا آج اپنے بیٹے کی بجائے مجھے بھیج دو۔اس نے کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔بادشاہ مجھے قتل کر دے گا۔خیر اس نے اپنے بیٹے کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنائے اور بت خانہ کی طرف لے گیا۔شیخ بھی ساتھ روانہ ہو گئے۔چنانچہ آخری وقت پر شیخ خود اندر چلے گئے اور لڑکے سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ جب حسب دستور دیو آیا تو شیخ نے اس کے سر پر عصا مار کر اسے ختم کر دیا۔صبح جب بادشاہ بت پرستی کے لئے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص ہے۔جس نے سیاہ لباس زیب تن کیا ہوا سیاہ کلاہ سر پر ہے۔اور بت خانہ کی چھت پر کھڑا خلق کو بلا رہا ہے۔یہ نظارہ دیکھ کر ساری خلقت حیران ہو گئی۔شیخ نے بادشاہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دیو کو قتل کر دیا ہے۔ جب لوگوں نے دیو کو مرا ہوا دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور سب مسلمان ہو گئے۔اور شیخ کا لباس اختیار کر لیا۔ چنانچہ آج کل یہ لباس باقی ہے اور اکثر لوگ سیاہ کرتہ اور سیاہ کلاہ پہنے ہوئے نظر آتے ہیں انہوں نے اس ملک کی ولایت شیخ کے حوالہ کی۔ انہوں نے آمدنی کو تین حصوں میں منقسم کیا۔ایک حصہ فقراء کے لیے مقرر کیا۔ایک حصہ خدام کے لیے اور تیسرا حصہ بادشاہ کے لیے۔آج تک یہی تقسیم جاری ہے۔شیخ کا مدفن بھی اس جگہ پر ہے۔

کاتب کی دلجوئی

اس کے بعد فرمایا کاتب حاضر خدمت ہوا۔ حضرت اقدس نے دریافت کیا تم کہاں سے آئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ بندہ دہلی سے آیا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہاری وجہ معاش کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ کتابت کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے جد حقیقی بھی کاتب تھے۔ یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ تم کو اس پیشہ سے عار محسوس نہ ہو۔ فرمایا فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھا بیٹھے کہ میں اپنی لڑکی (اسفل السافلین (بدترین آدمی) کو دوں گا۔ تو اسے چاہیے کہ محاسب کو دے۔ کیونکہ وہ روز وشب حساب وکتاب میں رہتا ہے۔ اس لیے لازماً وہ اسفل السافلین ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے نفس کو پیدا کر کے اس سے پوچھا کہ من انت (تم کون ہو) نفس نے کہا اَنَا اَنَا وَاَنۡتَ اَنۡتَ (میں میں ہوں اور تو تو ہے)۔ حق تعالیٰ نے اسے دوزخ میں پھینک دیا۔" ستر ہزار سال تک وہ دوخ میں رہا۔ پھر نکال کر پوچھا مَنۡ اَنۡتَ اس نے جواب دیا۔ اَنَا اَنَا وَاَنۡتَ اَنۡتَ حق تعالیٰ نے اسے پھر دوزخ میں ڈال دیا۔ اور وہ مزید ستر ہزار سال دوزخ میں جلتا رہا۔ اس کے بعد نکال کر پوچھا کہ مَنۡ اَنۡتَ نفس نے وہی جواب دیا۔ یعنی میں میں ہوں اور تو تو ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اسے بھوک میں مبتلا کر دیا جس سے وہ عاجز آ گیا۔ جب حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے جواب دیا کہ خداوندا میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا خدا ہے۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے کوئی چیز عطا کر کہ بھوک کو کچھ ٹھنڈا کروں۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھوک بڑی بلا ہے۔ ہر بلا جو دنیا میں ہے اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اگر رفتہ رفتہ ثقلیل طعام (کم کھانے) پر عمل کیا جائے تو کم کھانے کی عادت ہو جاتی ہے اور کلی طور پر ترک بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ اور آدمی خوش وخرم بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن اس سے مزاج میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔

شیخ احمد بہاری کا بارہ سال کا روزہ

فرمایا احمد بہاری نے بارہ سال تک کچھ نہ کھایا لیکن مزاج میں خلل واقع ہو گیا۔ اور ایسے کلمات سرزد ہونے لگے جن سے انحراف ظاہر ہوتا تھا۔ کسی درخت کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے اور جو جی

میں آتا کہہ دیتے تھے لیکن بے ہودہ اور لایعنی بات نہیں کرتے تھے۔ اکثر اوقات شیخ عین القضاتؒ اور حسین ابن منصور حلاجؒ کے اقوال بیان کرتے تھے۔ اس قسم کے کلمات وہ خلل دماغ کی وجہ سے کہتے تھے ان کی عادت تھی۔ کہ چند لوگوں کے ساتھ باہر جاتے ان کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرتے اور ان کے سامنے رکھ دیتے لیکن خود نہیں کھاتے تھے اور بیٹھے تماشا دیکھتے رہتے تھے۔ کبھی گلر کے درخت سے پھل توڑ کر دوستوں کو بھیجتے اور درخت پر بیٹھے ہنستے اور تماشا دیکھتے رہتے تھے۔ ایک پیرہن اور لنگوٹہ زیب تن کرتے اور کلاہ سر پر رکھے ہوئے میرے پاس احاطہ شیر خان میں آتے تھے۔ مجلس میں بیٹھ جاتے تھے میں لوگوں کی آمد و رفت میں مشغول ہوتا تھا وہ بیٹھ جاتے ہیں۔ جب میں کوئی بات کرتا تو وہ خوش ہو جاتے اور سر ہلاتے اور ہنستے رہتے۔ جب میں دہلی آتا تو بھی میرے پاس آیا کرتے تھے۔ لیکن جب شہر میں وہ تمام بدنام ہوئے تو بہت لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی سخت رویہ اختیار کر لیا۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ اس شہر میں بس وہی ایک مرد ہے۔ لیکن میں بھی اس کی مخالفت کرنے لگا تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں اس کا حامی نہیں ہوں۔ چنانچہ جب حسب دستور میرے پاس آئے تو میں نے اس کی مخالفت کی۔ وہ جنگجو آدمی تھا۔ اور چند آدمی اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ میں نے اس کے تمام قول و فعل اسپر ظاہر کئے اور سب کی تردید کی۔ لیکن اس نے کچھ نہ کہا اور رنجیدہ خاطر ہو کر باہر چلا گیا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ باہر جا کر کہنے لگا۔ کہ آج اس آدمی کو کیا ہو گیا کہ میری مخالفت کرنے لگا۔ پہلے تو ہمیشہ میرے ساتھ خوش خوش پیش آتا تھا۔ اس کے بعد وہ کبھی واپس نہ آیا۔ اس کے تقریباً دو تین ماہ بعد اسے پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔

شیخ شرف الدین پانی پتی کا تیس سال کا روزہ

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ شرف الدین پانی پتی نے تیس سال کچھ نہ کھایا۔ نیز فرمایا کہ مجھے اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ طعام کلی طور پر ترک کر دوں۔ لیکن حضرت مرشد کی خدمت اور احبابؓ کے ساتھ دستر خوان لگایا جاتا تھا اور ہر شخص کو کھانے کے لئے کہا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں ایک آدمی کس طرح الگ تھلگ رہ سکتا تھا۔ ایک دن میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو کھانے کے بعد حاضر ہوا کروں اور رات بھر خانقاہ میں رہا کروں۔ فرمایا کسی وجہ

سے میں نے عرض کیا کہ والدہ سمجھیں گی کہ میں خانقاہ میں تھا اور وہیں کھانا کھایا ہوگا۔ اور خانقاہ کے احباب یہ خیال کریں گے کہ کہیں سے کھانا کھا کر آیا ہوگا۔ حضرت شیخ نے فرمایا خیر ہمارے ساتھ جو رہے گا۔ اسے طعام کھانا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ میرا ایک دوست تھا جن کا نام مولانا تاج الدین تھا۔ وہ اور مولانا علاؤ الدین مقام سنگولہ میں خواجہ جہان کی خانقاہ میں جا کر ٹھہرے اور طے کے روزے رکھنے لگے۔ تین چار دنوں کے بعد کچھ کھا لیتے تھے۔ لیکن مولانا علاؤ الدین اس خیال سے واپس آ گئے کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا دوست وہیں مقیم رہا۔ وہ دس دن کے بعد افطار کرتا تھا۔ افطار میں شیرینی، گھی اور چربی ہوا کرتی تھی لیکن پیاس لانے والی اشیاء سے پرہیز ہوتا تھا۔ وہاں انہوں نے ایک چلہ گزارہ اور ان چالیس دنوں میں پانی بالکل نہ پیا۔ چالیس دن کے بعد پانی پیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جسم میں سوئیاں چبھتی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ سیدی مصری خطاط (کاتب) تھے جنہوں نے ہمارا شجرہ از سرِ نو لکھا۔ وہ کہتے تھے کہ اٹھائیس سال ہوئے ہیں کہ میں نے پانی نہیں پیا۔ میں نے پوچھا کہ ترک کا کیا سبب ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرے پیر نے فرمایا کہ پانی مت پیئو۔ لیکن وہ بہت ہی کمزور اور خستہ حال ہو چکے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ پانی ترک کرنے سے صوفیاء کو جو مشاہدات ہوتے ہیں کیا ان سے آپ کو کچھ نصیب ہوا ہے۔ کہا انشاء اللہ ہوگا۔ ہم اپنے پیر کی تابعداری کرتے ہیں۔ ان کو صدرِ جہاں سید علی ابن سید جلال صدر جہان نے تسخیر آفتاب پر لگایا ہوا تھا۔ لیکن چند شرائط ان سے فوت ہوئے اس پر فالج گرا اور رحلت کر گئے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ کا صومِ دوام

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب اوائل سلوک میں ہم صوم دوام رکھتے تھے تو والدہ اصرار کرتی تھیں کہ افطار کروں۔ چنانچہ چاول کے چھ سات دانے لے کر منہ میں رکھ لیتا تھا۔ یا تھوڑا سا پانی پی لیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ کھانا سحری کے وقت کھاؤں گا۔ سحری کے وقت والدہ روغنی روٹی تیار کر کے گھی اور شکر کے ساتھ میرے پاس بھیجتی تھیں۔ میری والدہ اپنی خادمہ کو جو ان کو اپنے والد کی طرف سے جہیز میں ملی تھی۔ مجھ پر مامور کرتی تھیں کہ ضرور کھانا کھلا کر آنا۔ لیکن میں اس کو دھمکی دے کر رفع کر دیتا تھا۔

اس کے بعد تسخیرات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا تسخیر آفتاب، ماہتاب شیاطین و جنات کی وجہ سے آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ مرد مومن کو چاہیے کہ یہ کام نہ کرے کیونکہ ان کے لیے وہ تمام خطابات استعمال کرنا پڑتے ہیں جو حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ مثلاً یہ کہنا پڑتا ہے کہ **اَنتَ الاَحَدُ اَنتَ الصمدالفرد** (تو احد ہے تو صمد ہے تو فرد ہے) وغیرہ۔ اس کے علاوہ دوسری شرائط بھی ہوتی ہیں۔ فرمایا مولانا فخر الدین رازی کو تسخیر آفتاب و ماہتاب حاصل تھی اور مسخرات پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس کا نام سیر مکتوم ہے۔ اس میں انہوں نے خطابات الٰہیہ درج کیئے ہیں اور بعض حروف کو ترک بھی کر دیا ہے، تا کہ ہر شخص اس ردز سے آگاہ نہ ہو سکے ان کو عطارد سے بھی دوستی تھی۔ کہتے ہیں کہ پانچوں تصانیف میں سے ہر تصنیف ایک رات کی تصنیف ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تسخیر اچھی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس سے باطن مکدر اور سیاہ ہوتا ہے یہ اہل دل کا کام نہیں ہے۔ لیکن جب کسی کو ولایت عطا ہوتی ہے تو حق تعالیٰ اس کو ساتوں ستاروں کی تسخیر بھی عطا کرتے ہیں۔ اور ماہتاب (چاند) اس کے سامنے سورج سر پر عطارد پیچھے، زہرہ بائیں طرف مشتری دائیں طرف اور زحل و مریخ دونوں پاؤں کے نیچے ہوتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مدوتِ ولایت میں جو کوئی ان کی مخالفت کرتا ہے۔ ستارگان کی وجہ سے ان کی محافظت ہوتی ہے یہ سنت الٰہی ہے جس کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا۔

اپنا محاسبہ

اس کے بعد فرمایا کہ مرد کو چاہیے کہ اپنے وقت کی نگہداشت کرے اور ہر رات سونے سے پہلے دن میں کیئے ہوئے تمام کاموں کا جائزہ لے اگر نعوذ باللہ کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ استغفار سے کام لینا چاہیے۔ اور پھر وہ کام نہ کرے۔ اور شریعت کے مطابق جتنے نیک کام کیئے ہوں دوسری باران کی توفیق اور استقامت کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔ اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جو شخص اس طریقے سے اپنا روزانہ حساب کر لیتا ہے۔ حق تعالیٰ نے قیامت کے دن اس کو حساب و کتاب سے محفوظ رکھے گا۔ آیہ **فَسَوفَ یُحَاسِبُ حسابأ یَّسِیراً** (اور ہم اس کا حساب آسان کرا دیں گے) سے یہی مراد ہے۔ فرمایا کس قدر آسانی ہے کہ اس تھوڑے سے کام کیوجہ سے حساب و کتاب کی عظیم دشواری سے نجات ملتی ہے۔ واللہ موفق (اللہ توفیق دینے والا ہے۔)

اس کے بعد فرمایا کہ کل قیامت کے دن آقا اور غلام کا حساب ہوگا۔لوگ آقا کو صاحب دولت اور خوش بخت کہتے ہیں۔ ہزاروں روپے کماتا ہے اور خرچ کرتا ہے اور لوگوں کی نگاہ میں معزز معتبر ہوتا ہے۔ پہلے اس کے غلام کا حساب کتاب ہوگا۔اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عبادت کی وہ جواب دے گا کہ میں نے پانچ وقت نماز پڑھی روزہ رکھا اور دوسروں کی غلامی کی۔ مجھ پر نماز جمعہ' جماعت اور عیدین حج وزکوٰۃ فرض نہ تھی۔ فرمان ہوگا۔ کہ دنیا کا حساب دو۔ یعنی دنیاوی لذتوں کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی تو وہ کہے گا کہ مجھے سلے سلائے کپڑے اور پکی پکائی روٹی ملتی تھی اور اپنے آقا کی خدمت کرتا تھا۔ فرمان ہوگا۔ کہ اے بندے تم نے ٹھیک کیا' اب تو آزاد ہے اور خوش ہوجا۔ اس کے بعد اس کو بہشت کی پوشاک پہنائی جائے گی۔ اور اسے عزت واکرام کے ساتھ بہشت میں لے جایا جائے گا۔

اس کے بعد آقا کا حساب ہوگا۔ جس نے ہزارہا چیزوں کا حساب دینا ہے۔ اب وہ پریشانی کی حالت میں چاروں طرف نظر دوڑائے گا۔ کہ کوئی پیغمبر اس کی شفاعت کرے ورنہ فرشتے اُسے دھکیل کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ فرمایا اب سوچنا چاہیے کہ آیا اس آقا کی آقائی بہتر تھی یا غلام کی غلامی۔

کسبِ حلال مانع سلوک نہیں

اس کے بعد فرمایا کہ جو چیز حلال قرار دی گئی ہے۔ راہِ حقیقت میں مانع اور سلوک الی اللہ کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتی ورنہ حلال نہ ہوتی اس ضمن میں فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے وقت میں ایک کاتب تھا۔ جس کا نام مولانا ضیاء الدین تھا۔ علاؤ الدین بادشاہ نے ملک کے وکیل عماء الملک کو جو حضرت خواجہ کا مرید تھا۔ حضرت اقدس کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ ایک مہم میں فتح یابی کے لئے دعا کرائیں۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا کہ سب مل کر دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا کرے۔ اس اثناء میں ایک صوفی نے آکر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے کشف میں دیکھا ہے کہ ایک جوان گھوڑے پر سوار ہو کر درمیان میں کھڑا ہے اور مجھے کسی نے بتایا کہ اس جوان کی برکت سے لشکر اسلام کو فتح عطا ہوئی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر تم اس جوان کو دیکھو تو کیا تم پہچان لو گے۔ اس نے کہا جی ہاں پہچان لوں گا۔ اس اثناء میں مولانا ضیاء الدین گھوڑا دوڑتے ہوئے فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے حضرت اقدس کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس نے اس صوفی سے پوچھا کہ کیا یہی نوجوان تھا۔ اس نے کہا جی ہاں یہی تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب دیکھو مولانا ضیاء الدین کاتب تھا لیکن فن کتابت راہِ حقیقت میں اس کے لئے مانع نہ ہوا۔ یہ ایک دنیاوی شغل ہے جس سے وہ کماتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اگر توجہ خدا کی طرف رکھی جائے تو کوئی کام نقصان نہیں دیتا۔

حضرت شیخ پر جاں نثاری کا عدیم المثال واقعہ

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ کا جماعت خانہ دریائے جون کے کنارے پر تھا۔ جہاں ہمیشہ ایک چھپر بنا لیا جاتا ہے۔ لوگ چاہتے تھے کہ یہاں ایک اچھی عمارت ہونی چاہیے لیکن حضرت شیخ اجازت نہیں دیتے تھے۔ مولانا ضیاء الدین نے اجازت طلب کی تو آپ نے انکار فرمایا۔ لیکن لوگوں کا اصرار جاری رہا۔ اور آخر خواجہ اقبال (خادم خاص) اور سید حسین جو شیخ کو بہت محبوب تھے نے جا کر عرض کیا تو آپ مان گئے۔ اس کے ساتھ مولانا ضیاء الدین نے یہ بھی فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے میں کس لیے اجازت نہیں دیتا تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ میں اس لئے منع کرتا تھا کہ اس مقام پر نحوست ہے اور جو شخص یہاں عمارت تعمیر کرے گا۔ مر جائے گا۔ مولانا ضیاء الدین نے کہا حضور میں یہاں عمارت تعمیر کرونگا۔ شیخ نے فرمایا اگر تم یہ بات قبول کرتے ہو تو تم جانو۔ لیکن عمارت ایک ماہ میں تیار ہونی چاہیے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ پس انہوں نے فوراً سامان جمع کیا۔ اور کاریگروں اور مزدوروں کو بلا کر ایک ماہ کے اندر عمارت کھڑی کر دی اس کے بعد تقریباً چھ سو سکے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ حضور عمارت تیار ہے۔ آپ تشریف لے چلیں۔ تا کہ طعام پیش کیا جائے۔ اور محفل سماع منعقد کی جائے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر تمام احباب جمع ہوئے اور سارا انتظام ہو گیا۔ لیکن مولانا ضیاء الدین بیمار ہو گئے اور اس مجمع میں حاضر نہ ہو سکے بلکہ چند ایام کے اندر رحلت کر گئے اس کے بعد حضرت شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ) نے فرمایا۔ سبحان اللہ! ہر شخص جو کام کرتا ہے اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے نقصان کے لیے کرتا ہے وہ اور شخص ہے۔ (یعنی اسکا مرتبہ زیادہ بلند ہے) یہ کمال اعتقاد کی بات ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ پر جان نثار کرنے والے ایسے لوگ بھی تھے لیکن آج کل ایسے لوگ بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

حضرت شیخ کے ساتھ عشق کا کمال

(اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن میں راجا بزلق کے پاس خاص طور پر اس لیے گیا کہ آپ نے میرے شیخ (حضرت خواجہ نظام الدین) جو کچھ براہ راست سنا ہے یا ان کے معتبر اصحاب مثل مولانا برہان الدین غریب، مولانا شمس الدین یحیٰی جیسے اکابر سے سنا ہے مجھے اس سے آگاہ کیجئے۔ نیز آپ سے تربیت اور دعا کی درخواست بھی کرتا ہوں۔ میرا مقصد فقط مستند روایات کا حاصل کرنا ہے اور آپ چونکہ حضرت خواجہ کے معتمد اور صادق اصحاب میں سے ہیں آپ جو کچھ کہیں گے میرا اس پر اعتماد ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی بات بتائیں۔ انہوں نے کہا اخوند سید! مجھ راجا کی کیا مجال ہے کہ حضرت خواجہؒ کے سامنے بات کرتا۔ یا اُن سے بات سنتا۔ جب میں مرید ہوا آپ کی خدمت میں خاموش ہو کر بیٹھا رہتا تھا۔ مجھے ملک زادہ احمد کے ذریعے بیعت کا شرف حاصل ہوا اور ملک زادہ احمد کی یہ حالت تھی وہ حضرت خواجہ کے مرید نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ مرید کیوں نہیں ہوتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری کیا ہستی ہے کہ حضرت خواجہ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔ وہ حضرت خواجہ کے عشق میں اس قدر مبتلا تھے کہ میرے بیان سے باہر ہے۔ جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا تھا تو دیکھتے رہتے تھے۔ لیکن ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ جب لوگوں نے وجہ دریافت فرمائی تو کہتے تھے کہ جب تک کہ شیخ کو نہ دیکھ لوں کھانا کیسے کھا سکتا ہوں۔ جب حضرت شیخ کو دیکھ لیتے تھے پھر کھانے کو ہاتھ لگاتے تھے اور ان کے سامنے بیٹھ کر کھاتے۔ پانی کا بھی یہی حال تھا۔ جس کی وجہ سے ان کو نکسیر کی بیماری ہو گئی ناک سے جتنا خون نکلتا تھا۔ ہاتھ میں لے کر پھر منہ میں ڈال دیتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کیا کروں مجھ سے شیخ رخصت ہوتے ہیں۔ شیخ کو کیسے جانے دوں[1]۔ انہوں نے کہا اگر تم کو یقین نہیں آتا تو دیکھ لو۔ چنانچہ انہوں نے جب خون کا ایک قطرہ زمین پر گرنے دیا تو شیخ کا نام لکھا گیا۔ جب لوگوں نے اس کا ذکر حضرت شیخ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا کہ بیچارہ احمد جل چکا ہے تم لوگوں نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اب کیا ہو سکتا ہے چنانچہ اسی حالت میں چند روز کے بعد وہ واصل باللہ ہو گئے۔

---

[1] شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ شیخ میری جان اور خون اور گوشت پوست کے اندر ہیں اور تصور شیخ کا اُن پر ایسا غلبہ تھا کہ اپنا جسم شیخ کا جسم سمجھتے تھے اور جسم کا ہر حصہ یہاں تک خون کو شیخ کا خون سمجھتے تھے۔

مشائخ کا مجاہدہ

ظہر کی نماز کے بعد یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ارباب طریقت کس طرح مختلف طریقوں سے مقصود کو پہنچے۔ فرمایا خواجہ ابوالحسن نوری تیس سال مسجد میں مشغول رہے اور بالکل نہ سوئے۔ ایک دن ایک مسافر آیا اس نے چاہا کہ تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاؤں لیکن حضرت شیخ سے شرم کی وجہ سے نہ سویا۔ جب شیخ کو معلوم ہوا کہ میری وجہ سے نہیں سو رہا تو آپ اس کی خاطر سو گئے۔ اُسی رات خواب میں حق تعالیٰ کی زیارت ہوگئی بس وہی ایک رات تھی جب آپ سوئے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے لیے تو وہی رات تمام راتوں سے زیادہ برکت والی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ شاہ شجاع کرمانیؒ سالہا ابدال کی ملاقات کی خواہش میں رہے۔ ایک دفعہ ملاقات ہوگئی۔ لیکن سخت اور ناپسندیدہ صورت میں ابدال کو دیکھا اور دل میں خیال آیا کہ ابدال یہی ہوتے ہیں۔ اس نے پانی کا چلو لے کر اُن کے منہ پر مارا اور کہا کہ اے صوفی تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ ایک رات شاہ شجاعؒ کو نیند میں حق تعالیٰ کی زیارت ہوگئی۔ بس اس کے بعد وہ ہمیشہ زیارت کی تمنا میں رہنے لگے۔ اس وجہ سے آپ کے مزاج میں سبکی آ گئی تھی۔ آپ اپنی بغل میں ہمیشہ ایک تکیہ رکھتے تھے جہاں جاتے تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے تھے۔ اس اُمید میں کہ ایک بار اور زیارت ہو جائے لیکن اس کے بعد آپ کو کبھی زیارت نہ ہوئی۔

خواجہ گازرونیؒ نے سب کچھ ادب کی برکت سے پایا

اس کے بعد ادب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا خواجہ ابواسحاق گازرونیؒ جولاہا کے بیٹے تھے۔ ایک دن تانا کھڑے سیدھا کر رہے تھے۔ اور دو روٹی جوان کے لیے لائی گئی تھی طاق میں پڑی تھی۔ اس وقت وہاں سے تین درویش گذرے۔ ابواسحاق نے روٹی اٹھا کر ان کے پیچھے دوڑے اور پاس جا کر سر نیچا کئے ہوئے دونوں ہاتھوں سے روٹی پیش کی۔ اور درویشیوں کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی اور کہنے لگے کہ اس قسم کے نیک اور مودب بچے کو ضائع نہیں ہونا چاہیے چنانچہ ایک درویش نے کہا میں نے اس کو دین دیا دوسرے نے کہا میں نے اس کو دنیاوی انہوں نے تیسرے درویش سے کہا کہ آپ بھی کچھ دیں۔ اس نے کہا دین اور دنیا تو تم لوگوں نے دے دی

ہے باقی کیا رہ گیا ہے۔ میں کیا دوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ضرور کچھ دیں۔ اس نے کہا میں نے دونوں کے لیے (یعنی دین و دنیا کے کاموں میں) استقامت دی۔ چنانچہ ابواسحاق گازرونیؒ کو دین میں اس قدر استقامت حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور ان کی دنیا کا یہ حال ہے کہ آج تک ان کا عَلَم اور برات شہروں میں گھومتا ہوا نظر آ رہا ہے اور جو شخص اس عَلَم اور بَرات (جلوس) کو دیکھتا ہے سینکڑوں ہزاروں روپے نذر پیش کرتا ہے۔ اور شیخ کے احاطے میں ایسا خزانہ ہے کہ ہزاروں لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں۔ کھاتے ہیں پیتے ہیں پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔

جمعتہ المبارک ۱۱۔ رمضان شریف

سحری دیر سے اور افطاری جلدی کی فضیلت

چاشت کے وقت سحری دیر سے اور افطاری جلدی کرنے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا ہمارے خواجہ علیہ رحمہ سحری بہت دیر سے اور افطاری بہت جلدی کرتے تھے۔ جونہی مغرب کا وقت ہوتا آپ فوراً ہی روٹی کا نوالہ منہ میں ڈال لیتے تھے اور سحری کرنے میں اتنی دیر کرتے تھے کہ سحری کے بعد فوراً وضو کرتے اور پھر نماز فجر کی سنت پڑھ لیتے تھے۔ نیز سحری میں تھوڑی سی کھچڑی یا بھات تناول فرماتے جس کا وزن تقریباً چاندی کے ایک ٹکہ کے برابر ہوتا تھا۔ اس پر اس احقر نے عرض کیا کہ کتاب شیخ الصحابہ میں سیرت رسول اللہ ﷺ کے باب میں لکھا ہے آنحضرت ﷺ سحری کرنے میں اس قدر تاخیر فرماتے تھے کہ اس کے فوراً بعد وضو کر کے نماز فجر کی سنت پڑھ لیتے تھے اور درمیان میں اور کوئی کام نہیں کرنے پاتے تھے۔ بعض احباب حضرت شیخ کی اس تاخیر کے متعلق گفت وشنید کرتے تھے۔ لیکن آپ اسی طرح کرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور یہ بات سوائے معجزہ، کرامت یا شب کے حقائق و معارف کے علم میں مہارت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی[1]۔ اس لیے دوسروں کو اس قدر تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو باطنی بصیرت سے صبح صادق کا عین وقت معلوم ہو جاتا تھا اس لیے سحری میں اس قدر تاخیر کرتے۔ لیکن عام لوگوں کے لیے چونکہ صبح صادق کا وقت صحیح معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے اس لیے اس قدر تاخیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے کچھ دیر پہلے سحری کر لینی چاہیے۔ نیز شب کے حقائق و معارف اور قسم کے بھی ہوتے ہیں جو شب بیداروں کو معلوم ہیں۔ افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرنے سے رات کا حصہ ذرا طویل ہو جاتا ہے۔ جس سے رات کے انوار و برکات میں لازمی اضافہ ہو جاتا ہے۔

اوحدؒ کی رباعی کی شرح

اس کے بعد اس کمترین بندگان کو خیال آیا کہ شیخ اوحد کرمانی کی وہ رباعی جو حضرت شیخ نے ایک دن پہلے بیان فرمائی تھی کا مطلب دریافت کرنا چاہیے۔ رباعی یہ ہے۔

اوحدؔ دل را زخویش برکن گرد آر — این رخت بہ ہر سو میفکن گرد آر

عمرے چوگل بہ باد داری یک دم — چو غنچہ فراہم شود دامن گرد آر

اس روز حضرت اقدس نے اس رباعی کے متعلق فرمایا تھا کہ "ایں از قبیل انفاس است" (یعنی یہ انفاس کی قسم ہے) یہ بندہ اس تجسس میں تھا کہ اس کے معانی دریافت کروں۔ اگرچہ کئی بار یہ اشعار سن چکا تھا۔ چنانچہ جمعہ کے دن موقع ملا۔ تو حضرت شیخ سے اس رباعی کا مطلب دریافت کیا۔ فرمایا صوفیاء کی اصطلاح میں ایک لفظ نفس ہے۔ جس کے معنی ہیں تَروِیحُ القُلُوب بِمُشَاهَدَة الغیُوبِ مَقرُوناً بِالنَّفَسُ۔ یعنی ہر نفس یا ہر دم شہود غیب میں دل کا محو رہنا مطلب یہ کہ مشاہدہ محبوب کے بغیر ایک لمحہ بھی نہ رہنا یہ نفس کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ اوحدؒ فرماتے ہیں کہ عمرے چوگل بیاد دادی یعنی تم نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ مقصود حاصل نہ کیا اور غفلت میں زندگی گزار دی۔ اب غنچہ کی طرح یکجا ہو جا اور بے شہود دوست ایک لمحہ کے لیے بھی نہ رہ۔ پہلے شعر کا مطلب بھی یہی ہے کہ اوحدؔ اپنے دل کو یکجا کر اور پھیلاؤ ختم کر کے یکسوئی حاصل کر اور اس رخت یعنی انفاس وخطرات کی وجہ سے دل کو پریشان مت رکھ بلکہ ایک مرکز پر جمع کر لے اور اس کے بغیر لمحہ بسر نہ کر۔

جن اور انسان کی قوت کا مقابلہ

اس کے بعد جنّات اور انسان کی قوت پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ اولیاء کرام کے دل جو محضر حق (جائے ظہور) ہیں۔ کے سامنے جنّات نہیں ٹھہر سکتے۔ ایک دفعہ حضرت امیر حمزہؓ کا گزر ایسے مقام پر ہوا جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک کنوئیں کے اندر ایک دیو (جّن) کو قید کر کے زنجیروں سے باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے کنوئیں کے منہ پر ایک بہت بڑی چٹان رکھ دی تھی۔ جسے کوئی اٹھا نہ سکتا تھا۔ حضرت امیر حمزہؓ چٹان کو ہٹا کر اندر گئے اور دیو کے زنجیر کو توڑا تو دیو نے آپ پر حملہ کر دیا۔ لیکن۔۔۔ انہوں نے دیو کو پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ اور تلوار نکال کر قتل کر دیا۔ اسی طرح

حضرت علیؓ نے کئی دیوؤں کو قتل کیا تھا۔ایک دیو قلعہ دہلی میں رہتا تھا اور ہر شخص کو تنگ کرتا تھا۔ایک بزرگ نے اُسے قتل کرنا چاہا لیکن دیو نے وعدہ کیا مجھے چھوڑ دو میں دہلی میں نہیں رہوں گا۔

شیخ اوحدؒ کے جلال کے سامنے حُسین نوجوان کا تاب نہ لاسکنا

نماز جمعہ کے بعد بھی شیخ اوحدؒ کرمانی کا ذکر ہونے لگا۔فرمایا شیخ اوحدؒ کرمانی کو امارو (بے ریش نوجوان) بہت محبوب تھے۔سماع میں بھی جب کوئی بے ریش جوان آتا تو آپ اس کے گرد ہو جاتے تھے۔ایک دفعہ ایک ترک نوجوان نے جو بہت تیز وطرار تھا یہ بات سنی اور خنجر کمر میں باندھ کر اس خیال سے اس مجلس میں چلا گیا کہ جب وہ ملحد میرے گرد ہو گا تو اسے قتل کر دوں گا۔شیخ مجلس سماع میں مشغول تھے کہ وہ جوان آیا اور شیخ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔حضرت شیخ نے اسے دیکھ کر فوراً یہ رباعی پڑھی۔

سہل است مرا بزیر خنجر بودن   از بہر رضائے دوست بے سر بودن
تو آمدۂ کہ ملحد را بکشی   غازی چو توئی رواست کافر بودن

(میرے لیے خنجر کے نیچے گردن رکھنا اور اس کی رضا جوائی کے لیے سُر فدا کرنا آسان ہے۔تو اس لیے آیا ہے کہ اس ملحد کو قتل کر ڈالے جب تم جیسا خوبصورت غازی سامنے ہو تو کافر ہونا جائز ہے)

یہ کہہ کر شیخ جونہی اس نوجوان کی طرف بڑھے ان کے رُعب وجلال کیوجہ سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جان بحق ہو گیا۔فرمایا وہ بیچارہ خدا کے قہر کے سامنے کیسے ٹک سکتا ہے۔

مجاہدات صالحین سلف

عصر کی نماز کے بعد صالحین سلف کے مجاہدات کا ذکر ہو رہا تھا۔فرمایا خواجہ احمد جامؒ پہلے شراب فروش تھے۔دیہات سے شراب گدھے پر لاد کر شہر میں لے آتے تھے اور فروخت کرتے تھے۔ایک دن شراب کی ایک مشک ایک کمزور گدھے پر رکھے ہوئے جا رہے تھے۔راستے میں ایک نہر تھی۔گدھا رک گیا۔انہوں نے زور سے چابک مارا اور پھر دوسرا چابک پہلے سے بھی زیادہ زور سے مارا گدھے نے سر پیچھے کی طرف کر کے کہا کیا کروں احد کہتا ہے کہ آگے مت جا اور احمد کہتا ہے کہ آگے جاؤ۔اب میں کس کا حکم مانوں۔

یہ سننا تھا کہ شیخ نے شراب کی مشک توڑ کر پارہ پارہ کر دی اور پہاڑ پر جا کر بارہ سال وہیں مقیم

رہے اور یہ جو اشعار (یعنی دیوان) انہوں نے کہے ہیں اسی جگہ بیٹھ کر کہے تھے۔ اور پتھروں پر انگلی سے لکھتے جاتے تھے اور پتھر پر ان کا نقش جم جاتا تھا۔

نمازِ تہجد کی اہمیت ایک کنیز کی نظر میں

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ایک کنیز فروخت کی۔ خرید کنندہ کے گھر جا کر آدھی رات کو اٹھ کھڑی ہوئی اور اہل خانہ کو پکار پکار کر کہنے لگی کہ اے خواجہ' اے بی بی' اے گھر کے لوگو اٹھو تہجد کا وقت ہے انہوں نے کہا اے کنیز ابھی صبح نہیں۔ صبح کو اٹھ کر نماز پڑھ لیں گے۔ اس نے کہا کیا تم لوگ تہجد نہیں پڑھتے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ یہ سنتے ہی وہ ان کے گھر سے بھاگ کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی کہ اے خواجہ مجھے واپس لے لو' میں ایسے لوگوں کے گھر نہیں رہ سکتی جو تہجد نہیں پڑھتے۔ انہوں نے مال واپس کر کے کنیز کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ افسوس کہ جس شخص نے خدا کو نہ پہچانا' نہ دیکھا نہ پایا اور نہ اس کی عبادت کی اور اپنی جان اور جہان کو اس پر فدا نہ کیا۔ اس شخص کو اگر ماں نہ جنتی تو اچھا ہوتا اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو ہزار درجے اچھا ہوتا' وہ کس لیے پیدا ہوتا ہے' کس لیے جہان میں آتا ہے اور یہاں سے کیا لے کر جائے گا۔

شنبہ ۱۲۔ رمضان المبارک

ولایت' نبوّت' سلطنت کی اصل ایک ہے

کھانا کھانے کے بعد ولایت' نبوّت اور سلطنت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا یہ تینوں ایک ہی جنس سے ہیں اور ایک ہی قسم کی ہیں۔ جو شخص ایک ولی سے اس کی ولایت اور نبی سے اس کی نبوّت میں اور بادشاہ سے اس کی سلطنت میں محبت نہیں کرتا اور نہ اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے اسے ہرگز وہ دوست نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنا سمجھتے ہیں' بلکہ اس کی تباہی کی کوشش کرتے ہیں' خواہ وہ شخص بظاہر ان کا کتنا ہی قریبی ہو یا رشتہ دار بلکہ بیٹا اور بھائی کیوں نہ ہو' لیکن وہ شخص جو اُن کا مددگار' مطیع اور فرمانبردار ہے۔ خواہ وہ اُن کا قربت داری یا رشتہ داری نہیں رکھتا وہ اُن کا اپنا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ فرمایا ابولہب رسول اللہ ﷺ کا چچا اور حضرت عباسؓ کا سگا بھائی تھا۔ لیکن چونکہ آپ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ اس کو قرآن مجید میں اس قدر صاف طور پر قہر' غضب اور لعنت اور بدبختی سے داغا گیا

تھا کہ کسی اور کافر کو اتنا نہیں کیا گیا۔ اور وہ لوگ جو رسول کریم ﷺ کے بظاہر بے گانہ تھے اور آپ ﷺ سے دوسری کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن آپؐ پر ایمان لا چکے تھے ان کی احادیث‘ آیات اور اخبار میں اس قدر فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نیز مومنین میں سے سوائے حضرت زید بن حارثؓ کا نام قرآن مجید میں نہیں آیا جو آپ کے رشتہ دار نہیں غلام تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہش کو نبی اکرم ﷺ پر قربان کر دیا اور اپنی محبوبہ کو رسول اللہ ﷺ پر نثار کر دیا اور اس شرف سے مشرف ہوا‘ اور ابولہب پر اس قدر لعنت کیوں برسائی گئی اس وجہ سے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو اس قدر تکلیف پہنچائی کہ کسی کافر نے نہیں پہنچائی تھی اس کے بعد اس کمترین بندگان (سید محمد اکبر حسینی) اور اس کے بھائی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اب یہ میرے بیٹے ہیں۔ اگر یہ لوگ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے اور میری فرمانبرداری اور اطاعت نہ کرتے تو لازماً میں ان کو دوست نہ رکھتا اور اپنے سامنے نہ بیٹھنے دیتا اور شائد کئی سالوں کے بعد ان سے ملاقات اور بات چیت ہوتی۔ گھر کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ جب یہ چھوٹے تھے تو میں اپنی والدہ سے کہا کرتا تھا کہ اے امی جان! اچھی طرح سُن لیجیئے کہ اگر یہ میرے دو بیٹے خدا تعالیٰ کے جاننے والے اور پہچاننے والے ہوئے تو میں ان سے تعلق رکھوں گا ورنہ میرا اُن سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ والدہ کہتی تھیں کہ ایسی باتیں کیوں کہتے۔ میں کہتا تھا۔ اے امی جان! وہ بیٹا جو خدا تعالیٰ کی رضا کا طالب نہیں ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کرتا۔ میرے کس کام کا‘ میں نے یہ بات سب اہل خانہ کے سامنے کئی بار کہی ہوگی۔ کہتے ہیں کہ علاؤالدولہ کی ایک کنیز تھی جس کا نام شکر تھا۔ وہ اس پر فریفتہ تھا۔ رات دن اس کے ساتھ شراب نوشی کرتا تھا۔ اور وہ رباب بجاتی تھی۔ غرضیکہ کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔ حتّٰی کہ ملک کے اطراف و جوانب سے خبریں آنے لگیں کہ ملک کے انتظام میں خلل واقع ہو گیا ہے اور دشمنوں نے ہر طرف سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ چونکہ بادشاہ نے ملک کا تمام نظم ونسق اس کے سپرد کیا ہوا تھا اب خود علاؤالدولہ کو فکر لاحق ہوئی کہ کچھ کرنا چاہیے۔ یہ کام اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے ایک غلام کو جس کا نام خادم تھا۔ بلا کر کہا کہ کنیز شکر کو لے جاؤ اور ذبح کر دو تا کہ میں اس کے شر سے نجات پاؤں۔ خادم دانا آدمی تھا۔ اس نے سوچا کہ میرا آقا اس کے عشق میں مبتلا ہے۔ شاید کسی دن اس کا عشق جوش مارے اور کنیز مجھ سے طلب کرے۔ اس نے شکر کو لے جا کر کسی مکان میں رکھ

لیا اور اپنے آقا سے جا کر کہا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ علاؤالدولہ نے کہا اچھا کیا اور پھر اُمور سلطنت میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر وہی ہوا وہ ہوس اور شراب و کباب میں مشغول ہو گیا۔ اور ایک دم شکر کی یاد اس کے دل میں تازہ ہو گئی۔ خادم کو بلا کر کہا کہ تیرے ہاتھوں نے کس طرح اس نرم و نازک گلے پر چُھری چلانا گوارا کیا اس کی سزا یہ ہے کہ اب تجھے ذبح کرتا ہوں۔ خادم نے کہا اچھا ذبح کیجئے جونہی وہ اسے ذبح کرنے لگا خادم کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ حضور مجھے اس روز بد کا علم تھا۔ چنانچہ میں نے اسے ذبح نہیں کیا' بلکہ رکھا ہوا ہے۔ یہ سن کر علاؤالدولہ بہت خوش ہوا اور کنیز کو اپنے پاس بلا لیا اور خادم کو بھی خلعت سے نوازا' اس کے بعد پھر کنیز کے ساتھ مشغول ہو گیا اور ملک کا کام خراب ہو گیا اور چاروں طرف سے شکایتیں آنا شروع ہوئیں۔ اس پر اس نے پھر خادم کو بلا کر کہا اب کی بار جاؤ اور اس کو ضرور ذبح کر دو۔ اور اس کا خون لا کر مجھے دکھاؤ۔ خادم چونکہ اس کے مزاج کو اچھی طرح جانتا تھا وہ کنیز کو لے گیا اور کسی مکان میں چھپا کر رکھ دیا اور کپڑے کو خون لگا کر آقا کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے خون دیکھ کر کہا کہ اچھا کیا تم نے اسے ذبح کر دیا۔ ایک دن وہ پھر اپنے جھروکہ میں بیٹھا دریائے دجلہ کا نظارہ کر رہا تھا۔ برسات کا موسم تھا۔ اور شراب کے دور چل رہے تھے۔ حرم کی عورتیں اس کے گرداگرد تھیں کہ اچانک اسے شکر یاد آ گئی اور خادم کو طلب کیا اور کہا معلوم نہیں تیرے ہاتھ نے اس نرم و نازک گلے پر کس طرح چھری چلانا گوارا کیا۔ تم نے میری محبوبہ کو ناحق قتل کیا۔ اب میں اس کے عوض تجھے قتل کرتا ہوں۔ چنانچہ جب اس کو زمین پر لٹایا گیا تو وہ جست لگا کر کھڑا ہو گیا کہ حضور مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرا حشر کیا ہو گا۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ بلکہ اسے ایک مقام پر رکھا ہوا ہے۔ اس سے بے حد خوش ہوا اور اسے پاس بلا لیا اور خادم کو خلعت عطا کی۔

اس کے بعد وہ پھر کنیز کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا اور ملک کی حالت پھر خراب ہو گئی۔ ایک دن جھروکہ میں بیٹھا دریا کا نظارہ کر رہا تھا کہ شکر رباب بجانے میں مصروف تھی کہ ملک کی محبت اس کے دل میں مضبوط ہوئی اور کنیز کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ ملک و سلطنت ایسی معشوقہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی معشوقہ نہیں ٹھہر سکتی۔ یہی حال نبوت اور ولایت کا ہے۔ بادشاہ' نبی اور ولی اپنے اپنے کاموں کی لگن میں کسی کی پروانہ نہیں کرتے۔ سوائے اپنے مقصود بالذات کے۔

تراویح کے بعد علم کیمیا کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ کو ایک عمل سے منسوب کرتے ہیں۔ آپ اکثر وادیوں میں پھرا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے میدان میں بھی آپ بہت پھرتے ہیں۔ انکی عجیب حکایات سلوک کی کتابوں میں منقول ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت یحیٰی معاذ رازیؒ پر بہت قرض ہو گیا تھا۔ نزع کی حالت میں تمام قرض خواہ جمع ہو گئے۔ آپ نے آنکھیں کھول کران کی طرف دیکھا اور ایک دعا پڑھی۔ دعا کے الفاظ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہیں۔ دعا پڑھتے ہی اچانک ایک آدمی آیا اور شیخ کا دروازہ کھٹکھٹا کر کہنے لگا کہ شیخ کے قرض خواہ کہاں ہیں۔ اس کے پاس دولت کا ایک تھیلہ تھا۔ اس میں سے نکال کر سب کو دیا اور چلا گیا۔ فرمایا کہ حکایت بہت طویل ہے۔ میں نے مختصر طور پر بیان کر دی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ابویزیدؒ پر ایک ہزار دینار قرض ہو گیا تھا۔ آپ کے انتقال کے وقت قرض خواہوں نے جمع ہو کر جنازہ روک لیا اور دفن نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس اثناء میں ایک اعرابی اونٹ پر سوار صحرا کی طرف سے آیا اور زر کا تھیلہ سامنے رکھ دیا۔ جب اسے شمار کیا گیا تو پورے ایک ہزار دینار تھے۔ اس نے تمام قرض خواہوں کا قرض ادا کیا اور چلا گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ بس خدا کے ہو جاؤ اور کسی چیز کا غم نہ کھاؤ اور یہ تحریر پڑھی۔

تو خدارا شو گر خود ہمہ عالم دریا است بخدا گر سر موے خدمت تر گردو

(تو خدا کا ہو جا اگر سارا جہان بھی دریا بن جائے تو خدا کی قسم تیرے پاؤں کا بال تک بھی تر نہ ہوگا)

خواجہ محمدؐ منکدر بزازیؒ کی دیانت

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہؒ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ محمد منکدرؒ بزازی کا کام کرتے تھے۔ آپ سردی کے موسم میں اُونی جبہ فروخت کیا کرتے تھے اور اس سے گزراوقات کرتے تھے۔ اور جبہ دو قسم کا رکھتے تھے۔ ایک دو درم میں فروخت کرتے تھے اور ایک چار درم میں۔ ایک دفعہ آپ نے غلام کو دکان پر بٹھا کر گھر تشریف لے گئے اور غلام کو کہہ گئے کہ فلاں جبہ دو درم میں فروخت کرنا ہے فلاں چار درم میں۔ جب آپ گھر سے دکان کی طرف واپس آرہے تھے تو راستے میں دیکھا کہ ایک شخص جبہ لیے جا رہا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ اس سے پوچھ لوں کہ کتنے میں خریدا ہے۔ ممکن ہے اس نے زیادہ قیمت ادا کی ہو۔ چنانچہ آپ نے اس سے

پوچھا کہ خواجہ تم نے یہ جبّہ کتنے میں خریدا ہے اس نے کہا چار درم میں حالانکہ وہ دو درم کا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت مہنگا خریدا ہے۔ وہ دیہاتی آدمی تھا۔ اس نے سختی سے کہا کہ ہمارے علاقے میں اس کی قیمت پندرہ سولہ دینار ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں اسے واپس کردوں اور تم خریدلو۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کس دکان سے خریدا ہے۔ اس نے کہا فلاں دکان پر فلاں شکل کا ایک غلام بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ میرا دکان ہے اور وہ غلام بھی میرا ہے تم میرے ساتھ آ ؤ۔ تا کہ تم کو دو درم واپس دلاؤں یا پھر چار درم کا جبّہ تم کو دوں۔ چنانچہ وہ آدمی حضرت شیخ کے ساتھ دکان پر آیا اور شیخ نے اسے دو درم واپس کر دیئے یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے۔ جس نے مجھے دو درم واپس کر دیئے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ خواجہ محمد منکدرؒ ہیں۔ شیخ کا نام سنتے ہی وہ ہائے ہائے کر کے رونے لگا اور بے تاب ہو کر زمین پر گر گیا۔ اس کے ارد گرد لوگ جمع ہو گئے۔ جب وہ ہوش میں آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ شیخ خواجہ محمد منکدرؒ کا نام سن کر تم اسقدر مضطرب اور بے تاب کیوں ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ خواجہ محمد منکدرؒ وہ شخص ہے کہ صحرا میں اگر پانی نہ ملے تو ہم کہتے ہیں خدایا خواجہ محمد منکدرؒ کے صدقے ہمیں پانی عطا کر تو صحرا میں پانی مل جاتا ہے اگر ہم راستہ بھول جائیں اور کہیں کہ خدایا خواجہ محمد منکدرؒ کے صدقے میں ہمیں راستہ دکھا تو کوئی شخص ظاہر ہوتا ہے اور ہمیں صحیح راستے پر کھڑا کر دیتا ہے۔ ہم لوگ تو یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کوئی ابدال یا اوتاد ہوں گے اور کہاں ملیں گے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہ بازار میں دکان پر بیٹھا خرید وفروخت کر رہا ہے۔ فرمایا میری دانست میں خواجہ محمد منکدرؒ کا شمار مشائخ متاخرین میں ہوتا ہے۔ لیکن قوت القلوب (مصنفہ حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ) میں لکھا ہے کہ آپ اکابر تابعین میں سے تھے اور آپ کو خرقہ خلافت دو واسطوں سے رسول اللہ ﷺ سے ملا۔

ممبر نبوی ﷺ کا ادب

اس کے بعد فرمایا کہ صحابہ کرام میں حضرت علیؓ سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا ہے کہ ان کو قلم بند کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب وجود میں آ جائے گی۔ دوسرے صحابہ کرام سے بھی کم کرامات سرزد نہ ہوئیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی کرامات کے متعلق لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب منبر نبویؐ پر کھڑے ہوئے تو ایک زینہ نیچے کھڑے ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جس جگہ کھڑے ہوتے تھے۔ وہاں آپ قدم نہیں رکھتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ حضرت ابوبکرؓ کے قدموں میں نہیں بلکہ نیچے والے زینہ پر کھڑے ہوتے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو صرف ایک زینہ یعنی پہلا زینہ باقی تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر میں پہلے زینہ پر کھڑا ہوں گا تو میرے بعد کے خلفاء کو منبر پر نہیں بلکہ زمین پر کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس لیے وہ اس زینے پر کھڑے ہو گئے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت عثمانؓ کو ایک پتھر مارا' اور حضرت عثمانؓ کے ملازمین نے ان کو گرفتار کر لیا اور پہاڑوں میں جلاوطن کر دیا وہاں ایک راہب رہتا تھا۔

شیر مطیع ہو گیا

راہب نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا کہ یہاں رات کے وقت ایک شیر آتا ہے۔ لہذا تم آج رات باہر نہ رہو بلکہ میرے ساتھ حجرے میں آ جاؤ حضرت ابوذر غفاریؓ نے خیال کیا کہ ساری رات کس طرح میں ایک بے دین کی صحبت میں رہ سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ باہر رہ گئے۔ راہب نے رات کے وقت باہر جھانک کر دیکھا اور خیال کیا کہ شیر آنے والا ہے دیکھیں کیا ہو گا کیا دیکھتا ہے کہ شیر آ گیا۔ اس وقت حضرت ابوذر غفاریؓ مشغول بحق تھے۔ شیر نے آتے ہی ان کے سامنے اپنی پیشانی رکھدی اور گھریلو کتے کی طرح دم ہلانے لگا۔ صبح کے وقت راہب نے دروازہ کھول کر حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا کہ دین محمدیؐ میں آپ جیسے کتنے لوگ ہوں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان میں سے میں کمترین ہوں۔ کیونکہ انہوں نے مجھے اپنی صحبت کے لائق نہ سمجھ کر جلاوطن کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی راہب مسلمان ہو گیا اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجوہات میں ایک وجہ یہی تھی کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو زدوکوب کی گئی تھی۔

یکشنبہ ۱۳۔ رمضان المبارک

فضائل حضرت عبدالمطلب

چاشت کے وقت رسول خدا ﷺ کے آباؤ اجداد کی فضیلت اور حضور اقدس ﷺ کے ایام

طفولیت کے محاسن اور کرامات کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا ایکدفعہ حضرت عبدالمطلب نے نیم بیداری کی حالت میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ چاہ زمزم کو کھودو۔ اب وہ حیران تھے۔ کہ چاہ زمزم کیا ہوتا ہے [1] اور کہاں ہے۔ آپ کا بیٹا حارث بھی پاس کھڑا تھا۔ اب کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کوّا آیا اور اس نے اپنی چونچ سے زمین کو کھودنا شروع کیا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا یہی ہے چاہ زمزم جس طرف کوّا اشارہ کر رہا ہے چنانچہ انہوں نے اس زمین کو کھودنا شروع کیا تو ایک پرانا کنواں برآمد ہوا اور اس کے ساتھ چند تلواریں' زرہیں اور دیگر مال و دولت برآمد ہوئے۔ یہ دیکھ کر قبیلے کے دوسرے لوگ حضرت عبدالمطلب سے جھگڑنے لگے کہ ہمیں بھی اس سے حصّہ ملنا چاہیے۔ انہوں نے کہا یہ کھدائی میں نے کی ہے۔ لہذا یہ سامان میرا ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں یہ زمین ہم سب کی مشترکہ ہے۔ لہذا یہ مال بھی مشترکہ ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا اچھا کاہن [2] کے پاس چلتے ہیں۔ جس طرح وہ کہے گا اسی طرح کریں گے۔ کاہن بہت دُور رہتا ہے۔ وہ سب روانہ ہو پڑے۔ راستے میں پانی نہیں ملتا تھا۔ اس لیے سب لوگوں کا پیاس کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے پیٹ سے پانی نکالا اور اپنے ساتھیوں کو دیا اس طرح وہ ہلاکت سے بچ گئے۔ کچھ دُور آگے چل کر پھر پیاس سے تڑپنے لگے اور ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے پہاڑ پر چڑھ کر خدا تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا کی تو ان کو پانی مل گیا۔ عربوں نے پانی پیا اور آسودہ ہوئے۔ چنانچہ سب لوگوں نے متفق ہو کر حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ آپ نے ہمارے لیے چاہ زمزم تلاش کیا ہے اور زمین کھودنے کے لئے محنت کی ہے پھر آپ نے صحرا میں اپنے اونٹ ذبح کر کے ہمیں ہلاکت سے بچایا اور جب ہم دوبارہ پیاس سے مرنے لگے تو آپ نے پہاڑ پر جا کر ہمارے لیے پانی پیدا کیا آپ کی ان تمام مہربانیوں کے عوض ہم وہ تمام مال و دولت آپ کے حوالہ کرتے ہیں۔ اس لیے وہ سب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس پر اس بندہ نے عرض کیا کہ حضور کا فر اور قبول دعا یہ کس طرح ہوا۔ آپ نے جواب دیا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا نور ان کی پشت میں تھا یہ سارا فیض اسی نور کا تھا۔ اور یہ بات صرف حضرت عبدالمطلب میں نہیں تھی بلکہ

---

1 چاہ زمزم یعنی زمزم کا چشمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نمودار ہوا تھا اور حضرت عبدالمطلب جو آنحضرت ﷺ کے دادا تھے کے زمانے تک لوگ وہ واقعہ بھول گئے تھے اور زمزم کا چشمہ ریت میں دب کر رہ گیا تھا۔

2 کاہن سے مراد جادوگر ہے۔ جس سے قدیم زمانہ کے عرب کے لوگ فال نکلواتے تھے۔ اور منت مانتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد اس سے متصف تھے۔ دوسرے لوگوں میں یہ بات نہ تھی۔ قصیٰ کو قصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں تمام مکارم اخلاص جمع تھے۔ ہاشم کو ہاشم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ہشیم کا کام کرتے ہیں یعنی روٹی توڑ کر برتن بھر لیتے تھے اور حاجیوں کے لیے ثرید تیار کرتے تھے۔

حُلیہ حضرت عبدالمطلب

نیز حضرت عبدالمطلب ایسے حسین وجمیل تھے۔ جو شخص ان کو دیکھتا عاشق ہو جاتا تھا۔ آپ کے کانوں کے قریب چند بال سفید ہو چکے تھے۔ لیکن آپ کے حُسن و جمال میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس لیے لوگ آپ کو شبتیہ الحذ کہتے تھے آپ کا قد اس قدر دراز تھا کہ پیادہ کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہیں جب بیٹھتے تو کھڑے ہوئے لوگوں کے برابر ہوتے تھے۔ آپ طاقتور اس قدر تھے کہ لوگ بھینس کا چمڑا لا کر آپ کے پاؤں کے نیچے رکھتے تھے اور جس قدر کوشش کرتے تھے پاؤں سے چمڑا نہیں کھینچ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ چمڑا ٹکڑے ہو جاتا تھا لیکن پاؤں سے نہیں نکلتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت فرمائی۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے مکہ کے تمام نجومی مل کر شہر میں گشت لگا رہے تھے وہ ہر گھر جا کر دریافت کر رہے تھے کہ یہاں کوئی لڑکا تو پیدا نہیں ہوا۔ جب انہوں نے حضرت عبدالمطلب کے گھر جا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میرے بیٹے کے ہاں بیٹا ہوا ہے انہوں نے پوچھا کہ بچے کا نام کیا رکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کی والدہ نے اس کا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے۔ نجومیوں نے کہا اس بچے کو فوراً قتل کر دو۔ کیونکہ وہ پیغمبر آخر الزمان ہے۔ وہ تمہارے دین کو باطل قرار دے گا اور بتوں کو بُرا کہے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اگر ہماری ہی نسل سے ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے تو ہمیں اور کیا چاہیے اور ہمارا یہ دین اور بت ضرور باطل ہوں گے کہ وہ آ کر باطل قرار دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں دیکھ کر عیسائی راہب نے پیغمبر آخر الزمان تسلیم کر لیا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چار سال کی ہوئی تو ایک دن حضرت عبدالمطلب تجارت کی خاطر باہر جانے لگے تو آپؐ کے دادا کو آپؐ سے ایسی محبت تھی کہ ان کو جاتا دیکھ کر رونے لگے۔ چنانچہ

دادا سے نہ رہا گیا اور ساتھ لے گئے۔ راستہ میں دھوپ بہت تیز تھی اور کوئی سایہ نہیں تھا۔ وہاں ایک راہب رہتا تھا۔ جس کا نام بحیرہ تھا۔ اس نے اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ عربوں کا قافلہ جا رہا ہے اور انکے ساتھ ایک بچہ ہے۔ جس کے سر پر سفید ٹھنڈے بادل نے سایہ کیا ہوا ہے اور یہ پیغمبر آخرالزمان کی نشانی ہے۔ قافلہ آ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا لیکن درخت کے پتے نہیں تھے اور سائے کا رخ بھی دوسری طرف تھا۔ جونہی رسول خدا ﷺ درخت کے نیچے بیٹھے درخت کے پتے نکل آئے اور سایہ بھی آپؐ کی طرف ہو گیا۔ جب راہب نے یہ دیکھا کہ اس قافلے میں ہی پیغمبر آخرالزمان ہے تو اس نے سارے قافلے کو دعوت دی۔ چنانچہ سب لوگ اس کے ہاں چلے گئے لیکن حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو سامان کی حفاظت کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔ راہب نے آ کر پوچھا کہ سب لوگ آ گئے ہیں یا کوئی باقی ہے انہوں نے جواب دیا سب آ گئے ہیں صرف ایک بچہ اُدھر رہ گیا ہے راہب نے کہا میرا مہمان تو وہی ہے۔ اس کو بلاؤ۔ جب حضرت عبدالمطلب نے آپ کو بلایا تو آپؐ کی عزت و تکریم کی خاطر کھڑا ہو گیا اور اپنے نزدیک بٹھا کر پوچھنے لگا کہ اس بچے کا نام کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہے جو اس کی والدہ نے رکھا ہے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ ان کی آنکھیں گرمی کی وجہ سے سرخ ہو گئی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مادرزاد سرخ ہیں اس نے کہا اگر اجازت ہو تو میں ان کی پیٹھ سے پیراہن اٹھا کر کندھوں کو دیکھ لوں۔ جب انہوں نے اجازت دے دی تو اس نے پیراہن اٹھایا اور مہر نبوت پر نظر پڑی اور فوراً اس پر بوسہ دیا۔ اس کے بعد اس نے آہ بھر کر کہا کہ کیا کروں میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور یہ بچے ہیں۔ یہ بچہ پیغمبر آخرالزمان ہوگا۔ آپ پیغمبر ہو کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے تو قوم دشمن ہو جائے گی۔ کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا اور ان پر جان قربان کر دیتا۔ آپ یہودی لوگوں سے ان کی حفاظت کریں کیونکہ وہ ان سے عداوت کریں گے۔ یہ سُن کر حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ جب تجھے یقین ہے کہ یہ پیغمبر آخرالزمان ہیں پھر کس کی مجال ہے کہ ان کو قتل کر سکے۔ جب ان کا منصب اس قدر اعلیٰ ہے تو پھر کس کو یہ طاقت ہے کہ مزاحمت کر سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس جگہ پر حضرت عبدالمطلب بیٹھتے تھے غالیچے لگا کر بیٹھتے تھے اور کسی لڑکے کو نزدیک نہیں آنے دیا جاتا تھا۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کھیل کود سے واپس آتے تو اگر

چہ آپ کا جسم گرد آلودہ ہوتا تھا اور پاؤں مٹی میں غرق ہوتے تھے۔ لیکن آپ آ کر دادا جان کی گود میں بیٹھ جاتے تھے اور ان کے کپڑوں کو میلا کر دیتے تھے۔ ایک دن حضرت ابو طالب نے کہا کہ بیٹے بے پرواہی چھوڑ دو اور دادا جان کے فرش اور پوشاک کو میلا نہ کیا کرو۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت ابو طالب کی طرف دیکھ کر کہا کہ ان کو کچھ نہ کہو جو مرضی آئے کر سکتے ہیں اور جہاں جی چاہے بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک دن کھجور کے ایک درخت میں خوب پھل آیا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے دل میں خرما کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو کھجور کا خوشہ نیچے جھک گیا اور آپ نے پھل توڑ لیا۔ جب حضرت عبدالمطلب نے یہ حال دیکھا تو انہوں نے بھی ایک دانہ لینے کی خواہش کی لیکن خوشہ اوپر چلا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دادا جان کیا کروں آپ کو پھل نہیں دیتے ایک دن حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ بیٹے مجھ سے بغلگیر ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا بغل گیر نہیں ہوں گا۔ انہوں نے بہت کوشش کی لیکن آپ نے بغلگیر نہ ہونے دیا۔ آخر انہوں نے آپ کی پشت کی جانب سے بغلگیر ہونے کی کوشش کی اور آپ کی پشت کے ساتھ چھاتی لگا لی لیکن جب آپ کے سینہ مبارک کو ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی تو ناکام رہے حالانکہ حضرت عبدالمطلب بہت دراز قد اور طاقتور تھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے دادا جان آپ میرا اتباع نہیں کرتے۔ لیکن آپ کی پشت سے ایسے لوگ آئیں گے جو میرا اتباع کریں گے۔

عورتوں کا چلّہ اور مردوں کا چلّہ

ظہر کی نماز کے بعد دوستان اور مقربان حق کا ذکر ہونے لگا اُن کے قلوب میں آتش عشق اور سوز و گداز اس قدر ہوتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں یہاں تک کہ اگر ان کے سینوں میں دوزخ بھی ڈال دی جائے تو اسکی آگ بھی بجھ جائے۔ اہل درد کی آتشِ عشق آتش دوزخ کو کھا جاتی ہے۔ فرمایا حضرت خواجہؒ (حضرت خواجہ نصر الدین چراغ دہلویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن ایک شخص نے حضرت شیخ اوحد کرمانی کے پاس جا کر کہا آؤ مل کر چلّہ کریں۔ انہوں نے پوچھا کہ چلّہ مرداں یا چلّہ زناں (مردوں کا چلّہ یا عورتوں کا چلّہ) اس نے کہا یا شیخ مجھے تو معلوم نہیں ہے کہ مردوں کا چلّہ کیا ہوتا اور عورتوں کا چلّہ کیا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کا چلّہ یہ ہے کہ چالیس دن عبادت و

ریاضت میں گزاریں اور کچھ نہ کھائیں اور چالیس دن نہ نیند کریں اور مردوں کا چلہ یہ ہے کہ روزانہ دُنبا گوشت کھائیں اور ایک من (بوزن ڈھائی سیر) روٹی اور اس کے لوازمات یعنی شرینی، حلوہ وغیرہ کھائیں اور چالیس روز کے بعد اُسی وضو سے باہر آئیں جس کے ساتھ چلہ میں داخل ہوئے تھے اس کے بعد دونوں ایک ہی مقام پر چلہ کشی میں مشغول ہو گئے۔ حضرت شیخ نے خادم کو حکم دے دیا تھا کہ روزانہ دو بریان دُنبے روٹی اور تمام لوازمات افطار کے وقت ہمارے سامنے رکھ دیا کرو۔ افطار کے وقت حضرت شیخ نے اپنا خوانچہ ختم کرایا۔ لیکن دوسرا آدمی جو بغیر طعام کا چلہ کرنے آیا تھا۔ کس طرح یہ سب چیزیں کھا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے تھوڑا سا کھانا کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ شیخ نے کہا۔ اے جوان مرد میں نے اپنا حصہ کھا لیا ہے تم بھی اپنا حصہ کھاؤ۔ جب اس نے معذوری ظاہر کی تو آپ نے اس کا حصہ بھی کھا لیا۔ اسی طرح ہر رات شیخ دو خوانچے طعام کھا لیتے تھے چالیس دن کے بعد اسی وضو سے باہر آئے جس کے ساتھ وہ داخل ہوئے تھے۔ اس کے بعد فرمایا سبحان اللہ! صوفیاء کرام کے حالات ایسے ہیں کہ دائرہ تحریر میں نہیں رہ سکتے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر خدا تعالیٰ کی باتیں دائرہ تحریر میں آسکتی ہیں تو ان حضرات کی باتیں بھی آجانا چاہیں۔ فرمایا ہاں ٹھیک کہتے ہو۔

اس کے بعد بال بڑھانے کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا بال بڑھانا اسلام کی رسم نہیں ہے۔ بلکہ جب ترک لوگ دہلی میں آئے تو لوگوں نے ان کی رسم اختیار کر لی۔ فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ **من استرسل شعرہ فقاہ حشر لہ یوم لقیامۃ مع المحسنین** (یعنی جس نے اپنے بال پشت کی طرف رکھے قیامت کے دن وہ محسنین کے ساتھ اٹھایا جائے گا) فرمایا کہ شیخ الاسلام نظام الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس حدیث کو عام کر دو کیونکہ اس کی صحت کا میں ضامن ہوں۔ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بذاتِ خود بلا واسطہ سنی ہے [1]۔

---

[1] سبحان اللہ! کیا مقام ہے اولیاء اللہ کا کہ حضور کریم ﷺ سے بلا واسطہ بذاتِ خود گفتگو ہو رہی ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔ منکرین ذرا آنکھیں کھول لیں۔ اسی طرح حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے اس دروازے سے گزرے گا۔ بہشتی ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ مَنْ دَخلَ هٰذا الباب اَمَنَ۔ جو اس دروازے سے داخل ہوا۔ تو امن میں آ گیا۔ جب امن میں آ گیا تو دوزخ میں نہیں جائے گا۔

دوشنبہ ۱۴۔ رمضان المبارک

نُدرتِ واصلین

چاشت کے وقت واصلینِ حق کی نُدرت (یعنی کمیاب ہونے) کے متعلق گفتگو ہورہی تھی۔ فرمایا حضرت خواجہؒ (خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک زمانے میں ایک ہزار طالب خدا اٹھتے ہیں، جن میں سے صرف چار خدا تعالیٰ تک پہنچتے ہیں۔ ان چار میں سے دو مر جاتے ہیں، ایک دنیا میں پڑ جاتا ہے اور ایک اس کام میں رہ جاتا ہے۔

فضیلت نماز چاشت

اس کے بعد نماز چاشت کی فضیلت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا۔ آیہ پاک۔ اِبرَاہیم الّذی وَفّٰی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ صَلّی رکعتی الضحا (یعنی حضرت ابراہیم وہ مرد ہے۔ جس نے وفا کی، یعنی نماز چاشت پڑھی) فرمایا نماز چاشت سنت موکدّہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کبھی ترک نہ کی۔

ایک آیت کی فضیلت

اس کے بعد آیہ پاک سبحان ربّک رَبّ العِزّۃ عمّا یَصِفُون وَ سَلامُ علی المُرسِلین وَالحَمدُلِلّٰہ رَبِّ العٰلَمین۔ (پاک ہے تیرا رب جو عزت وعظمت کا مالک ہے۔ اس توصیف سے جو تم بیان کرتے ہو اور سلام ہو مرسلین پر اور سب تعریف ہے رب العلمین کی) کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی مجلس کے اختتام پر یہ آیت پڑھی جائے تو مجلس میں جس قدر غلط بیانی خطا یا فحش بات منہ سے نکل گئی ہے سب معاف ہو جائے گی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کا ذکر فرما رہے تھے کہ فلاں دوست پر فلاں مصیبت نازل کی۔ اس نے وہ مصیبت جبر سے برداشت کی اور اس کو فلاں مرتبہ عطا ہوا۔ یہ سُن کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خواہش ہوئی کہ مجھ پر بھی کوئی مصیبت نازل ہوتا کہ مجھے بھی مرتبہ ملے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اُن کو

ایک عورت کی آزمائش میں مبتلا کر دیا جس کے خاوند کا نام اوریا تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام بیت المقدس میں بیٹھے زبور پڑھ رہے تھے کہ ایک نہایت خوبصورت پرندہ جس کے پَر سنہری اور چونچ بھی سنہری تھی آ کر پاس بیٹھ گیا یہ دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور چاہا کہ اسے پکڑ کر بچوں کے پاس لے جاؤں۔ بچے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور اس سے کھیلیں گے۔ چنانچہ جونہی آپ نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ پرندہ اڑ کر ذرا دور جا بیٹھا۔ آپ نے آگے بڑھ کر اسے پکڑنے کی کوشش کی تو اڑ کر وہ مکان کی چھت پر جا بیٹھا۔ جب مکان کی چھت پر گئے تو ساتھ والے مکان میں دیکھا کہ ایک عورت غسل کر رہی تھی۔ جس کے خاوند کا نام اوریا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا سایہ دیکھ کر اس نے اپنے بال جسم پر ڈالے اور برہنگی کو چھپا لیا۔ کیونکہ اس کے بال بہت لمبے تھے اور وہ خود بے حد حسین تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے۔ تفسیر عرائس البیان میں لکھا ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کی تجویز نکالی کہ اس کے خاوند اوریا کو جہاد پر بھیج دیا لیکن وہ صحیح سلامت واپس آ گیا۔ آپ نے دوسری بار اسے جہاد پر بھیجا۔ تو وہ شہید ہو گیا۔ اور آپ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ اس بلا میں گرفتار ہوں گے۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح ان کی بھی آزمائش ہو گی اور صبر کر کے اُسے برداشت کریں گے۔

قلندروں کی اصل

اس کے بعد قلندروں کی اصل کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ قلندری کی ظاہری صورت شیخ جمال ساوجی سے شروع ہوئی ہے۔ شیخ جمال الدین ساوجی شیخ عثمان مغربیؒ کی مسجد میں پیش امام تھے۔ ایک دن وہ شیخ خواجہ عثمان مغربیؒ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت جوان بنام حیدری شیخ کی زیارت کے لیے آیا۔ شیخ جمال نے اسے دیکھنا شروع کر دیا۔ حیدری نے قلندروں کی سی صورت بنا رکھی تھی۔ شیخ جمال کے دل میں خیال آیا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ اچھی صورت اختیار کرنی چاہیے۔ ایک دن وہ کہیں چلے گئے۔ لوگوں نے امامت کے لیے بہت تلاش کیا لیکن ان کا کہیں پتہ نہ لگا۔ جب بہت تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ جمال سر اور داڑھی موچھ منڈوائے ایک قبرستان میں بیٹھے ہیں۔ لوگوں نے جا کر خواجہ عثمانؒ سے ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے

خود جا کر وہاں پوچھا کہ جمال یہ کیا حال ہے۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شیخ نے کہا اس کے ساتھ سختی کرو اور پوچھو کہ یہ حالت کیوں اختیار کر لی ہے۔ لیکن اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ آخر حضرت شیخ نے کہا کہ جمال اہل تھے اپنے آپ کو بچا لے گا۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لیکن اگر کسی نے اس کا اتباع کیا تو گمراہ ہو کر آگ میں جائے گا۔

ہاں! فخر الدین نامی ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ جس کے ساتھ شیخ جمال کافی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ جب اس نے سنا کہ شیخ جمال کی یہ حالت ہوگئی ہے تو اس کی داڑھی موچھ تو نہ تھی ابرو (بھویں) منڈا کر شیخ کے پاس گیا۔ شیخ جمال اسے دیکھ کر ہنس دیا اور کہنے لگا کہ فخر الدین جب تم نے میری صورت اختیار کر لی ہے تو آؤ مل کر سفر کریں اور اس صورت کو جو ہم نے بنا رکھی ہے اس کا کوئی نام بھی رکھنا چاہیے شیخ نے کہا اچھا غیب سے جو نام آتا ہے وہی رکھ لیں گے چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گئے راستے میں جو کپڑا' چمڑا' درختوں کے پتے جو کچھ ملا' اپنے اوپر لیتے گئے۔ جب ایک شہر میں پہنچے تو لڑکوں نے ان کی عجیب و غریب صورت دیکھ کر مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ قلندر آ گئے' قلندر آ گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ جمال نے کہا بابا فخر ہمیں یہی نام رکھ لینا چاہیے۔ اس کے بعد انہوں نے شہر میں جا کر قیام کیا۔ شیخ جمال چونکہ مرد بابرکت اور صاحبِ کرامت تھے اور اہل دل تھے لوگوں نے ان کا اتباع کیا اور یہی صورت اختیار کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد شیخ جمال نے فخر الدین سے کہا بابا تمہیں سفر کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گیا اور چند یوم بعد واپس آیا تو صورت یہ تھی کہ چار آئینے چاروں طرف باندھے ہوئے تھے ایک آگے کی طرف اور ایک پیچھے کی طرف ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ شیخ جمال نے پوچھا کہ ان آئینوں کا کیا مطلب ہے۔ اس نے جواب دیا۔ جو کچھ جہاں میں چاروں طرف ہو رہا ہے۔ وہ مجھ پر روشن ہو رہا ہے شیخ جمال کو فخر الدین کا یہ دعویٰ پسند نہ آیا اور اپنے خادم سے کہا جو فخر الدین نے میرے سامنے یہ دعویٰ کیا ہے۔ اب اس کی دعوت کر کے اسے رخصت کرنا چاہیے۔ خادم نے کھانا تیار کیا۔ اور دستور کے مطابق چاولوں کا خوانچہ تیار کر کے مرغ بریاں اس کے اوپر رکھا۔ شیخ جمال نے کہا مرغ کو چاولوں کے نیچے رکھ دو۔ (یعنی چھپا دو) ان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور خوانچہ فخر کے آگے رکھ دیا۔ اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ اگر مقررہ ضیافت میں سے ذرہ بھر کم ہوتا تو مہمان لڑ پڑتا۔ جب فخر الدین نے دیکھا کہ مرغ نہیں ہے تو

خادم کے ساتھ بہت غصے ہوئے کہ مرغ کیوں نہیں لائے۔شیخ نے ہنس کر کہا کہ تم تو کہتے ہو کہ مجھ پر سارا جہان روشن ہے لیکن چند دانے چالوں کے نیچے مرغ نظر نہیں آ رہا۔یہ سُن کر اس کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا اور اس نے استرہ نکال کر شیخ جمال کے پیٹ میں گھونپ دیا۔یہ ہے پہلے پیر اور مرید کا حال' فرمایا قلندروں کے درمیان یہ واقعہ بالکل سچ ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں۔جس طرح قرآن مجید کے قصوں میں ہم شک نہیں کرتے۔اس قصے کو بھی انکو کوئی شک نہیں ہے۔اس پر سیدی ابوالمعالی نے دریافت کیا کہ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ فخر کا قصور تھا۔فرمایا اس کا قصور اور کیوں نہ تھا۔بلکہ وہ جان بوجھ کر شیخ جمال کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ورنہ یہ کہہ سکتا تھا کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھ پر روشن کرنا تھا روشن کر دیا اور جو کچھ چھپانا چاہتا تھا۔چاولوں کے نیچے چھپا کر مجھ سے پوشدہ رکھا۔جیسا کہ کشف وکرامت کا عام طور پر حال ہوتا ہے لیکن اس نے خودی کا دعویٰ کر دیا۔

خدا کی خلق کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی

تراویح کے بعد خلق خدا کے ساتھ نیک معاملات اور نیک سیرتی پر گفتگو ہونے لگی۔فرمایا۔لَو اَردتَّ اَن یَحبک الناس فادعهم باحب الاسامی الیم (یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے محبت کریں تو ان کو ان کے بہترین ناموں سے بلاؤ) ایک دن میں مولانا جلال الدین' میرے دوست مولانا علاؤ الدین اور مولانا صدرالدین طبیب اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔وہاں ایک ہندو طبیب بھی آ گیا۔جس کا نام بھو تھا اور مولانا جلال الدین سے بات کرنے لگے۔گفتگو کے دوران مولانا صدرالدین نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا کہ:۔

''اَبے بھو''!اس کی یہ بات مولانا جلال الدین کو پسند نہ آئی اور مولانا صدرالدین کو مخاطب کر کے کہا کہ ''ابے'' کا کیا مطلب۔مولانا نے کہا۔ہندو آدمی ہے (اس طرح مخاطب نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے) مولانا جلال الدین نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ ہندو ہے لیکن آپ اپنی زبان کو خراب کر رہے ہیں اور بدگوئی کو کیوں پسند کر رہے ہیں۔اگر آپ اُسے ''بردار بھو'' کہہ کر پکارتے تو آپ کی شان میں کیا کمی آ جاتی اور آپ کا کیا نقصان ہوتا۔

اس کے بعد لفظ ''خدا'' کی تحقیق پر بات ہونے لگی۔حضرت شیخ نے فرمایا اے محمدؐ (میرے سیّد محمدؐ

گیسوادرازؒ) بتاؤ خدا کے معنی کیا ہیں۔ خدا حرف دال کے ساتھ ہے یا ذال کے ساتھ (یعنی لفظ خُدا ہے یا خُذا) میں نے عرض کیا۔ کہ بارہا حضور کی زبان گوہر فشاں سے سنا ہے کہ ذال کے ساتھ بھی ٹھیک ہے۔ جس کے معنی ہیں خوداز یعنی خودزادہ وہ جو کسی کو پیدا کیا ہوا نہ مخلوق ہو بلکہ خود بخود موجود ہے یعنی اس کا وجود قدیم اور ذاتی ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ نیز دال کے ساتھ بھی صحیح ہے یعنی خود آنے والا اور خود آیا ہوا۔ ان دونوں کلمات کے معنی ایک ہیں۔ یہ سن کر حضرت اقدس (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) نے فرمایا ہاں یہ میرے بتائے ہوئے معنی ہیں۔

جمعہ ۱۹۔ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

شعر گوئی پر امام حسینؓ کا قول

نماز جمعہ کے بعد ایک شخص نے شرف پابوسی حاصل کر کے حضرت اقدس کی منقبت میں ایک شعر پیش کیا۔ اس شعر سے عام شعر گوئی پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا:۔ امیر المومنین حضرت امام حسینؓ کا قول ہے الشِعر اَدضع للرفیع وارفع للوضیع (یعنی شعر مرد بزرگ کو خوار کرنے والا اور کم مایہ اور بے ہنر کو بزرگ بنانے والا ہے)۔ بلند مرتبہ اشخاص کے لیے، شعر گوئی سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں اور اگر عزت دار آدمی شاعری کرے تو یہ اس کی خواری ہے اور ایک خوار کم مایہ اور بے ہنر شعر کہے تو عزت دار نظر آتا ہے۔

ھندی زبان کی خوبی

اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ صوفیاء کو ھندی کلام سے زیادہ ذوق ہے۔

فرمایا ہر کلام میں ایک خوبی ہے جو دوسری میں نہیں ہے۔ لیکن ھندی بہت نرم اور رِقت آور ہے۔ اس میں بلاغت زیادہ ہے اور اس کی صورت بھی نرم اور رِقت آمیز ہے۔ اس سے سننے والے پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور دل میں عجز وانکسار پیدا ہوتا ہے اور یہی چیزیں صوفیاء کو مرغوب ہیں۔ لیکن سرود اور فنِ سرود اور موسیقی کی ضربات فارسی کلام میں زیادہ ہیں۔ اس میں اور قسم کی لذت اور قسم کا ذوق اور دوسری قسم کی حالت ہے نیز بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں کہ عربی کے سوا ادا نہیں

ہوتے بعض فارسی کے سوا ادا بھی نہیں ہو سکتے۔اس کے برعکس جو لطافت، نزاکت اور اشارت ہندی میں ہے دوسرے کلام میں نہیں ہے۔اور یہ چیزیں تجربے سے معلوم ہو جاتی ہیں۔

مرید کے ساتھ خوش خلقی

اسی اثناء میں ایک شخص پانچ کوس کی مسافت طے کر کے بیعت ہونے کے لیے آیا ہوا تھا حضرت اقدس نے خادم مولانا شیخو جلال سرستوری سے فرمایا کہ ٹوپی اور مقراض لاؤ۔آپ نے آنے والے سے پوچھا کہ تم سر کے بال منڈوانا پسند کرتے ہو یا کٹوانا۔اس نے عرض کیا کہ جس طرح فرمان ہو۔آپ نے فرمایا اسکے بارے میں تمہاری پسند زیادہ معتبر ہے۔اس نے عرض کیا مجھے سر منڈوانا زیادہ پسند ہے۔چنانچہ آپ نے اس کا سر منڈوایا۔اس کے بعد اس کے گلے میں دستار ڈال دی اور سامنے بیٹھ گیا۔آپ نے اسے بیعت سے مشرف فرمایا اور اس خیال سے کہ نہایت صدق واخلاص سے دور دراز سفر کر کے آیا ہے آپ نے کمال شفقت سے اپنی ٹوپی اتار کر اس کے سر پر رکھی اور وہ نئی ٹوپی خود پہن لی اور اسے نماز وروزہ کی تاکید فرمائی۔

اس کے بعد مشائخ کے فرمان پر گفتگو ہونے لگی۔فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور ہمارے لئے فرض کا حکم رکھتا ہے۔پیر کا فرمان بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے پہلے فرض ادا کرنا چاہیے اس کے بعد پیر کے فرمان کی تعمیل کرنی چاہیے۔جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم کسی عذر یا سبب کی وجہ سے فوت نہیں ہوتا۔پیر کا حکم بھی واجب التعمیل ہے۔اگرچہ حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ مخلوقات کو براہ راست بغیر واسطہ نبی ہدایت کر سکتا ہے لیکن اس کی سنت یوں جاری ہے کہ ہر قوم کے لیے اس قوم میں سے ایک شخص کو نبی مبعوث کیا جاتا ہے تاکہ ان کو حق تعالیٰ کے احکام کی طرف دعوت دے۔اسی طرح مشائخ بھی اللہ کے حکم سے لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ سفر میں یہ دعوت دینا بہت مشکل ہے۔آپ نے فرمایا نہیں ہمارے لیے سفر میں اور حضر (گھر پر مقیم ہونا) برابر ہے۔البتہ سفر میں روزہ ترک کیا جا سکتا ہے۔اگرچہ نفلی روزہ کی قضا نہیں ہے۔لیکن نفلی روزہ کی بھی سفر کے بعد قضا دینی چاہیے تاکہ نفس کو ترک کی عادت نہ پڑ جائے اور تن آسانی کی عادت نہ ہو جائے اور اُن مریدوں سے جو روزہ دار ہوتے ہیں پیچھے نہ رہ جائے۔

پیر و مرید کے حقوق

اس کے بعد پیر و مرید کے حقوق کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ایک مرید نے دریافت کیا کہ پیر کے مرید پر اور مرید کے پیر پر کیا حقوق ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ بعد میں بتاؤں گا۔ اس نے بعد میں پوچھا۔ تو فرمایا بتاؤں گا۔ جب تیسری بار دریافت کیا تو حضرت شیخ نے اس کو ایک خط اور مصلےٰ دے کر فرمایا کہ یہ خلیفہ وقت کو پہنچا دو۔ مرید فوراً باہر آیا اور جوتے پہننے لگا لیکن چونکہ جوتا پہننے میں تاخیر ہوتی ہے۔ اس نے جوتا چھوڑ دیا اور فوراً روانہ ہو گیا۔ راستے میں خیال آیا کہ گھر جا کر بال بچوں ان سے رخصت ہو لوں۔ لیکن پھر خیال آیا اس سے حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل میں دیر ہو جائے گی۔ گھر نہ گیا اور سیدھا خلیفہ کے محل میں پہنچ کر خط اور مصلےٰ اس کے حوالہ کیا۔ چونکہ وہ آدمی حضرت شیخ کا فرستادہ تھا۔ خلیفہ نے اس کی بہت عزت و تکریم کی اور مہمان نوازی میں رہنے کو کہا۔ مرید نے کہا کہ مجھے حضرت شیخ نے ٹھہرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ صرف خط اور مصلےٰ پہنچانے کا حکم فرمایا اور اس حکم میں تعمیل کر دی ہے بغیر پیر کے حکم کے یہاں کیسے ٹھہر سکتا ہوں۔ جب خلیفہ نے دیکھا کہ وہ ٹھہرنا پسند نہیں کرتا تو اس نے حرم سے ایک کنیز طلب کی۔ اور اس کو مرید کے حوالہ کر کے حکم دیا کہ اسے حضرت شیخ کے پیش کر دینا۔ چنانچہ وہ دونوں روانہ ہو پڑے۔ چونکہ دونوں جوان تھے۔ راستے میں شیطان نے دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا اور وہ حرام کاری پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت مرید نے دیکھا کہ حضرت شیخ دانتوں میں انگلی دبائے پاس کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں ''ہائے ہائے۔'' مرید نے شیخ کی زیارت کرتے ہی فوراً کپڑے پہن لیے اور بُرے کام سے باز آ گیا۔ اس کے بعد اس نے وضو کر کے دوگانہ شکر ادا کیا کہ خداوند تعالیٰ نے اس بلائے ناگہانی سے نجات بخشی ہے جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو مرید نے کنیز شیخ کے حوالے کر دی۔ اس وقت شیخ نے کچھ نہ کہا دوسرے دن مرید نے شیخ کے پاس جا کر پوچھا کہ حضور مرید کے پیر پر اور پیر کے مرید پر کیا حقوق ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے تجھے دکھا دیا ہے۔ اب تک تجھے معلوم نہیں ہوا۔ تم نے جب بغیر جوتا پہنے اور بغیر اہل و عیال سے الوداع کہے سفر اختیار کیا نیز بادشاہ نے تم کو اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کی لیکن تم نے اس کی پرواہ

نہ کی۔ یہ میرا تم پر حق ہے تم نے ادا کر دیا۔ اور یہ جو شیطان نے راستے میں تمہارے دل میں وسوسہ ڈالا اور گناہ پر آمادہ کیا یہ تمہارا مجھ پر حق تھا کہ تجھے باز رکھتا چنانچہ میں نے اپنا حق ادا کر دیا۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو شخص پیر کا ہو گیا وہ سب کچھ ہو گیا۔ اور جو پیر کا نہ ہوا۔ وہ کچھ بھی نہ ہوا۔ خواہ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہے، پانی پر چل سکتا ہے یا پسِ پشت دیکھ سکتا ہے۔ اس کے باوجود جب تک وہ پیر کا نہیں ہو جاتا ذاتِ حق تعالیٰ کی بُو تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے بعد اس نوارد نے کہنا شروع کیا کہ حضور اگر آپ ہمارے علاقے میں تشریف لے چلیں تو ہمارے لیے ایسا ہو گا جیسے تشنہ اور سوکھے پہاڑ پر بارانِ رحمت اور آپ کا واپس چلے آنا ایسا ہو گا جیسے اَبر رحمت کا ختم ہو جانا اور ناامیدی اور یاس کا واقع ہونا ہے۔ حضرتِ اقدس نے اس ضعیف (کاتب ملفوظات حضرت اکبر حسینی) کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ کیا خیال ہے کہ اگر ہم آج چلے جائیں اور گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھر کر مرید بنائیں۔ تمہارے لیے نذرانے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ اس پر آپ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا کہ میں نے اکثر یہ شعر پڑھا ہے اور اس پر رقص کیا ہے اور ذوق حاصل کیا ہے اس امید پر کہ میری بھی یہی حالت ہو جائے۔ لیکن وہ بات حاصل نہ ہوئی۔ مصرع یہ ہے:۔

کجا است دولت آں یارو ملک تنہائی

(کاش کہ اس دوست کی صحبت اور ملک تنہائی میسّر آتا)

پانی پینے کے آداب

اس کے بعد کھڑے ہو کر یا بیٹھے ہوئے پانی پینے پر گفتگو ہونے لگی۔ اس کمترین بندگان نے صح الصحابہ میں ابن عباس کی روایت کردہ یہ حدیث پڑھی۔

"آنحضرت ﷺ نے آب زم زم کھڑے ہو کر نوش فرمایا اور حضرت علیؓ نے وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن بعض فقہا نے اس مکروہ قرار دیا ہے۔ جن صحابہ کرام نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت دی ہے وہ امیر المومنین حضرت علیؓ حضرت سعد بن وقاصؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ ہیں۔"

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ آب زم زم آبِ وضو، آب سبیل اور مومن کے پس خوردہ پانی کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اسے کھڑے ہو کر پینا چاہیے اور کراہت نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن دوسری حدیث جو مشارق میں درج ہے یہ ہے کہ شرب قائماً فلیق۔ اس سے یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ اگر کھڑا ہے تو پانی پینے کے لیے بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہوا ہے تو پانی پینے کے لیے نہ اٹھے سوائے وضو کے پانی کے۔ یہ قول فیصل ہے اور ہمارا عمل اسی پر ہے۔

روز شنبہ ۲۱۔ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

متکبّر بادشاہوں کے عقائد و عزائم

ظہر کی نماز کے بعد اُمراء سوا (بڑے امیروں) اور ظالم بادشاہوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ ان کی خباثت، کم عقلی اور نادانی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ پیغمبر آخر الزمان ہم ہیں۔ لیکن دنیا و آخرت کے لیے خسارہ کا کام کرتے ہیں۔ دونوں جہانوں کے ملعون ہیں۔ اس کے متعلق آپ نے یہ حکات فرمائی۔ کہ مروان دو ہیں۔ ایک مروان بن حکم جو حضرت عثمانؓ کا منشی تھا۔ دوسرا مروان حمار جس کا ہاتھ بنی امیّہ کی خلافت بنو عباس کو پہنچی۔ ایک دن ایک آدمی نے مروان سے کہا کہ سنو! تمہارا ایک خلیفہ ہے اور ایک پیغمبر۔ تمہارے لیے خلیفہ بالاتر ہے یا پیغمبر۔ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ۔ اس نے کہا اس کے بعد تم خلیفہ بنو گے۔ اس لیے تم پیغمبر سے بالاتر ہوئے۔ یہ سن کر وہ خبیث، احمق، مسخرہ، شیطان مسکرانے لگا اور اس بات سے وہ ملعون ایسا خوہوا کہ ہنسنے لگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ سلطان علاؤ الدین بھی اسی زعم میں تھا۔ لیکن مسلمانوں کے خوف سے ظاہر نہیں کرتا تھا اور اپنے خواص کے سامنے اس قسم کی باتیں کرتا تھا کہ محمد ﷺ کے بھی چار یار تھے۔ میرے بھی چار یار ہیں۔ اور یہ کہ دین میں یہ حکم آیا ہے اور میں نے یہ حکم دیا ہے وغیرہ۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں یہ واقعات مفصل لکھے ہیں۔ نیز سلطان محمد تغلق بھی اسی قسم کے خرافات میں مبتلا تھا۔

ہمارے خواجہؒ کے خواہر زادہ مولانا کمال الدین کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قتلق خان کے بھائی قاضی شمس الدین کے پاس بیٹھا آدھی رات کے وقت نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک قتلق خان نے آ کر کہا

کہ تم یہاں بیٹھے رہو میں ابھی آ تا ہوں کوئی ایک گھنٹہ کے بعد وہ واپس آیا اور کہنے لگا کہ ایک عجیب بات سنو۔ آج رات بادشاہ محمد تغلق نے مجھے طلب کیا اور میں اس کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ شمع کی طرف پیٹھ کیئے ہوئے اندھیرے میں بیٹھا تھا۔ لیکن بہت فکرمند تھا اور کوئی بھائی یا کسی قرابت دار کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مجھ سے اس کا ذکر کرنے میں تامل کررہا ہے۔ لیکن پھر اس نے یکا یک کہنا شروع کیا کہ اگر آج کوئی شخص پیدا ہوا اور کہے کہ محمد ﷺ نہ تھے بلکہ میں ہوں تو تم اس سے کیا سلوک کرو گے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر اس سے بحث کروں تو وہ بھی بحث شروع کردے گا اور بات بڑھ جائے گی۔ چنانچہ مجھے ایسی بات کہنا چاہیے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد اس کا کیا حشر ہوگا۔ میں نے کہا ایسے حرام زادہ، دیوانہ، احمق، بد بخت، بدنصیب کے ساتھ اس کے سوا کیا سلوک کیا جائے کہ اخوند اقبال جیسے علمائے اسلام سے فتویٰ لے کر اس کا سرتن سے جدا کردیا جائے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک آہ سرد لی اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا یہ سن کر مولانا شمس الدین نے کہا کہ اگر وہ بد بخت یہ دعویٰ کرے تو تم کیا کرو گے۔ اس نے جواب دیا کہ واللہ! پہلا شخص جو اس کے خلاف جہاد کرے گا میں ہوں گا۔ اس وجہ سے مولانا شمس الدین ہمیشہ قتلق خان کی عزت کیا کرتے تھے۔ آپ ملک منصور اور ان کے والد سعد منصور کی عزت کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ ایک بادشاہ نے ایک سیٹھ ملک منصور سے کہا کہ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ نے کیا کیا جو ہم نہیں کر سکتے۔ ملک منصور نے جواب دیا کہ وہ پاک تھے۔ یعنی تو پلید ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خفا ہوا اور ملک منصور کو گالیاں سنائیں لیکن وہ خاموش بیٹھے سنتے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ نیز یہ جو بادشاہ نے علماء، مشائخ، سادات و اہل دین کو قتل کیا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ جن حضرات کے دلوں میں دین کی عظمت ہے ان کو ختم کر دیا جائے اور تمام ہندوؤں اور خوشامد کرنے والوں کو جو ہندوؤں سے کم نہ تھا اپنے قرب میں جگہ دی جائے تا کہ جو حکم ان کو دیا جائے فوراً اسکی تعمیل کریں۔ لہذا اپنے کرتوتوں کی وجہ سے وہ دوزخ کا مستحق ہوا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو ملک الموت کو حکم ہوا کہ اس کی جان قبض کرو۔ لیکن ملک الموت نے رو کر حضرت حق تعالیٰ سے عرض کی کہ خداوندا! میں نے تمام کافروں، بدبختوں اور فاسقوں کی روح قبض کی ہے۔ لیکن جو گندگی اس بد بخت کے منہ میں ہے اس کی وجہ سے ہی میں اس کے نزدیک نہیں جا سکتا۔ فرمان ہوا کہ اپنے کسی معاون کو اس کام پر لگاؤ۔ اس نے عرض کیا ان میں سے کسی کو یہ طاقت نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا

کہ تم جا کر اس کی جان قبض کرو۔ چنانچہ یہ کام ابلیس نے سرانجام دیا۔ یہ سن کر بندہ نے عرض کیا کہ کیا ملک الموت کے علاوہ کوئی اور بھی جان قبض کر سکتا ہے۔ فرمایا ہمیں معلوم ہے کہ بعض دوستان خدا کی جان ملک الموت قبض نہیں کرتا۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

در عشق تو عاشقاں چناں جان بدہند کانجا ملک الموت نگنجد ہر گز

(تیرے عشق میں عاشقان لوگ اس طرح جان دیتے ہیں کہ ملک الموت تک کو خبر نہیں ہوتی۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی جان ملک الموت نے قبض نہیں کی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک سیب دیا۔ ان کو اس سیب کے اندر ایک حسن و جمال کا ایسا پیکر نظر آیا کہ جان اس صورت کے سپرد کر دی اور ملک الموت کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح خدا کے دشمنوں کا حال ہے کہ ملک الموت کے ذریعے نہیں بلکہ قبیح صورتوں کے ذریعے ان کی جان نکالی جاتی ہے۔

یکشنبہ ۲۲۔ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

باجے کی آواز کا اثر

چاشت کے وقت ایک شخص حضرت اقدس کے سامنے ایک خاص قسم کا باجا کمانچہ بجا رہا تھا اور آپ اسکی طرف متوجہ تھے۔ فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا برہان الدین غریبؒ کے سامنے محفل سماع میں ایک شخص یہی کمانچہ باجا بجا رہا تھا۔ جس کی آواز آپ کو بہت اچھی لگی۔ آپ نے اٹھ کر اپنے گلے مین ڈال لیا اور اس آدمی سے کہا کہ اسے بجاتے رہو۔ چنانچہ وہ بجاتا رہا اور آپ سنتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ منصور ابدال کہا کرتے تھے کہ ایک دن میں شراب خانہ کے قریب سے گزر رہا تھا جس کے اندر کمانچہ بج رہا تھا۔ مجھے اس کی آواز اچھی لگی۔ میں اس کے نزدیک جا کر سنتا رہا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ درویش اس کی آواز پر رقص کرو۔ میں نے کہا اچھا میں دیکھ لوں کہ میری تقدیر میں یہ بات ہے یا نہیں۔ میں نے معلوم کیا کہ تقدیر میں تھی لہذا میں رقص کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بھی میرے ساتھ رقص کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے میرے لنگوٹے پر ہاتھ مارا اور میں برہنہ ہو گیا۔ میں نے بھاگ کر کپڑا باندھا اور وہاں سے چلا گیا۔ لوگوں نے مجھے آواز دی کہ درویش

واپس آ جاؤ لیکن میں نہ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ میرے پیچھے دوڑے۔ میں نے بھی تیز دوڑنا شروع کیا وہ میرا کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے۔ آگے ایک گنے کا کھیت تھا جب اس کے اندر داخل ہوا تو باغبان میرے پیچھے بھاگ پڑا۔ چنانچہ وہاں سے بھی میں تیزی سے نکل گیا۔ اور اپنے دوستوں سے جاملا اور ان سے یہ ماجرہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم وہاں ٹھہر جاتے تو اس باغبان کا تماشا بھی دیکھ لیتے۔ میں نے کہا کہ میں کچھ دیر ٹھہر گیا لیکن میں نے دیکھا کہ یہ بات تقدیر میں نہیں تھی اس لیے وہاں سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے یہ ابدال لوگ سارے جہان کی سیر کرتے ہیں لیکن ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ان کے سامنے سارا جہان صحرا، جنگل اور خرابہ ہے۔ میری سالہا سال یہ تمنا رہی لیکن یہ دولت میسر نہ ہوئی۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

ہر گز حسد نہ بردم برمنصبے و مالے　　الّا بر و کہ دارو بادلبرم وصالے

(میں نے ساری عمر کسی مال اور منصب کا رشک نہ کیا سوائے اس کے کہ جسے میرے محبوب کا وصال حاصل ہے)

آنحضرت ﷺ نے گدھے پر سوار ہو کر شیطان کو کنکریاں ماریں

اس کے بعد آپ نے یہ حدیث پڑھی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ عبدالضحٰی کے دن رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ گدھے پر سوار ہو کر شیطان کو کنکریاں مار رہے تھے۔ فرمایا سوار ہو کر کنکریاں مارنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ معلم تھے۔ اور تمام لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دینا آپ کے ذمہ تھا۔ اگر پیادہ ہوتے تو ہجوم خلق میں آپ کو کون دیکھ سکتا تھا اور آپ کے افعال سے کون مطلع ہوتا۔

نیز چونکہ اس وقت آپؐ کی عمر ساٹھ سال سے زائد ہو چکی تھی۔ اس ہجوم میں آپ کو سواری کی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں جو سرداری اور سروری آپ کو حاصل تھی اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپؐ امت کے لوگوں کے درمیان آپؐ سوار ہو کر جاتے۔ اگر آپؐ سوار نہ ہوتے تو کسی کو کیا معلوم کہ آپ کون ہیں اور کہاں ہیں اور کون آپ کی طرف متوجہ ہوتا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا تین سنت پر عمل کرنے سے محروم رہنا

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کہتے ہیں کہ جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے۔ میں نے کیا۔ لیکن تین کام نہ کر سکا۔ ایک یہ کہ رسول خدا ﷺ سے سوار ہو کر طواف کرنا ثابت

ہے۔ میں نے چاہا کہ سوار ہو کر طوائف کروں لیکن اس کی کسی نے اجازت نہ دی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آنحضرت ﷺ نے خربوزہ کس طرح کھایا تھا۔ آیا چھلکے کے ساتھ کھایا' چھلکا اتار کر کھایا' مغز کے ساتھ کھایا یا بغیر مغز کے کھایا۔ اس لیے میں نے ساری عمر خربوزہ نہ کھایا۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ صبح کی نماز کے وقت موجود نہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر جا کر دیکھا کہ بیوی کے ساتھ سو رہے ہیں۔ آپ نے کپڑا منہ کے سامنے دیکھ کر فرمایا الصلوٰۃ! الصلوٰۃ! (یعنی نماز کا وقت ہے) یہ سن کر وہ بیدار ہو گئے اور اٹھ کر نماز پڑھی۔ اب چونکہ میں نے شادی ہی نہیں کی اس لیے بیٹی کہاں سے لاتا کہ اس کے گھر جا کر اسے نماز کے لیے بیدار کر کے یہ سنت بھی پوری کرتا۔

اس کے بعد شعراء کے حسن و لطافتِ کلام پر بات ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ امیر حسنؒ کے کلام میں بھی خوب لطافت ہے اور ان کے چند اشعار پڑھے جو حسبِ ذیل ہیں۔

لعل دل آرام نگر کا آرام گاہ جاں درو　　کفر سرِ گیسوش ہیں سرمایہ ایماں درو

خود کیست بیچارہ حسن تا خونِ ریزد کسے　　خاکیست مشتے او بلے از یاد خوباں جاں درو

(محبوب کے لب لعل ملاحظہ ہوں کہ جن میں عاشق کا آرام جان ہے اس کی سیاہ زلفوں کو دیکھو جو عاشقوں کا سرمایہ ایمان ہیں۔ بیچارہ حسن کیا چیز ہے کہ اس کی کوئی خون ریزی کرے وہ تو خاک کی ایک مٹھی ہے جس کے اندر محبوب کی یاد کی وجہ سے جان پڑی ہوئی ہے۔) اس کے بعد آپ نے یہ غزل پڑھی۔

منم سلطانِ ملک حُسن و مادر سلک درویشاں　　دلا دامن فراہم کن کجا' و کجا ایشان

قبا بَر قدِ سلطاناں چناں زیبا نمے آید　　کہ آں خرقاں گرد آلود بر بالائے درویشان

اگر تو باغم لیلےٰ برغبت خوشیتن داری　　چوں مجنوں خود فرو باید شد از خویش وہم از خویشاں

حسؔن در پائے خوبان سر فدا کر دی بحمد اللہ　　نکو اندیشہ کر دی غلے زعم بد اندیشیاں

(میں ملک حسن و خوبی کا بادشاہ بھی ہوں اور درویش بھی' اب دیکھو کہ ہم کہاں اور وہ کہاں' بادشاہوں کے قد پر زرّیں لباس خوشنما نہیں لگتا جیسے درویشوں کی قامت پر خرقہ گرد آلودہ۔

اگر تجھے غم لیلیٰ یعنی محبوب حقیقی سے رغبت ہے تو مجنوں کی طرح اپنے آپ کو اپنوں اور پرایوں کے قدموں کی خاک بنا ڈال۔

اے حسؔن تو نے محبوبوں کے قدموں میں سر قربان کرایا ہے خدا کا شکر ہے یہ کام کر کے تم نے

بداندیش رقیبوں کے سر میں مٹی ڈال دی ہے)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مخدومؒ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کسی دوست کے گھر سماع سن رہے تھے۔ مندرجہ بالا غزل گائی گئی جس پر آپکو بہت ذوق ہوا اور فرمایا کہ یہ اشعار بھی اسی مضمون پر ہیں۔

اے در ہوسِ رویت گل چاک زدہ داماں   وز یاد بست خلقے خونِ جگر آشاماں

درجہ نکورویاں نداوند نہ برات تو   تا نامِ تو در ناید در دفتر بدناماں

سر گشتہ بے گشتم بہر سرو سامانے   سرور سرکارت شد نے شرمندہ نے سامانے

اے محبوب تیرے دیدار کی طلب میں گل کا دامن چاک ہو چکا ہے اور تیری یاد میں خلقت خون جگر نوش کر رہی ہے۔ کوئے دوست میں کوئی مراد نہیں ملتی تاوقتیکہ بدنامی کے دفتر میں تیرا نام نہ لکھا جائے سر و سامان کی طلب میں ہم بہت سرگردان رہے جب سے تیری راہ م یں سر ختم ہو گیا سر و سامان کی ہوس سر سے ختم ہو چکی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس وقت امیر حسنؔ اپنا کلام کاتب کے حوالے کر رہے تھے۔ تو امیر خسروؔ نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے جو تعویذ کے طور پر دی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ امیر یہ پیٹ کے درد کا تعویذ ہے۔ فرمایا' امیر حسنؔ کا کلام بھی بہت خوب ہے۔ ان کے لطائف بہت مشہور ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے امیر خسرو امیر حسن اور دیگر احباب کے لیے حوضِ سلطان پر ایک تقریب تھی اور قوالوں نے آنا تھا لیکن وہ نہ آئے۔ چنانچہ سب وہاں بیٹھے انتظار کرتے رہے اور امیر حسنؔ نے لوگوں کو ایسا ہنسایا کہ سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے رلانے کی باتیں شروع کیں اور سب پر گریہ طاری ہو گیا۔

موسیقی کی اصل اور اس کے ماخذ

ظہر کی نماز کے بعد موسیقی کی اصل اور اس کے ماخذ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ اس کی اصل حرکت فلک ہے۔ جب حکماء کو وہاں تک رسائی ہوئی اور انہوں نے نغماتِ افلاک سنے تو یہاں آ کر راگ وضع کیئے۔ ان کے قوانین مقرر کیے اور مزامیر (آلات) ایجاد کیئے۔ فرمایا حکماء

یوانان ایک ایسا رباب بجاتے ہیں کہ جس سے سب کچھ بھول کر آدمی کو نیند آ جاتی ہے۔ایک اور رباب بجانے سے سننے والوں پر ہنسی طاری ہو جاتی ہے۔ایک اور رباب بجانے سے گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ایک ایسا رباب بھی ہے جس کو سننے سے آدمی مر جاتا ہے۔غرضیکہ جو چاہتے ہیں رباب کے ذریعے کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ دہلی میں ایک ربابی رہتا تھا جس کا نام ابراہیم تھا۔ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا اور علاج کے لیے مولانا صدرالدین کے پاس آیا ہوا تھا اور رباب بھی ساتھ لایا تھا۔ چنانچہ مجھے مولانا علاؤالدین، مولانا صدرالدین کو اس نے رباب سنایا۔اسے رباب بجانے میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ اور کوئی اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکا اس مجلس میں ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام یوسف تھا۔لڑکا رباب سنکر بے ہوش ہو گیا۔اور اسے مجلس سے اٹھا کر باہر لے گئے۔ جب تک ہم لوگ مجلس میں بیٹھے رباب سنتے رہے سب دم بخود اور محو تھے۔اس جیسا ربابی میں نے پھر کہیں نہیں دیکھا۔عراق کا رباب بھی بہت مشہور ہے۔جو آنتڑیوں کی تاروں سے بنایا جاتا ہے۔کہتے ہیں کہ مردہ جانور پڑا تھا اور اس کی آنتڑیاں خشک ہو چکی تھی۔آنتڑیوں میں سے ہوا کا گزر ہوا تو آواز آنے لگی۔اس سے انہوں نے باجا ایجاد کر لیا۔

دوشنبہ ۲۳۔رمضان المبارک ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت ایک آدمی بیعت کی خاطر آیا ہوا تھا۔ بیعت کا باعث ایک خواب تھا۔جو اس نے یوں بیان کیا کہ خواب دیکھا کہ جمعہ کا دن ہے اور حضرت اقدس (بندہ نواز سید محمد گیسودراز) نماز کے لیے باہر جا رہے تھے۔ان کے آگے ایک بڑا جھنڈا جا رہا ہے اور مجھے اشارہ ہوا ہے کہ میرے اس جھنڈے کو پکڑو۔ میں نے حضرت اقدس کے جھنڈے کو پکڑا۔دوسرا خواب یہ ہے دیکھا کہ حضرت شیخ (حضرت بندہ نوازؒ) ایک بلند مقام پر شان و شوکت سے تشریف فرما ہیں مجھے لوگوں نے جا کر حضرت شیخ کے قدموں میں ڈال دیا ہے اور حضرت شیخ نے میرا سر پکڑ کر اپنے پاؤں پر ڈال دیا اس کے بعد حضرت اقدس نے اس کو بیعت کر لیا۔

بیعت کرنے کے بعد فرمایا کہ رویائے صالحہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔رویائے

صالحہ یہ ہے کہ اس کے دیکھنے کے بعد دنیا سے دل سرد ہو جائے (یعنی دنیا کی محبت ٹھنڈی پڑ جائے) اور گناہ کی بجائے اطاعت کی طرف رغبت ہو جائے۔ دنیا سے دین کی طرف پہنچادے اور جو کچھ دیکھے وہی ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مسلمان ہونے کی حکایت بیان فرمائی جو یہ ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ کا خواب اور قبول اسلام

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میرے گرد ایک خندق ہے جو آگ سے بھری ہوئی ہے اور میرے والدین مجھے اس خندق میں ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ خندق کی دوسری طرف رسول خدا ﷺ کھڑے ہیں اور مجھے بلا رہے ہیں۔ چنانچہ میں انکی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد بیدار ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ وہ آگ سے بھری ہوئی خندق دوزخ ہے اور تمہارے والدین چونکہ کافر تھے تجھے دوزخ میں ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں یعنی ان کے دین پر رکھ کر دوزخ میں جاؤ اور رسول اللہ ﷺ نے تجھے اپنی طرف بلایا ہے اور تم انکے پاس چلے گئے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دوزخ سے نجات پاؤ گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اسلام قبول کرلو گے۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ اے ابوبکرؓ مجھے فوراً رسول خدا ﷺ کی خدمت میں لے چلو تاکہ میں اسلام قبول کرلوں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق ان کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

جب انکے والدین کو علم ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے ان کو ایک کمرے میں بند کردیا اور کھانا پینا روک دیا۔ یہ کہہ کر کہ جب تک اپنے اباؤ اجداد کے دین پر نہ آؤ گے کھانا نہیں ملے گا۔ تین دن کے بعد جب دروازہ کھول کر انہوں نے پوچھا کہ کیا خیال ہے تم نے دین محمدیؐ ترک کیا ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے والد اور والدہ! یہ وہ دین نہیں ہے جو ترک کیا جا سکے۔ اس سے بڑھ کر کون سا دین ہے میں تو اس دین پر جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ باز آنے والا نہیں ہے تو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ وہ جانے اور اس کا کام۔ اس کے بعد فرمایا کہ بہت سے صحابہ کرام نے خواب دیکھ کر اسلام قبول کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت شیخ کے سامنے ایک خواب بیان کر رہا ہوں اور یہ اجازت بھی مانگ رہا ہوں کہ آیا کسی اور کو یہ خواب بتاؤں۔ فرمان ہوا۔ کہ بتا سکتے ہو۔ میں نے اسی خواب میں عرض کیا کہ مجھے اس خواب کی تعبیر بتائی جائے۔ تعبیر یہ ہے کہ۔

سلسلہ خواجگان چشت قیامت تک قائم رہے گا

اس کے بعد ایک شخص نے آ کر بیعت کی درخواست کی اور خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ تشریف رکھتے ہیں اور آپ کے پاس ایک زلف دراز بچہ ہے اور بار بار بیعت کی بات کر رہا ہے اس کے بعد آپ نے اسے بیعت کر لیا اور فرمایا کہ بعد نماز مغرب چھ رکعت نفل تین سلام سے پڑھا کرو۔ اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ تین بار سورہ اخلاص پڑھو' اسے صوفیاء صلوٰۃ اوابین کہتے ہیں۔ چونکہ صوفیاء بیعت کے وقت توبہ کرتے ہیں اس نماز پر قائم رہنے سے توبہ پر استقامت حاصل ہوتی ہے اس کے بعد دو رکعت اور پڑھنے کو فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس سے ایمان محفوظ رہتا ہے۔ اس لیے اس نماز کو حفظ الایمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس نماز کی ہر رکعت میں بعد فاتحہ سات بار سورہ اخلاص اور ایک ایک بار سورہ فلق اور الناس پڑھنی چاہیے۔ سلام کے بعد سجدہ میں جا کر تین بار یہ دعا مانگے۔ یا حیَ یا قیوم ثبتنی علی الایمان (اے حیَ القیوم مجھے ایمان پر قائم رکھیو) اس کے بعد فرمایا کہ نماز عشاء کے بعد ایک اور دوگانہ پڑھا کرو اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ دس بار سورہ اخلاص پڑھو اور سلام کے بعد ستر مرتبہ: ''یاوَهَّابُ یا وَهَّابُ پڑھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ سنو! یہ پہلا سبق ہے جیسے استاد طالب علم کو پہلے تختی پر ا' ب' ت لکھنا سکھاتا ہے۔ جب انشاء اللہ تعالیٰ اس پر استقامت ہو جائے گی مزید تعلیم دی جائے گی۔ بلکہ جو کچھ ہم نے تلقین کیا ہے اس پر اگر استقامت ہو جائے تو تمہاری عاقبت کے لیے یہی کافی ہے۔ وہ شخص بچوں کو پڑھانے کا کام کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا بچوں کو پڑھانا نیک کام ہے اکثر وضو کے ساتھ رہنا چاہیے اور مسجد میں رہنا چاہیے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیے اور قرآن وسنت لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دینی چاہیے۔ لیکن عام طور پر کم ظرفی معلموں کا شیوہ ہوتا ہے اور وہ معمولی فوائد کی خاطر سرگردان اور پریشان رہتے ہیں اور جب تک ان کو کچھ نہ ملے مطمئن نہیں ہوتے۔ لیکن یاد رکھو کہ کم ہمت آدمی کو کچھ

حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی مرتبہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ جو شخص کسی مرتبہ پر پہنچا بلند ہمتی سے پہنچا۔

اوصافِ مشائخ

اس کے بعد ماہیت شیخ پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا شیخ وہ نہیں جو ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، جو کچھ وہ منہ سے نکالے وہی ہو جائے اور جو کچھ خدا سے چاہے مل جائے دل میں جو خیال گزرے اسی کے مطابق ہو جائے۔ مردان غیب سے ملاقات کرے نہ کھانا کھائے نہ پانی پیئے۔ بلکہ ہر وقت سیر وطیر سے مشغول رہے۔ بلکہ شیخ وہ ہے جس کو کشف ارواح، کشف قبور حاصل ہو، ارواح اور انبیاء سے ملاقات کر سکے۔ تجلی صفاتی اور افعالی اور ذاتی حاصل ہو۔ فنا اور بقا کی وادیوں سے گزر چکا ہو اور حقائق ومصارف سے آگاہ ہو اور جس کسی کو وہ خلیفہ مقرر کرے وہ بھی ان اوصاف سے متصف ہو۔ اگر یہ اوصاف نہ ہوں تو اس کو خلافت نہ دے۔ جس طرح کہ جب تک شاگرد استاد کے مقام پر نہیں پہنچتا، استاد نہیں بن سکتا اور استاد کی مسند پر نہیں بیٹھ سکتا۔ بلکہ اس کو پھر مدرسہ میں بھیج دیا جاتا ہے ورنہ وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔

بیان آیت وَلَقَد فتنا سُلیمَان

آیہ پاک ولقد فتنا سلیمان والقینا۔۔۔ کے متعلق فرمایا کہ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ ایک جن پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ شبہ ہو گیا کہ جس عورت کے پاس ان کی مہر ہوتی تھی وہ اس سے لے گیا تھا اور تخت پر بیٹھ کر تمام وحوش، طیور اور جن انسان پر حکومت کرتا تھا لیکن جب اس سے وہ مہر لے لی گئی تو اس کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا وہ دَر دَر پر آواز دیتا تھا لیکن کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہی حال آنحضرت ﷺ کی مہر کا ہے جب مہر نبوت حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گر گئی تو تو کنوئیں کا سارا پانی نکالا گیا یہاں تک کہ کیچڑ اور سنگریزے بھی نکالے گئے اور ایک ایک کر کے تلاش کیا مگر نہ ملی[1]۔

عصر کی نماز کے بعد حضرت اقدسؒ کی خدمت میں ایک غزل خوان آیا اور غزل پڑھی لیکن آپ کو مزہ نہ آیا۔ البتہ آپ نے دو دفعہ آہ سرد نکالی۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ خدا

[1] شائد مہر نبوت گم ہونیکا واقعہ حضرت اقدسؒ نے اس لیے بیان فرمایا کہ مہر گم ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی خلل واقع ہو گیا اور مسلمانوں کے مابین جنگ وجدال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بزرگوں نے حضرت عثمانؓ سے مہر نبوت گم ہو جانیکی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ پر خلافت کا دَور ختم ہوا اور حضرت علیؓ کی ولایت وامامت کا دَور شروع ہوا۔

گواہ ہے کہ میں نے دو دفعہ آہ اس لیے نکالی کہ وہ بے چارہ خوش ہو جائے اور رنجیدہ خاطر نہ جائے۔اس کے بعد آپ نے شیخ سعدیؒ کی یہ غزل پڑھی۔

نرفت تا تو برفتی خیالت از نظرم　　برفت درہمہ عالم ز بے دلی خبرم

(اے تیرے چلے جانے کے بعد تیرا خیال میرے دل میں نہ گیا بلکہ سارے جہان میں میری عاشقی کا چرچہ ہوگیا)

فرمایا دوسرے مصرع میں لفظ دَر کی بجائے از ہوتا تو بہتر ہوتا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ سارے جہان سے عاشقی کی وجہ سے بے خبر ہوگیا۔لیکن لفظ دَر لگنے سے یہ معنی نکلتا ہے کہ میری عاشقی کی شہرت ہوگئی لیکن پہلی تعبیر بہتر ہے اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

اگر مرا تو بہ بینی زہجر نشناسی　　کہ ہر چہ درنظر آید از آں ضعیف ترم

مرابگوئی کہ اے سعدیؒ چراپریشانی　　خیال روئے تو ہر روز میکند بترم

(ا) اگر تو مجھے دیکھے تو ہجر ذوق کی وجہ سے نہیں پہنچانے گا کیونکہ جو نظر آتا ہے ہر چیز سے زیادہ ضعیف ہو چکا ہوں۔

(۲) اے دوست تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیوں پریشان ہو یہ تیرا ہجر ہے جو مجھے روزانہ خراب سے خراب تر کررہا ہے۔)

اس شعر میں آپ نے تکرار فرمایا اور ذوق شوق سے پڑھتے رہے۔نیز فرمایا کہ "ضعیف ترم" اور "بدترم" میں تکرار قافیہ ہے[1]۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

نشانِ پیکر خوبت کہ مے تو اند گفت　　کہ در تامل آں خیرہ مے شود بصرم

(تیرے حسن و جمال کو کون بیان کرسکتا ہے کہ اس کے تصور ہی سے میری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں)

فرمایا تامل (تصور کرنا) دل کا کام ہے اور خیرہ ہونا آنکھ کا کام ہے۔ان کا آپس میں کیا تعلق ہے۔اگر تامل کی بجائے کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا تعلق آنکھ سے ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا[2]۔

1 تکرار قافیہ بھی ایک قسم کا نقص خیال کیا جاتا تھا۔

2 اس غزل میں یہ تیسرا نقص ہے جو آپ نے نکالا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کو سماع سننے کی خواہش ہوئی تو فرمایا کہ کوئی ہے جو مجھے سماع سنائے۔ خواجہ اقبال اور دیگر خدام چونکہ گانا جانتے تھے۔ انہوں نے آپ کو سماع سنایا جس سے آپ کو بہت ذوق ہوا۔ اور گریہ بھی۔ فرمایا اور ان کو پارجات عطا فرمائے۔ اس کے بعد جب آپ کا قوال حسن میمندی آیا تو انہوں نے اس کو چھیڑنا شروع کیا کہ تمہاری عدم موجودگی میں ہم نے حضرت شیخ کو سماع سنایا اور انعام حاصل کیا۔ حسن میمندی نے کہا کہ حضرت شیخ کا گریہ اس لیے تھا کہ میں دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو چکا تھا اور پھر اسی کی بدولت آزادی بھی ہوگئی جب حضرت شیخ نے یہ بات سُنی تو تبسم کر کے فرمایا کہ حسن تم سچ کہتے ہو۔

سہ شنبہ ۲۴ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

کلمہ حق جہاد سے افضل ہے

چاشت کے وقت دین کے کام میں استقامت کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا ہر مذہب میں جب تک کہ بذل روح (جان قربان کرنا) نہ ہو دین مستقیم نہیں ہوتا۔ (استقامت حاصل نہیں ہوتی) اس لیے فرمایا گیا کہ کلمۃ عدلٍ عن سلطان جابر افضل من الجہاد (جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا جہاد سے افضل ہے اس لیے کہ اس میں بذل روح (خطرہ جان ہے) اور جہاد سے اس لئے افضل ہے کہ جہاد میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والا اکیلا ہوتا ہے اور اس کی کوئی امداد نہیں کر سکتا اور میدانِ جنگ میں بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ یعنی جس وقت تلوار پر تلوار بج رہی ہوتی ہے اور سر کٹ کٹ کر گر رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جم کر لڑنا اور جان قربان کر دینا بڑی بات ہے۔ یا پھر فتح یاب ہو کر سرخروئی حاصل کرے۔ ہندوؤں کے ہاں خودکشی کرنا بڑے درجے اور مرتبہ کا کام ہے لیکن اسلام میں خودکشی کرنا منع ہے۔

کرامات صوفیاء

اس کے بعد فرمایا صوفیاء کا ذکر ہونے لگا۔ (فرمایا مولانا فخر الدین بجنوریؒ شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ کے مرید تھے۔ لیکن ہمارے پیر و مرشد (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کے ساتھ بھی ان کو

بہت عقیدت تھی اور حضرت سلطان المشائخ کے ساتھ اودھ میں اکثر جایا کرتے تھے اور ہمارے پیرومرشد سے ملتے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے باطنی حالات بھی معلوم تھے اور مولانا شہاب الدین کشتوری کو یاد دلایا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک رات حضرت خواجہؒ غائب ہو گئے آخر شب آپ تلوار اور ڈھال لگائے واپس آئے۔ ہم نے پوچھا۔ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔ فرمایا سمندر میں ایک جہاز غرق ہو رہا تھا۔ مجھے فرمان ہوا کہ جاؤ اور اس کو غرق ہونے سے بچاؤ۔ ایک دفعہ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ ہمارے لیے شراب لے آؤ۔ میں ایک صراحی شراب لے آیا۔ آپ نے لے کر فرمایا کہ تم بھی پیئو۔ میں نے پیا تو خالص شہد تھا اور کسی چیز کا ذائقہ نہ تھا۔ مولانا محمود لکھنویؒ نے کچھ عرصہ حضرت خواجہؒ کے ہاں امامت کے فرائض دیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رات کے وقت حوضِ سلطان پر درختوں کے درمیان مشغول رہتا تھا میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ غائب سے موجود ہو گئے ہیں۔ میں قدم بوسی کے لیے دوڑا تو غیب ہو گئے۔ جب حضرت خواجہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ وہاں بہت بزرگ دفن ہیں۔ مولانا محمود نیلیؒ کا مزار بھی اسی جگہ پر ہے۔ جن ایام میں حضرت خواجہ ٹھٹھہ میں تھے۔ مجھے فرمایا گیا تھا کہ روزانہ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار پر حاضری دیا کروں۔ ایک دن میں مزار مبارک کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ خواجہؒ سفید لباس میں ملبوس ظاہر ہوئے۔ میں نے خیال کیا کہ حضرت شیخ ٹھٹھہ سے واپس آ گئے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوس ہونا چاہا لیکن غیب ہو گئے۔

اس کے بعد یوسف حجاج کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا۔ یوسف حجاج نے مرض الموت میں نجومی سے اپنی مرض کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا تمہارا نام تو یوسف ہے لیکن یہ وقت اس شخص کے لیے خطرناک ہے جس کا نام طیب ہے۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد مر جائے گا۔ حجاج نے کہا ہاں میرا نام والدہ نے طیب رکھا تھا۔ تم نے مجھے موت کی خبر دی ہے میں بھی تجھے موت سے دوچار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسے قتل کر دیا اور بعد میں خود بھی مر گیا۔

ظہر کی نماز کے بعد آپ نے شیخ سلیمان کو خط لکھا۔ شیخ سلیمان حضرت مخدوم (حضرت بندہ نواز گیسو دراز) کے مرید تھے۔ وہ قصبہ امیرج کے کوتوال تھے۔ جب حضرت مخدوم امیرج تشریف لے گئے تو وہ مرید ہوئے تھے۔ مرید ہوتے ہی وہ تارک الدنیا ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس زمانے میں حضرت اقدس حج پر تشریف لے گئے۔ لیکن شیخ سلیمان کو ماں نے

اجازت نہ دی اس لیے وہ واپس گھر چلے گئے اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا جس کے جواب میں آپ نے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

مرید کے نام خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فرزند دینی سلیمان شہاب کو محمد حسینی (حضرت بندہ نواز) کی دعا شامل حال ہے۔ واضح رہے کہ اس دولت سے کون سی دولت زیادہ بلند اور اس شرف سے کون سا شرف زیادہ اعلیٰ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے ساتھ اس فراغت قلبی سے مستغرق ہو کہ نہ کوئی آنے والا مزاحم ہو سکتا' نہ جانے والا' نہ اپنا نہ پرایا' نہ دوست نہ دشمن' تجھے اس فراغِ دل کی قدر کرنی چاہیے۔ تم نے یہ شعر سُنا ہو گا۔

بفراغِ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے   بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ عمر

(فراغتِ قلبی کے ساتھ یعنی یکسوئی سے دوست پر ایک نظر اس سے بہتر ہے کہ ساری عمر شاہی عزت و اکرام اور شان و شوکت سے بسر ہو۔)[1] تجھے لوگوں کی صحبت سے کام اور درس و تدریس سے کیا غرض۔ احکام دین میں سے جو ضروری ہیں یعنی وضو اور نماز وغیرہ کا طریقہ جاننا کافی ہے۔ باقی وقت یادِ حق میں غرق رہنا چاہیے۔ جس روز تیرے پاس کوئی نہ آئے اور نہ تو کسی کا منہ دیکھے اور نہ کوئی اور تیرا منہ دیکھے اس روز کو تو یوں سمجھ کہ معراج کا دن ہے جس کے لیے مقربین اور واصلین بارگاہ تڑپتے رہتے ہیں۔

رباعی

دل در تگ و پو نشد نکو شد کہ نشہ   دیدی کہ نکونشد نکوشد کہ نشد
گفتی کہ بہ رنجم اور رونکو نشد کا رت   جزبر تو فرونشہ نکو شد کہ نشد

(اگر تم نے طلب دنیا میں جدوجہد کی تو اچھا ہوا کہ نہ کی۔ اگر کامرانی کا تم نے منہ نہ دیکھا تو اچھا ہوا نہ دیکھا اگر تجھے غم ہے کہ دنیوی مراد حاصل نہ ہوئی اچھا ہوا کہ مراد حاصل نہ ہوئی۔

جو لوگ بے ریش لڑکوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ وہ کبھی اہل وعیال سے سرفراز نہیں ہوتے۔ جو لوگ شور زمین میں کھیتی باڑی کرتے ہیں وہ کبھی فصل نہیں اٹھاتے جو لوگ آبِ رواں پر لکھتے ہیں

---

[1] یہ حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ کا شعر ہے۔ غزل کا مقطع یہ ہے۔

مکن اے صبا مشعوق سرزلفِ آں پری دا   کہ ہزار جان حافظ بفدائے تارِ موئے

(اے بادِ صبا میرے محبوب کی زلفوں کو پریشان نہ کر کیونکہ اس کے ایک ایک بال پر حافظ کی ہزار جان قربان ہے) یہاں زلف سے مراد تعینات عالم ہیں۔ جن کے اندر وہ محبوبِ حقیقی کو جلوہ گر دیکھ کر ہزار جان سے قربان ہیں۔

کبھی مطالب ومعانی کونہیں سمجھتے۔

جولوگ بدکارعورتوں سے عشق لگاتے ہیں اوروفا کی امید رکھتے ہیں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

ہیہات ہیہات

(۱) برگزرزیں سرائے غرچہ فریب برشکن زیں رُباطِ روم خوار

(۲) کلیہ اندرو نہ خورہی ماند سال عمرت چہ دہ چہ صدچہ ہزار

(۳) رخت بردار ازیں خرابہ کہ ہست بام سوارخ امرطوفان بار

(۴) ہر کہ از چوب مرکے سازد مرکب آسودہ دان و ماندہ سوار

(۵) رہ رہا کردہ از آبے گم غر ندانستۂ از آبے خوار

(۶) دولت آنرا مگو کہ دادندت پیش انبار جنس استطہار

(۷) تا ترا دولت است یارانہ در جہاں خدائے دولت یار

(۸) چوں ترا از تو پاک بسقانند دولت آں دولت است کارآں کار

۱ اس صحرائے زبوں حال (دنیا) سے بھاگ جا۔اوراس مردم خوار سے پرہیز کر۔

۲ تو اس کے اندر سکون سے نہیں رہ سکتا۔خوار تو اس میں ایک سال رہے۔دس سال رہے' سو سال رہے یا ہزار سال۔

۳ اس خراب آباد کو خیر باد کہہ کیونکہ اس کی چھت میں سوراخ ہیں اوراوپر ابرطوفان برسارہا ہے۔

۴ جوشخص لکڑی کا گھوڑا بناتا ہے۔سواری سلامت رہتی ہے لیکن سوار خوار ہوتا ہے۔

۵ آب گم یعنی پیشاب نادانی سے تم نے پانی اور پیشاب' اور گونداور مادۂ تولید میں فرق نہیں۔

۶ دولت یہ نہیں ہے جولوگ تجھے دیتے ہیں یعنی تمہارے سامنے غلے کے انبار۔

۷ جب تک تجھے دولت دنیا سے دوستی ہے۔خداوندتعالیٰ تیرادوست نہیں بن سکتا۔

۸ جوچیز تجھے تجھ سے آزاد کردے دولت وہی دولت ہے اور کام وہی کام ہے۔) جب تک ماسویٰ اللہ کے خطرہ (خیال) تیرے دل میں ہی ہے اپنے آپ کو بت پرست اور مشرک جان ملک تاج سلیمان خان کو میرا اسلام کہنا کہ سنا ہے کہ تم ہفتے میں ایک بار منہ پر کپڑا لپیٹ کر جمعہ نماز پڑھنے کی خاطر گھر سے باہر نکلتے ہو اور تمہارے پیچھے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔مبارک باد۔

نہ یک فسوس کہ ہر دم ہزار بار فسوس　　نہ یک دریغ کہ ہر دم ہزار بار دریغ

(اس پر ایک بار نہیں ہزار بار افسوس ہے اور ایک بار حسرت نہیں ہزار بار حسرت ہے)

اپنی والدہ کو میری طرف سے دعا دینا اور کہنا کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے اس پر عمل جاری رکھو۔ اپنے بیٹے کو میری طرف سے دعا دینا۔ دعا یہ ہے کہ اے الٰہی میرے بیٹے کو اپنے اندر مستغرق رکھ اور غیر حق کے خیال سے باز رکھ۔

مولانا بدرالدین سلیمان کے نام خط

محمد حسینی کی دعا شامل حال ہو۔ نماز اشراق، چاشت، تہجد، اوّابین اور زوال کی پابندی کرو اور فضل اللہ کے امیدوار رہو۔ (خط ختم ہوا)

افطار کے وقت آپ نے ذکر کی چند شرائط تلقین فرمائیں جو عام طور پر دستور مشائخ نہیں۔ فرمایا کہ حسام الدین نام ایک شخص تھا جو حضرت خواجہ کا مرید تھا اور میرا ہمسایہ تھا۔ بہت نیک صالح اور صوفی منش آدمی تھا۔ ایک دن میں دروازۂ کمال کی طرف جارہا تھا وہ میرے ساتھ جارہا تھا۔ وہ سارا راستہ تلقین کی درخوات کرتا رہا۔ لیکن میں اس کو جواب دیتا رہا کہ اب تمہارا وقت گزر چکا ہے کیونکہ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمہارے قویٰ ختم ہو چکے ہیں۔ اب تم کو کوئی چیز تعلیم کرنا بے سود ہے۔ اب وقت گزر چکا ہے لیکن وہ بدستور منت سماجت کرتا رہا کہ ضرور توجہ فرمائیے۔ آخر میں نے تنگ آ کر اسکو جواب دیا۔ کہ یہ کام نہیں ہوسکتا۔ اس پر اس نے ایک سرد آہ بھری، اور آبدیدہ ہو کر چلا گیا۔ اس کے فوراً بعد ایک درویش ملا اور دریافت کرنے لگا کہ اس بوڑھے نے آپ سے کیا کہا اور آپنے اس کو کیا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ وہ تلقین ذکر کی درخواست کررہا تھا اور میں نے کہا اب تمہارا وقت گزر چکا ہے اس درویش نے کہا کہ میں تجھے ذکر کی چند شرائط بتاتا ہوں۔ وہ شرائط تم اپنے مریدوں کو اور اصحاب کے سامنے رکھو جو شخص ان شرائط کے مطابق تجھ سے ذکر کی تعلیم چاہے تم اسے تلقین کرو تو وہ مطلوب کو پہنچ جائے گا اور غیب سے اس کے لیے دروازہ کھل جائے گا۔ خواہ وہ بوڑھا ہے جوان ہے مرد ہے یا عورت۔ وہ شرائط یہ ہیں[1]۔ (ا) حسب طاقت ایندھن سر پر اٹھا کر تمہاری خانقاہ میں لے آئے۔

[1] اس سے شاید یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ کسی غیر جنس کے سامنے صاحب مزار سے عرض معروض کرے۔ نیز جو آواز یا اشارہ غیب سے آئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

(۲) جس قدر ہو سکے لنگر کے خرچ کے لیے پیش کرے۔ (۳) آپ کے پانچوں مشائخ کی زیارت لازم پکڑے یعنی شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدینؒ شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ شیخ الاسلام خواجہ فرید الدینؒ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدینؒ اور شیخ الاسلام خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیریؒ۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعض اصحاب کو اسی مطابق تلقین زیارت فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب مزار پر جائے کچھ طعام ساتھ لے جائے اور ختم پڑھکر طعام اور کلام کا ثواب صاحب مزار کی روح کو ایصال کرے۔ ختم میں عام طور پر یہ پڑھنے کو کہتے تھے۔ سورۂ فاتحہ ایک بار' آیۃ الکرسی تین بار' الھکم التکاثر سات بار' سورۂ اخلاص دس بار' علاوہ ازیں قرآن مجید میں سے جو کچھ ہو سکے وہ بھی پڑھے اور یہ کہے کہ یہ آپ کے بندہ (بندہ نواز گیسودراز) کی طرف سے پیش خدمت ہے۔ لیکن حضرت مخدوم کے اکثر احباب و مریدین حضرت بندہ نواز کے لیے ''آپ کے بندہ کا'' لفظ استعمال کرنا بےادبی خیال کرتے تھے اور جب مزار اقدس پر جاتے تو دیکھتے کہ اندر کون آیا ہے اور کون باہر گیا ہے اور اس نے کیا پڑھا ہے اور کیا آواز سنی گئی ہے۔ زیارت مزار سے فارغ ہو کر وہ طعام حضرت بندہ نواز کی خدمت میں لایا جائے[1]۔

اس طرح باقی مشائخ کے مزارات پر جا کر عمل کرے۔ اگر اس کے شہر میں مزار نہ ہو تو پھر طعام اور کلام کا ثواب ویسے اپنے گھر میں بیٹھ کر مشائخ کو ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے اس طرح بی بی فاطمہ سامؒ کی زیارت اور طعام اور کلام کا اہتمام کرے۔ اس کے بعد واپس آ کر حضرت شیخ کے سامنے تمام کیفیت بیان کرے۔

تلقین ذکر کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اس درن روزہ رکھنا چاہیے اگر طے کا روزہ ہو تو بہتر ہے اور تلقین ذکر جمعہ کے دن بعد نماز عصر ہونا چاہیے اور اس وقت بھی طعام از قسم کھچڑی ''گھی'' دہی اور نمک سر پر رکھ کر لائے۔ اس کے بعد غسل کرے اور کسی سے کوئی بات نہ کرے۔ پس اگر اس کو مراد حاصل نہ ہو تو قیامت کے دن اس کا ہاتھ اور میرا دامن۔ آپ فرماتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ہمارا دستور ہو گیا۔ کاتب الحروف (حضرت بندہ نواز کے فرزند سید اکبر حسینی) نے کئی مرتبہ سنا کہ حضرت بندہ نوازؒ نے بھری مجلس میں فرمایا کہ جو شخص چالیس دن میرے تلقین شدہ ذکر پر عمل کرے اور کامیابی حاصل نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا ہاتھ۔ عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ وصال

---

[1] یہ اس لیے ہوتا ہے کہ صحیح قسم کے لوگوں میں تقسیم ہو۔ فاتحہ خاص کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔

کے دوران فرمایا کرتے تھے۔ **اُبیتهُ عندَ اَبّی یَطعمُنِی ویسَقینی** (میں رات اپنے رب کے ہاں گزارتا ہوں جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے) چند یوم روزہ رکھنے کے بعد آنحضرت ﷺ پر ضعف طاری ہو جاتا ہے اور پیٹ پر پتھر باندھ لیتے ہیں تاکہ کمر سیدھی کرکے چل سکیں۔

صوم طے

حضرتِ اقدس نے فرمایا۔ کہ میرے بعض احباب سات روز آٹھ روز اور دس روز متواتر طے[1] کا روزہ رکھتے تھے۔ ان مۓ میں بھی شٖ ں ہوتا تھا جو احباب کی برکت سے روزہ رکھتا تھا۔ فرمایا ایک دفعہ مجھے طے کا روزہ رکۓ میں کبھی طراری کیفیت پیش نہ آئی سوائے ایک دفعہ کے یا دو دفعہ کے جب ضعف کا اس قدر غلبہ ہو گیا کہ چلنا محال ہو گیا۔ چنانچہ میں باہر گیا تاکہ کسی بیر کے درخت سے بیر کھا سکوں۔ علاؤالدین بھی میرے ساتھ ہوئے میں ایک بیر کے درخت کے نیچے گیا لیکن اس پر نام کے لیے بھی پھل نہ تھا اور لوگوں نے اس کی شاخیں اور پتے بھی بکریوں کے لیے کاٹ لیے تھے۔ میں نے علاؤالدین سے کہا کہ کوئیں سے پانی لاؤ۔ وہ پانی لایا اور میں نے بیٹھ کر پیا۔ اس سے پیٹ کا پیچ و تاب قدرے کم ہوا۔ چنانچہ علاؤالدین نے بھی پانی پیا اسی وقت کتاب روح الارواح کے چند اوراق میرے پاس تھے میں نے نکال کر دیکھا تو فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سامنے آیا کہ آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کرتے تھے کہ خداوند! بعض اوقات اس قدر چھوٹی اور ادنیٰ چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ تجھ سے طلب کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ فرمان ہوا۔ **لایستحی منی یا موسیٰ سلنی** (اے موسیٰ مجھ سے شرم مت کر اور جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو) **حتی ملح عجیک و علف شانک** (خواہ آٹے کے لیے نمک اور بکری کی گھاس تک کیوں نہ ہو) یہ پڑھ کر مجھے بہت لطف آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال اور خداوند تعالیٰ کے جواب سے طبیعت میں رقت ہوئی اور گریہ طاری ہو گیا اور پیٹ کی تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔ بلکہ اُسی ذوق و شوق کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح دعا

---

[1] طے کا روزہ وہ ہوتا ہے جس میں مسلسل چند ایام تک نہ سحری ہوتی ہے نہ افطار، کئی دن کا روزہ صرف پہلی بار سحری کر کے رکھا جاتا ہے اور آخر میں افطار کیا جاتا ہے اور صوم وصال یہ ہے کہ تعداد مقرر نہ ہو بلکہ دائمی طور پر بلا افطار و سحر روزہ رکھا جائے یہ آنحضرت ﷺ کر سکتے تھے۔ باقی اصحاب کو منع کر دیا۔
اور صوم داؤدی یہ ہے کہ ایک روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے۔

مانگی کہ خداوند! مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ مجھے کھانا عنایت فرمائی۔ یہ کہنا تھا کہ فوراً ایک لڑکا آیا اور کہنے لگا کہ مولانا علاؤالدین آپ کو بلا رہے ہیں۔ اگر وہ علاؤالدین کا نام نہ لیتا تو میں ہرگز نہ جاتا۔ خیر میں چلا گیا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ علاؤالدین طعام کا خوانچہ سامنے لیے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ میں نے بیٹھ کر قدرے کھانا کھایا۔ دوسری بار مجھے روزہ کی وجہ سے اضطراب ہو۔ یہ تھا کہ جب پہلی بار حضرت شیخ (حضرت خواجہ نصیرالدینؒ) نے مجھے روزہ رکھنے کا حکم دیا تو ایک دن میں نے ان کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ مجھے افطار کے وقت کھانا اچھا نہیں لگتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آیا تم سحری کرتے ہو۔ عرض کیا کہ نہیں کرتا۔ فرمایا کہ افطار کے وقت تھوڑا سا کھالیا کرو۔ کچھ عرصہ بعد طے کا حکم فرمایا۔ پہلے دن روزہ رکھ کر مجھے یاد آیا کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ طے کا روزہ رکھ کر میں اپنی والدہ صاحبہ سے کہا کرتا تھا کہ آج میں نے ایک وظیفہ پڑھنا ہے۔ افطار کے وقت میرا انتظار نہ کرنا۔ میں بعد میں کھالوں گا۔ چنانچہ میں نے بھی اپنی والدہ صاحبہ سے یہی کہا۔ آدھی رات کے بعد مجھے سخت بھوک لگی اور تہجد کے لیے اٹھنے کی طاقت نہ رہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جان نکلنے والی ہے۔ رجب کا مہینہ تھا ویسے بھی روزہ رکھنا تھا۔ جی میں آیا کہ خادمہ کو اٹھا کر سحری تیار کراؤں لیکن بعد میں خیال آیا کہ اگر حضرت شیخ نے دریافت فرمایا تو کیا جواب دوں گا کہ طے کا روزہ نہیں رکھ سکا اور وہ سمجھیں گے کہ یہ کام مشکل ہے اس سے نہیں ہوسکتا اس لیے میں نے صبر سے کام لیا اور حضرت شیخ سے استعانت بھی طلب کی کہ حضور آپ کا فرمان ہے۔ مجھے قوت بھی بخشی جاوے اس وقت بھی میرے پیٹ میں بوجھ سا معلوم ہوا اور قے آ گئی جس کا رنگ سبز اور زرد تھا۔ اس کے بعد قے کے ساتھ کوئی چیز باہر آئی۔ میں نے اسکی آواز سنی اور حلق سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس دن تک طبیعت میں سکون آ گیا اور جسم میں قوت محسوس ہونے لگی کہ دس دن تک روزہ رکھوں گا۔ لیکن پانچ دن روزہ کے بعد افطار کیا۔

ان دو موقعوں کے سوا کبھی مجھ پر اضطراری کیفیت پیدا نہ ہوئی۔ روزہ کے دوران میں تمام کام کرتا تھا اور منہ پر کمزوری کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا۔ باقاعدگی سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس سرہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہ کی زیارت کے لیے جاتا تھا۔ سیر وسیاحت کرتا تھا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ سماع سنتا تھا مجھے کوئی اضطراب لاحق نہیں ہوتا اور

حضرت شیخ کے فرمان یا والدہ یا کسی دوست احباب کے اصرار کے بغیر افطار نہیں کرتا تھا۔

چہارشنبہ ۲۴ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعا

چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس دعا کا مقصد بیان فرمایا۔ **اللھم ابسطس لی الدُنیا وزَھدفی فیھا** ۔ اے اللہ! مجھے دینا کی فراخی عطا کر زہد و تقویٰ کے لیے) زہد خود تنگی ہے۔ آپ زہد کے لیے دنیا کی فراخی کیوں طلب کرتے تھے۔ بلا اگر زہد مطلوب ہے تو۔۔۔ تو فراخی کا کیا مطلب۔ بلا اس لیے طلب کی جاتی ہے کہ اس پر صبر کیا جائے اگر خود بخود مصیبت آئے تو بھی صبر کیا جاتا ہے اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میرے لئے دنیا کی تنگی آسان کر دے یعنی اس تنگی سے جو پریشانی ہوتی وہ نہ ہو[1]۔ جس طرح اگر کوئی شخص قید میں ہے اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ زنجیر نکال کر عام قید میں رکھا جائے۔

روز پنجشنبہ ۲۵ رمضان المبارک

مشائخ کے اسمائے گرامی کی برکت

چاشت کے وقت مشائخ کے اسمائے گرامی زبان پر لانے کی برکت بیان فرما رہے تھے۔ فرمایا جو شخص شب و روز اپنے پیر کا نام زبان پر لائے اُسے اپنے پیر کے مقام سے حصہ ملتا ہے۔ اس کا ہم نے بھی تجربہ کیا ہے اور بزرگوں سے بھی سُنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ورزش

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ورزش کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ اور بی بی عائشہؓ صدیقہ مل کر دوڑ دوڑتے تھے کہ کون آگے نکل جاتا ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ آگے نکل گئے۔

---

[1] اسی طرح جنگ کربلا کے دوران جب حضرت امام حسینؓ کے جگر گوشے کی حلق میں تیر لگا اور خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تو آپ نے وہ خون چلّو میں بھر کر خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی یا اللہ مجھ پر یہ امتحان آسان کر دے۔ کس قدر شاندار دعا ہے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ مجھ سے یہ مصیبت دور کر۔ کیونکہ یہ توکل اور صبر و رضا کے خلاف تھا۔ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ میرے لیے یہ مصیبت آسان کر دے یعنی قوت برداشت عطا فرما۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعا تھی۔ مطلب بعینہ یہی ہے کہ دنیا کی تنگی کو میرے لیے آسان کر دے۔ نہ کہ تنگی ختم کر دے۔

دوسری بار جب کہ آنحضرت ﷺ عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور قدرے رنجور بھی تھے۔ بی بی عائشہؓ آگے نکل گئیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

ھذا منیک (یہ تمہاری جیت ہے) اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ صحرا میں گھوڑا بھی دوڑتے تھے۔ یہ جہاد کے لیے ضروری تھا کیونکہ جب گھوڑوں کو ریاضت نہ دی جائے اور اُن کو دوڑانے بھگانے کی ورزش نہ کرائی جائے جنگ کے وقت کیا کام دے سکتے ہیں اور تاریخ میں آنحضرت ﷺ کا تیر چلانا ثابت نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ساری زندگی میں ایک دفعہ نیزہ مارنا

البتہ آپؐ نے ایک دفعہ نیزہ چلایا ہے۔ روایت ہے کہ دشمن اسلام ابی بن خلف نے ایک گھوڑا پال رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ گھوڑا تم کیوں پال رہے ہو اس نے جواب دیا کہ اس لیے پال رہا ہوں کہ جب تم ہمارے ساتھ جنگ کرو تو میں اس پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ یہ وہی دن ہوگا جب میں تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ جنگ اُحد کے دن وہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا۔ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام نے اجازت چاہی کہ ہم اس کا کام تمام کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اُسے میرے پاس آنے دو۔ چنانچہ اس نے نزدیک پہنچ کر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک نیزا مارا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ معمولی زخم آیا ہے فکر مت کرو۔ لیکن اس نے کہا میں مر جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا وہ کس طرح کہنے لگا کہ میں نے اس گھوڑے کو پالا کہ محمد ﷺ کو قتل کروں گا لیکن اس نے کہا تھا کہ اسی روز تجھے میں قتل کروں گا اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس پر احقر نے عرض کیا کہ سبحان اللہ! عقیدت بھی رکھتے ہیں اور مقابلہ میں کرتے ہیں۔ فرمایا اس قسم کا مظاہرہ بہت مقامات پر دیکھنے میں آیا ہے کہ سالہا سال آنحضرت ﷺ کے اقوال مبارک کی آزمائش بھی کرتے تھے۔ (یعنی سچ پاتے تھے) اور پھر مقابلہ بھی جاری رکھتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ سے بھی تیر چلانا ثابت نہیں ہے۔ آپ تلوار چلایا کرتے تھے۔

حضرت ایوبؑ کی آزمائش

اس کے بعد حضرت ایوبؑ کی آزمائش کا ذکر ہونے لگا۔فرمایا کہ تاریخ میں آیا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ دیکھو میرا بندہ ایوب کس قدر بندگی میں مستعد ہے کہ ذرا بھر کمی نہیں کرتا۔شیطان نے کہا کہ بندگی کیوں نہ کرے آپ نے اُسے بیٹے دیئے ہیں۔پوتے دیئے ہیں۔ بندگی کیوں نہ کرے اگر اس کے بیٹے مَر جائیں تو پھر دیکھیں گے کہ کس طرح بندگی کرتا ہے۔فرمان ہوا کہ ہم نے تجھے قدرت دی کہ تم جس طرح چاہو اس کے بیٹوں سے سلوک کرو۔ایک دن ان کے تمام بیٹے اور پوتے ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ چھت ،گر گئی اور سب کے سب مر گئے اس کے بعد حضرت ایوبؑ نے بندگی (عبادت) زیادہ کر دی اور زیادہ دیر تک مشغولِ عبادت رہنے لگے۔ایک دن شیطان ایک آدمی کی صورت میں انکے سامنے ظاہر ہوا اور کہنے لگا کہ خدا نے تیرے تمام بیٹے مار دیئے ہیں پھر بھی اس کی عبادت کر رہے ہو انہوں نے جواب دیا کہ اے ملعون وہ میری ملکیت کب تھے وہ سب خدا کی ملکیت تھے۔اس کی مرضی خواہ ان کو زندہ رکھے یا مارے۔میرا کام بندگی کرنا ہے اس کے بعد حق سبحان تعالیٰ نے شیطان سے کہا کہ دیکھا تم نے اس کے سب بیٹے ختم کر دیئے لیکن پھر بھی میری اطاعت اس نے زیادہ کر دی۔شیطان نے کہا اطاعت زیادہ کیوں کر نہ کرے تو نے اسے اس قدر مال و دولت اور مویشی دے رکھے ہیں۔فرمان ہوا کہ ہم نے تجھے اس کے مال و مویشی پر قدرت دی۔چنانچہ اس نے اس کے مال و مویشی میں طاعون پھیلا دی اور تمام جانور مَر گئے۔لیکن حضرت ایوبؑ نے صبر و شکر اور عبادت اور زیادہ کر دی اس کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا۔دیکھو میرے بندے نے کس طرح عبادت زیادہ کر دی۔شیطان نے کہا کیوں نہ کرے تندرست جو ہے۔فرمان ہوا کہ اس کے جسم پر بھی ہم نے تجھے تصرّف دیا۔اس کے بعد اُن کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔حضرت ایوبؑ نبی بھی تھے۔اور حکیم بھی آپ نے بہت کتابیں لکھیں اور بہت شاگرد آپ کے ہاں زیر تربیت تھے۔جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو کتابیں پارہ پارہ کر دیں اور یہ کہہ کر بھاگ گئے کہ اگر یہ نبی ہوتا تو اس قدر مصیبت میں گرفتار نہ ہوتا۔بلکہ گاؤں کے لوگ بھی آپ سے متنفر ہو گئے اور ان کو باہر نکال دیا۔اب آپ کے پاس سوائے بیوی کے اور کوئی نہ تھا۔وہ

بیوی جو انبیاء علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی اور جانتی تھی کہ بلا وجہ مصیبت ہمیشہ انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے گاؤں کے دروازہ سے باہر سکونت اختیار کر لی۔ لوگوں نے آ کر کہا کہ شریعت میں فقرا کی ضرورت کو پورا کرانے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

اس میں حیلہ جوئی سے فقراء کی حاجت ہرگز پوری نہ ہوگی لہذا یہ حیلہ جوئی حضرت ایوبؑ کے واقعے والے حیلہ کی مانند کس طرح ہوسکتی ہے۔ حضرت ایوبؑ میں جو برکت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔

البتہ اگر بعض فقہا نے حیلہ کو اس لیے جائز رکھا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس امت کے لیے فرمایا ہے کہ "انتم الا شبته سمنا بالیھود خذو النعل بالنعل ولا ادری انتم تعبدون العجل ام لا.

اس کے بعد موذی جانوروں کے قتل کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا محتسب بازار جا رہے تھے اور بہت سے لوگ چند موذی جانور لے آئے تھے ان میں بیشتر کفار تھے۔ مولانا محتسب نے اوپر نیچے پتھر رکھ کر سب کو ختم کر دیا اور کہنے لگے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔

اس کے بعد اہل بہشت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ بہشت میں یکبارگی ایک نور ہوگا اور جملہ اہل بہشت اس کے آگے سجدہ میں گر جائیں گے۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ۔۔۔تم نے اس نور کو کیوں سجدہ کیا وہ کہیں گے کہ ہم نے اس لیے سجدہ کیا کہ اسے تیرا نور سمجھا۔ فرمان ہوا کہ یہ ہم نہ تھے۔۔۔نہ ہی ہمارا نور تھا بلکہ ایک حور نے اپنے خاوند کے ساتھ تبسم کیا تھا۔ جس سے یہ نور پیدا ہوا ہے۔ اہل عرفان اس قسم کا سجدہ نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ کرتے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کو دنیا میں نہیں پہچانا۔

روز جمعہ ۲۶ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت مردِ دلاور، عالی ہمت اور ولی کامل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا دنیا میں جوان مرد صرف دو ہیں۔ ایک وہ جو اپنے نفس پر فتح پائے دوسرا یہ کہ تلوار کا مقابلہ کرے۔ باقی کسی کام میں کامیابی کی جوان مردی نہیں کہلاتی۔ فرمایا ایک دن میں اپنی والدہ صاحبہ سے ملنے کے لیے احاطہ شیر خان کے راستے شہر دہلی کے اندر داخل ہوا۔ مولانا ضیاء الدین کسی وجہ سے رنجیدہ خاطر ہو کر حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے جانا چاہتے تھے۔ جب میں دوسرے دن حسب وعدہ احاطہ شیر خان میں آیا۔ تو مولانا کو وہاں نہ پایا۔ میں نے خیال کیا کہ آج شنبہ کا دن ہے۔

سبق پڑھنے کی خاطر موا معین الدین عمرانی کے پاس چلے گئے ہوں گے۔ عصر کی نماز کے وقت احاطہ کے مجاور نے مجھے مولانا علاؤالدین کا ایک خط دیا۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے روسیاہی کی اور آپ کے آنے سے پہلے چلا گیا۔ اس قسم کی اور دو تین باتیں لکھیں تھیں اس سے مجھے افسوس ہوا۔ اس روز ملک طاہر سالار مجھے ملنے کی خاطر آیا ہوا تھا۔ مجھے غم زدہ دیکھ کر اس نے کہا کہ اگرچہ مجھے لکھنوتی جانے کا حکم ملا ہے۔ اور اتنا تاکیدی حکم ہے کہ کل گھر پر نہ رہو۔ لیکن آپ کی خاطر رہ جاؤں گا۔ مولانا علاؤالدین آج روانہ ہوئے ہیں۔ آپ کل روانہ ہو کر ان کو راستے میں پا سکتے ہیں۔ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے ۔ روز علی الصبح ایک گھوڑا بھیجا جو نو عمر تھا۔

حضرت مخدوم پر قاتلانہ حملہ

انہوں نے اپنا خادم بھی ساتھ دیا۔ جس کا نام کُر کتر تھا۔ میرا خادم بھی ساتھ تھا۔ جس کا نام معمور تھا۔ ہم روانہ ہو پڑے۔ دہلی سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر قبصہ وزیر آباد ہے۔ وہاں جا کر مولانا علاؤالدین کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا وہ یہاں آئے تھے لیکن روانہ ہو گئے ہیں۔ اس سے آگے چل کر مقام پلّہ پر پہنچے جو وہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں مولانا کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا یہاں آئے تھے۔ لیکن آگے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ہم بھی روانہ ہو گئے وہاں سے شہر کیھوڑ کوئی سولہ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں پہنچ کر مولانا کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ آگے چلے گئے ہیں مجھے خیال بھی آیا کہ میں سوار ہوں وہ پیادہ ہیں کس طرح اتنی جلدی جا سکتے ہیں۔ لیکن لوگوں کے کہنے پر میں نے سرپٹ گھوڑا دوڑایا۔ لوگوں نے مجھے راستہ بھی غلط بتایا اور میں جنگل اور کھیتوں کے درمیان پھنس گیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ چار آدمی مجھ پر حملہ کرنے کے لیئے دوڑے آ رہے تھے۔ انکے ہتھیار دیکھ کر میں متفکر ہوا۔ کیونکہ میرے دو خادم پیچھے رہ گئے تھے اور میں اکیلا تھا اور میرے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ اور وہ چاروں مسلح تھے۔ ایک کے پاس سنتھی تھی۔ دوسرے کے برچھا' تیسرے کے پاس تیر کمان اور چوتھے کے پاس ایک موٹا ڈنڈا تھا۔ جب اُن سے ایک آدمی میرے قریب آ پہنچا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ تم لوگ کون ہو۔ اس نے میرے گھوڑے کی باگ پکڑنا

چاہا۔اس سے مجھے غصہ آیا اور میں نے اس کے منہ پر چابک مار کر گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور تیزی سے آگے نکل گیا۔میرے چابک سے اس کی ایک آنکھ یا دونوں آنکھوں پر ضرب آئی اور وہ زمین پر گر گیا۔گھوڑا بہت تیز تھا۔ مجھے دوڑاتا ہوا دور لے گیا۔ان لوگوں نے میرا تعاقب کیا اور کچھ تیر بھی برسائے۔ جو میرے دائیں بائیں گر رہے تھے۔ چنانچہ میں پلّی کے مقام پر پہنچ گیا۔ جو دہلی سے چوبیس کوس پر ہوگا۔ عصر کا وقت تھا۔لوگوں نے حیران ہو کر مجھ سے پوچھا کہ اس وقت غیر معروف راستے سے آپ کیسے یہاں آ گئے ہیں۔ راستے میں ایک گہری خندق بھی آئی تھی۔ جو تقریباً چار گز چوڑی تھی۔ جو گھوڑے نے کبوتر کی طرح اڑ کر پار کر لی۔ میں نے حیران ہو کر پیچھے دیکھا تو وہ بہت گہری نظر آئی تقریباً چار گز گہری تھی۔ اگر مجھے اس کی گہرائی معلوم ہوتی تو میرا اگز گھوڑے کو ایڑی نہ لگاتا۔لیکن جونہی میں خندق کے اس پار ہوا انہوں نے میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

چنانچہ لوگوں نے مجھے دیکھ کر حیرانی سے کہا کہ کیسے یہاں پہنچ گئے ہیں لیکن یہاں رات رہنے کی جگہ نہیں واپس چلے جاؤ۔ یہ سن کر میں حیران کھڑا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ سوداگر سامان لیے شہر کی طرف جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں مجھے دونوں خادم مل گئے۔ انہوں نے کہا ہم نے دیکھا کہ راستے میں ایک آدمی آنکھوں پر پٹی باندھے پڑا ہے۔اور تین آدمی اس کے گرد بیٹھے ہیں۔ معلوم نہیں اس کی وجہ کیا تھی۔ میں نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ آگے چل کر سارا قصہ بتاؤں گا۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا۔مولانا علاؤ الدین اسی علاقے میں تھے۔آپ گھوڑا دوڑاتے جا رہے تھے اور وہ درخت کے نیچے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔لیکن آواز نہ دی۔ یہ بات سُن کر مولانا کی محبت میرے دل سے جاتی رہی۔آخر کار مولانا سے ملاقات ہوگئی۔ جب شہر کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ دہلی سے بزرگ آئے ہوئے ہیں تو ملاقات کے لیے آئے۔ میں نے علاؤ الدین کو صدر مقام پر بٹھایا اور خود اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ہم نے لوگوں سے کہا کہ یہ دہلی کے ایک بزرگ ہیں۔ کسی وجہ سے رنجیدہ ہو کر یہاں آئے ہیں۔ہم اُن کو لینے کے لیے آئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس قسم کی باتوں سے مولانا بہت خوش ہوئے اور اس حُسنِ سلوک کی وجہ سے مجھ سے راضی ہو گئے۔میں نے سالار کے خادم کو بلا کر کہا کہ گھوڑے کے لیے دانہ اور گھاس لاؤ۔ وہ گیا اور سات سیر گھاس اور چار سیر دانہ خرید لایا۔ میں نے کہا اتنا تھوڑا کیوں لائے ہو۔اس نے جواب دیا کہ گھوڑا یہی کچھ کھاتا ہے اسے سے زیادہ نہیں کھاتا ہے حالانکہ وہ چوبیس کوس سفر کر چکا تھا اور

آٹھ کوس سرپٹ دوڑ چکا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی اصطبل سے نکالا گیا ہے۔ جب زین اتاری گئی تو اس نے دو تین بار زمین پر لیٹ کر جسم سیدھا کیا لیکن باوجودیکہ گھاس اور غلہ کم تھا اس نے بھی کم کھایا اور کچھ باقی چھوڑ دیا لیکن ساری رات آدمیوں کی طرح پاؤں پھیلا کر سویا رہا۔ میں نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا کہ اے گھوڑے تو میرا نہیں ہے بلکہ تجھے کسی اور سے عاریۃً لیا ہے۔ میں نے تجھے بہت دوڑایا ہے اور خجل کیا ہے۔ یہ سنتے ہی گھوڑا میری طرف بڑھا اور میرے گھٹنوں پر سر رکھ کر جسم میرے جسم سے لگا دیا۔ گویا ہمکنار ہو گیا۔ چنانچہ ہم نے خوشی سے مصافحہ کیا۔

تخم نیکی اور تخم بدی

اس کے بعد زمانہ اور اہل زمانہ کے فتنہ وفساد پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ اس زمانے میں اگر نیکی کا بیج بویا جائے تو نہیں اُگتا۔ اگر اُگ بھی آئے تو سردی گرمی اور طوفان باد باران سے تباہ ہو جاتا ہے۔ لیکن برائی بیج بوئے بغیر نہیں اُگتی ہے۔ چنانچہ صحرا اور وادیوں میں کانٹے دار پودے اور خس وخاشاک اور بے کار گھاس اور زقوم (کوڑتمہ) جیسے کڑوے پھل کثرت سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں جو کسی کے کام نہیں آتے اور ان کو جتنا کاٹا جائے زیادہ بڑھتے ہیں۔ آج کل تخم نیکی وبدی کا یہی حال ہے۔

اوصاف مشائخ

نماز جمعہ کے بعد اس مضمون پر گفتگو ہونے لگی کہ شیخ بننے کے قابل کون ہے۔ فرمایا لوگوں کی حالت عجیب حالت ہے۔ جس شخص میں کچھ نیکی اور تقوی دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لین دین میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ اسے شیخ وقت سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس قسم کے اکثر مقتدائے خلق بن جاتے ہیں۔ لیکن ان کا قدم اس سے ذرا بھر آگے نہیں جاتا[1]۔ فرمایا کہ حضرت شیخ شفیق بلخیؒ کا ایک مرید حج بیت اللہ کو جانے لگا اور شیخ سے اجازت طلب کی۔ شیخ نے فرمایا کہ راستے میں شہر بسطام آتا ہے۔ جب وہاں جاؤ تو شیخ بایزید بسطامیؒ کی زیارت کرنا اور میرا سلام عرض کرنا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو حضرت بایزید بسطامیؒ نے پوچھا کہ تمہارے شیخ کا مقام کیا ہے۔ مرید نے کہا کہ وہ مقام توکل میں ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے

[1] یعنی روحانی ترقی اور سیر وسلوک سے محروم ہوتے ہیں۔

پوچھا کہ کتنا توکل رکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر آسمان پتھر اور زمین لوہا بن جائے اور نہ آسمان سے بارش ہو نہ زمین سے کچھ اُگے، میرے شیخ متوکل رہتے ہیں۔ حضرت شیخ ابویزیدؒ نے فرمایا کہ سب سے بڑا مشرک وہی ہے اگر بازید کوا بن جائے تو بھی اس کے شہر کی طرف پرواز نہیں کرے گا واپس آجائے گا۔ اب تم واپس جاؤ اور اس کو کہنا کہ توکل کا سبق پھر پڑھو۔ مجھے ڈر ہے کہ تیرے اس توکل کی نحوست کی وجہ سے شہر بلخ سمیت زمین میں نہ دھنس جاؤ۔ اگر تجھے بھوک لگے تو روٹی کا کسی سے لے کر کھالو اور خدا کے ساتھ مشغول رہو۔ مرید یہ بات سن کر واپس آ گیا اور شیخ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ جب شیخ شفیق بلخیؒ نے یہ بات سنی تو ہیبت کی وجہ سے انکے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بخار آیا اور بیمار ہو گیا۔ انہوں نے اپنے مرید کو شیخ بایزیدؒ کے واپس بھیجا اور دریافت کرایا کہ آپ کیا کرتے ہیں تاکہ میں وہی کام کروں۔ جب مرید نے شیخ ابویزیدؒ کی خدمت میں دوبارہ جا کر وہی عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک غلطی یہی ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو کہ ابویزیدؒ کیا ہے۔ کہ مرید نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ آپ کاغذ پر لکھ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے کاغذ اور قلم دوات منگوائی اور لکھا کہ: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ابویزید یہ ہے[1]۔'' جب شیخ شفیق بلخیؒ نے یہ خط پڑھا تو کہا **اشھد ان لا الہ الا اللہ، واحدہ لاشریک لہ، اشھدان ان محمدعبدہ ورسولہ** اور جاں بحق ہو گئے[2]۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب علاؤالدین چرم پوش کے سیوم پر گیا تو دیکھا کہ شیخ علی خلوتی بھی آئے ہوے ھیں۔ اگرچہ علاؤالدین چرم پوش سے میرے مراسم نہیں تھے میں نے کہا درویش ہے ان کے سیوم میں شریک ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد نظام غازی بھی وہاں آ گئے اور کہنے لگے کہ

---

1 حضرت شیخ ابویزیدؒ کا مطلب ہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے اور اس نے اپنی صفات کی بناء پر سارے جہان میں رزق بکھیر دیا ہے۔ اس کے رزق سے روگردانی کرنا اور محروم رہنا اسلام نہیں۔

2 حضرت شیخ شفیق بلخیؒ نے اس لیے کلمہ شہادت پڑھا کہ شیخ ابویزیدؒ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ازسرنو مسلمان ہوئے اور مسلمان ہوتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ یہ ہے کمالِ عرفان۔ روایت ہے کہ ایک بزرگ توکل کے جنگل میں بیٹھ گئے کہ خدا دے گا تو کھاؤں گا وہاں دیکھا کہ ایک چڑیا بیٹھی ہے نہ جس کی آنکھیں ہیں نہ پاؤں اور نہ پر، ایک پرندا اپنی چونچ میں دانہ لاتا ہے اور اس کو کھلا جاتا ہے۔ اس بزرگ نے دل میں کہا دیکھو جب ایک نابینا اور بے بال و پر چڑیا کو اللہ تعالیٰ اس طرح رزق دے رہا ہے تو مجھے کیوں نہیں دے گا۔ غیب سے آواز آئی کہ کیا تم وہی نابینا چڑیا بننا چاہتے ہو وہ بڑا پرندہ کیوں نہیں بنتے کہ دوسروں کو رزق دو۔ یہ سن کر ان کو ہوش آیا اور خلوت ترک کر کے کسب معاش کرنے لگے۔

اس بندہ کو حضرت شیخ نے مجاز کیا ہے۔ دو بیٹے اور ایک بھائی بھی بیعت کے لیے لائے۔ میں نے شیخ خلوتی سے کہا آپ ان کو بیعت کریں۔ انہوں نے کہا اخوند سیّد! ایک دن حضرت شیخ محمودؒ نے فرمایا کہ شیخ علی میں اس قابل کہاں ہوں کہ مشائخی کروں اور تو اس قابل کہاں ہے کہ مشائخی کرو۔ آج کل مشائخی بچوں کا کھیل بن چکی ہے اس کے بعد انہوں نے حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

مسلماناں، مسلماناں۔ مسلمانی مسلمانی
ازیں آئین بے دیناں پشیمانی پشیمانی

(اے مسلمانو! اے مسلمانو! آج کل مسلمانی کہاں ہے ان بے دین لوگوں سے پشیمانی سے پشیمانی لاحق ہوتی ہے۔)

اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

ازیں مشتنے ریاست جوئے رعنا ہیچ نکشاید
مسلمانی ز سلمانؓ جو ورد و دین زبوذرؓ جو

(ان دنیا پرست اور متکبر مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہیں بنتا مسلمانی حضرت سلیمان فارسیؓ سے اور دین کا ورد حضرت ابوذر غفاریؓ سے سیکھ)

فرمایا اگر کوئی شخص فراغ دل کے ساتھ ایک لحظہ خدا کے ساتھ مشغول ہے اس کو دولتِ کونین حاصل ہے۔ اس دولت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے۔ فرمایا۔ ایک دفعہ مولانا زین دولت آبادی نے حضرت شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) سے دولت آباد جا کر رہنے کی اجازت چاہی۔ آپنے فرمایا۔ مولانا کیا کرنے جاؤ گے۔ کیا جو کچھ یہاں تمہارے پاس ہے کافی نہیں ہے۔ لیکن وہ باز نہ آیا اور دوسری بار پھر اجازت چاہی۔ جب حضرت شیخ نے دیکھا کہ ان کا ارادہ پختہ ہے۔ اجازت دے دی۔ لیکن بعد میں فرمایا کہ میں نے اسے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ مقام خالی ہے۔ میں وہاں جاؤں گا تو خلقِ خدا میرے گرد جمع ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا وہاں جاتے ہی ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔

روز شنبہ ۲۷ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

حضرت مخدوم (حضرت بندہ نوازؒ) کا دستور تھا کہ رمضان المبارکؑ کے آخری عشرہ میں دہلی

کے معتکف مریدین کو دیکھنے کے لیے مختلف مساجد میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جمعہ کے روز آپ جامع مسجد کھنبایت کی طرف تشریف لے گئے وہاں ایک معتکف آپکی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا کہ مرد کو چاہیے کہ ہر روز اپنے دل میں اندازہ لگائے کہ آج میرے دل کو کس چیز سے تسکین ہوئی ہے۔ اگر کسی ایسی چیز سے تسکین ہوئی ہے جو ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے تو بہتر ورنہ یہ سوچے کہ غیر مفید اور ناجائز چیزوں میں دل لگانا نقصان دہ ہے۔ اس کے بعد وہی دوست رمضان شریف میں ہر روز حضرت مخدوم کی مسجد میں آ کر تلاوت کیا کرتا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنی تلاوت کیا کرو۔ یہ سن کر وہ پریشان ہوا کہ حضرت مخدوم کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس کا کمترین بندہ (سید اکبر حسینیؒ) نے اس کو سمجھایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت تو آپ گھر پر بھی کر سکتے ہیں۔ جب یہاں آتے ہو تو حضرت مخدوم کی خدمت میں بیٹھنے کے سوا' اور کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ اس پر حضرت مخدوم نے اسی مضمون کے موافق حکایت بیان فرمائی۔ کہ ایک دن رسول خدا ﷺ نے حضرت معاذؓ سے دریافت فرمایا کہ رات کو کیا کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک چوتھائی رات درود شریف پڑھتا ہوں اور باقی تین تہائی نماز اور تلاوت میں صرف کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذؓ اگر ہو سکے تو درود زیادہ کرو۔ کچھ عرصہ بعد آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ رات کو کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نصف شب درود شریف میں مشغول رہتا ہوں اور باقی نصف شب نماز اور تلاوت میں بسر کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر ہو سکے تو درود زیادہ کرو۔ کچھ عرصہ بعد پھر پوچھا کہ اے معاذؓ رات کو کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمام رات بیٹھ کر درود شریف پڑھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ بہتر ہے اس پر قائم رہو[1]۔

بعض اولیاء کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھر زندہ ہونے کی شرح

جب حضرت مخدوم مسجد سے گھر تشریف لائے تو احباب درس کی خاطر جمع ہو گئے۔ درس کے بعد ایک پیر بھائی نے جس کا نام سید الدین تھا اور ظفر خان کے بیٹے ہیبت خان کے پاس آ جایا کرتا تھا۔ عرض کیا کہ ہیبت خان نے مجھ سے دریافت کیا کہ حضرت مخدوم کی کوئی کرامت بیان کرو۔ لیکن

[1] اس حدیث سے ظاہر ہے کہ کثرت نوافل سے زیادہ اہم اپنے ہادی اور مرشد سے رابطہ قائم رکھتا ہے درود شریف کا خاصہ یہی ہے اور مصلحتیں بھی ہیں۔

میں نے ٹال دیا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو میں نے کہا کہ جب میں سامانہ کے مقام پر تھا تو وہاں کے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری بیعت کہاں ہے۔ میں نے کہا حضرت بندہ نوازؒ پیر سید محمد گیسودراز قدس سرہ کے ساتھ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ایک دفعہ دونوں دوست حضرت بندہ نواز گیسو دراز اور مولانا علاؤالدین حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ حضرت بندہ نوازؒ نے حضرت سجادہ نشین اور انکے بھائی کے پاس تحائف پیش کیئے جو کہ ایک خرقہ ہزار میخی اور صوف سبز مہین پر مشتمل تھے۔ اور بعد میں روضہ اقدس کے اندر حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ حضرت بندہ نواز علیحدہ اندر تشریف لے گئے باقی تمام لوگ باہر رہے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو لوگوں نے اندر جا کر دیکھا کہ آپ کے جسم کے سات ٹکڑے روضہ اقدس کے اندر بکھرے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر سب ڈر گئے اور باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت مخدوم نہایت ہیبت اور جلال کے ساتھ باہر تشریف لے آئے۔ یہ بات اجودھن اور سامانہ کے علاقے میں عام مشہور ہے۔ کسی کو اس میں شک وشبہ نہیں ہے۔ لیکن کمترین بندگان نے سالہا حضرت مخدوم کی خدمت میں رہنے کی باوجود یہ بات کبھی نہیں سُنی تھی۔ چنانچہ میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ یہ حکایت لوگوں کی اختراع ہے۔ لیکن حضرت مخدوم کو اس معاملہ میں خاموش پاتا تھا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بات سچی ہے۔ اور اس کے راوی (سعدالدین) کا بیان ہے کہ میں نے اکثر چاہا کہ یہ حکایت مجمع میں بیان کروں لیکن مجھے یہ نظر نہیں آتا تھا کہ حضرت مخدوم سامنے کھڑے انگلی منہ پر رکھے ہوئے فرمارہے ہیں کہ سعد الدین ہوش کرو۔ یہ واقعہ ایک دو دفعہ نہیں کئی دفعہ پیش آیا۔ جب میں سامانہ سے دہلی واپس آیا تو حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلی بات جو دریافت کی یہی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے جو راز معلوم ہوا کب تک اس کی نگہبانی کرسکتا ہوں۔ اگر مجھے بکریوں کے ریوڑ کی نگہبانی کرنا پڑے تو اس سے ہزار بار آسان ہے۔ لیکن حضرت مخدوم نے پھر بھی تامل فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا۔

اس کے بعد ایک دفعہ فرمایا کہ ایک دن شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ کے پوتے شیخ منصور فضیلؒ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو حضرت شیخ الاسلام کے روضہ میں جو حالت پیش آئی۔ اس کا راز کیا ہے۔ ہمیں تو بتا دیجئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! کس نے یہ حالت دیکھی اور کون کہتا ہے۔ جس نے کہا ہے۔ غلط کہا ہے البتہ اگر مجھ سے آپ یوں پوچھتے ہیں کہ اس بارے میں کتب تصوف میں کیا توجیہ

بیان کی گئی ہے تو میں علی الاطلاق کہتا ہوں لیکن علی الیقین مجھے معلوم نہیں انہوں نے کہا اچھا۔علی الاطلاق ہی فرمایئے۔ میں نے کہا کہ یہ تجلّی جلال کا اثر ہے۔ مردِ متجلّی پر۔ اگر یہ تجلّی پہاڑوں پر پڑے تو سارے جہان کے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں ہوتا کیا ہے ایک طوفان آتش کا حملہ ہوتا ہے۔ جو جلاتا نہیں ہے لیکن ہزاروں آگ کے شعلے اس آگ کی ایک چنگاری کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس تجلّی سے اس آدمی کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ سات ٹکڑے کیا ہزار ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت کا مشاہدہ جس سے پہاڑ جل رہے ہوں اس آدمی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس حالت میں پھر ایک نہایت ہی جمیل اور لطیف صورت ظاہر ہوتی ہے اور ان کو ٹکڑوں کو اپنی طرف بلاتی ہے۔ چنانچہ تمام ٹکڑے دوڑ کر اس کی طرف جاتے ہیں اس کے بعد اپنے دستِ قدرت سے اس کو قوی تر' لطیف تر' تمام تر اور صاف تر بنا کر پہلے کی طرح بنا دیتی ہے۔

فرمایا کہ ایک صوفی سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے ایک چرخ پر بیٹھا دیا جاتا ہے اور پھر اس چرخ کو گردش دی جاتی ہے۔ اس گردش میں پہلے میرا سر الگ ہو کر کئی ٹکڑے ہو جاتا ہے حتیٰ کہ میرے سارے جسم سے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد جمال اور رحمت کی تجلّی ہوتی ہے جو سر کے ٹکڑوں اور باقی ٹکڑوں کو جمع کر دیتی ہے۔ اور پہلے سے بہتر اور زیادہ خوش تر بنا دی جاتی ہے۔ چنانچہ جس وقت وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوا پڑا ہوتا ہے جو شخص اسے دیکھتا ہے اس کو اسی طرح نظر آتا ہے۔

اس پر اس کمترین بندگان نے عرض کیا کہ حضور کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شخص اس کو اس حالت میں دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو کبھی اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا اور کبھی ہوتا ہے بعض اوقات اس کی اس حالت کو خلق سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت خواجہ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) ٹھٹھہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ میرے دل میں تین اشکال پیدا ہوئے ایک یہی تھا کہ اگر کوئی شخ تجلّی جلال میں مبتلا ہو جائے اور چاہے کہ اسے تجلّی لطف و جمال میں اسے تبدیل کرے تو اس کی کیا تدبیر ہے۔ اس بلا سے کس طرح خلاصی حاصل کر سکتا ہے۔ دوسرا سوال تشکّل ارواح تھا۔ (یعنی ارواح کا مختلف صورتوں میں نظر آتا) تیسرا مسئلہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک بزرگ بیک وقت مشرق میں موجود ہوتا ہے۔ مغرب میں بھی ہوتا ہے۔ ایک شہر میں بھی اُسے دیکھتے ہیں اور دوسرے

شہر میں بھی۔ فرمایا کہ مولانا جمال الدین مغربی جو (کاتب الحروف کی والدہ کے دادا تھے) کتاب خصوصی الحکم (مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ) میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور بڑے حکیم مرد جہاندیدہ تھے اور کہن سالہ بزرگ تھے۔ انہوں نے اکثر مشائخ کی صحبت پائی تھی لیکن کسی کے زیادہ گرویدہ نہیں ہوئے۔ بایں ہمہ وہ بڑے عارف تھے اور خصوص الحکم پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس کی انہوں نے نہایت شرح لطیف بھی لکھی ہے اور قرآن و حدیث سے اس کے محتقدات کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اور مجھے بھی خصوص الحکم کے تمام مسائل کا ثبوت ان سے مل گیا۔ صرف ایک بات پر ایک دن اُن سے معمولی اختلاف ہو گیا۔ مولانا نے جیسے کہ کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے[1]۔ آنکھیں کھول کر کہنا شروع کیا کہ میر سیّد میں تیرا معتقد ہوں تم اس قسم کی باتیں کیوں کرتے ہو۔ چنانچہ میں اپنے اقوال کے ثبوت میں تمام عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتا رہا اور اس پر چھ مہینے لگ گئے۔ ہر روز خصوص کے مسائل پر بحث ہوتی رہی اور میں کسی اَمر کا ثبوت پیش کرتا رہا اور کسی چیز کی تردید کرتا رہا اور وہ اختلاف کی حالت میں کہہ دیتے کہ میر سیّد صَلّی علٰی محمد یہ اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی بے فائدہ کلام کرتا ہے تو اسے کہہ دیا جاتا ہے صَلِّی علٰی محمد۔ یعنی بے فائدہ بات مت کرو اور پیغمبر علیہ السلام پر درود بھیجو۔ ایک دن بحث بہت طویل ہو گئی تو دو زانوں ہو کر بیٹھ کر کہنے لگے حالانکہ وہ اسّی سالہ بزرگ تھے اور میری عمر پچیس سال کی تھی۔ لیکن مودب ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میر سیّد آپ درویشوں کے درویش ہیں۔ اور میں تمہارا مسلمان کردہ ہوں یہ کہہ کر انہوں نے دونوں ہاتھ کان پر رکھے اور سر جھکا لیا۔ یہ کمترین بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت مخدوم نے (بندہ نوازؒ) بارہا فرمایا کہ ہر شخص جس نے سیر وسلوک سے کام لیا کسی نہ کسی چیز سے مخصوص ہوتا ہے اور میری خصوصیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنے اسرار بیان کرنے کی دولت فرمائی ہے۔ میں جس قدر کوشش کرتا ہوں کہ اپنی اس خصوصیت کو نظر انداز کروں مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ مجھے میری یہ بات اچھی لگتی ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے تشویش رہتی ہے کہ اپنی خوبی نظر نہ آئے تو اچھا ہے نیز فرمایا کہ دیکھو اب یہ راز بھی مجھ سے فاش ہو گیا[2]۔

---

[1] نہایت استغراق کی وجہ سے۔

[2] یعنی یہ بھی نہیں چھپا سکا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی خوبی کو خوبی نہ سمجھوں لیکن اس پر قادر نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ راجا بھی حضرت شیخ کے ساتھ اس قسم کے فنا و بقاء محو ر محو سکر و حضوری، غیبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے یہ شعر پڑھا۔

دریں تعلیم شد عمرم ہنوز ابجد ہے خواہم ندام کے رقوم آموز خواہم شد بدیوانش

(اس تعلیم میں میری عمر گزر گئی لیکن الف۔ بے۔ پڑھ رہا ہوں۔ معلوم نہیں کب اس کے دربار میں لکھنے پڑھنے کے قابل ہوں گا) فرمایا مصرعہ اوّل میں مقام فنا کا ہے اور مصرعہ ثانی میں مقام بقا کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سُن کر خواجہ راجا نے پوچھا کہ کیا اس شعر کے کہنے والے کو یہ مقام حاصل تھا۔ فرمایا بالکل۔ اس کے بعد آپ نے یہ رباعی پڑھی۔

گرمن زے مغانہ مستم ہستم درمومن ویا کہ بت پرستم ہستم
ہرکس برمن وگر گما نے دارد من از آن خودم ہر آنچہ ہستم ہستم

(اگر میں شراب توحید میں مست ہو کر کافر کہلاتا ہوں یا مسلمان ہوں۔ بت پرست۔ ہر شخص اپنے گمان کے متعلق مجھے دیکھتا ہے لیکن میں حقیقت میں وہی ہوں جو ہوں)

یکشنبہ ۲۸۔ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت خراسان سے ایک قدیم وضع قطع کا آدمی حاضر خدمت ہوا۔ اس کے پاس ایک بیاض تھی۔ جس میں اشعار درج تھے۔ اس نے بیاض نکالی۔ اور عراقی کی یہ غزل پڑھنے لگا۔

ماچنیں تشنہ زلال وصال ہمہ عالم گرفت مالا مال
غرقِ آ بیم و آب نے طلبیم در وصالیم و بے خبر زوصال
آفتاب اندروں خانہ وما در بدر ے دویم ذرّہ مثال
گنج در آستین دمے گردیم جہاں گردِ ہر کوز بہر یک مثقال
چند گردیم خیرہ گرد جہاں چند باشیم اسیر ظن خیال
بدہ اے ساقی از بست جامے کز نہاد خودم گرفت ملال
آفتابے ز روئے خود بنمائے تاجو سایہ رُخ آورم بزوال
تا ازل یا ابد قرین گردد دی و فردائے من شود ہمہ حال

باچنسِ حال شاید ار گویم گرچہ باشد بہ نزدِ عقل محال

کہ ہمہ اوست ہر چہ ستِ یقین جان و جاناں و دلبر و دل و دین

یہ سُن کرآپ نے فرمایا کہ ایک ہی مطلب ہے جو مختلف عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔

پہلے شعر کا مطلب ہی ہے کہ حق تعالیٰ کا ظہور اس شدت سے ہے کہ پوشیدہ ہونے کا وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کے لیے زمین وآسمان' کائنات اور جملہ موجودات حجاب بن سکتے ہیں۔لیکن ظہور اور جلا کے باوجود ہم اپنے خیال میں اس سے دور اور محجوب ہیں۔

دوسرے شعر میں بے خبراز آب سے یہی خیالی دوری مراد ہے۔ پانچویں شعر میں چند''باشیم امیر ظن وخیال'' کا بھی یہی مطلب ہے کہ آسمان و زمین اور جملہ موجودات کیسے حجاب بن سکتے ہیں۔ چھٹے شعر میں ''بدہ اے ساقی از بست جامے'' کا مطلب یہ ہے کہ اے ساقی یعنی محبوب حقیقی مجھے اس راز سے آگاہ کر جس کے ذریعے حجاب دُور ہو جائے دوسرے مصرعہ'' کز نہاد خودم گرفت ملال'' کا مطلب یہ ہے کہ میں تیرے نظارۂ جمال میں مست ہو کر اپنی ہستی کو بھول جاؤں۔ ساتویں شعر میں ''آفتاب ازروئے خود بنما'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنا دیدار دکھا تا کہ میرا وجود سایہ کی طرح زوال پذیر ہو کر گم ہو جائے۔ آٹھویں شعر میں ''تاازل باابد قرین گردد''۔اس میں تفاسیر لفظی اعتباری ہے۔ (حقیقی نہیں ہے) کیونکہ ازل موجود ہے جس کی ابتدا نہیں اور ابد موجود ہے۔ جس کی انتہا نہیں۔ جب سرِ حقیقت منکشف ہوتا ہے سالک جمال محبوب میں محو ہو جاتا ہے اور ظاہری کائنات کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اس کے بعد مبدا اور منتہا (ازل وابد) ایک ہو جاتا ہے اور اوّل اور آخر اور ازل وابد ایک زاویہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تمام اختیارات اور اضافات مٹ جاتے ہیں اور وہی اصلی حالت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ازل وابد ایک ہو جاتے ہیں[1]۔

[1] ازل وابد کا ایک ہو جانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک مقام فنافی اللہ پر پہنچ کر زمان ومکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ زمان ومکان بھی حقیقی نہیں اعتباری اور اضافی ہیں۔ زمین وآسمان کے پیدا ہونے کے بعد مکان (SPACE) وجود میں آیا اور آفتاب کی گردش سے وقت ماہ وسال' دن رات گھنٹے اور منٹ وجود میں آئے۔ تخلیقِ کائنات سے قبل نہ کوئی وقت تھا نہ جگہ نہ زمان ومکان نہ ذات پات تھی۔ اس لیے سالک حسب ریاضت و مجاہدات وعبادات کے ذریعے تزکیہ نفس کے بعد مقام فنا یا ذات محض تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو زمان ومکان کی قید سے آزاد ہو جاتا اور ازل وابد اس کے لیے صرف ایک لمحہ حاضر بن جاتا ہے۔ برزخ یا عالم ارواح کی روحیں بھی زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوتی ہیں۔ گویا ہر روح اپنی جگہ موجود ہے۔

اس کے بعد آپ نے عراقیؒ کے یہ اشعار پڑھے۔

اے بتو بتو روز وشبِ جہاں روشن   بررخت چشم عاشقاں روشن

بحدیثِ تو کام دل شیرین   بجمال تو چشم جاں روشن

مشد بنور جمال تو روشن   عالمِ تیرہ ناگہاں روشن

آفتاب رخ جہانگیرت   دمبدم میکند جہاں روشن

ہمہ عالم کہ از تو روشن شد   گر یقین مے شود گماں روشن

بنماید زروئے ہر ذرّہ   آفتاب رخت عیاں روشن

مے تواں کرد درخم زلفت   خوشتین راز خود نہاں روشن

اے دل تیرہ گر نگشت ترا   سرِّ توحید زیں بیاں روشن

اندر آئینہ جہاں بنگر   تابنی ہمہ زماں روشن

کہ ہمہ اوست پرچہ ہست یقین   جاں و جاناں و دلبر و دل و دین

1۔ اے محبوب حقیقی تیرے نورِ جمال سے روز شب روشن ہے اور تیرے ہی جمال سے عاشقوں کا جہاں منور ہے۔

2۔ تیرے ذکر سے دل کو حلاوت حاصل ہوتی ہے اور تیرے ہی جمال سے تمام آنکھیں روشن ہیں۔

3۔ سارا جہاں تاریک تھا۔ جب تیرے حسن و جمال کا آفتاب بلند ہوا تو سارا جہاں ہر لمحہ اور ہر لحظہ روشن ہے۔

4۔ تیرے چہرے کے آفتاب عالمتاب سے سارا جہان ہر لمحہ اور ہر لحظہ روشن ہے۔

5۔ سارا جہان تجھ سے روشن ہے اور یقین ہو تو وہم و گمان پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

6۔ کائنات کے ہر ذرّہ کے چہرے میں تیرا آفتاب رخ ظاہر ہے۔

7۔ تیری زلف کے ہر خم میں جو راز پوشیدہ ہے وہ بھی روز روشن کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔

8۔ اے تاریک قلب رکھنے والے اگر اس بیان سے تجھ پر رازِ توحید ظاہر نہیں ہوا تو۔

9۔ تو جہاں کے آئینہ پر نظر ڈال اور دیکھ کہ یہ جو نور ہی نور نظر آتا ہے وہ نورِ ذات ہے۔

10۔ یہ جو تجھے جاں، جاناں، دلبر، دل اور دین نظر آتا ہے سب کی حقیقت ایک ہے یعنی ہمہ اوست۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ غزل بھی بعینہ پہلی غزل کی طرح ہے لیکن پہلی غزل کی عبارت پختہ اور

بلند ہے اور اس غزل کی عبارت خام ہونے کی وجہ سے اس کی بلندی تک تو نہیں پہنچ سکی۔

اگر چہ دونوں غزلیں ایک ہی شاعر کی ہیں لیکن وقت وقت کی بہار ہے اس کے بعد آپ نے یہ غزل پڑھی۔

۱۔ اے رخت آفتاب عالمتاب   در فضائے تو کائنات سراب

۲۔ در نیاید بچشم تو دو جہاں   کے بچشم تو اندر آید خواب

۳۔ پیش ازیں بے رخت چہ بود جہاں   سایۂ در عدم سرائے خراب

۴۔ استوا مہر طلعت تو نیافت   سایۂ از نوریافت رنگ خضاب

۵۔ مہر چوں سایہ ازمیاں برداشت   ماچہ باشیم درمیاں در باب

۶۔ اوّل و آخر ہمہ اوست در ہمہ حال   ظاہر و باطن اوست در ہمہ باب

۷۔ گرصد است و ہزار جملہ یکے است   در نیاید بغیر یکے بحساب

۸۔ برف خوانند آب راچو بست   باز چوں حل خود چہ گوید آب

۹۔ آب چوں رنگ و بوئے گل گرد   لاجرم نام نہاد کنند گلاب

۱۰۔ بزبانِ فصیح ہر ذرّہ   میکند عشق لحظہ لحظہ خطاب

۱۱۔ کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقین   جان و جانان و دلبر و دل و دین

۱۔ اے محبوب حقیقی تیرا چہرہ آفتاب عالمتاب ہے اور کائنات کا وجود سراب یعنی وہمی ہے۔

۲۔ جب تیری آنکھوں میں دونوں جہاں نہیں سما سکتے تو نیند کیسے آسکتی ہے۔

۳۔ تیرے حسن و جمال کے ظہور سے پہلے یہ جہاں کیا تھا۔ عدم ہی عدم اور خراب آباد تھا۔

۴۔ جب تیرے حسن کا آفتاب طلوع ہوا تو اس کے نور کے سایہ میں رنگ خضاب پیدا ہوا۔

۵۔ جب تیرے آفتاب حسن نے سایہ اٹھالیا تو ہم سب معدوم ہو گئے۔

۶۔ اوّل بھی وہی ہے، آخر بھی وہی ہے ہر حال میں اور ظاہر و باطن بھی وہی ہر وقت میں۔

۷۔ اگر چہ آپ ایک سو کا ہندسہ لیں یا ایک ہزار کا۔ اصل سب کی ایک ہے یعنی ایک کا دہرادہ ہے۔

۸۔ پانی جما تو برف کہلایا۔ جب پگھلا پانی نام دھرایا۔

۹۔ جب پانی میں پھول کا رنگ و بو سما جاتا ہے اس کا نام گلاب ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ نہایت ہی فصاحت و بلاغت سے کائنات کا ہر ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا ہے۔

۱۱۔ جان و جانان (یعنی محبب و محبّ) دل اور دلبر اور دین سب وہی ہے کوئی فرق نہیں)

فرمایا وہی ایک معنی ہے جو مختلف عبارات و تشبیہات اور لطیف استعارات میں بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

گر صد ست یا ہزار جملہ یکے است

دَر نیابد بجُیر یکے بحساب

اس کے کیا معنی ہیں۔ جب حاضرین میں سے کسی نے جواب نہ دیا تو فرمایا۔ کہ تمام اعداد کی اصل ایک ہے اور جب ایک کو بار بار دھرایا جاتا ہے تو تمام اعداد مثل ایک سَو ہزار وغیرہ وجود میں آتے ہیں۔ اگر ہزار ہے تو وہی ایک ہے جو ہزار بار آیا ہے۔ اگر ایک لاکھ ہے تو وہی ایک ہے جو ایک لاکھ بار آیا ہے۔

سبق سے فراغت کے بعد فرمایا کہ الیاس نامی ایک صوفی تھا۔ جو دوست آباد سے ہمارے خواجہؒ کی قدم بوسی کے لیے آیا تھا۔ جب رخصت ہونے لگا تو اس نے کھڑے ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ اُسے بیعت کر کے فرمایا کہ الیاس کسی خالی جگہ پر جا کر مشغول ہو جاؤ۔ دروازہ غزنوی کے نزدیک ایک غیر آباد مسجد تھی وہ وہاں جا کر مقیم ہو گیا۔ اس مسجد میں ایک سانپ رہتا تھا۔ رات کے وقت اس کا پاؤں سانپ پر پڑا تو اس نے کاٹ لیا۔ سانپ کے کاٹتے ہی وہ حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جونہی زہر کا زور زیادہ ہوتا تھا تو اس کی توجہ بھی زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اسی طرح صبح تک متوجہ رہا۔ صبح ہوتے ہی حضرت اقدسؒ نے اپنے خادم شیخ خواجہ ابراہیم سے فرمایا۔ کہ شہر میں جاؤ وہاں ایک طالب علم ہے جس کا نام الیاس ہے اُسے بلا لاؤ۔ خواجہ ابراہیم نے کہا حضور میں اسے نہیں پہنچانتا کہ کون ہے اور اس کا گھر کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ ملاقات ہو جائے گی۔ خواجہ ابراہیم دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب بدایونی دروازہ سے شہر میں داخل ہوا تو الیاس بھی وہ حادثہ بیان کرنے کے لیے راستے میں مل گیا۔ اور خواجہ ابراہیم کو دیکھتے ہی اس کے پاؤں چومنے لگا۔ ابراہیم نے پوچھا کیا تم الیاس ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ اس نے کہا کہ مجھے حضرت شیخ نے خاص طور سے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارا گھر کہاں ہے اور نہ ہی میں تجھے پہچانتا تھا۔ مجھے حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ ملاقات

ہو جائے گی۔ چنانچہ ملاقات ہوگئی۔ اب بسم اللہ میرے ساتھ چلو۔ وہ اس کے ساتھ روانہ ہو۔ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو ابراہیم نے عرض کیا کہ حضور آپ کے فرمان کے مطابق خود بخود ملاقات ہو گئی ہے۔ الیاس خود بخود آ رہا تھا۔ راستے میں مجھے مل گیا۔ اس کے بعد الیاس نے ساری رات کی کیفیات بیان کیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں ساری رات تمہاری وجہ سے بیٹھا رہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ الیاس سفر کرو۔ مردانہ وار رہو۔ چنانچہ اس نے بغیر زادِ راہ اور ساز و سامان سفر اختیار کیا۔ حتّٰی کہ کعبۃ اللہ جا پہنچا۔ راستے میں بعض ایسے مقامات سے اس کا گزر ہوا جہاں سے سواری کے بغیر گزرنا محال تھا۔ لیکن وہ چلتا رہا۔ اکثر اوقات وہ قافلہ چھوڑ کر نکال جاتا تھا اور جب لوگ منزل پر پہنچتے تھے تو اس کو پہلے سے وہاں بیٹھا ہوا دیکھتے تھے۔ حالانکہ وہ لوگ اپنے اونٹ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور ہر قسم کا ساز و سامان رکھتے تھے۔ جب لوگ اس سے دریافت کرتے تھے کہ تم اس قدر جلدی کیسے پہنچ گئے تو جواب دیتا تھا کہ غیب سے کوئی شتر سوار آ گیا اور مجھے سوار کر کے یہاں پہنچا دیا۔ اور پھر چلا گیا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ جا بجا پہاڑ، جنگل اور ریگستان آتے ہیں اور راستے کا نشان تک نہیں ملتا۔ اور نہ ہی کوئی آبادی ہے۔ نہ پانی پایا جاتا ہے۔ لوگ عام طور پر اونٹ پر سوار ہو کر ایک ماہ کے بعد مکہ سے مدینہ پہنچتے ہیں۔ لیکن وہ یہ سفر پیدل کرتا رہا اور سب سے پہلے منزل پر پہنچ جاتا تھا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے روضہ اقدس کی مجاوری اختیار کر لی۔ وہاں اُسے لوگ الیاس ہندی کے نام سے پکارے تھے۔ وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ اور ہر وقت یادِ خدا میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے پاس دو لکڑی کے پیالے تھے۔ جو اپنے سامنے ہمیشہ ایک دوسرے پر چڑھا کر رکھتا تھا۔ تا کہ لوگوں کو خیال ہو کہ اس کے اندر کوئی چیز ہے۔ لیکن دراصل اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور بغیر کھائے پیئے کے زندگی بسر کرتا تھا۔ اُن ایام میں حرم شریف کا موذن شیخ خالد تھا۔ اس کو خیال آیا کہ دیکھیں ان پیالوں میں کوئی چیز ہے بھی یا نہیں ہے۔ ایک دن جب الیاس قضائے حاجت کے لیے باہر صحرا میں گیا ہوا تھا۔ انہوں نے جا کر پیالوں کو دیکھا تو اُن کے اندر گرد کے سوائے کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر وہ سخت متحیر ہوئے اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں وہ مجھ سے دو روٹی قبول کرے گا یا نہیں۔ خیر جب وہ واپس آیا تو موذن نے اس کے پاس جا کر نہایت عجز و انکسار سے التجا کی کہ دو روٹی قبول کر لیں۔ یہ سُن کر الیاس نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت شیخ نے مجھے حکم دیا ہے

کہ مردانہ وار رہنا۔ لہذا میں کس طرح ان سے روٹی قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ روٹی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ جو کچھ کبھی کبھار غیب سے آ جاتا تھا لے کر کھا لیتا تھا۔ ورنہ ویسے رہ جاتا تھا۔ ایک دن خواجہ سرائے حرم شریف میں آئے اور مجاوروں اور گوشہ نشینوں کے لیے بہت سا طعام لائے۔ انہوں نے الیاس کو بہت طعام اور مال پیش کیا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مال لے کر میں کیا کروں گا۔ اس کے بعد انہوں نے التجا کی اچھا یہ مال غریبوں میں آپ تقسیم کر دیجئے۔ الیاس نے مال لے کر سارے کا سارا تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔ اس سے زہادِ مدینہ کے مابین اُن کا اعتبار بڑھ گیا۔ ایک دن سعید احمد کبیرؒ کے پوتے صوفیاء کی ایک جماعت کے ساتھ شیخ احمد کبیرؒ کا جھنڈا لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور زہادِ مدینہ کو پند و نصائح کرنے کا ارادہ کیا۔ زیارت روضہ اطہر کے بعد انہوں نے پوچھا کہ زہاد کہاں رہتے ہیں تاکہ اپنا کام شروع کریں۔ لوگوں نے کہا زہاد کے سردار الیاس ہندی ہیں جو اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ وہ ایک غافل آدمی تھے انہوں نے الیاس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اگر الیاس کو میری صحبت ملتی تو بلند مقام پر پہنچ جاتا۔ یہ کہہ کر وہ حرم سے باہر جا کر بیٹھ گئے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیخ احمد کبیرؒ کا جھنڈا لے کر حرم نبویؐ کے اندر آتے ہیں اور یہاں کے لوگوں کو ہدایت دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو وہاں شور مچ گیا اور لوگوں نے ان کو پہلی بار نکال دیا۔ شیخ خالد کے دل میں خیال آیا کہ مدینہ منورہ میں پہلی بار یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ لوگوں نے مشتعل ہو کر ایک بزرگ کو باہر نکال دیا ہے۔ ضرور اُن سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ اس بزرگ نے شیخ الیاس ہندی کی طرف دیکھ کر کہا تھا کہ اگر اس کو میری صحبت ملتی تو بلند مقام پر پہنچ جاتا۔ جونہی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے لوگوں نے مشتعل ہو کر اُن کو باہر نکال دیا۔ اب شیخ خالد کو معلوم ہو گیا کہ اس بے ادبی کی وجہ سے ان کو حرم سے باہر نکال دیا گیا۔ کیونکہ الیاس ہندی تو دن رات رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں تھے ان کو اور کسی کی صحبت کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ صریحاً بے ادبی تھی۔ جس کی سزا ان کو مل گئی۔ فرمایا جس روز الیاس ہندی کا انتقال ہوا تو سارے مدینہ میں ماتم کی صف بچھ گئی اور لوگوں کو بہت صدمہ ہوا۔

اس کے بعد مولانا بہاؤ الدین کے متعلق فرمایا کہ آج کل وہ امامت کرتے ہیں اور حضرت مخدوم میاں کلمتہ اللہ حسینیؒ کی تعلیم کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو منتہائے علم تک

پہنچائے۔ عمر دراز کرے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل اولاد کے صدقے اپنا مقرب بارگاہ بنائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا موصوف قرآن حکیم کے خوب نکات بیان کرتے ہیں اور ہر آیت بلکہ ہر لفظ اور ہر حرف کے دقیق معانی بیان کرنے میں خوب مہارت رکھتے تھے اور قرآن مجید سے فال نکالنے میں کافی درک رکھتے تھے۔ اور صلحائے سلف کا بھی یہی دستور ہے۔ وہ جانتے تھے کہ صبح علی الصباح فلاں سورت پڑھنے کی کیا فال ہے اور فلاں کی کیا ہے۔ فرمایا صاحب قوت[1] اس بارے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔

وہ لکھتے ہیں کہ صبح کی سنتوں میں پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ سورۃ قل یا ایھا الکافرون پڑھی جائے کیونکہ اس میں تجدید توحید ہے۔ دوسری رکعت میں قُل ھواللہ اَحد پڑھنا چاہیے۔ جس میں اثبات توحید ہے اسی طرح وہ ہر نماز کے لیے مخصوص سورتوں کا تعین کرتے ہیں اور اس کی مناسبت اور سبب بیان کرتے ہیں۔ فرمایا اس بارے میں امام قدیم مولانا حسین بہت غلو کرتے تھے۔ اور اپنی قابلیت کی وجہ سے تمام احباب کے ساتھ بحث مباحثہ اور منازعت اور مناقشت میں مصروف رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس سرہٗ کے عرس کے موقعہ پر مجلس سماع میں آئے اور میرے ساتھ پہلا شخص جس نے ملاقات کی وہی تھے۔ قلم دوات ان کے ہاتھ میں تھی اور آتے ہی میرے سامنے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ خیال آیا کہ یہ سیاہی اس کی جان ہے۔ چنانچہ جب سماع شروع ہوا تو ان پر قدرے لرزہ طاری ہوا۔ اور پاؤں پر ورم آ گیا۔ اس وجہ سے وہ اٹھ کر چلے گئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ میں پھر آؤں گا۔ راستے میں وہ بیمار ہو گئے اور چند دنوں میں جاں بحق ہو گئے۔ بس اُن کی وہ آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ بیچارہ کیا کرتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اَذَ جاء اَلقضاَ عمی اَلبصر۔ (جب قضا الٰہی آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہوتی ہیں)

ابلیس کی آدم دشمنی کا سبب

اس کے بعد آیہ اِستکبَرَ و کان من الکافرین کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ابلیس نے تکبر کیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ وَ کانَ ای صار منَ الکافرین او کان قدیماً کافراً منکر الفضیلتہ منہ عدو اللہ (وہ تھا یعنی ہو گیا منکر یا شروع سے اس کی فضیلت کا

---

[1] یعنی کتاب قوت القلوب کے مصنف حضرت ابو طالب مکی۔

منکر تھا اور اللہ کا دشمن) فرمایا جب حق تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کے اندر ایک لطیفہ ودیعت فرمایا۔ ابلیس نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کے وجود میں گھس کر سیر کرے اور اس کی فضیلت معلوم کرے۔ چنانچہ اس نے تمام اجزاء میں مداخلت کی۔ جب دل پر نظر پڑی تو اسے ایک پوشیدہ چیز نظر آئی۔ جب قریب جا کر اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی تو اس کے گرد ایک قلعہ بن گیا۔ ابلیس نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنے اور کہنہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ غرضیکہ جس قدر کوشش کی کچھ نہ کر سکا۔ پس اس کو یقین ہو گیا کہ جو راز کہ آدم علیہ السلام کے اندر ہے اسی مقام میں پوشیدہ ہے اور جو مجھے اس کی خبر نہیں ہونے دیتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ لہذا جو بلا کہ مجھ پر آنی ہے آدم علیہ السلام کی وجہ سے آئے گی۔ چنانچہ اسی وقت سے وہ حضرت آدم علیہ السلام کی عداوت میں مستقل ہو گیا اور تسویہ خلقت اور نفخ روح کے بعد ملائک کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس نے تکبر کی وجہ سے انکار کیا اس لیے حق تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ اَنّ عَلیک لعنتی اِلٰی یوم الدین (تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک) جب قیامت آئے گی تو داغ لعنت اس کی پیشانی سے دور کیا جائے گا۔ پس دوزخ میں اس کو عذاب اسی وجہ سے ہوگا کہ وہ داغ مٹ جائے گا وہ کہے گا کہ یارب کیا ہوتا اگر میری پیشانی پر یہ داغ اَبدی ہوتا۔

ہاروت و ماروت کی سزا

اس کے بعد ہاروت و ماروت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا جب ان کو عذاب دنیا اور آخرت میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے عذاب دنیا اختیار کیا۔ کیونکہ یہ محدود ہے۔ چنانچہ ان کو کنوئیں میں ڈالا گیا۔ عراق میں بابل کے قریب انکو کنوئیں میں الٹا لٹکایا گیا اور نیچے آگ جلا دی گئی۔ جو شخص وہاں جاتا ہے اُسے اس آگ کا دھواں نظر آتا ہے۔ وہاں سحر اور جادو بہت ہوتا ہے۔ جو شخص وہاں جادو سیکھنے جاتا ہے۔ اپنے ایمان کو خیر باد کہتا ہے جیسا کہ خیر باد کہنے کا حق ہے۔ اس کے بعد اسے جادو حاصل ہوتا ہے اس پر میں نے عرض کیا کہ ہاروت و ماروت تو فرشتے ہیں اور گناہ کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوئے' جادو' سحر اور دوسری بلا اور مصیبت کس وجہ سے ہے اور اس سے لوگوں کا ایمان کیوں زائل ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ چونکہ وہ فرشتے ہیں ان کو اسم اعظم کا علم ہے اسم اعظم کے خواص کی کوئی حد

نہیں ہے۔ مختلف ترکیبوں اور حروف کے توڑ جوڑ سے مختلف خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تولّد کے وقت آنحضرت ﷺ کی ہیئت اور اس کا مطلب

اس کے بعد تعبیر اور تفاول (فال نکالنا) کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو ان کی یہ حالت تھی کہ ایک ہاتھ سے زمین پر تکیہ کیا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں زمین سے مٹی لی ہوئی تھی۔ سر دونوں زانوں پر تھا اور منہ قبلہ کی طرف تھا۔ اسی رات کعبہ کے اندر جتنے بُت تھے سب منہ کے بَل گر پڑے اور کسریٰ کے محل میں شگاف واقع ہوا۔ ان امور کی تعبیر یہ کی ہے۔

مٹی کا ہاتھ میں ہونا:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک و زمین کے مالک ہونگے۔ قبلہ روئے ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ کریں گے۔ اعلائے کلمہ حق، دینِ حق اور تعمیر قبلہ کی طرف ہوگا۔ ایک ہاتھ زمین پر اور سر زانوں پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سارے جہاں پر غالب اور متوجہ بخدا ہوں گے۔

اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا ذکر ہونے لگا۔ جب صحابہ کرام نے فارس پر چڑھائی کی تو اس ملک کے باشادہ نے مسلمانوں کے پاس ایک خط لکھا۔ کہ تم اپنا ایک آدمی ہمارے پاس بھیج دو۔ اس کام کے لیے حضرت ابو موسیٰؓ کو منتخب کیا گیا۔ جب آپ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے کہا کہ تم لوگوں نے میرے ملک پر چڑھائی کی ہے لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ تم ہمیشہ آب و دانہ کی تنگی میں زندگی بسر کرتے ہو۔ تمہارے ملک میں ہمیشہ قحط رہتا ہے۔ تم لوگ اہل ذلت، اہل قلت اور اہل قحط ہو۔ تم لوگ حرام کھاتے ہو۔ لڑکیوں کو بھوک کے خوف سے زندہ در گور کرتے ہو۔ قطع رحمی کرتے رہو۔ اب تم لوگوں کو ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی ہمت ہوئی ہے یاد رکھو تمہاری اس بار بیخ نکال دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ لیکن ہم پر خدائے بزرگ و برتر نے کرم فرمایا۔ ہم میں سے ایک نبی علیہ السلام ہم پر معبوث فرمایا ہے۔ جو ہم کو حکم دیتا ہے کہ حرام مت کھاؤ۔ لڑکیوں کو زندہ در گور مت کرو۔ جو تمہارا دین قبول نہ کرے اس کے ساتھ جہاد کرو۔ حتّٰی کہ اطاعت قبول کرے، اور جزیہ ادا کرے، یا مسلمان ہو جائے۔ اب ہم آئے ہیں تا کہ تم کو قتل کر سکیں اور تمہارے ملک پر قبضہ کریں۔ اب تو اسلام قبول کرو۔ یا جزیہ دے کر ہماری اطاعت قبول کرلو۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ مٹی کی ٹوکری بھر کر اس کے سر پر رکھ دو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمارا

ملک لینے آئے ہو ہم تم کو خاک دیتے ہیں۔ جب ان کے سر پر ٹوکری رکھی گئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور چھلانگیں مارنے لگے۔ بادشاہ نے کہا کیا خوش ہونے کا مقام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہارا ملک لینے آئے ہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی سرزمین میرے حوالہ کردی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم تمہاری سرزمین پر قابض ہو جائیں گے۔

اس کے بعد برادرم سیّد یوسفؒ نے عرض کیا کہ آیا مشائخ کی تعبیرات ظنی واحتمالی ہوتی ہیں یا قطعی اور یقینی۔ فرمایا قطعی ہوتی ہیں لیکن عبارات اس قسم کی تحریر کرتے ہیں کہ احتمال اور ظن کا شبہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ دانا نجومی اگرچہ صحیح طور پر استخراج کرتے ہیں۔ لیکن انکی اپنی عبارت میں وہ یوں کہتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد مناسب حال آپ نے حکایت بیان فرمائی۔ ایک دن سلطان علاؤالدین نے کہا کہ یہ نجومی لوگ کیا کرتے ہیں۔ مفت میں تنخواہ کھا رہے ہیں۔ ان کو کہو کہ یہ معلوم کریں کہ ہم کل کیا کام کریں گے۔ یہ بات لکھ کر ہمارے پاس لے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے حساب لگایا اور یہ لکھ کرلے آئے کہ رات بادشاہ شکار کو جائے گا لیکن دہلی کے پندرہ دروازوں میں سے کسی سے نہیں گزرے گا۔ بلکہ دروازہ بدایونی اور دروازہ کمال کے درمیان قلعہ میں شگاف کر کے باہر جائے گا اور بھات، شکر، گھی اور دہی کھائے گا اس تحریر پر انہوں نے اپنی مہر لگائی۔ اور بادشاہ کے پیش کردی۔ بادشاہ نے دل میں سوچا کہ کوئی ایسا کام کروں جو غیر معمولی ہو اور کھانا بھی غیر معمولی کھاؤں تا کہ یہ لوگ غلط اندازہ لگائیں۔

چنانچہ اس نے رات کو اچانک شکار کی تیاری کرلی اور کسی خاص دروازے سے باہر جانے کی بجائے اس نے دروازہ کمال اور بدایونی کے درمیان قلعہ کی دیوار کو شگاف دے کر نیا دروازہ بنالیا اور باہر جا کر شاہی کھانوں کی بجائے بھات، دہی، گھی اور شکر سے پیٹ بھرلیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ نجومیوں کا کاغذ کھولو۔ کیا لکھا ہے۔ جب اس نے عین وہی لکھا دیکھا تو حیران رہ گیا اور نجومیوں کو انعام واکرام سے مالا مال کیا اور کہنے لگا کہ بڑے خراب لوگ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے تمام کاموں کو معلوم کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد مدینۃ الرسول کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا اچھا ہوا کہ رسول خدا ﷺ کعبہ میں دفن نہ ہوئے ورنہ زیارت رسول اللہ ﷺ کا کعبہ سے ٹکراؤ ہو جاتا۔ اب حج کے بعد زیارتِ رسول

اللہ ﷺ کی خاطر علیحدہ سفر کیا جاتا ہے۔ اور روضہ رسول ﷺ کو بھی حرم کا درجہ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حرم کعبہ ہے۔ اور روضہ رسول اللہ ﷺ کی عزت وتکریم میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ کہہ کر آپ نے ایک آہِ سرد لی اور فرمایا کہ جب امیر المومنین حضرت امام حسینؓ کے پوتے محمد نفس زکیہ نے دعویٰ کیا کہ میں مہدی ہوں۔ کیونکہ آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا' والدہ کا نام فاطمہ اور خود ان کا اپنا نام محمد تھا۔ چنانچہ لشکر جمع کر کے انہوں نے بنی امیہ کے خلاف خروج کیا۔ ادھر بنی امیہ کے بادشاہ مروان نے مدینہ پر لشکر کشی کی۔ اور شہر کو آگ لگا دی۔ جس سے سارا شہر جل گیا۔ اور آگ منبر نبویؐ تک پہنچ گئی۔ لیکن لوگوں نے کوشش کر کے منبر کو بچا لیا۔ خوف یہ تھا کہ روضہ رسول ﷺ نہ جل جائے۔ آخر محمد زکیہ گرفتار ہو گئے۔ دشمنوں نے ان کو قتل کر دیا اور جسم کے دو ٹکڑے کر کے مدینہ سے دمشق لے گئے۔ یہ ہے امت محمدیہ کا کردار اور تعظیم مدینہ رسول اہل بیعت رسولؐ دشمنوں نے حضرت عبداللہ بن عثمانؓ کو اسی روز شہید کر کے حضرت عثمانؓ کی نسبت ختم کر دی۔ اس کے علاوہ انہوں نے محمد نفس زکیہ کے تمام حامیوں کو شہید کر دیا۔ لیکن حضرت امام زین العابدین غیر جانبدار رہے اور گھر سے باہر نہ نکلے۔ اس لیے بنی امیہ نے ان کو معاف کر دیا۔

دوشنبہ ۲۹۔ رمضان المبارک

چاشت کے وقت یہ ضعیف حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا ایک غزل یاد آئی ہے۔ قلم دوات میرے پاس تھی۔ حضرت اقدس پڑھتے گئے اور میں لکھتا رہا۔ غزل یہ ہے۔

۱۔ دوستاں مے دہند پند مرا دشمناں طعنہا زنند مرا

۲۔ پیر گشتی و عشق مے بازی کے بوَد پند سود مند مرا

۳۔ منکر آزاد سرفراز ستم اجتہاد انہ سرشت چند مرا

۴۔ منکر آزاد سر فراز ستم زلف اوگشت پائے بند مرا

۵۔ خانمان دلم پریشان شد بُعد او در بلا فگند مرا

۶۔ گریہ وآہ چیست درنفسے دوستی کرد درد مند مرا

۷۔ آتش عشق آب رویم ریخت خاک بادا وجودِ بند مرا

۸۔ تابۂ عشق گرم تر بکنند چوں کبابے براں نہند مرا

۹۔ پرو بالت مگر محمدؐ[1] سوخت بیخ و بنیاد عشق کند مرا

۱۰۔ سوزشِ شمع رخ فروز دید گر بسوزند چوں سپند مرا

۱۔ دوست مجھے پند ونصیحت کرتے ہیں اور دشمن طعنے دیتے ہیں کیا کروں۔

۲۔ اے شاعر تم بوڑھے ہو گئے ہو اور عشق بازی نہیں چھوڑتے ۔ شریعت سے کہاں تک اجتہاد یعنی روگردانی کرو گے۔

۳۔ میں نے تو اپنی ساری کائنات عشق کی نظر کر دی ہے۔ تجھے پند (نصیحت) کیسے سودمند ہو گی۔

۴۔ میں تو بہت آزاد تھا لیکن محبوب کی زُلف سیاہ نے مجھے گرفتار کر لیا ہے۔

۵۔ میرا خانماں تباہ ہو گیا اور اس کی زلف نے مجھے بلاو مصیبت میں قید کر دیا۔

۶۔ میرا دل ہر لحظہ گریہ وزاری میں مبتلا ہے اور درد کی مجھ سے دوستی ہو گئی ہے۔

۷۔ جب شمع عشق سے میرا دل جلتا ہے تو میرا چہرہ منور ہو جاتا ہے اور سیخ کر طرح سیاہ ہوئے بغیر جل جاتا ہوں۔

۸۔ آتشِ عشق نے مجھے بدنام کر دیا اور میرے جسم کو جلا کر خاک کر دیا۔

۹۔ جب آتشِ عشق موجزن ہوتی ہے تو مجھے اس پر کباب کی طرح جلایا جاتا ہے۔

۱۰۔ اے محمد عشق نے تیرے وجود کو جلا کر خاک کر دیا اور تیری ہستی کو بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

خواب میں جوتا ملنے کی تعبیر

اس کے بعد عید کے لیے حضرت اقدس کے سامنے دو جوتے لائے گئے ۔ایک کا رنگ لال تھا دوسرے کا زرد۔ آپ نے لال رنگ کا جوتا پسند فرمایا۔ آپ نے فرمایا اگر چہ صوفیاء زیادہ پسند کرتے ہیں ۔لیکن ہمارے خواجہؒ لال رنگ کا جوتا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے شیخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا قدس سرہٗ بھی لال رنگ کا جوتا پسند فرماتے تھے۔ فرمایا اس وجہ سے میں بھی ہمیشہ لال رنگ کا جوتا استعمال کرتا ہوں۔ ایک دفعہ آپ کے احباب نے متفق ہو کر فیصلہ کیا کہ چونکہ تمام صوفیاء کرام زرد رنگ کا جوتا پہنتے ہیں ہم بھی حضرت اقدس کو مجبور کرتے ہیں کہ زرد جوتا پہنیں۔ چنانچہ وہ لوگ ایک نہایت لطیف اور قیمتی زرد رنگ کا جوتا لے گئے اور حضرت اقدس کو پیش کیا۔ آپ نے

[1] آپ کے تخلص ''محمد'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کی اپنی ہے۔

کھڑے ہو کر وہ جوتا پہنا لیکن فوراً اتار کر امیر خسرو کے پوتے کو عطا کر دیا۔ امیر خسرو کے پوتے بھی شاعر تھے اور خسرو ثانی کہلاتے تھے۔ وہ احقر راقم المعروف کے دوست تھے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے یہ جوتا حضرت بندہ نوازؒ سے ملا ہے۔ میں نے کہا جوتے کے ملنے سے صوفیاء کرام دو تعبیر لیتے ہیں۔ یا تو آدمی سیر و سلوک میں ترقی کرتا ہے یا خود اس جہان سے سفر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ چند روز کے بعد بیمار ہو گئے۔ اور رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے اور وہ جوتا نیا کا نیا رہ گیا۔

رزق حلال کے لئے بزرگوں کی تحقیق

اس کے بعد رزق حلال کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا اس زمانے میں لوگ لقمہ حلال کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ جو چیز نظر آتی ہے آنکھیں بند کر کے کھا جاتے ہیں اور پھر تاویل کرتے ہیں۔ کہ یہ یوں ہے اور یوں نہیں ہے۔ شریعت ہمارے لیے کیا چیز حلال کرتی ہے اور ہم مسلمانوں کا کیا حال ہو گیا ہے۔ نہ حلال کی پرواہ کرتے ہیں نہ حرام کی۔ اور حرام کو مباح بنا کر کھا جاتے ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے حلال اور حرام کے متعلق صریحی اور قطعی نصوص کو ترک کر دیا جاتا ہے اور بعض ظنی اور بعید از قیاس آیات و احادیث سے استدلال کر کے حرام کو حلال بنا دیا جاتا ہے۔ اس پر آشوب زمانے میں لقمہ حلال کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر چیز حلال اور مباح کر دی ہو اور جو کچھ کرے کہے۔ کھائے پیئے اس کے متعلق اس سے جواب طلبی نہ ہو۔ یعنی اس کو مختار کل بنا دیا ہو جو جی میں آئے کرے۔ اگرچہ یہ بات بہت عجیب و غریب ہے۔ اور اس کا ثابت کرنا قوانین شریعت سے بہت مشکل ہے۔ لیکن صوفیاء کے نزدیک یہ چیز کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مردِ کامل صفات باری تعالیٰ سے متصف اور اخلاق حق تعالیٰ سے متعلق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ سارے جہاں کا مالک ہوتا ہے۔ و للمالک ان یتصرف فی ملکه کیف یشا (مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے) اب خدا بہتر جانتا ہے کہ اس مرتبہ پر کس کو رسائی ہوتی ہے اور دوم یہ ہے کہ وہ مرد اشیاء کی نوعیت تبدیل کرنے پر قادر ہو اور ظاہراً تو یہ نظر آتا ہے کہ جو رزق باہر سے آتا ہے وہی اس کے ہاں خرچ ہوتا ہے لیکن دراصل وہ رزق خرچ نہیں ہوتا بلکہ خزانہ غیب سے اس کو اور رزق ملتا ہے اور وہی خرچ ہوتا ہے۔ فرمایا اس مضمون پر

حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ' کی ایک حکایت منقول ہے جس سے مندرجہ بالا امور میں سے ایک امر ثابت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ مولانا فخر الدین رازی [1] نے حضرت سلطان المشائخ کے لنگر سے کھانا کھانا ترک کر رکھا تھا۔ جب حضرت شیخ نے پوچھا کہ فخر کیوں نہیں آتا تو لوگوں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ لنگر میں قسم قسم کی چیزیں آتی ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ کیسی ہوتی ہیں۔ حضرت شیخ تو مرد کامل ہیں انکو تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن ہماری حالت اور ہے۔ حضرت شیخ نے ان کو طلب کر کے فرمایا کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ ہمارے حلق میں لقمہ حرام جاتا ہے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے گھر میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے کل قیامت کے دن اس کے جواب دہ اور ضامن ہم ہیں۔ اس کے بعد مولانا فخر الدینؒ نے لنگر سے کھانا شروع کر دیا کیونکہ یا تو شیخ مالک اور متصرف ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے یا اس کے پاس دوسرا خزانہ ہے جس سے وہ خرچ کرتا ہے۔

نادار مشائخ کی بے بہا دولت

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک ترک تھا جس کو کوئی گھوڑا موافق نہیں آتا تھا۔ جو گھوڑا خریدتا تھا اس کے پاس نہیں رہنے پاتا تھا۔ ایک دن وہ کچھ نذرانہ حضرت شیخ کے پاس لایا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے اس نے عرض کیا کہ مجھے کوئی گھوڑا راس نہیں آتا ہے اب یہ نذرانہ پیش خدمت ہے۔ میں ایک گھوڑا خریدنا چاہتا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ وہ راست آ جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اپنا نذرانہ لے جاؤ۔ گھوڑا خرید لو تجھے راست آ جائے گا۔ حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں۔ کسی سے نہ کہنا۔ اس نے عرض کیا کہ کسی سے نہیں کہوں گا۔ آپ نے دریائے جمنا کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ دیکھو جب اس نے دریا کی طرف نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے دریا میں پانی کی جگہ سونے کے دینار بہہ رہے ہیں۔ پانی نہیں ہے دینار ہی دینار ہیں۔ یہ تماشا دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا۔

رزق حلال کے لیے چھان بین

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک آدمی حضرت شیخ بشر حافیؒ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا

[1] مولانا فخر الدین زرداریؒ حضرت سلطان المشائخ کے ان دس نامور خلفاء میں سے تھے جن کو عُرف عام میں عشرہ مبشرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کہ آج رات ہمارے ہاں رہو۔ میرا ایک بھائی ہے جو ہمارے پاس روٹی بھیجتا ہے۔ جس کے ذریعے میری بیوی تاگے بنا کر فروخت کرتی ہے اور ہم روٹی خریدتے ہیں۔ اس نے کہا معلوم نہیں یہ روٹی مال حلال سے ہے یا حرام سے۔ انہوں نے کہا ہم نے تحقیق کر لی ہے وہ مال حلال ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے کئی سالوں سے بینگن کے بھجیہ کے سوا کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے کہا آج ہم نے وہ بینگن کی بھجیہ پکائی ہے اس نے جواب دیا کہ اگر میں کسی کے گھر میں کھانا کھاتا تو ضرور آپ کے گھر میں بھی کھاتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ اور شیخ وہبؒ اکٹھے بیٹھے تھے۔ شیخ وہب نے کہا کہ اس ملک میں کھجور خوب ہوتے ہیں۔ حضرت فضیلؒ نے جواب دیا کہ ہاں، اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن جب سے بادشاہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے یہاں کھجوروں کا باغ لگایا ہے اس کی حلاوت ختم ہوگئی ہے۔ جونہی شیخ وہبؒ نے یہ بات سنی اُن پر ہیبت طاری ہوئی اور نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پیر حضرت شیخ ابوسعید تبریزیؒ کے پاس بادشاہ نے ایک اشرفیوں کا تھیلہ بطور نذرانہ بھیجا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد بادشاہ کے آدمی نے وہ تھیلا حضرت شیخ کے مریدین اور خادموں کو پیش کیا۔ لیکن کسی نے قبول نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ایک خادم کی لڑکی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی تھی اس نے تھیلہ اس کو دے دیا اور کہا کہ اس کو کسی نے قبول نہیں کیا اب تم اسے خیرات کر دو۔ ایک دن حضرت شیخ کے ہاں بہت تنگی تھی۔ اور سات روز تک گھر میں فاقہ رہا۔ بھوک سے ان کی یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے لیے کھڑا ہونا دشوار تھا۔ اس حالت میں خادم نے آپ کو ایک روٹی کا ٹکڑا لا کر دیا اور آپ نے کھا لیا اور رات کو جب آپ یادِ الٰہی میں مشغول ہوئے تو حسبِ معمول جو واردات ہوتے تھے ان میں کمی محسوس کی۔ اس سے آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور دل میں چند روز کا محاسبہ کرنے لگے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے لیکن سوائے اس روٹی کے ٹکڑے کے اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ جب آپ نے خادم کو طلب کر کے دریافت فرمایا کہ وہ روٹی کا ٹکڑا کہاں سے لائے تھے تو اس نے صاف بتا دیا کہ وہ اشرفیوں کا تھیلہ جو آپ نے قبول نہیں فرمایا تھا۔ میری لڑکی نے لے لیا تھا اور یہ روٹی ہم نے اسی مال سے تیار کی تھی۔ جب آپ نے یہ بات سُنی تو اس خادم کو اپنی خانقاہ سے نکال دیا کہ تم میرے دوست نہیں دشمن ہو۔

بروز چہار شنبہ روز عید یکم ماہ شوال ۸۰۲ھ

بلند ہمت ماں کی بلند وصیت

عید کے روز اوّل وقت ہی حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ عید کے دن حضرت بی بی فاطمۃ الزھراؓ نے اپنے بیٹے حضرت امام حسینؓ سے فرمایا کہ آج عید ہے۔ رسول خدا ﷺ تم لوگوں کو خوش وخرم کرنے کے لیے تم پر مہربانی، لطف وکرم فرماویں گے۔ لیکن تم کو چاہیے کہ خوش نہ ہونا۔ اگر وہ تم کو گلے سے لگائیں تو گلے لگ جانا لیکن خوشی کا اظہار نہ کرنا بلکہ خاموش رہنا۔ جب آنحضرت ﷺ دریافت کریں کہ ناخوشی کی کیا وجہ ہے تو تم یہ جواب دینا کہ آج عید کا دن ہے۔ ہر شخص اپنے بچوں کو عیدی دے رہا ہے۔ لیکن آپ نے ہمیں عیدی نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ فرمادینگے کہ ہم نے تمہیں فلاں فلاں گھوڑا عیدی کے طور پر دیا ہے۔ لیکن تم کہنا کہ ہم دنیا لے کر کیا کریں گے۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ متاع دنیا کوئی چیز نہیں ہے۔ جب آنحضرت ﷺ تم کو متاع اُخروی عنایت کریں تو تم وہ بھی قبول نہ کرنا اور یہ کہنا کہ آپ وعدہ کریں کہ جو کچھ ہم طلب کریں آپ عنایت فرماویں گے۔ جب آپؐ وعدہ کریں تو تم عرض کرنا حضور شب معراج حق تعالیٰ نے جو راز آپ کو بتایا تھا ہمیں اسی راز سے آگاہ فرمادیں ہم جب راضی ہوں گے۔ چنانچہ حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ اسی مطابق رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور تمام سوال وجواب کے بعد جب آپ نے وعدہ کیا تو انہوں نے شب معراج کے راز کی فرمائش کی۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے اور سوچ کر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے یہ راز افشا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں کس طرح تم کو بتا سکتا ھوں۔ لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہنے لگے کہ ہم کوئی چیز قبول نہیں کرتے اس سے آنحضرت ﷺ ذرا تامل کرنے لگے تو جبرائیلؑ نے آکر عرض کیا کہ چونکہ یہ دونوں بچے آپ کے جزو اور ایمان ہیں جو کچھ ان کو بتاؤ گے روا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک بات حضرت امام حسنؓ کے کان میں اور ایک امام حسینؓ کے کان میں کہی اور دونوں بھائی خوشی سے دوڑتے ہوئے والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ جب حضرت بی بی فاطمہؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کیا راز بتایا ہے تو حضرت امام حسنؓ نے کچھ اور کہا اور امام حسینؓ نے اور کہا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ گھر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سب لوگ بے حد خوش وخرم ہیں۔ آپؓ نے دریافت فرمایا کہ آج تم لوگ اس قدر خوش کیوں ہو رہے ہو۔

کیا عید کی وجہ سے خوش ہو یا کوئی اور وجہ ہے۔ جب حضرت بی بی فاطمہؓ نے ان کو بتایا کہ آج شب معراج کے راز کی وجہ سے ہم خوش ہیں۔ تو آپ نے تبسم کیا اور فرمایا کہ وہ راز تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے شب معراج کی صبح کو بتا دیا تھا۔ حضرب بی بی فاطمہؓ نے فرمایا کہ پھر آپ نے ہمیں کیوں محروم رکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے آپ لوگوں کو محروم نہیں رکھا بلکہ میں اسی انتظار میں تھا کہ اس راز کے لیے قابلیت' لیاقت اور استعداد پیدا ہو جائے۔ اب جبکہ خدا تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نے تم کو اس کے لائق سمجھا ہے۔ تو میں بھی بتاتا ہوں لیکن جب انہوں نے راز بتایا تو اس سے مختلف تھا جو حضرت امام حسنؓ نے یا حضرت امام حسینؓ نے بتایا تھا۔ چنانچہ اب اس راز کے چار مختلف مفہوم ہو گئے حضرت علیؓ نے کچھ کہا۔ حضرت امام حسنؓ نے کچھ' امام حسینؓ نے کچھ اور حضرت بی بی فاطمہؓ نے کچھ اور بتایا[1]۔

پنجشنبہ ۲۔ شوال ۸۰۲ھ

قاضی منہاج الدین کے کمالات بغیر بیعت

حضرت مخدوم کے روز نامہ دار قاضی منہاج کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک متواتر پچاس سال حضرت مخدوم (حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ) کی خدمت میں رہے۔ ایک دن میں نے اُن سے کہا کہ تیار ہو جاؤ میں آپ کو حضرت مخدوم کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ اور بیعت کراؤں گا۔ یہ سن کر انہوں نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ جس روز بیعت کرانے کا ارادہ تھا وہ نہ آئے۔ اس سے میں رنجیدہ خاطر ہوا۔ کہ دیکھو مجھ سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور میرے شیخ سے بیعت بھی نہیں کرتے اور جب میں نے خود بیعت کے لیے کہا ہے پھر بھی نہیں آئے۔ جب میں نے اپنے دوست مولانا علاؤ الدین کو اسبات کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا معلوم ہے وہ کیا کہتے ہیں ان کی بھی سننی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مخدوم بادشاہ ہیں اور ساری خلقت ان کے تابع فرمان۔ میں ناچیز کیا ہوں۔ کہ اُن سے ہدایت طلب کروں اور آپ میری طرف توجہ کریں اور تربیت کریں۔ حضرت مخدوم کے وصال کے بعد بھی وہ مجھے اپنا دوست

[1] راز میں یہ اختلاف مبنی تھا۔ اختلاف استعداد و قابلیت و منصب پر۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ راز ایک تھا لیکن مختلف استعداد اور مختلف منصب کے حضرات نے مختلف معانی سمجھے۔

اور پیر بھائی سمجھتے رہے۔ لیکن میری پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ اگر وہ خلق خدا کی ہدایت کے لئے مسند پر بیٹھتے اور دست بیعت دراز کرتے تو میں انکے ساتھ بیعت ہوتا۔ غرضیکہ چالیس سال تک انہوں نے بیعت نہ کی اور آخری عمر میں بیعت کی۔ اس پوری مدت کے دوران بھی جوانی سے پیری تک انہوں نے بیعت کی کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے صاف طور پر یا کنایۃً اُن سے بیعت کے لئے کہا۔ آخر پچاس سال کے بعد بڑھاپے میں انہوں نے بیعت کی۔ بندہ راقم الحروف عرض کرتا ہے۔ حضرت شیخ (حضرت بندہ نواز) کے فیض صحبت سے انہوں نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ سیر وسلوک کے بارے میں جو کلام کرتے تھے مشائخ شہراور ہندوستان اور ترکستان کے صوفیا کرام اسکے سمجھنے سے قاصر رہتے تھے[1]۔

بیعت نہ ہونے کی ایک عجیب وجہ

اسی طرح خواجہ محمد پردہ دار باوجودیکہ یہ کہ مدت تک خدمت اقدس میں رہے۔ لیکن بیعت نہ کی اور آخری عمر میں شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اور بیعت ہوتے ہی جان بحق ہو گئے۔ جب لوگ اُن سے پوچھتے تھے کہ بیعت کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب دیتے تھے کہ میں اس لیے بیعت سے باز رہا کہ مجھے حضرت شیخ کے متعلق کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ لیکن چونکہ میں شب وروز حضرت اقدس کی خدمت میں رہتا تھا۔ لوگ مجھ سے پوچھتے تھے کہ تم مرید ہو۔ میں جواب دیتا تھا کہ مرید نہیں ہوں۔ اگر میں مرید ہوا ہوتا تو لوگ خیال کرتے کہ یہ مرید ہے اس لیے اپنے پیر کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن جب مرید نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی تعریف کرتا تھا تو لوگوں کو اعتبار آ جاتا تھا۔ اس وجہ سے میں آخر عمر تک مرید نہ ہوا۔ جب بوڑھا ہوا تو خیال آیا کہ زندگی کا اعتبار نہیں معلوم نہیں کب اجل آ جائے۔ اور میں اس سعادت سے محروم رہ جاؤں۔ چنانچہ جونہی انہوں نے بیعت کی اجل آ گیا اور رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔

حج کے فوائد اور دشواریاں

اس کے بعد ایک صوفی صورت آدمی آیا وہ گھر سے حج کی نیت سے نکلا تھا۔ آپ نے اس

[1] بیعت کے بغیر کمالات کی وجہ یہ تھی کہ بیعت تو ایک رسم ہے۔ اصل چیز صحبت شیخ ہے جس سے ان کے مراتب بلند ہوتے رہے۔ نیز اس زمانے میں موجودہ زمانے کی طرح بیعت کے لیئے بعض مشائخ کے ہاں کوئی خاص رسم بھی نہیں ہوتی تھی۔ جو شخص صحبت حاصل کرتا تھا۔ فیض یاب ہوتا تھا۔

سے فرمایا کہ حج اچھا کام ہے۔ لیکن سمندر کا سفر بہت برا سفر ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سے امور دین کا ہرج ہوتا ہے۔ اس سے ایک تو سِترِ برہنگی کا پورا اہتمام نہیں ہوسکتا۔ کبھی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اور ایک اَوراد فوت ہو جاتے ہیں' استنجا اور وضو اچھی طرح نہیں ہوسکتا۔ پانی کی قلت ہوتی ہے۔ مرد اور نامحرم عورتیں یکجا ہوتی ہیں اور وضو کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے سامنے اعضا کھولنا پڑتے ہیں۔ لہذا مرد دیندار کے لیئے مناسب نہیں کہ ایک نفل[1] پر عمل کرنے کی خاطر اتنے فرائض ترک کرے۔ ہم نے اُن سے دریافت کیا کہ بجز اس کے کہ تم نے طواف کیا' سعی کی' نمازیں پڑھیں اور کعبۃ اللہ کی زیارت کی کچھ اور بھی حاصل ہوا۔ انہوں نے جواب دیا کہ بس یہی کچھ نصیب ہوا۔ ہم نے کہا کہ اہل اللہ کے نزدیک یہ حج مقبول و مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اہل اللہ کا حج اور ہوتا ہے (اسبات کو سمجھنے کے لیئے ملاحظہ ہو کتاب تیح المقربین جس میں ارکان حج کے باطنی اسرار و رموز بتائے گئے ہیں۔)

مقربین کا حج خانہ کی نہیں صاحبِ خانہ کی زیارت ہے

ایک دفعہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ حج کو گئے جب لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا حج قبول ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ لوگوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا اس وجہ سے کہ میں نے اسی سنگ و خشت اور مٹی کو دیکھا جب خانہ خدا پر نظر کی تو خانہ دیکھا صاحبِ خانہ کو نہ دیکھا۔ دوسرے سال جب حج پر گئے تو لوگوں نے پوچھا کہ قبول ہوا یا نہیں فرمایا۔ اس سال قبول کی کچھ علامت نظر آئی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا علامت تھی۔ فرمایا میں نے خانہ خدا اور صاحبِ خانہ دونوں کو دیکھا۔ جب تیسرے سال حج کو گئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اس سال حج کیسے رہا۔ فرمایا کہ اس سال سب صاحبِ خانہ تھا۔ خانہ نہیں تھا۔ اب ہمارا حج قبول ہوا ہے۔

اہمیت مجاہدہ

اس کے بعد مجاہدہ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ اس کی اہمیت پر بڑا زور دیا اور یہ شعر پڑھا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو نے روی بہ ترکستان است

---

[1] حج اگرچہ فرائض میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن غریب کے لیئے فریض نہیں ہے نفل ہے۔ نیز جس نے ایک دفعہ فریضہ حج ادا کرلیا اس کے لیئے دوسرا تیسرا حج نفل بن جاتا ہے۔ حضرت شیخ کی یہی مراد ہے۔

(اے سفر کرنے والے مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ جو راستہ تم نے اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ ترکستان کو جاتا ہے۔) اس کے بعد آپ نے یہ رباعی پڑھی۔

عیاراں راز خار باشد قفرش ٗ عیار نہٗ پائے از میں راہ بکش

تادر نہ زنی بہر چہ داری آتش ہرگز نہ شود حقیقت عیش تو خوش

(عقلمند وہ ہے جو خار کا بستر بناتا ہے۔ اگر تو عقلمند نہیں تو یہ راستہ مت چل جب تک تو دوست کا دروازہ نہیں توڑے گا ترا عشق کس کام کا ہے۔ اس طرح تجھے مقصود ہرگز حاصل نہیں ہوگا۔)

فساد دنیا و اہل دنیا

اس کے بعد دنیا اور اہل دنیا کے فتنہ و فساد کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ جو شخص دنیا میں آیا اس کا ہو گیا۔ خواہ وہ عاقل ہے، عالم، مفتی، مجتھد ہے یا شیخ اور دانشمند ہے دنیا میں آ کر بدل جاتا ہے۔ یہ دنیا کہ خاصیت ہے۔ کتاب جامع الکبری میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ کسی نے خلیفہ وقت کے سامنے امام محمدؒ [1] کا بہت ذکر کیا تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان کو اپنے پیش امام ہونے کی خدمت سپرد کر جائے جب امام ابو یوسف کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر اپنے آپ کو پیش کیا اور امام محمدؒ کے متعلق کہا کہ وہ معذور ہیں امامت ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو مسلسل بول کی بیماری ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے ان کی بہت تعریف سنی ہے۔ ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ امام ابو یوسف نے امام محمدؒ کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ لیکن آپ کو چاہیے کہ اس سے زیادہ بات نہ کرنا اور نہ ہی زیادہ دیر بیٹھنا کیونکہ وہ جلد ہی تنگ آ جاتا ہے۔ یہ انتظام کر کے وہ امام محمدؒ کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بیٹھتے ہی امام ابو یوسف نے موذن کو اشارہ کیا کہ اذان کہو۔ جب اس نے اذان کہی تو انہوں نے امام محمدؒ کو اشارہ کیا کہ چلئے نماز پڑھ لیں۔ جب وہ نماز کے لیئے مسجد میں چلے گئے تو امام یوسف نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ وہ سلسل بول کی بیماری میں مبتلا ہیں اور زیادہ دیر تک وضو کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اب وہ وضو کے لیئے چلے گئے ہیں۔ جب امام محمد کو معلوم ہوا کہ میری نسبت انہوں نے سلسل بول کا

---

[1] حضرت امام محمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد تھے۔ آپ کا زمانہ خلفائے بنی عباس کا زمانہ تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے بڑے شاگرد امام ابو یوسف تھے جو بادشاہ کے وزیر بھی تھے لیکن امام محمدؒ دنیاوی عہدوں سے الگ رہ گئے۔

غلط الزام لگایا ہے تو فرمایا کہ انہوں نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا خدا اس کو سچ مچ سلسل بول میں مبتلا کرے گا۔ چنانچہ وہ آخر عمر تک سلسل بول میں مبتلا رہے۔ بلکہ ان کی موت کی وجہ بھی یہی بیماری تھی۔ (عجیب حکایت ہے لیکن یہ حکایت مجھے کسی مستند کتاب میں نہیں ملی از محشی)

حضرت معین الدین چشتیؒ کی دہلی آمد

عشاء کی نماز کے بعد احقر نے عرض کیا کہ آیا حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ' کا وصال ایام غیاثی[1] میں ہوا۔ فرمایا جو حکایت بیان کی جاتی ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایام شمسی[2] میں ہوا۔ عرض کیا کہ وہ حکایت کس طرح ہے۔ فرمایا شیخ الاسلام معین الدینؒ اجمیر سے تشریف لائے تو حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے بڑے تپاک سے استقبال کیا جس طرح کہ ایک مرید اپنے پیر کے لیئے آتا ہے۔ کوئی کمی نہ کی۔ جب گھر پہنچے تو حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے عرض کیا کہ حضور نے بڑا کرم فرمایا ہے کہ اس شہر کو اپنے قدموں کی برکت سے منور فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ بزرگؒ نے فرمایا۔ بابا بختیار! میرے بیٹے زراعت کرتے ہیں۔ اب اس کے لئے شاہی فرمان کی ضرورت ہے۔ بیٹوں نے مجھے مجبور کیا کہ دہلی جا کر فرمان حاصل کیا جائے۔ چونکہ آپ مجھ سے پہلے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اب بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔ خواجہ قطبؒ نے عرض کیا کہ حضور یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ آپ خاموش ہو کر بیٹھ جایئے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا اچھا جس طرح ہو سکے۔ یہ کام انجام دو۔ چنانچہ حضرت خواجہ قطبؒ سلطان شمس الدین التمش کے پاس چلے گئے۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حضرت اقدس تشریف لائے ہیں تو تخت سے اتر کر دوڑتا ہوا آیا اور دوسرے صحن میں پہنچ کر آپکا استقبال کیا اور اُسی جگہ مسند لگوا کر بیٹھ گئے۔

چونکہ بادشاہ کئی بار حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا۔ لیکن زیارت سے محروم رہا۔ کیونکہ حضرت شیخ دروازہ نہیں کھولتے تھے۔ اب کی دفعہ حضرت اقدس کو اپنے گھر پر دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا کہ حضور کس وجہ سے اس بندہ پر نوازش فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے شیخ

---

[1] ایام غیاثی سے مراد غیاث الدین بلبن کا زمانہ ہے۔

[2] ایام شمسی سے مراد سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ ہے۔

اجمیر سے فلاں کام کے لئے تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ نے اُسی جگہ پر بیٹھے ہوئے فوراً فرمان لکھ کر مہر لگادی۔ اسی اثناء میں شہر کے قاضی مولانا نجم الدین صفرا اور مولنا شمس الدین حلوائی بھی آ گئے اور حضرت خواجہ قطبؒ سے بالا کی طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی اس پر مولانا حلوائی نے کہا کہ لوگ خواجہ قطبؒ کو کھکی کہتے ہیں اور مجھے حلوائی۔ چونکہ حلوا کا مرتبہ کعک (روٹی) سے بلند ہے۔ اس لئے میں اوپر کی طرف بیٹھا۔ بادشاہ سن کر زیادہ ناراض ہوا اور ان دونوں سے کہا کہ آپ اپنے مقام پر بیٹھیں۔ چنانچہ مولانا حلوائی باہر چلے گئے۔ اس کے بعد مولانا نجم الدین کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ نے اُن سے بھی کہا کہ آپ اپنے مقام پر جا کر بیٹھیں وہ بھی چلے گئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمان مکمل کیا اور دولت کے تھیلے سمیت حضرت شیخ کو پیش کیا۔ فرمان کے بعد الفاظ سوکھنے نہ پائے کہ حضرت خواجہ بزرگؒ کی خدمت میں جا کر پیش کیا اور وہ زر کا تھیلہ بھی آپ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ زمین کا فرمان ہے۔ اور اس تھیلے میں نذرانہ ہے۔ لیکن تھیلے کو دیکھ کر حضرت خواجہ صاحبؒ کی طبیعت پر گرانی محسوس ہوئی کیونکہ یہ آپ کے مزاج کے موافق نہ تھا۔

چونکہ شیخ نجم الدین صغریٰ اور حضرت خواجہء بزرگؒ کے درمیان دیرینہ صحبت تھی۔ حضرت اقدس ان کو ملنے کے لئے ان کے گھر پر تشریف لے گئے۔ شیخ نجم الدین بیٹھے گھر کا چبوترا مرمت کرا رہے تھے۔ حضرت خواجہ بزرگ کو دیکھ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ جب حضرت خواجہ صاحب اس طرف گئے تو اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ بزرگؒ نے فرمایا کہ مولانا نجم الدین اس روگردانی کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ شہر کے شیخ الاسلام بن گئے ہیں۔ آخر اس سے ملاقات ہوئی اور بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی شیخ نجم الدین نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے شکایت کی کہ آپ نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ قطب الدین بختیار کو مجھ پر بلا بنا کر بھیج دیا ہے۔ جس سے سارا شہر اُن کا مطیع ہو گیا ہے۔ اور ہماری بات کوئی نہیں پوچھتا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آپ پر یہ بات گراں گزری ہے تو میں ان کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ بہت اچھا ہو گا۔ مکان پر پہنچ کر حضرت خواجہ بزرگؒ نے فرمایا بابا بختیار اس شہر میں آپ کا رہنا ٹھیک نہیں شہر کے بزرگ آپکے دشمن ہو گئے ہیں۔ آپ میرے ساتھ واپس چلنے کے لئے تیار

ہو جائیں۔ میں آپ کو شیخ بناتا ہوں اور آپ کا خادم بنتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت خواجہ قطب دوڑ کر خواجہ بزرگؒ کے قدموں میں گر گئے۔ اور عرض کیا کہ حضور میں آپ کے گھرانے کا غلام ہوں میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہو سکتی ہے کہ حضور کی خدمت میں حاضر رہوں۔ یہ کہہ کر آپ حضرت خواجہ بزرگؒ کے ہمراہ روانہ ہو پڑے۔ حضرت خواجہ بزرگؒ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت خواجہ قطبؒ حضرت شیخ کا تھیلہ گلے میں ڈالے ہوئے آگے دوڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ساری خلقت حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے لئے نکل آئی اور سب لوگ آپ کے پیچھے ہو لئے۔ اور جس جگہ پر خواجہ قطب الدینؒ پاؤں رکھتے تھے لوگ وہاں کی مٹی اٹھا کر تبرک بنا لیتے تھے۔ یہ سما ں دیکھ کر حضرت خواجہ بزرگؒ نے فرمایا بابا بختیار اس شہر کے لوگ تو تمہارے پاؤں کی مٹی کو نہیں چھوڑتے۔ بہتر ہے کہ یہیں رہ جاؤ۔ چنانچہ ان کو واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد آپ دو تین ماہ رہے [1]۔ حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ' کا وصال سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں ہوا۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ ایک حکایت یہ بھی ہے کہ سلطان شمس الدین کے بعد اس کی بیٹی رضیہ سلطانہ نے سات سال حکومت کی۔ جب اس کے زمانے میں ظلم و ستم اور فتنہ و فساد زیادہ ہوا تو شیخ احمد گوجرہ' شیخ کریم الدین اور شہر کے دوسرے صوفیاء کرام حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے دروازہ پر جا کر بیٹھ گئے کہ اس کو تخت سے ہٹایا جائے۔ حتٰی کہ وہ چالیس دن بیٹھے رہے اور رضیہ سلطانہ تخت سے اتاری گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ قدس سرہ' کا وصال سلطان شمس الدین کے زمانہ میں نہیں ہوا۔ فرمایا ہاں یہ حکایت بھی مشہور ہے لیکن جو حکایت ہمارے صوفیاء کے ہاں بیان کی جاتی ہے۔ وہی پہلی حکایت ہے اور یہ دوسری حکایت بھی بیان کی جاتی ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ حقیقت حال کیا ہے۔

شیخ سے گستاخی کا حشر

اسی مضمون پر فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہؒ (حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ) نے فرمایا کہ شیخ مجد الدین بغدادیؒ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ' کے مرید تھے لیکن خلق خدا کی توجہ

1 یعنی اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ دو تین ماہ قید حیات میں رہے اور پھر وصال ہو گیا۔

اورلوگوں کا ہجوم شیخ نجم الدینؒ کی نسبت شیخ مجد الدینؒ کے ہاں زیادہ رہتا تھا۔ جب لوگوں نے اس کا ذکر حضرت شیخ مجد الدینؒ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پھر کیا ہو گیا۔ جب بطغ کا انڈہ مرغی کے نیچے رکھا گیا تو ظاہر ہے کہ بطغ پیدا ہوگی۔ جب پانی سامنے آیا تو بطغ کود کر پانی میں چلی گئی اور تیرنے لگی۔ لیکن مرغی کنارے پر کھڑی رہی۔ جب حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا مجد (مجد الدین) سر کی بازی لگا رہا۔ چنانچہ یہی ہوا ان کے تمام مریدین مخالف ہو گئے اور حملہ کر کے سر تن سے جدا کر دیا۔ اس پر مولانا برہان الدین غریبؒ نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ شیخ مجد الدین نے مرید ہوتے ہوئے اپنے پیر کے خلاف یہ بات کس طرح کہی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ بات وہاں سے آنے والوں سے سنی ہے۔ معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط۔

بروز جمعہ ۳ شوال ۸۰۲ھ

اپنے منصب کا حق ادا کرنا

چاشت کے وقت ہر طائفہ کے منصب کے حقوق کی ادائیگی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہر منصب کے آدمی کے ذمہ کچھ حقوق ہوتے ہیں اور اُن حقوق کا ادا کرنا اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ ہر آنے والے کے ساتھ مناسب سلوک کرے۔ اگر یہ نہیں کرے گا تو بدنام اور خوار ہوگا۔ اسی طرح جو شخص پیر ہے اور مشائخیت کی مسند پر بیٹھا ہے جو شخص اس کے پاس آئے اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرے اور وہی بات کہے جو اس کے لئے مفید ہے۔ یہ اس کی نیک بختی ہوگی۔ غرضیکہ حق کا ادا کرنا بہت بڑا اور بہت مشکل کام ہے۔ اور جو کوئی شخص کسی کا حق ادا کرتا ہے تو بدنام اور ماخوذ نہیں ہوگا۔ بلکہ محمود اور ممدوح ہوگا[1]۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص مرتبہ مشائخی پر فائز ہوتا ہے اس کی عزت ضروری ہے[2]۔ البتہ اگر منصب ہدایت اس کے سپرد نہیں ہے بلکہ ویسے قرب حق میں ہے یا قرب حق کا طلب گار ہے اگرچہ یہ مرتبہ بھی بڑا ہے لیکن یہ مقام مشائخیت سے کم ہے۔ جو شخص کہ مقام مشائخیت پر فائز ہوتا ہے۔ وہ یا تو مقام نزول میں ہوتا ہے[3]

---

1 یعنی سب اس کی تعریف کریں گے۔ اور خدا کے نزدیک بھی سرخرو ہوگا۔

2 یعنی لوگ بھی اس کی عزت کریں اور وہ خود بھی اپنے منصب کا وقار برقرار رکھے اور ذلیل کاموں میں حصہ نہ لے۔

3 مقام نزول سے مراد مقام فنا فی اللہ سے گزر کر مقام دوئی اور کثرت پر واپس آنا ہے۔

سیا مقام جمع الجمع[1] میں۔ ان دو حالتوں کے بغیر اس کو مقام مشائخی حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کے نو حرم تھے۔ ایک رات آپ ہر بیوی کے پاس نو مرتبہ تشریف لے گئے گویا اِکاسی مرتبہ یہ اسوجہ سے تھا کہ آپ کو مقام جمع الجمع حاصل تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ جنگ صفین میں آنکھیں بند کر کے تلوار چلا رہے تھے۔ شاید اُس روز کئی ہزار آدمی آپ نے تہ تیغ کیے۔ حتّٰی کہ عشاء کے وقت جب تمام لوگ جنگ چھوڑ کر خیموں میں آ چکے تھے۔ لیکن آپ تلوار چلا رہے تھے رات کے دو حصے گزرنے کے بعد آپؓ نے قتال بند کیا۔ جب واپس آئے تو آپ لہولہان ہو چکے تھے اور تلوار کے ساتھ آپ کا ہاتھ چمٹ گیا تھا کہ جدا نہیں ہوتا تھا۔ تلوار کا دستہ گوشت و پوست سے گذر کر ہڈی تک پہنچ چکا تھا اور انگلیاں اس کے ساتھ جکڑ گئی تھیں۔ آخر پانی کی ایک مشک ہاتھ پر ڈالنے سے خون حل ہوا اور آپکی انگلیاں قبضۂ تیغ سے علیٰحدہ ہوئیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ بھی مقام جمع الجمع میں تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ دو غزلیں میں نے کہی ہیں لکھ لو۔

پہلی غزل یہ ہے۔

۱۔ در روئے تو آں جمال دیدم   در صنع خدا کمال دیدم

۲۔ ابروئے تر سجود آرام   چہ قبلۂ اہل حال دیدم

---

[1] مقام جمع الجمع کا سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ مقام جمع سے مراد فنافی اللہ ہے اور جمع الجمع یا جمع جمع سے مراد بقاباللہ ہے۔ جب سالک بیک وقت فانی فی اللہ بھی ہوتا ہے اور اپنی خودی بھی برقرار رکھ سکتا ہے۔ مقام بہت بلند ہے۔ اور خواص کے حصے میں آتا ہے۔ اس مقام کا دوسرا نام نسبت جامعہ بھی ہے۔ اس مقام پر اگرچہ سالک واصل باللہ ہوتا ہے۔ لیکن غایت شوق اور شورشِ عشق کی وجہ سے اپنے آپ کو مہجور محسوس کرتا ہے۔ ''من واصل و مہجورم'' سے یہی مقام مراد ہے۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ذاتِ حق اور اس کے حسن و جمال کی کوئی حد نہیں ہے۔ سالک قربِ حق اور وصال محبوب میں جس قدر ترقی کرتا ہے اُسے ہر وقت اُوپر قرب و وصال کی نئی منزل نظر آتی ہے۔ جب وہاں رسائی ہوتی ہے تو اوپر اور منزل نظر آتی ہے۔ غرضیکہ نہ منازل ختم ہوتی ہیں نہ اس کے سوز و گداز میں کمی آتی ہے۔

سعدیؒ فرماتے ہیں   زحنش عنایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بہ میرو تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

کسی نے خوب کہا   ہمہ عمر با تو قدح زدیم نرفت رنج خمار ما
چہ قیامتے کہ نمے رسی زکنارِ ما بکنار ما

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں   یار نزدیک ترا ز من بمن است
ویں عجب ترکہ من از وے دورم

۳۔ اہل سخنم و بے زبانم در وصف لب تو لال دیدم

۴۔ ترکیبِ وجود آں جواں مرد بر نقطہء اعتدال دیدم

۵۔ یک روز بہ گشتِ باغ رفتم برقد تو یک نہال دیدم

۶۔ گویند بہ سرو و نخل ماند من طوبیٰ را مثال دیدم

۷۔ گر حکم کند بحال ابوالفتح از جان و دل امتثال کنم

۱۔ اے محب ترے رخ انور میں میں نے وہ حسن و جمال دیکھا کہ خدا کی قدرت یاد آ گئی۔

۲۔ میں نے تیرے خم ابرو کو محراب بنا کر سجدہ کیا اہل حال کا کیا ہی اعلیٰ قبلہ ہے[1]۔

۳۔ مجھے لوگ اہل سخن یعنی شاعر کہتے ہیں لیکن میں تو بے زبان ہوں اور تیرے لبِ لال کی تعریف میں میری زبان لال ہوگئی ہے۔

۴۔ میرے محبوب کا قد و جود کس قدر متناسب ہے کہ اعتدال کے عین مطابق ہے۔

۵۔ ایک دن جب باغ کی سیر کو گیا تو ہر سرو کو تیرے قد کا عکس پایا۔

۶۔ لوگ کہتے ہیں کہ محبوب کا قد سرو کی مانند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ طوبیٰ یعنی بہشت کا مبارک درخت ہے۔

۷۔ ابوالفتح (آپ کا تخلص ہے) اگر دوست جان حکم کرے تو جان و دل دونوں قربان کروں۔)

دوسری غزل یہ ہے۔

۱۔ منم در عشق بازی پیر گشتہ ولایت درد غم رامیر گشتہ

۲۔ نہم سر در پریشانی ضرورت کہ زلف پاکشاں زنجیر گشتہ

۳۔ مگر جعدش بہ پیچیدہ در گلویم شدم دیوانہ تزدیر گشتہ

۴۔ وضوئے عشق رابر قول عشاق زخون دیدگاں تقدیر گشتہ

۵۔ جوانی عشق در پیری فراغت تو گوئی مشک بودست سیر گشتہ

۶۔ مرا عمر یست در خوباں گز شتم بہ تقوی و عبادت دیر گشتہ

---

[1] خلق خدا محراب کعبہ کے آگے سجدہ کرتی ہے۔ لیکن عاشق کا سجدہ سنگ وخشت سے گذر کر خود محبوب کے خم ابرو کا محراب ہوتا ہے۔ یعنی عاشق بہشت اور حور وقصور کے لئے عبادت نہیں کرتا بلکہ رخ انور محبوب کا طلبگار رہتا ہے۔ اور یہی اسلام ہے۔ کیونکہ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھو کہ گویا محبوب حقیقی کا دیدار کر رہے ہو۔ اگر دیدار میسر نہیں آیا تو یہ خیال کر دوہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔

۷۔ مگر دارند خوباں استوارم شود وصلے بدیں تدبیر گشتہ

۱۔ میں ہوں کہ عشق بازی میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔اور درد غم کے ملک کا بادشاہ ہوں۔

۲۔ میرا دماغ اس لئے ہر وقت پریشان رہتا ہے۔کہ محبوب کی زلفِ پریشان میں پھنسا ہوا ہے۔

۳۔ بلکہ محبوب کی زلف میرے گلے کا ہار بن گئی ہے۔جس کی وجہ سے میں دیوانہ روزگار ہوں۔

۴۔ عشاق کے قول کے مطابق میں بھی خون دل سے وضو کرتا ہوں۔

۵۔ عشق جوانی کو زیب دیتا ہے۔اب بڑھاپے میں عشق سے فارغ ہوں یعنی اب سوز و گداز سے نکل کر آبِ قرب وحال سے سیراب ہو رہا ہوں۔گویا عشق ایک مشک تھا۔جس سے اب سیر ہو چکا ہوں۔

۶۔ ساری عمر عشق میں گزر چکی ہے۔اور تقویٰ اور عبادت نذر دریا ہو چکا ہے۔

۷۔ مجھے محبوب نے اپنی آغوش میں جکڑ رکھا ہے اور دولت وصل سے سرفراز ہوں۔)

وقت سے پہلے موت نہیں آتی حضرت خالد بن ولید کی وصیت

نماز جمعہ کے بعد اسبات پر گفتگو ہونے لگی کہ تقدیر کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔فرمایا ایک دلاور مرد میدان جنگ میں آتا ہے۔اُسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ مارا جاؤں گا۔اگر یہ خیال دل میں رکھے تو میدانِ جنگ میں نہیں آسکتا۔لوگ اس کے سامنے مر رہے ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی جگہ پر قائم ہے جب تک تقدیر نہیں آئے مر نہیں سکتا۔اگرچہ اسے بڑے زخم آتے ہیں۔جب تک تقدیر نہیں آتی زندہ رہتا ہے۔البتہ اگر اجل آگیا ہے تو ذرا سا زخم آتے ہی مر جاتا ہے۔اس مضمون کے مطابق یہ حکایت بیان فرمائی۔

حکایت

فرمایا حضرت خالد بن ولیدؓ جب اپنی بیماری سے فوت ہونے لگے تو لوگوں کو جمع کیا اور اپنا کپڑا کھول کر دکھایا کہ جسم کا ایک انچ بھی زخموں سے خالی نہ تھا۔بلکہ سارا جسم زخموں سے چور تھا۔آپ نے فرمایا کہ دوستو! دیکھو یہ تقدیر کی کارفرمائی ہے۔میں نے جس قدر جہاد کیا اور جنگیں لڑیں میرے دل میں یہی تمنا رہی کہ شہید ہو جاؤں لیکن چونکہ شہادت میری تقدیر میں نہ تھی میں مر نہ سکا۔اور چارپائی پر پڑا اونٹ کی موت مر رہا ہوں۔اس لئے اے لوگو بہادر بنو اور جہاد سے گریز نہ کرو۔موت

کا خوف دل سے نکال دو۔ کیونکہ تقدیر کے بغیر موت ہرگز نہیں آئے گی۔ ہاں جب تقدیر آ جاتی ہے تو معمولی بہانے سے مر جاتا ہے۔ پس موت کے خوف سے جنگ ترک نہ کرو۔ اور قدم مضبوط رکھو۔

عصر کی نماز کے بعد امراءِ سوء (برے امراء) کے مقربین کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ **اِنَّ لِلّٰہِ مَلکاً یَسُوقُ الاَھُل اِلیٰ الاَھُل** (یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل (ہم جنس) کو اہل کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے ہم جنس اپنے ہم جنس کو اپنی طرف کشش کرتا ہے۔ اور اس کشش کو پیغمبر اسلام ﷺ نے فرشتہ کہا ہے۔ فرمایا کہ جب تک کسی کو اس فرشتہ کے ساتھ نسبت غالب نہیں ہوتی یک جا نہیں ہو سکتے۔ اس کے اور مطالب بھی ہو سکتے ہیں لیکن اصل بات وہی ہے جو اوپر کہی گئی ہے۔

دنیا اور اہل دنیا کی فنا کا حال

عشاء کی نماز کے بعد دنیا اور دنیا داروں کی فنا (بے ثباتی) پر گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا جس وقت نوشیروان عادل کے زمانے میں اس کا وزیر حکیم بزرجمہر ہندوستان سے کلیلہ دمنہ [1] کو ایران لے گیا۔ نوشیروان نے وزیر سے کہا کہ مجھ سے جو چاہتے ہو طلب کرو۔ اس نے کہا متاع دنیا اس قابل نہیں کہ آپ سے طلب کروں اگر اجازت ہو تو دنیا اور اہل دنیا کی ایک مثال بیان کرو۔

مثال

ایک آدمی کے پیچھے ایک بہت بڑا مست اونٹ جو ہاتھی سے کم نہ تھا۔ اس کی ہلاکت کی خاطر دوڑ رہا تھا۔ وہ آدمی بھاگتا ہوا ایک کنوئیں کے کنارے پر پہنچا اور مست اونٹ سے بچنے کیلئے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ اس کنوئیں کے اندر ایک درخت تھا جس کی شاخ کو پکڑ کر وہ معلق ہو گیا۔ جب اس نے نیچے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اژدہا بیٹھا ہے۔ اس کے علاوہ اس کنوئیں کے چاروں کونوں پر چار سانپ دیکھے۔ ایک کا رنگ سیاہ تھا' دوسرے کا سفید' تیسرے کا زرد اور چوتھے کا سرخ تھا۔ اُسے دیکھ کر چاروں سانپ اسکو کاٹنے کے درپے ہو گئے۔ جس شاخ کے ساتھ وہ لٹکا

---

1 کلیلہ دمنہ ایک کتاب کا نام ہے۔ جس میں بیش بہا پند ونصائح درج ہیں نوشیروان کا وزیر حکم بزرجمہر یہ کتاب ہندوستان سے لے گیا اور اس کا فارسی میں ترجمہ کرا دیا۔ اس کے اندر بادشاہوں اور عام لوگوں کے لئے بے حد مفید نصائح درج ہیں۔ اس کتاب کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ ہمارے سکول کے ایام میں اس کتاب کے اقتباسات نصاب تعلیم میں شامل ہوتے تھے۔

ہوا تھا اسکو دو چوہے کاٹ رہے تھے۔ایک کا رنگ سفید دوسرے کا سیاہ تھا۔اب اگر وہ کنوئیں میں گرتا ہے تو اژدہا کے منہ میں جاتا ہے یا اُن چاروں سانپوں کے منہ میں۔اس درخت پر ایک شہد کا چھتہ بھی تھا۔ جسے وہ آدمی کھا کر منہ میٹھا کرنا چاہتا تھا۔

تشریح

مست اونٹ سے مراد موت ہے۔ایک سفید اور ایک سیاہ چوہے سے مراد دن اور رات ہے کہ اس کے نخل حیات کو کاٹ رہے ہیں۔سفید' سیاہ' زرد اور سرخ سانپوں سے مراد چار مزاج یعنی سودا' سفرا' بلغم اور دم ہیں۔ کہ ان میں سے جس کا غلبہ ہو جائے آدمی مر جاتا ہے۔شہید اور منہ میٹھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ عیش و عشرت کی تلاش میں رہتا ہے۔اور اس دنیا کی زندگی میں بقا اور درازی عمر طلب کرنا ایسا ہے کہ آدمی ایک کشتی میں سوار ہے اور خوب جانتا ہے کہ جو شخص اس دریا میں سفر کرتا ہے ضرور غرق ہو جاتا ہے۔اس دریا کا تحفہ موت ہے۔اس کے ساتھ باد و باران کا طوفان بھی شروع ہو جائے تو ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔اور نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔بالآخر غرق ہو جاتا ہے۔

شنبہ ۴ شوال ۸۰۲ھ

مشائخ کو چاہے اچھی صورت بنائیں

چاشت کے وقت اس کمترین بندگان نے وہ حدیث پڑھی جسکا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اکثر سر میں تیل لگاتے تھے اور داڑھی مبارک میں کنگھی کیا کرتے تھے۔اس سے کفار کے دل میں یہ گمان پیدا ہوا کہ شاید زیب و زینت کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔لیکن یہ بات نہیں ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ ہدایت خلق پر مامور تھے۔اور جو شخص ہدایت کا کام کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنا وقار قائم رکھے اور ایسی ہیئت بنائے کہ لوگوں کے دل میں ان کی قدر و منزلت پیدا ہو اور ایسی صورت نہ بنائے جو مضحکہ خیز ہو یا اس سے لوگوں کے دل میں نفرت پیدا ہو یا دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں ان کی کوئی کمزوری آجائے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کتابِ قوت القلوب (مصنفہ ابو طالب مکیؒ) میں لکھا ہے کہ ایک غریب یعنی ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دستار باندھتے تھے تو حضرت بی بی عائشہؓ سے دریافت فرماتے تھے کہ کیسی

بندھی ہے۔اس سے بھی غریب تر روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ کچھ لوگ آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جب آپ ان کو ملنے گئے تو دستار باندھ کر پانی میں عکس دیکھا کہ کس طرح بندھی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اپنے ایک رسالہ میں جو آداب پیر و مرید پر تھے تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ شیخ مریدین کا مورد توجہ ہوتا ہے اس لئے اس کو ایسی صورت بنانی چاہیے کہ جس سے لوگوں کے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو اور ان کا میلان بڑھے۔

یکشنبہ ۵۔ شوال ۸۰۲ھ

ایک آیت کی شرح

چاشت کے وقت اس آیت کے مطالب پر گفتگو ہو رہی تھی۔ فَاعْبُدُ اللّٰہ مُخلِصِینَ لَهُ الدِّینَ ۔فرمایا رسالہ قشیری میں لکھا ہے کہ اَلاِخلاصُ مَالاَ یُفسِدُهُ الشیطان وَلاَ یکتبه الملکان و لا یطلع اِلاّ الرحمن (اخلاص وہ ہے جس میں نہ شیطان خلل ڈال سکتا ہے۔ نہ فرشتے کرام کاتبین اُسے لکھ سکتے ہیں۔یعنی ان کے علم سے بالاتر ہوتا ہے۔ اور نہ رحمٰن کے سوا اسے کوئی جان سکتا ہے۔) فرمایا کہ اخلاص ایک راز ہے۔ جو بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان ہے۔ اور شیطان اسے کسی صورت میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ ورنہ شیطان ایسا بد خصلت ہے کہ مومن کا ایمان غارت کر کے اُسے کسی کام کا نہیں رکھتا۔ لیکن حق تعالیٰ کی مہربانی سے شیطان مومن کے اخلاص میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ عوارف المعارف (مصنفہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) میں لکھا ہے کہ شیطان دل کی رگوں میں تھوک ڈالتا ہے۔ جو انسان کے خون میں مل جاتا ہے۔ اور جتنے وساوس، اوہام اور خلجان کہ اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں سب اسی تھوک کی وجہ سے ہیں۔ فرمایا کہ آیہ مبارکہ مِن شَرِّ الوَسوَاسِ الخَنّاس اَلّذِی یُوَسوِسُ فِی صُدُور النَّاس (میں پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وساوس کے شر سے جو وہ ڈالتا ہے لوگوں کے قلوب میں) کی تفسیر میں لکھا ہے حضرت آدم علیہ السلام باہر گئے ہوئے تھے۔ شیطان نے بی بی حوا کے پاس جا کر اُسے اپنا بیٹا دیا کہ اس کی نگہداشت کرنا۔ تجھے اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں ایک لڑکا بیٹھا ہے۔ بی بی حوا سے پوچھا یہ کس کا بیٹا ہے۔ انہوں

نے جواب دیا کہ ابلیس آیا تھا اور مجھے یہ بچہ دے گیا ہے تا کہ اس کی نگہداشت کی جائے۔ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام کو غصہ آیا اور لڑکے کے چار ٹکڑے کر کے اُسے باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد آپ باہر چلے گئے۔ جب شیطان نے آ کر دیکھا کہ اس کے بیٹے کے چار ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں تو پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے۔ بی بی حوا نے جواب دیا کہ آدم علیہ السلام نے اسے کاٹ کر باہر پھینک دیا ہے۔ شیطان نے اس کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی کہ ''یا خناس'' یہ سن کر لڑکا زندہ ہو گیا اور شیطان نے اسے پھر بی بی حوا کے حوالے کر دیا کہ اس کی نگہداشت کرو۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ مردوں پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے عورتوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے۔ غرضیکہ بی بی حوا نے پھر لڑکے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام واپس آئے تو آپ نے لڑکے کو قتل کر کے جلا دیا اور اس کی راکھ کو باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر شیطان نے پھر اُس کو آواز دی کہ ''یا خناس'' یہ سن کر وہ پھر زندہ ہو گیا۔ اور شیطان نے اُسے حوا کے حوالے کر دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام واپس آئے تو آپ نے اُسے قتل کر دیا اور بھون کر کھا گئے۔ جب شیطان آیا تو اس نے آواز دی ''یا خناس'' بچے نے آدم علیہ السلام کے پیٹ میں سے آواز دی لبیک (حاضر جناب) شیطان نے کہا کہ میرا مطلب بھی یہی تھا کہ تمہاری اولاد کے پیٹ میں رہ جائے پس تم یہیں رہو۔

اس کے بعد مہمان نوازی پر گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مہمانی میں طعام بہت پکوایا جائے۔ کیونکہ وہ اسراف میں شمار نہیں ہوتا۔ اسی مضمون کے مطابق فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو دعوت دی اور کھانا اتنا پکوایا جتنا ضرورت تھی۔ زیادہ نہ پکوایا۔ کھانے کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ نے کہا کہ آپ نے کھانا تھوڑا کھایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تھوڑا کھانا لائے اس لئے تھوڑا کھایا۔ دوسری دفعہ جب دعوت دی تو انہوں نے بہت کھانا پکوایا تو انہوں نے بھی بہت کھایا۔ اس پر حضرت سفیان نے کہا اے ابا سعید آپ نے کھانا کھانے میں اسراف کیا ہے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے جواب دیا کہ لا اسراف فی الطعام (طعام میں اسراف نہیں ہوتا) کیونکہ اسراف وہ ہوتا ہے جو ضائع ہو جائے لیکن کھانا کبھی ضائع نہیں جاتا۔ اور اس کو کھانے کے لئے جتنے محتاج اور مسکین طلب کئے جائیں مل جاتے ہیں۔ اسلئے اسراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر حضرت مخدومؒ نے فرمایا بے شک وہ بادشاہ تھے۔ ان کی ہمت کا

مقابلہ کون کرسکتا ہے۔اور طعام کھلانے کی قدر اُن سے زیادہ کون جانتا ہے۔

سہ شنبہ ۷۔شوال ۸۰۲ھ

مشائخ کے معاملات ومسالک

ظہر کی نماز کے بعد مشائخ کے معاملات پر گفتگو ہونے لگی۔فرمایا کہ مشائخ ملتان کا یہ دستور ہے کہ مال جمع کرنے کو روا رکھتے ہیں۔ مشائخ خراسان تجارت اور خرید وفروخت کا کام کرتے ہیں۔لیکن ہمارے خواجگان اسباب دنیاوی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ایک دن حضرت شیخ کے پاس خادم نہ تھا۔ایک لڑکا موجود تھا۔آپ نے لڑکے سے پوچھا کہ لالا (خادم) کہا ہے۔لڑکا نادان تھا اس نے کہا باہر کپڑے بیچ رہا ہے۔یہ سنتے ہی آپ جوتا پہن کر خادموں کے کمرے میں چلے گئے۔اور خادم سے فرمایا لالا تم نے یہ کیا کام شروع کر دیا ہے۔چھوڑو اسے بند کرو۔یہ کہہ کر آپ نے کپڑے لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور کمرہ خالی کرا کر جھاڑو لگوادیا۔یہ دیکھ کر سیدی ابوالمعالی نے عرض کیا کہ حضور عجیب بات ہے۔دوسرے مشائخ تو تجارت کرتے ہیں اور مال جمع کرتے ہیں آپ نے خادموں کو بھی اجازت نہیں دیتے۔

آداب مریدی

ایک دفعہ حضرت اقدس کی خدمت میں ایک خراسانی مرید بیٹھا تھا۔جب راقم الحروف مجلس میں آیا تو وہ مرید میری خاطر کھڑا ہو گیا۔یہ دیکھ کر حضرت اقدس نے فرمایا! اے عزیز دیکھو ہمارے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ مرید پیر کے سامنے بیٹھا ہے جب کوئی بڑا آدمی آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے۔اور السلام علیکم کہے۔جب تک پیر کی حاضری میں بیٹھا ہے اُسے ہمہ تن ان کی مشغولی میں منہمک رہنا چاہیے۔جونہی وہ کسی اور کی تعظیم کرتا ہے۔پیر کی عظمت میں غیر کو شریک کرتا ہے۔اور یہ جرم عظیم اور خطائے بزرگ ہے۔جب کوئی آدمی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہے اس کو کیا مجال کہ وزیر یا کسی اور حاکم کی آمد پر اس کی تعظیم کرے۔یا اس کے لئے کھڑا ہو جائے۔فرمایا جب میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔آپ کے خواہر زادہ' امراء وغرباء' حکام اور ملازمین اور خود میرے اساتذہ حضرت شیخ کی خدمت میں آتے تھے۔جاتے تھے۔لیکن میں

حضرت اقدس کے ادب کی وجہ سے کسی کے سامنے نہیں اٹھتا تھا۔اس کے بعد اہل زمانہ کے فساد پر گفتگو ہونے لگی۔فرمایا ہمارے زمانے میں لوگ قسم وقسم کے اوہام اور خیالات محال میں مبتلا ہیں۔

ایک دن میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔بچوں کے استاد نے آ کر آپ کے ساتھ بیعت کی اور اس کے بعد نماز اشراق وغیرہ کی رکعات اور اوقات کے متعلق دریافت کیا۔اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ خدا اس بیچارے پر رحمت کرے کہ اس نے نمازِ اشراق و چاشت کے متعلق دریافت کیا لیکن اکثر لوگ جو آتے ہیں کوئی رزق طلب کرتا ہے۔کوئی بیٹا چاہتا ہے۔کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔خدا اور رسول کے متعلق کوئی نہیں پوچھتا۔ہمارے خواجہؒ کے زمانے میں کیا حال تھا۔اب کیا حال ہو گیا ہے۔فرمایا پچاس سال میں طالب مولا کی طلب میں ہوں اب تک ویسا طالب کوئی نہیں آیا۔ایک آدمی تو ایسا آیا کہ ہم نے بہت محنت سے اُسے فتحیاب کرایا اور دریائے وحدت کے چند قطرات اس کے حق میں ڈالے جس سے وہ بدمست ہو گیا اور رقص وتماشا میں مشغول ہو گیا۔یہ دیکھکر ہم نے اُسے خانقاہ سے نکال دیا تا کہ ہمارا طریقہ بدنام نہ ہو۔لیکن اس نے کسی اور شیخ یا خلیفہ سے اجازت لے لی سنا ہے۔اب وہ فوت ہو گیا ہے۔فرمایا! سبحان اللہ! اب تو یہ وقت آ گیا ہے کہ کسی کو بیعت میں لینا دوبھر ہو گیا ہے۔چنانچہ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک زندہ ہوں اس قوم (مریدین) کو برقرار رکھوں۔معلوم نہیں اس کے بعد کیا ہو گا واللہ غالب علی الرہ: (اللہ اپنے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر قادر ہے۔)

چہارشنبہ ۸۔شوال ۸۰۲ھ

امام اعظم کی قربانی ایک حدیث پر عمل کی خاطر

چاشت کے وقت اس حدیث کا مطلب بیان فرمار ہے تھے۔**مَن اَقَالَ اخاہ المسُلمِ صفقتہ یکرہ ھا اقال اللہ عسرہ یوم القیامہ**: (جس نے توڑی وہ بیع جس کی وجہ سے اس کا مسلمان بھائی تکلیف میں ہے۔اللہ تعالیٰ دور کرتا ہے۔اس کی دشواری قیامت کے دن) حضرت مخدوم مدظلہٗ (حضرت بندہ نوازؒ) نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ بزازی کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ آپ نے اپنے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ معاملہ کیا جس کی وجہ سے وہ دشواری میں مبتلا

ہو چکا تھا۔آپ نے اس کی خاطر وہ معاملہ ختم کر دیا اور بزازی کا کام یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ میں نے صرف اسی حدیث پر عمل پیرا ہونے کی خاطر بزازی شروع کی تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد ترک کی فضیلت بیان ہو رہی تھی۔فرمایا کہ جس نے دین میں عزت پائی ترک کی وجہ سے پائی۔اس مضمون کے مطابق ایک حکایت بیان فرمائی۔کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ مجلس شراب میں مشغول تھا۔اس کا ایک غلام ہاتھ باندھے کونے میں کھڑا تھا۔بادشاہ نے خوش ہو کر ساقی سے کہا شراب کا ایک پیالہ اس غلام کو بھی دے دو جو دو ہاتھ باندھے کھڑے ہے۔ساقی شراب کا پیالہ لے کر اس کے پاس گیا اور کہا کہ آج بادشاہ سلامت نے تم پر مہربانی فرمائی ہے اور شراب کا پیالہ پینے کو دیا ہے۔تمہیں چاہیے کہ اس کی مدح وثناء کرو اور اس کے سامنے سجدہ کر کے شراب پی لو۔اس نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور سجدہ بھی کیا۔لیکن شراب پینے سے انکار کر دیا۔اس نے جس قدر کوشش کی خادم نے شراب نہ پیا۔چنانچہ ساقی پیالہ لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔بادشاہ نے پوچھا کیوں واپس لائے ہو اس نے کہا وہ نہیں پیتا۔بادشادہ نے سمجھا کہ اس سے بھی زیادہ مہربانی کا طلب گار ہے۔چنانچہ اس نے خوشی میں آ کر میر مجلس کو حکم دیا کہ تم یہ پیالہ اس خادم کے پاس لے جاؤ۔میر مجلس پیالہ لے کر گیا۔اس نے خادم سے کہا کہ بادشاہ نے تجھ پر بہت مہربانی کی ہے۔تم اس کا شکریہ ادا کرو اور سجدہ کر کے شراب پی لو۔خادم نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور زمین بوس بھی ہوا لیکن شراب پینے سے انکار کر دیا۔میر مجلس نے بادشاہ کے پاس جا کر عرض کیا کہ حضور وہ نہیں پیتا۔بادشاہ نے خیال کیا کہ شاید وہ اس سے بھی زیادہ مہربانی کا طلب گار ہے۔اس نے وزیر سے کہا کہ تم جاؤ اس کو پیالہ پیش کرو۔وزیر نے خادم کے پاس جا کر پیالہ پیش کیا اور کہا کہ بادشاہ کا شکریہ بجالاؤ اور اس کو سجدہ کر کے شراب پی لو۔خادم نے شکریہ ادا کیا۔سر بھی زمین پر رکھا لیکن شراب پینے سے انکار کر دیا۔جب وزیر نے واپس جا کر بادشاہ کو شکایت کی تو وہ سمجھا کہ شاید اس سے بھی زیادہ مہربانی کا طلبگار ہے۔چنانچہ وہ خود خادم کے پاس پیالہ لے کر گیا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں نے تم پر کتنی مہربانی کی ہے۔پہلے ساقی کے ذریعے پیالہ بھیجا تم نے نہ پیا۔پھر میں نے میر مجلس کو بھیجا تم نے انکار کیا۔میں نے وزیر کو بھیجا تو بھی انکار کیا۔اب میں خود آیا ہوں اس نے بادشاہ کی مدح وثناء کی اور کہا کہ آپ کے سامنے۔۔۔ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔بادشاہ نے کہا کیا چاہتے ہو۔خادم نے کہا کہ اگر

میں ساقی کے ہاتھوں شراب پی لیتا تو میر مجلس میرے پاس نہ آتا۔ اگر میر مجلس کے ہاتھوں پی لیتا تو وزیر نہ آتا۔ اگر وزیز کے ہاتھوں پی لیتا تو بادشاہ سلامت تشریف نہ لاتے۔ اب میں نے یہ تمام عزت جو پائی ہے۔ ترک کی وجہ سے پائی ہے۔ آپ بادشاہ ہیں آپ مجھے مجبور نہ کریں کہ میں یہ عزت کھو بیٹھوں۔ بادشاہ نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ اب فکر مت کرو۔ خوش رہو اور اپنی عزت بحال رکھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کسی بزرگ کے متعلق کوئی غلط بات یا واقعہ مشہور ہو گیا ہو تو اس کے متعلق تحقیق کر کے صحیح واقعہ بیان کرے اور لوگوں کے درمیان اس بزرگ کے متعلق جو غلط فہمی ہو چکی ہو اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ ایک مرید نے اپنے پیر سے کوئی غیر شرح کام دیکھا تو اس کے اعتقاد میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور اس نے اپنے پیر سے کہا کہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ معلوم نہیں اس قسم کی چیزیں کس طرح بزرگوں کی کتابوں میں آ جاتی ہیں۔ اس کے متعلق پوری تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ اور لوگوں کے درمیان جتنے شکوک اور غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں انکو رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے[1]۔

پنجشنبہ ۹۔ شوال ۱۴۰۲ھ

غضب حلیم سے بچو

صبح کے وقت غضب اور حلیم کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ غضب اور حلیم کے باب میں حضرت علیؓ کے اس قول کے لوگوں نے غلط معنی لئے ہیں کہ نعوذ باللہ من غضب

---

1 بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کو جان بوجھ کر بدنام کرنے کے لئے ان کے مخالفین طرح طرح کے قصے بنا لیتے ہیں۔ نیز یہ بھی کرتے ہیں کہ بزرگوں کی کتابوں کو از سر نو طبع کراتے وقت ان کے اندر اپنی طرف سے کوئی غیر شرع بات درج کر دیتے ہیں۔ یا ان کے کسی قول کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں جیسا کہ آجکل مختلف فرقوں کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ اس طرح اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو صحابہ کرام اور دیگر اکابرین کے متعلق بھی مخالفین کی طرف سے غلط روایات کتابوں میں درج کی گئی ہیں اور آجکل بھی مختلف فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے اکابر پر کیچڑ اچھالتے ہیں سرگرم نظر آ رہے ہیں۔ اس لئے امت کے بہی خواہوں پر لازم ہے کہ تحقیق سے کام لے اور اس قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔ بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ حضرت ابن عربی کی تفسیر قرآن میں بھی جعل سازی ہوئی ہے۔ کسی غیر مذہب باطنیہ فرقہ کے آدمی نے قرآن مجید کی غلط تفسیر لکھ کر حضرت شیخ ابن عربیؒ کے نام سے منسوب کر دی ہے چنانچہ اب ان کی اصلی اور جعلی تفسیر میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس قسم کی غلط کاریوں کا ازالہ ضروری ہے۔

الحلیم۔(میں حلیم کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) لوگ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حلیم الطبع آدمی اوّل تو غضب نہیں کرتا۔اگر کرتا ہے تو ایسا سخت کرتا ہے کہ خدا اس سے پناہ دے لیکن میرے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ حلیم آدمی عضب دل کا غضب ہوتا ہے۔ جوارح یعنی اعضاء کا غضب نہیں ہوتا (یعنی زبان اور ہاتھ پاؤں سے غصّے کا اظہار نہیں کرتا بلکہ دل سے غصّے ہوتا ہے۔) لیکن جو شخص حلیم الطبع ہے وہ ظاہری طور پر کسی پر اپنے غصے کا اظہار نہیں کرتا اور دل ہی میں غصّے ہوتا رہتا ہے گویا دل میں غصّے کو پالتا رہتا ہے۔جس کا اثر بہت خراب نکلتا ہے۔اگر ظاہری طور پر کوئی شخص غصّے ہو تو آدمی اس کا تدارک کر لیتا ہے۔لیکن غصّہ دل میں ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے[1]۔اس پر اس کمترین بندگان نے عرض کیا کہ مشائخ کا غصّہ بھی بہت خطرناک ہوگا۔کیونکہ وہ ظاہراً اظہار نہیں کرتے۔بعض اوقات لوگ اس کے روضہ کی زیارت کے وقت یا انکے واقعات بیان کرتے وقت بے ادبی سے کام لیتے ہیں جس سے وہ رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں اس کے متعلق کیا کرنا چاہیے۔لوگوں کو کس طرح معلوم ہو کر فلاں بزرگ اس سے رنجیدہ ہیں۔آپ نے فرمایا کہ ان حضرات کے تمام امور کا مالک خداوند تعالیٰ ہے۔یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔اگر کوئی شخص ان کی مخالفت کرتا ہے تو اگر چہ وہ معاف کر دیں حق تعالیٰ کہتا ہے تجھے اس نے رنجیدہ کیا تو نے اُسے معارف کر دیا ہے۔لیکن مجھے اس سے رنج ہوا ہے۔میں معاف نہیں کرتا۔میں اس کو اس کی سزا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں یہ میرا حق ہے۔نہ کہ تیرا۔چنانچہ حدیث قدسی مـن بَـارَزَی وَلِیـا بـارزتہٗ بالمحاربہ (جس نے میرے ولی یعنی دوست کا مقابلہ کیا وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے۔) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے دوستوں کا مقابلہ کرتا ہے۔اور بے ادبی سے پیش آتا ہے۔میں اس کو سخت مقابلہ اور مقاتلہ میں مبتلا کرتا ہوں لفظ محاربہ کے معنی ہیں مقاتلہ۔

دو بلالؓ

اس کے بعد ایک آدمی نے جس کا نام بلال تھا آ کر قدم بوسی کی۔آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو بلالؓ تھے۔ایک بلالؓ بن صہیب جو رسول اللہ ﷺ کے موالی (غلام)

---

1 غضب حلیم اس لیے بھی سخت ہوتا ہے کہ وہ دل میں غصّے ہوتا اور صبر کرتا ہے۔اس کے صبر سے حق تعالیٰ کی طرف سے غضب نازل ہوتا ہے۔

تھے اور اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ دوسرے بلال ؓمغیرہ (بلال بن مغیرہ) تھے۔ جن کے متعلق خواجہ محمد ابوالفضل علی فارمیدیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ رسول خداﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اس دروازہ سے ایک شخص داخل ہوگا۔ جس کو خداتعالیٰ اور اس کا رسول اکرمﷺ دوست رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو ہریرہؓ مسجد سے باہر چلے گئے اور پھر فوراً اندر داخل ہوئے تاکہ وہی شخص جس کو اللہ اور اس کا رسولﷺ دوست رکھتا ہے۔ وہی خود تصور ہوں۔ لیکن آنحضرتﷺ ان کی بات کو سمجھ گئے اور فرمایا ابو ہریرہؓ تم بیٹھ جاؤ۔ تم وہ شخص نہیں ہو۔ وہ اور آدمی ہے جو ابھی آنے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ میں منتظر ہوگیا۔ کہ دیکھیں کون آتا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بلال بن مغیرہؓ مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آنحضرتﷺ بہت خوش ہوئے۔ اور مرحبا کہا۔ اس نے آتے ہی آنحضرتﷺ کے قدموں پر بوسہ دیا[1] اور بیٹھ گئے۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا بلال کچھ کھانا چاہتے ہو۔ انہوں نے جوابدیا کہ حضور مجھے روزہ ہے۔ اگر حکم ہو تو افطار کرلوں آپ نے فرمایا تجھ جیسے شخص کو میں اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھنا چاہتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بلالؓ اور رسولِ خداﷺ بیٹھے ایک دوسرے کے کان میں باتیں کرتے رہے۔ میں دور بیٹھا تھا۔ معلوم نہیں انہوں نے کیا کہا۔ جب بلالؓ رخصت ہوکر جانے لگے تو رسولِ خداﷺ اس کو مشتاق نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ یہ کہہ کر حضرت شیخ آبدیدہ ہوگئے اور یہ شعر پڑھا۔

ہر گز حسد نہ برم بر منصبے ومالے
اِلّا کسیکہ دارد با دلبرے وصالے

(میں ہرگز کسی شخص کا منصب اور مال ودولت کی وجہ سے رشک نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس کو محبوب حقیقی کا قرب اور وصال حاصل ہے)

اس کے بعد رسول خداﷺ نے فرمایا کہ خدا ایسے آدمی کی عمر دراز کرے تاکہ اس کی برکت سے دنیا کو فائدہ[2] ہو لیکن افسوس ہے کہ اس شخص کی عمر دو دن باقی رہ گئی ہے۔ صبح کے وقت جب

---

[1] آنحضرتﷺ کے قدموں پر بوسہ دینا حدیث کی رو سے ثابت ہے۔ لہذا مزارات کو چومنا مشائخ کے ہاتھ پاؤں چومنا مزارات کے دروازے چومنا سب جائز ہے۔

[2] اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ مقربین بارگاہ کا وجود غنیمت ہوتا ہے۔ اور ان کی برکت سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے نماز کی تکبیر کہنے کا حکم فرمایا تو صحابہ کرامؓ صفوں میں جمع ہو گئے۔ عین اسی وقت حضرت جبرائیلؑ آئے اور کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے میں ذرا دیر کرو۔ میرا ایک دوست ساری رات میرے ساتھ مشغول رہا ہے۔ اس وقت اس کو نیند آ گئی ہے۔ تکبیر دیر سے کہنا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جبرائیلؑ سے فرمایا کہ آفتاب نکلنے والا ہے۔ کب تک انتظار کی جائے۔ جبرائیلؑ نے کہا فرمانِ خداوندی یہ ہے کہ جب تک وہ نماز نہیں پڑھیں گے سورج نہیں نکلے گا تمام صحابہ کرامؓ حیران کھڑے چاروں طرف دیکھ رہے تھے کہ کس وجہ سے دیر ہو رہی ہے۔ آخر بلالؓ مغیرہ آ گئے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اور دونوں ہاتھوں سے جامہ تھام رہے ہیں کہ ننگا پن ظاہر نہ ہو۔ اس کے بعد رسولِ خدا ﷺ نے تکبیر کا حکم دیا اور نماز پڑھی گئی۔ یہ کہہ کر حضرت شیخ پھر آبدیدہ ہو گئے اور یہ شعر پڑھا۔

اینجا ہمہ زندہ دل صد پارہ خریدند
بازارچہ قصب فروشان دگر است

(یہ وہ مقام ہے جہاں دل کے ٹکڑوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ یہ وہ بازار نہیں ہے جہاں کپڑا بکتا ہے۔) اس کے بعد فرمایا کہ نماز کے بعد رسولِ خدا ﷺ نے بلالؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ کسی وقت مجھے بھی یاد کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون شخص ہے جو حضور کو یاد نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر کونسی دولت ہے۔ لیکن کیا کروں خدا تعالیٰ کی محبت مرے دل میں اس قدر غالب آ گئی ہے کہ کوئی دوسرا یاد نہیں آتا۔

مسکین بلال کی شاندار موت

دوسرے دن صبح کی نماز پڑھ کر رسولِ خدا ﷺ مصلے پر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ میرے ساتھ تعزیت کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور تمام اہل بیعت صحیح و سلامت ہیں۔ کس بات کیلئے تعزیت کی جائے۔ فرمایا کہ بلال مغیرہؓ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے تھے۔ آج رات فوت ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجھے بے حد صدمہ ہوا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت بلال بن مغیرہؓ کے گھر پر

تشریف لے گئے۔ان کے والد مغیرہ نے آ کر آنحضرت ﷺ کو سلام کیا۔اور تشریف آوری کا سبب دریافت کیا۔آپ نے فرمایا کہ بلال کہاں ہے۔اس نے کہا کل اُس کے پیٹ میں درد تھا۔معلوم نہیں کہاں ہے۔کل اصطبل میں پڑا تھا۔آنحضرت ﷺ نے اصطبل میں جا کر دیکھا کہ گوبر میں پڑے ہوئے ہیں اور جاں بحق ہو چکے ہیں۔یہ کہہ کر حضرت شیخ آبدیدہ ہوئے۔اور فرمایا سبحان اللہ! بلال کی ذلت وخواری کی یہ حالت ہے کہ گھر میں رہتے ہیں لیکن اس کے زندہ اور مردہ ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ حالانکہ اس کی خدا اور رسول خدا ﷺ کے نزدیک یہ قدر و منزلت اور عزت و عظمت یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول خدا کا دوست ہے۔اور خدا اور رسولِ خدا ﷺ اس کے دوست ہیں۔فرمایا دوستانِ خدا کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔چنانچہ رسولِ خدا ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کا سر اپنے رانوں پر رکھ کر اپنے دستِ مبارک سے اس کے چہرے سے گرد و غبار دور کی اور فرمایا اسے غسل دیا جائے۔غسل کے لئے حضرت عمرؓ کو تعینات کیا گیا۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کے جسم کو ہاتھ لگایا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے سینے پر مکا مار کر کہا اے عمر یاد رکھو ہم لوگ غلام ہیں اور غلامی کی قدر ہم خود جانتے ہیں۔ تم لوگ امیر ہو اور اپنی امیری کی قدر خود جانتے ہو۔یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے نعرہ لگایا اور رونے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بلال مجھے غسل نہیں دینے دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بلال عمر کو معاف کر دو۔اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو غسل دیا اور رسول اکرم ﷺ کی چادر مبارک کا ان کو کفن پہنایا گیا۔ جب جنازہ اٹھا تو رسول اللہ ﷺ سوگوار ہو کر اس طرح پیچھے چل رہے تھے جیسے کوئی غمزدہ باپ بیٹے کے جنازہ کے پیچھے جاتا ہے۔دفن کے بعد رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر زمانے میں اللہ کے سات بندے ہوتے ہیں جن کی بدولت دنیا قائم رہتی ہے۔بارش ان کی دعا سے ہوتی ہے اور سبزہ بھی ان کی دعا سے اگتا ہے۔ مصائب ان کی دعا سے دور ہوتے ہیں ان سب کا سردار بلالؓ بن مغیرہ تھا[1]۔

خاکساران جہاں را۔بحقارت منگر

اس مضمون کے مطابق حضرت شیخ نے ایک اور حکایت بیان فرمائی۔فرمایا شفقت الملک کے بھتیجے عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں ایام طفلی میں مصر کی جامع مسجد میں پڑھتا تھا۔ایک دن ایک حبشی

[1] اس حدیث سے مقربانِ بارگاہ کی قدر و منزلت ظاہر ہے۔علماء ظواہر غور فرمادیں۔

مفتاح نامی مسافر ہو کر آیا اور مسجد کے محراب میں تکیہ لگا لیا۔ چند روز بعد مسجد کے بچے اس کے دوست بن گئے اور اس کے ساتھ مذاق کرتے تھے اور کھیلتے کودتے تھے اور طرح طرح کی حرکات کر کے اُسے چھیڑتے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ خوش وخرم تھا۔ بچے بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ایک دن میں ان کے ملنے کے لئے گھر سے مسجد کی طرف گیا۔ ہمارے گھر سے مسجد جانے کے لئے دو راستے تھے۔ ایک راستہ چھوٹا تھا۔ جو بازار سے ہو کر جاتا تھا۔ لیکن ہمارے شہر میں بازار میں جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا راستہ ذرا طویل تھا۔ جو بازار سے باہر کی طرف سے جاتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر دور کے راستے سے جاتا ہوں تو بے گاہ ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ جلدی سے بازار سے گزر کر چلا جاؤں۔ راستے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کتوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ جب میں حبشی مفتاح کے پاس پہنچا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کس راستے سے آئے ہو۔ میں نے کہا بازار سے۔ اس نے کہا کیا تم نے راستے میں کسی کو کتوں سے کھیلتا ہوا دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں دیکھا تھا۔ اس نے کہا جاؤ اور اس کو کچھ دے کر آؤ۔ جب میں واپس گیا تو دیکھا کہ وہ کھیل کود سے فارغ ہو کر اِدھر اُدھر پھر رہا ہے۔ اور لوگوں سے خیرات مانگ رہا ہے۔ کوئی اس کو پیسہ دیتا ہے۔ کوئی نہیں دیتا۔ میں نے اپنے جیب سے پیسے نکالے اور اس کو دینا چاہا لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے واپس جا کر مفتاح سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا یہ اچھی بات نہیں ہے۔ فوراً جاؤ اور اس کو کچھ دیکر آؤ۔ اس بار وہ لے لے گا۔ میں دوبارہ اس کے پاس گیا۔ وہ دیوار کے سائے میں بیٹھا تھا۔ اور لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ میں بھی جا کر لوگوں میں کھڑا ہو گیاا اور اُس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مفتاح بھی عجیب آدمی ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو خراب حالات میں ڈال کر دیکھا پھر بھی وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اور لوگوں کو میرے پاس بھیج رہا ہے۔ اس کے بعد میری طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اچھا تم اُس کے بھیجے ہوئے ہو آگے آؤ۔ میں نے آگے بڑھکر روپے اس کے ہاتھ پر رکھے اور واپس چلا آیا۔ اور سارا ماجرا مفتاح کو بیان کیا اس روز مفتاح کے ساتھ میرا اعتقاد زیادہ ہو گیا۔ میں اس کے پاس جاتا تھا اور ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہو جاتا تھا اور وہ مجھے بیٹا کہہ کر بلاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کو کسی شخص کی بدتمیزی سے غصہ آ گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں اس شہر پر بلا نازل کروں گا۔ چنانچہ مجھے طلب کر کے کہا کہ فلاں جگہ پر جاؤ وہاں ایک آدمی ملے گا جو نہایت خستہ حالی میں پاخانے اور گندگی

میں پڑا ہوگا۔اس سے کہنا کہ مفتاح کہتا ہے کہ میں اس شہر پر بلا نازل کرنا چاہتا ہوں تم میری امداد کرو گے یا نہیں۔ میں وہاں گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دیوانہ گندگی میں پڑا ہے اور کسی سے بات نہیں کرتا۔ یہاں بھی حضرت شیخ آبدیدہ ہو گئے اور یہ مصرع پڑھا۔

ایں قوم خرابی طلب و بے وطنانند

(یہ طائفہ گمنامی وخواری کے خواستگار میں دور بے وطن ہیں) جب میں وہاں پہنچا تو اس دیوانے نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ مفتاح بھی عجیب آدمی ہے۔ کسی ایک شخص نے اس کو رنجیدہ کیا ہے اور وہ سارے شہر پر بلا نازل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ملک خدا کا ملک ہے اور لوگ اس کے بندے ہیں۔ان میں نیک بھی ہیں۔ بد بھی ہیں۔ جب شہر پر بلا نازل ہوگی تو سب لوگ پریشان ہوں گے۔کوئی لوگ اس کو برا کہیں گے۔کوئی اس کے معتقد ہو جائیں گے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پھر وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ میں بھی اس کام میں اس کے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ اگر وہ چاہتا ہے تو خود یہ کام کرے۔ مجھے شریک کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب لوگوں نے اسے یہ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو گئے کہ پہلے تو وہ کسی سے ایک لفظ نہیں کہتا تھا۔اب کس طرح مکمل بات کر رہا ہے۔ میں نے واپس جا کر مفتاح کے سامنے سارا ماجرا بیان کیا۔لیکن وہ پھر بھی غضب سے باز نہ آئے اور کہا کہ فلاں عابد وزاہد کے پاس جاؤ۔ وہ کبھی اپنے گھر کے دروازہ نہیں کھولتا اور کسی شخص سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ جمعہ کے دن باہر نکلتا ہے۔اور اپنی جائے نماز منہ پر ڈال کر مسجد میں جاتا ہے۔اور کسی کو اپنا منہ نہیں دکھاتا۔ میں اس کے گھر پر گیا اور جا کر دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔اس نے اندر سے کہنا شروع کیا کہ مفتاح بھی عجیب آدمی ہے وہ چاہتا ہے۔ کہ سب لوگ اس کو اچھا کہیں اور اس کے معتقد ہو جائیں۔ یہ ملک خدا تعالیٰ کا ملک ہے۔ کوئی خواہ اسے اچھا کہے یا برا کہے اس کا کیا بگڑتا ہے۔ اگر وہ شہر پر بلا نازل کرنا چاہتا ہے۔تو خود کرے مجھے کیوں شریک کرتا ہے۔ یہ جواب لے کر میں مفتاح کے پاس پہنچا لیکن وہ پھر بھی اپنے غصہ سے باز نہ آئے۔ جب میں بازار گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں نہ کوئی طباقی ہے۔ نہ بقال ہے نہ قصاب سارا بازار خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔اور سب تباہی و بربادی نظر آ رہی ہے۔ تین دن یہی حالت رہی وہاں ایک آدمی تھا۔ جس کی بیٹی کو مفتاح نے اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا ایک دن وہ اپنی لڑکی کو مفتاح کے پاس لے گیا۔ مفتاح نے لڑکی کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ اس قدر کمزور اور زرد

کیوں پڑ گئی ہے۔اس نے جواب دیا کہ تین دن سے اُسے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ کیونکہ سارا شہر بند ہے اور کوئی چیز نہیں ملتی۔ یہ سن کر وہ آبدیدہ ہوئے اور شفقت سے پیش آئے۔ میں نے موقعہ دیکھ کر کہا کہ اے مفتاح واللہ آپ ظالم ہیں۔آپ نے اس لڑکی کو اپنی بیٹی بنایا ہوا ہے۔اور اس کی زبوں حالی کو دیکھ کر آپ آبدیدہ ہوئے ہیں لیکن دوسرے لوگوں کے بھی بیٹے اور بیٹیاں ہیں انکی حالت زار پر آپ کو ترس نہیں آیا۔ یہ سن کر ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور کہنے لگے کہ میں نے سب کو معاف کیا۔ یہ کہنا تھا کہ بازار آباد ہو گیا۔تمام لوگوں نے مکان کھول دیئے اور تمام کاروبار ہونے لگے۔اور طرح طرح کے کھانے اور اشیائے ضرورت ملنا شروع ہو گئیں۔

روز جمعہ ۱۰۔شوال ۸۰۲ھ

امراء کی صحبت میں درویشوں کی احتیاط

جمعہ کی نماز کے بعد درویش کے پاس لوگوں کی آمدورفت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ درویشوں کی صحبت میں برکت' امن و امان اور سلامتی ہے لیکن ہم جنس لوگوں کی صحبت ہونی چاہیے۔ کیونکہ شیطانوں کی صحبت سخت مذموم ہے۔اس سے جس قدر ہو سکے پرہیز لازم ہے۔ گوشہ نشین ہو کر الگ تھلگ رہنا بہتر ہے۔ ورنہ اپنی روش پر مستقیم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔لیکن ان لوگوں سے مکمل اغماض (بے پرواہی) اور احتراز بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے اندر شر اور فساد کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ درویش کے لئے مشکل ہے کہ ان کے شر کو برداشت کر سکے۔ کیونکہ ان کی مخاصمت مول لیکر آدمی پریشان رہتا ہے۔ پس ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے فقیر اور فقیری میں بھی پورا ہے۔ ان کے فساد سے بھی محفوظ رہے۔ اور حق داروں کو حق ملتا رہے۔ اور کمزور لوگوں کی دستگیری بھی ہوتی رہے۔ اس نیت سے اگر ان لوگوں کے ساتھ تھوڑی میل جول رکھے تو کوئی ہرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کی صحبت کا حق بھی ادا کرتا رہے۔اور ان کی دینی اور دینوی بہتری کے لئے کوشش کرتا رہے۔ ہر ممکن طریق پر ان کو نصیحت کرنا چاہیے۔ان کے ساتھ زیادہ بود و باش نہیں ہونی چاہیے۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر انکی صحبت سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔ جس طرح ایک چڑیا سیلاب سے اُسی قدر پانی لیتی ہے جس میں اس کی سلامتی ہے۔اور بقدر احتیاج دانہ چونچ میں

اٹھاتی ہے۔اس سے زیادہ کے ساتھ ملوث نہیں ہوتی۔اور دور رہ کر اپنی ضرورت پوری کرتی رہتی ہے۔درویش کو چاہیے کہ اہل دنیا سے اسی قسم کا تعلق رکھے۔اس سے زیادہ درویش کو تعلقات اور تشویش مول نہیں لینا چاہیے۔فرمایا ایک دفعہ سلطان فیروز (تغلق) حضرت خواجہؒ (حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت خواجہؒ قیلولہ فرمارہے تھے۔مولانا زین الدین جو اپنے گھر میں موجود تھے آئے اور خانقاہ کے صحن میں بیٹھ گئے۔اُس وقت قدرے بارش بھی ہو رہی تھی مولانا زین الدین نے حضرت شیخ کو مطلع کیا۔آپ اٹھے، وضو فرمایا اور دوگانہ نماز ادا کی۔اس اثناء میں بادشاہ رنجیدہ خاطر ہوا اور اپنے مصاحب تا تارخان سے کہنے لگا کہ ہم بادشاہ نہیں ہیں۔یہ بادشاہ ہیں۔جب حضرت شیخ بالا خانہ سے نیچے تشریف لائے تو اُسی جگہ صحن خانہ میں دری بچھوا کر بیٹھ گئے۔بادشاہ کچھ دیر حضرت شیخ کے ساتھ بیٹھ کر رنجیدہ اور ناخوش سا ہو کر چلا گیا۔

اس وقت حضرت شیخ نے بادشاہ کے بیٹے فیروز خان کا قصہ بھی بیان فرمایا کہ جب بادشاہ کوہ تسا دین کی طرف جا کر قصبہ میر آباد میں ٹھہرا ہوا تھا۔فیروز خان نے بادشاہ سے التماس کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں حضرت خواجہ نصیرالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت کروں۔بادشاہ نے اجازت دے دی۔فیروز خان اپنے استاد خاتم کے ساتھ جو حضرت خواجہؒ کا مرید تھا۔اور بادشاہ کا اہل خانہ شمار ہوتا تھا۔حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔خاتم نے حضرت خواجہؒ سے عرض کیا کہ شاہزادہ شرف مریدی حاصل کرنا چاہتا ہے۔حضرت اقدس نے پوچھا کیا اس نے باپ سے اجازت حاصل کر لی ہے۔اس نے کہا جی ہاں۔حالانکہ اس نے ملاقات کی اجازت لی تھی نہ کہ بیعت کی۔حضرت اقدس نے اس کی درخواست قبول کر لی اور بیعت کر لیا۔اس کے بعد ملازمین کی ساز باز سے شہزادہ کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔اور کسی مخفی جگہ پر شب باشی کی اس سے بادشاہ کو تشویش ہوئی اور تلاش کراتا رہا کہ کہاں گیا۔بادشاہ نے آدمی بھیج کر حضرت شیخ سے دریافت کرایا تو آپ نے فرمایا کہ آیا تھا لیکن چلا گیا ہے۔تین روز تک خانقاہ میں ہیجان رہا۔لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ شہزادہ نے حضرت شیخ سے اس غرض سے تعویز لیا ہے کہ بادشاہ بن جائے تین دن کے بعد جب شہزادہ واپس آیا تو بادشاہ نے اس سے غصہ ہو کر جلا وطن کر دیا اور حاتم اور خواجہ سرائے جسکا نام تمیر تھا کو بھی ملازمت سے سبکدوش کر کے کوہ تسادین میں پھینک دیا۔شہزادہ کو آخر زہر دے دی

گئی۔غرضیکہ جن لوگوں نے حضرت شیخ سے بے ادبی کی ان کو سزامل گئی[1]۔ اس سے ظاہر ہے کہ غلط قسم کے آدمیوں کی خانقاہ میں آمدورفت سے درویشوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

قباحت دنیا

اس کے بعد دنیا کی قباحت پر گفتگو ہونے لگی۔فرمایا اگر دنیا منہ پر برقعہ ڈال کر سامنے آئے تو نہایت ہی حسین وجمیل دولکش اور تروتازہ اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔لیکن اگر برقعہ اٹھا کر اپنی حقیقت ظاہر کردے تو اس سے زیادہ کوئی بدصورت قبیح' مردار اور پلید چیز نہیں ہے۔فرمایا ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کہیں جارہے تھے۔چند صحابہ کرام بھی ہمراہ تھے۔راستے میں ایک بدبودار مردہ بکری پڑی تھی۔آنحضرت ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا کوئی اس بکری کے گوشت کو دو درہم میں خریدنا چاہے گا۔صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس مردہ اور بدبودار چیز کو کون خرید کرے گا۔آپؐ نے فرمایا۔وَاللہ اِنَّ الدنیا لا ھونُ عند اللہ من ھذہ الشاۃ (واللہ خدا کے نزدیک دنیا اس مردہ بکری سے بھی بدتر ہے۔)اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا۔دنیا کی یہ حقیقت ہے کہ مردار سے زیادہ اس کی وقعت نہیں ہے۔

حکایت

اسی مضمون پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت خواجہ ؒفرمایا کرتے تھے۔اور تذکرہ کی کتابوں میں بھی آیا ہے۔کہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے جو ہر وقت حضرت شیخ کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا یک لخت ریاضت ومجاہدہ ترک کر دیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں آنا بند کر کے آرام سے گھر بیٹھ گیا۔حضرت خواجہ جنیدؒ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں کہاں ہے انہوں نے کہا کہ اس نے ریاضت مجاہدہ ترک کر دیا ہے اور خوش ہو کر گھر بیٹھ گیا۔یہ سن کر آپ اس کے گھر پر تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے سب کام کیوں بند کر دیئے ہیں۔اور ہماری صحبت اور خدا کی عبادت کیوں ترک کر دی ہے۔اس نے جواب دیا کہ جس چیز کے لئے میں تمام عمر مشقت کیا کرتا تھا۔اب وہ مجھے حاصل ہو گئی ہے۔آپ نے پوچھا کیا چیز حاصل ہوئی ہے۔اس نے کہا آدھی رات کے قریب ہر رات دو فرشتے میرے پاس آتے ہیں اور مجھے

[1] کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے کئی روز تک حضرت اقدس کی خانقاہ میں ہیجان رہا اور حضرت کو تکلیف ہوئی۔

براق پر سوار کر کے عزت و اکرام کے ساتھ بہشت میں لے جاتے ہیں۔ جہاں مجھے ایک بڑے تخت پر بیٹھا دیا جاتا ہے اور قسم قسم کے کھانے شراب و کباب اور پھل میوے مجھے کھانے کو دیئے جاتے ہیں۔ جس میں بھنا ہوا گوشت سری پائے بھی شامل ہوتے ہیں۔ میں ساری رات عیش کرتا ہوں اور صبح گھر واپس آ جاتا ہوں۔ اسی طرح ہر رات ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ جنیدؒ نے فرمایا اب کی بار جب جاؤ تو میرا نام لینا یا کلمہ تمجید پڑھ لینا۔ یہ سن کر اس نے دل میں خیال کیا کہ اس وقت جنید کا نام لینے کا کیا فائدہ۔ خیر جب معمول کے مطابق فرشتے آئے اور اُسے براق پر سوار کر کے لے گئے تمام نعمتیں مہیا ہو گئیں اور ساری رات عیش میں گزار دی۔ واپس کے وقت اُسے یاد آیا کہ خواجہ جنیدؒ نے کہا تھا کہ میرا نام لینا یا کلمہ تمجید پڑھنا اس نے خواجہ جنیدؒ کا نام لیا۔ نام لینا تھا کہ اُن تمام صورتوں نے نالہ و فریاد شروع کر دیا اور اُسے ہر چیز نہایت ہی قبیح اور بد صورت نظر آنے لگی۔ جس سے وہ سخت متنفر ہوا۔ جب اُس براق پر نظر ڈالی تو اُسے ایک گدھا دکھائی دیا جو بغداد کے گھوروں پر گندگی کھاتا ہوا نظر آتا تھا۔ جب طعام اور بریان شدہ سر اور پائے دیکھے تو کتوں اور آدمیوں کے سر نظر آئے جو بغداد سے باہر ویرانوں میں پڑے ہوئے ہیں جب طعام، حلوہ اور میوہ پر نظر ڈالی تو گندگی اور غلاظت نظر آئی۔ شراب کو دیکھا تو معلوم ہوا گدھوں، کتوں اور آدمیوں کا پیشاب ہے جب تخت پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ بغداد کے مضافات میں ایک پلیند گھورا (گندگی کا ڈھیر) ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ اُسے پہلے نظر آ رہا تھا دنیا کا ظاہری لباس تھا۔ اور جو بعد میں نظر آیا وہ اس کی حقیقت تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ پیر کے بغیر سلوک طے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شیخ کی عدم موجودگی میں شیطان رہزنی کرتا ہے۔ دیکھو شیطان مردود کو اتنی طاقت حاصل ہے کہ گندگی اور پلید چیزوں کو ایسا خوبصورت اور مزے دار اور خوشبودار بنا سکتا ہے کہ اُس آدمی کو بہشت کا گمان ہو گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ اس سے زیادہ قادر ہے۔ اپنے بندوں کو دنیا کی حقیقت بھی دکھا سکتا ہے۔

شب قدر کا تعین

اس کے بعد اس سائل نے شب قدر کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ شب قدر سارے سال میں دائر ہے۔ (یعنی گھومتی ہے) لیکن اغلب یہ ہے۔ رمضان المبارک کے آخری

ہفتے میں ہوتی ہے۔ نیز ہر رات میں ایک گھڑی ہوتی ہے۔ جو شخص اس گھڑی کو پالے اس کو چاہیے کہ اس وقت دعا مانگے اور عبادت کرے۔ جو کچھ خدا تعالیٰ سے طلب کرے گا۔ اس کو مل جائے گا۔ فرمایا وحی کی ابتدا سترھویں ماہ رمضان کو ہوی۔ اور پھر وہی شب شب قدر ہوئی۔ آیات **اِناَّ انزلناه فی لیلَتهُ القدر** اور **شهر رمضان الذی انزل فیه القران** کے معنی ہیں۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ شب قدر رمضان میں ہے کیونکہ قرآن مجید میں صریحاً نہیں آیا کہ وہی رات شب قدر ہے۔ البتہ نتیجتہً کہا جا سکتا ہے۔ نزول قرآن شب قدر میں ہوا۔ اور وہ رمضان شریف تھا۔ اور سترھویں شب ماہ رمضان کی تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے مطابق بعد میں بھی وہی شب قدر ہو۔ اس کے بعد اس سائل نے کہا کہ بزرگوں نے شب قدر کی علامت یہ بتائی ہے کہ اس رات کے بعد کی صبح میں زیادہ رشنی نہیں ہوتی۔ فرمایا ہاں جو شخص شب قدر کے نور کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ آفتاب کا جمال اس کے سامنے ہیچ ہوتا ہے۔ اس لئے لازماً اسے آفتاب کی روشنی کم نظر آتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آفتاب کی روشنی فی الواقع کم ہو جاتی ہے۔ روشنی بدستور ہوتی ہے۔ لیکن اسے کم نظر آتی ہے۔ اس نے پھر کہا کہ ایک علامت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس رات قدر سے امیر ہوتا ہے۔ اور بوندا باندی بھی ہوتی ہے۔ فرمایا ہر شب قدر کو بارش کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ بارش سے سے مراد بارانِ رحمت ہے۔ جو ہر شب قدر میں ہوتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں **رایتنی اسجد فی ماء و طین** (میں نے دیکھا کہ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں) چنانچہ روایت ہے کہ اس کا ثرج تک آنحضرت ﷺ کی جبیں مبارک پر رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اتفاقاً اس رات بارش ہوگئی تھی۔ اور رسول خدا ﷺ آب وگل میں خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز رہے اور اس کا اثر حج تک آپکی جبیں مبارک پر رہا۔ لہذا شب قدر میں بارش کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اتفاقاً اس رات بارش ہوگئی تھی جس کا ذکر روایات میں آیا ہے۔

اس روز شیخ سعید کا بیٹا شیخ عمر اپنے لڑکے کے ہمراہ لایا تھا۔ جس کی عمر بارہ سال ہوگی۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ پانچ آیات قرآن مجید سے پڑھ کر حضرت اقدس کو سناؤ جب لڑکے نے پانچ آیات پڑھ لیں تو حضرت اقدس نے بچے پر شفقت فرمائی اور شیخ عمر سے فرمایا کہ چھوٹے بچوں کا مجالس میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا اچھی بات ہے لیکن اس سے بچہ شوخ بھی ہو جاتا ہے اور پھر

مجالس میں غزلیں اور گانا بھی شروع کر دیتا ہے جو اچھی بات نہیں ہے۔ کیونکہ بچوں کو شوخ (بے شرم) نہیں ہونے دینا چاہیے بلکہ ان کو مخلوق کے سامنے شرم وحیا اور ادب واحترام کے ساتھ رہنے کی تربیت دینی چاہیے۔ نیز فرمایا کہ میں کسی شخص کو نعلین میں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی شخص پڑھ بھی لیتا ہے تو بغیر اجازت پڑھتا ہے اجزت سے نہیں پڑھ سکتا بہت لوگ مجھ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ اگر پڑھنا ہے تو غزل پڑھو۔ لیکن مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے کہ تم صف نعلین (جوتوں والی یعنی آخری صف) میں بیٹھ کر قرآن پڑھو اور لوگ صدر میں بیٹھیں بلکہ قرآن خوان کے لئے علیحدہ حدود میں بیٹھنا چاہیے۔ اور ہم سب ہاتھ باندھ کر آپ کے سامنے بیٹھیں اور قرآن مجید سنیں۔ قرآن مجید کی عزت کرنا چاہیے۔

شنبہ ۱۱۔ شوال ۲۰۸ھ

اسرارِ الٰہی پوشیدہ رکھنا بہتر ہے

چاشت کے وقت اسرار خداوندی پوشیدہ رکھنے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا عوام کے سامنے اسرار و رموز خدائی ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں یا بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔ نیز جو لوگ اہل ہیں ان کو بھی اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے نقصان ہوتا ہے۔ اس کے مطابق آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔ فرمایا ایک دن حضرت ذوالنون مصریؒ کہیں جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مقام پر لوگ جمع ہیں اور کسی شخص کو سنگ سار کر رہے ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس مسکین کو کیوں سنگ سار کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ اے ذوالنون جو کچھ یہ کہتا ہے اگر آپ سن لیں تو آپ ہم سے زیادہ اس کو پتھر ماریں گے۔ اور اس کا پیٹ پھاڑ دیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ اے جوان کیا تو یہ بات کہتا ہے۔ اس نے کہا اے ذوالنون اگر اس کو نہ دیکھوں تو کیسے زندہ رہ سکتا ہوں۔ یہ سن کر آپ آبدیدہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! اسے سنگ سار کرو یہ اس قابل ہے[1]۔

---

[1] یہ الفاظ آپ نے بے بس ہو کر کہے کیونکہ عام لوگ اُس مردِ خدا کے بلند پایہ بات کو سمجھنے سے قاصر تھے لہذا آپ نے مایوس ہو کر دخل دینا چھوڑ دیا۔

عشاء کی نماز کے بعد خلفاء وحکام بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا ظلم صرف اہل بیعت رسول اللہ ﷺ پر تھا۔ باقی لوگوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ جیسا کہ کتب تواریخ میں ان کے مناقب درج ہیں۔ ایک دن خلیفہ منصور دوانقی نے مدینہ منورہ کے سفر کے دوران چار سو اونٹ کرایہ پر لئے جب اختتام سفر پر حمال نے کرایہ طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ حمال نے قاضی کی عدالت میں درخواست دے دی۔ قاضی نے بادشاہ کی طلبی کا پروانہ جاری کیا۔ جب قاضی کا چپڑاسی بادشاہ کے پاس پروانہ لے کر پہنچا تو بادشاہ نے تمام حکام کو حکم دیا کہ مجھے قاضی نے طلب کیا ہے۔ تم لوگ سب اپنے اپنے دفاتر میں بیٹھے رہو۔ یہ سن کر تمام افسران دفاتر میں بیٹھ گئے۔ بادشاہ جوتا پہن کر بھاگتا ہوا قاضی کے دفتر میں پہنچا۔ اس نے راستے میں ارادہ کر لیا اگر قاضی نے میری تعظیم کی یا میرے لئے اٹھا یا میرے خلاف کارروائی کرنے میں تاخیر کی اور اس نے مجھے سائل پر کسی قسم کی ترجیح دی تو اُسے قضا سے معزول کر دوں گا۔ جب بادشاہ قاضی کی عدالت میں آیا تو قاضی نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ اور اپنے کاغذات دیکھتا رہا۔ فراغت کے بعد اس نے مدعی اور مدعا علیہ کو یکجا کھڑا کیا اور مدعی کو مخاطب کر کے پوچھا کہ تمہارا اس شخص (بادشاہ) کے خلاف کیا دعویٰ ہے۔ اس نے کہا کہ بادشاہ نے میرے چار سو اونٹ کرایہ پر لئے اور اب وہ مجھے میری مزدوری نہیں دیتا۔ قاضی نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے شخص تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ تم اس کو اس کا حق کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا دیتا ہوں۔ قاضی نے کہا جلدی کرو۔ بادشاہ نے کہا بہت اچھا۔ یہ کہہ کر اپنے محل میں واپس آیا اور رقم ادا کرنے کے بعد اُسی قاضی کی تقرری کے لئے جدید فرمان جاری کیا۔

فرمایا ایک دفعہ خلیفہ منصور کے پاس سید عبداللہ محض کے بیٹے حسینی سادات بیٹھے ہوئے تھے۔ اور خلیفہ ان کے ساتھ خوشی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ان سادات کے لئے ایک جواہرات کا تھیلہ منگوایا۔ جواہرات بہت باریک تھے۔ تقسیم کے وقت ایک سید نے کہا کہ جب خلیفہ ہمارے ساتھ خوش ہوتا ہے۔ تو ہمیں کم قیمت تحفے دیتا ہے۔ اس سے اسے غصہ آیا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور اندر جا کر حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر لو۔ یہ حکم سنتے ہی سادات نے بھاگنا شروع کیا لیکن پھر بھی اُن میں سے اٹھارہ آدمی پکڑے گئے۔ ان کو خلیفہ نے ایک تنگ و تاریک حجرہ میں بند کر کے باہر سے دروازہ بند کر دیا حتّٰی کہ کھانا پینا بھی

موقوف کر دیا۔ حجرہ اس قدر تنگ تھا کہ بول براز کے لئے بھی جگہ نہ تھی اور وہ ایک دوسرے پر بول براز کرتے رہے۔ آخر اسی قید میں رہ کر چند ایام کے اندر وہ سب کے سب جاں بحق ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہارون الرشید نے حضرت جعفر صادقؓ کے بیٹے محمد دیباج کو زندہ در گور کر دیا تھا۔ اور قاضی ابو یوسف دیکھتا رہ گیا۔ فرمایا کہ اہل بیعت پر اس ظلم کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کہتا تھا اہل بیعت ہماری پرواہ نہیں کرتے۔ ہماری حکومت کے لئے خطرہ ہیں اور اس کی وجہ سے لوگ ہماری پرواہ نہیں کرتے۔ لہذا جب تک اہل بیعت زندہ ہیں ہمیں چین نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی نے خلیفہ منصور ذوانقی سے کہا کہ کوفہ میں ایک امیر آدمی رہتا ہے۔ جس کے پاس بنی امیّہ کا بہت مال ہے۔ خلیفہ نے کوفہ کے حاکم کو لکھا کہ فلاں آدمی کو میرے پاس بھیج دو۔ حاکم نے اُسے بغداد بھجوا دیا۔ جب اس آدمی نے خلیفہ سے طلبی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کیا تمہارے پاس بنی امیّہ کا مال ہے۔ اس نے کہا ہاں ہے۔ تجھے اس سے کیا تعلق۔ خلیفہ نے کہا یہ بیت المال کا مال ہے۔ اس نے کہا اسبات کا کیا ثبوت ہے۔ کہ بنی امیّہ کے پاس بیت المال کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ میرے پاس اُن کا وہ مال ہے جو ان کے اپنے باپ دادا سے وارثت میں ملا تھا۔ آپ کس بنا پر یہ مال مجھ سے طلب کر رہے ہیں۔ منصور نے دل میں کہا کہ اس آدمی نے ایسی وجہ بتائی ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اب خلیفہ نے اُس سے کہا کہ اچھا اب واپس جا سکتے ہو۔ اس پر اُس تاجر نے کہا اے خلیفہ جو کچھ میں نے آپ کے سامنے کہا ہے۔ سچ کہا۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ آپکو کس نے میری شکایت کی ہے۔ خلیفہ نے اُس آدمی کو بلا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس کو دیکھ کر تاجر نے ہنس دیا۔ اور کہا کہ یہ تو میرا غلام ہے۔ مدت کے بعد اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اس کے غلام ہو۔ اس نے کہا جی ہاں اس کا غلام ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے اس کی شکایت کس وجہ سے کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے آقا کا مال تلف کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ مجھ سے ناراض تھا۔ میں نے اس کے خلاف شکایت اس لئے کی ہے کہ اُسے معلوم ہو جائے کہ میں بغداد میں ہوں۔ اور میں اس پر بلا نازل کراؤں تا کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ سن کر خلیفہ نے اس غلام کو تاجر کے حوالے کر دیا۔ تاجر نے کہا کہ چونکہ مجھے اس غلام کی وجہ سے خلیفہ کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں اُسے آزاد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُسے آزاد کر دیا۔

یکشنبہ ۱۲۔شوال ۸۰۲ھ

اسرار خداوندی

چاشت کے بعد اسرارِ خداوندی کے اشکال (مشکل ہونا) اور اختفا (چھپانا) کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا حضرت بلالؓ بن سہیبؓ اور سلمان فارسیؓ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دروازے پر آ کر کہتے تھے۔ کہ تعالو انومن ساعتۃً (آؤ ایک گھڑی کے گئے مومن بن جائیں۔) یہ بات حضرت ابوبکرؓ پر گراں گزرتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ یارسول اللہ الینا بمؤمنین (یارسول اللہ کیا ہم مومن نہیں ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اَنتم مُومِنُونَ وَ رَبّ کَعبَہ (رب کعبہ کی قسم تم مومن ہو) انہوں نے عرض کیا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ موالی (غلامان) ہمارے پاس آ کر کہتے ہیں کہ آؤ ایک ساعت کے لئے مومن بن جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایمان سے ان کی مراد اور ایمان ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب کر کے فرمایا کہ تم شراب ایک جگہ پر پیتے ہو تو بدمستی دوسری جگہ پر جا کر کرتے ہو۔ الزموا علی عذر کم (اپنا وقار قائم رکھو) اور بدمستیاں چھوڑ دو۔ اس روایت میں چند اشکال (مشکلات) ہیں۔ ایک یہ کہ موالی (غلام لوگ) افضل صحابہ کرام کے پاس جا کر کہیں آؤ ایک ساعت کے لئے مومن بن جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کلمات کا سمجھنا افضل صحابہ کے لئے کیوں مشکل تھا۔ کہ رسول خدا ﷺ سے ان کو وضاحت طلب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اکابر صحابہ مقام تمکین [1] پر تھے اور موالی حضرات مقام تلوین [2] پر۔ لیکن پھر اکابر صحابہ کرام کا رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر شکایت کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر وہ مقام تمکین میں تھے تو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ مقام تلوین کے لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک بڑا شرابی جو پے در پے شراب کے پیالے پی کر بھی مست نہیں ہوتا اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک دو پیالے پی کر مست ہونے والا شرابی مجبور ہوتا ہے۔ اور اس کی بدمستی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور بڑے شرابی جانتے ہیں کہ یہ بے چارہ کم ہمت اور خام ہے۔ اس لئے بدمست ہو جاتا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے

1 تکوین سے مراد حال پر غالب ہونا ہے۔
2 مقام تلوین سے مراد وہ مساکین ہیں جو تھوڑی سی واردات کے بعد مغلوب الحال اور بدمست ہو جاتے ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ ایمان سے ان کی مراد دوسری قسم کا ایمان ہے۔ لیکن پھر آپ ؐ نے اس ایمان کی وضاحت نہ فرمائی۔ اس سے مشکل تر بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی یہ دریافت نہیں کرتے کہ دوسری قسم کا ایمان کیا ہے۔ جس کی طرف موالی لوگ ہمیں دعوت دے رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس جہان میں نقد وقت[1] ہے۔ اور خوش قسمت اصحاب اس پر فائز ہوتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

چہ بکونین مے شوی مغرور　　ہر دو عالم بدین مبادلہ کن

صورتِ خوب توزبسمہ اوست　　باز خواں و بہ بین مقابلہ کن

(اے بے خبر تو دولت کونین پر کیوں مغرور ہو رہا ہے۔ ہمارے پاس جو دولت (باطنی) ہے اس کے بدلے دو جہاں کی دولت کچھ نہیں۔ تیری خوبصورت شکل حسن ازلی کی ایک ادنیٰ کرن ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس کا دولت ابدی سے مقابلہ کر کے دیکھو کہ کس قدر فرق ہے۔)

اس کے بعد یہ رباعی پڑھی۔

دل در تگ و پونہ شد نکوشد کہ نشد　　جز بر تو فرد نشد نکو شد کہ نشد

گفتی کہ برنجم ارنکو شد کارت　　دیدی کو نکو نشد و نکو شد نہ نشد

(دنیا کی طلب میں دل مشغول نہ ہوا تو اچھا ہوا نہ ہوا۔ اور مال دنیا تجھے نہ ملا تو اچھا ہوا نہ ملا تو کہتا ہے کہ میری دنیاوی مراد پوری نہ ہوئی اچھا نہ ہوا۔ دراصل مراد پوری نہ ہوئی تو اچھا ہوا۔)

[1] نقد وقت سے مراد واردات الٰہی ہیں جو ہر سالک پر اس کے مقام اور ظرف کے مطابق اس پر ہوتی ہیں۔ بالفاظ دیگر حال کا مقام بن جانا بھی نقد وقت کہا جا سکتا ہے۔ حال عارضی ہوتا ہے آتا ہے اور چلا جاتا۔ جب حال کو دوام اور استحکام حاصل ہوتا ہے تو وہ دائمی طور پر سالک پر طاری ہوتا رہتا ہے۔ فی صلاتھم دائمون سے یہی مراد ہے۔ گویا نقد وقت ہر سالک کا درجہ ایمان ہے۔ جس پر وہ ترقی کے دوران وقتاً فوقتاً فائز ہوتا جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کا مرتبہ ایمان دوسرے سے علیحدہ ہوتا ہے اس لئے اُسے خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس دولت سے سرفراز ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ موالی صحابہ کرام نے اکابر صحابہ کو اپنے درجہ ایمان کو اعلیٰ وارفع سمجھ کر ان کو اس کی دعوت دی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ یہ ایمان اور ایمان ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ ہر شخص کا درجہ ایمان مختلف ہوتا ہے۔ اور ہر شخص چونکہ اپنے ایمان کی لذت وحلاوت سے واقف ہوتا ہے دوسروں سے واقف نہیں ہوتا۔ اس لئے فوراً دعوت دیتا ہے۔ اسباب گویا اس راز کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جانتے تھے اس لئے سوال نہ کیا۔

حضرت علیؓ کا بلند مقام حقیقت کا مجاز میں جلوہ گر ہونا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے بعد مصلا پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھو چنانچہ سب لوگ آئے اور آنحضرت ﷺ کا دیدار مبارک کیا۔ لیکن حضرت علیؓ نہ آئے اور اپنے مقام پر بیٹھے رہے۔ دوسرے دن حضرت علیؓ نے بیٹھ کر خلق خدا سے کہا کہ آؤ مجھے دیکھو۔ لوگوں نے رسول خدا ﷺ سے پوچھا کہ علیؓ کیا کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کچھ علیؓ کہتا ہے اسی طرح کرو۔ چنانچہ سب نے جا کر حضرت علیؓ کی زیارت کی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور یہ کیا راز ہے کہ کل آپ نے فرمایا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھو ہم سب آئے اور دیدار کیا لیکن آپ نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ کیا راز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل عالم قدس میں سے ایک صورت مجھ پر جلوہ گر ہوئی اور مجھے بغل گیر کیا۔ اس سے میرے سینہ و قلوب میں اس قدر لذت خنکی اور راحت پہنچی کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کا احساس صرف اہل ذوق ہی کو ہو سکتا ہے۔ میں نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ چیز صرف میرے لئے مخصوص ہے یا کسی اور کا بھی اس میں حصہ ہے فرمان ہوا کہ انبیاء میں سے یہ صرف آپ کا حصہ ہے۔ یہ دولت ہم نے کسی اور کے نصیب نہیں کی۔ میں نے عرض کیا خداوندا کیا میری امت میں سے بھی کسی کو یہ دولت نصیب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میری عادت ہے جو چیز مجھے ملتی ہے اس کی امت کے لئے بھی خواہش کرتا ہوں۔ فرمان ہوا کہ اپنے چاورں یاورں میں سے ایک کو لاؤ تا کہ اس کو بھی یہ دولت عطا کی جائے چنانچہ میں ابوبکرؓ کو لے گیا۔ فرمان ہوا کہ اس کو واپس بھیج دیں یہ چیز اس کی قسمت میں نہیں ہے۔ جب عمرؓ کو لے گیا تو بھی یہی جواب ملا۔ یہی حال عثمانؓ کا ہوا جب علیؓ کو لے گیا تو فرمان ہوا کہ مجھے بھی اس کی تلاش تھی۔ اس کے بعد وہی صورت علیؓ پر جلوہ گر ہوئی اور اس نے اُن کو اپنی آغوش میں لے لیا اور مجھے بھی ہمکنار کیا لیکن اس دفعہ جو لذت مجھے اس سے حاصل ہوئی وہ پہلی بار سے ہزار گنا زیادہ تھی۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ کیا یہ نعمت صرف ہم دو کی قسمت میں ہے یا امت میں سے کسی اور کو بھی مل سکتی ہے۔ فرمان ہوا اگر کل صبح جو شخص آپ کی زیارت کرے گا اس کو بھی اس سے کچھ حصہ ملے گا اور جو شخص کل علیؓ کی صورت دیکھے گا اس کو بھی حصہ ملے گا۔

سچا طالب کون ہے

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ طالب کی شرط یہ نہیں کہ پہلے مقصود کے حصول کا امکان معلوم کرے (کہ ممکن ہوسکتا ہے یا نہیں) اور اس کے بعد طلب کرے بلکہ طالب وہ ہے جو کہ طلب بلا اختیار اس کے دل میں گھر کرے خواہ تمام اہل عقل اور اصحاب تجربہ متفقہ طور پر کہہ رہے ہیں۔ کہ اس چیز کا حصول محال ہے ان کی مطلق پروانہ کی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات بشری کمزوری کی وجہ سے وہ تامل کرتا ہے اور متردد ہوتا ہے لیکن آتش عشق کا طوفان جو حق تعالیٰ نے اس کے دل میں رکھا ہے وہ لوگوں کے کہنے سننے سے کس طرح فرو ہوسکتا ہے۔ طالب مولا کے سامنے اگرچہ علماء ظاہر اور فقہا طرح طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں کہ وصل الی اللہ اور رویت باری تعالیٰ محال ہے اور طالب بیچارہ بھی اپنے دل میں کہتا ہے کہ فلاں عالم' فلاں زاہد' فلاں مجتہد اور فلاں متقی و پرہیز گار ہے یہ کہا ہے وہ کہا ہے لہذا اے دل تو اس چیز سے باز آ جا کیونکہ تو اس قابل نہیں ہے کہ جمال با کمال حق تک پہنچ سکے لیکن پھر جب گھر آتا ہے اور آتش عشق اس کے اندر موجزن ہوتی ہے تو طلب حق کا غلبہ پہلے سے بھی زیادہ محسوس کرتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دل راز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ

این بت پرست کہنہ مسلمان نمے شود

(میں دل کو جس قدر ملامت کرتا ہوں اور عشق سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہوں یہ پرانا بت پرست ہرگز مسلمان نہیں ہوتا۔)

استقامتِ مجنوں

اس کے مطابق حضرت اقدس نے لیلیٰ و مجنوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ لوگوں نے مجنوں سے دریافت کیا کہ اگر تم لیلیٰ کے ساتھ ایک ہی بستر میں ہو اور لیلیٰ تیری طرف التفات نہ کرے تو کیا کرو گے۔ اس نے جواب دیا کہ میں لیلیٰ کی خواہش کے تابع ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تجھے بستر سے باہر پھینک دے تو کیا کرو گے۔ اس نے کہا اس کے پاؤں پکڑ لوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر وہ تجھے پاس نہ بیٹھنے دے تو کیا کرو گے۔ اس نے کہا دور کھڑا ہو کر

نظارہ کرتا رہوں گا۔لوگوں نے کہا کہ وہ تجھے گھر سے بھی نکال دے تو کیا کرو گے۔اس نے جواب دیا کہ باہر بیٹھ جاؤں گا۔لوگوں نے کہا اگر وہ باہر بھی نہ بیٹھنے دے تو کیا کرو گے۔اس نے کہا لیلیٰ کے کتوں میں شامل ہو کر اس کی گلی ہی میں پھرتا رہوں گا۔

مرا گویند اینجا کیتی تو
سگم گرد سرائے ایں کو گردم

(اگر لوگوں نے مجھے کہا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو تو جواب دوں گا کہ میں اس کوچہ کا کتا ہوں اور شب روز اس کا طواف کرتا ہوں)

لوگوں نے کہا تجھے کوچہ لیلیٰ میں پھرنے سے روک دیا گیا تو پھر کیا کرو گے اس نے جواب دیا کہ لیلیٰ کے شہر میں سکونت اختیار کرلوں گا۔انہوں نے کہا اگر شہر سے بھی نکال دیا تو کیا کرو گے۔اس نے کہا دور کسی جگہ بیٹھ کر لیلیٰ کے شہر کی طرف منہ کرلوں گا۔لوگوں نے کہا اگر اس سے بھی روک دیا گیا تو کیا کرو گے اس نے جواب دیا کہ۔ؔ

منم و خیالِ لیلیٰ شب و روز باجمالش

(رات دن خیال لیلیٰ اور اس کے حسن و جمال کے تصور میں مست رہوں گا)

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب کون ہے جو اس کو اس کام سے باز رکھ سکے۔جو شخص اس مقام پر پہنچ جاتا ہے اُسے مقصو حاصل ہو جاتا ہے۔سلوک الی اللہ کیا ہے۔مشاہدہ جمال محبوب پر استقامت کے سوا کچھ نہیں۔اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

دولتِ عشق را نہایت نیست عاشقاں را جز بدایت نیست
عشق حیّ است از برون بشر آب وگل مرد را کفایت نیست
عشق را بو حنیفہؒ درس نگفت شافعیؒ را در و روایت نیست
بوالعجب سورتے است سورت عشق چار مصحف درو یک آیت نیست

۱۔ دولتِ عشق کی کوئی انتہا نہیں ہے اور عاشق لوگ ابھی اس کی ابتدا میں ہیں۔
۲۔ عشق وہ جذبہ ہے جو بشر سے باہر کی چیز ہے اور مادی غذا کی اس کو ضرورت نہیں۔
۳۔ عشق کا درس نہ امام ابوحنیفہؒ نے دیا نہ امام شافعیؒ نے۔

۴۔ عشق ایک ایسی عجیب وغریب سورت ہے جس کے اندر چار قرآن ایک آیت کے برابر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔فرمایا کہ جب حق تعالیٰ نے عزرائیلؑ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان قبض کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہواور کہاں سے آئے ہو۔اس نے جواب دیا کہ میں عزرائیلؑ ہوں اور آپ کی جان لینے آیا ہوں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضبناک ہوکران کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔عزرائیلؑ نے حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کی کہ خداوندا تو نے مجھے ایسے آدمی کے پاس بھیجا ہے جو مرنا پسند نہیں کرتا اور اس نے میرے منہ پر ایسا تھپڑ مارا ہے کہ میری ایک آنکھ ضائع ہوگئی ہے۔حق تعالیٰ نے عزرائیلؑ کو اور آنکھ دے دی اور فرمایا کہ موسیٰؑ سے کہو خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر تجھے زندگی محبوب ہے تو گائے کی پشت پر ہاتھ رکھو جس قدر بال تمہارے ہاتھ کے نیچے آئیں گے تیری عمر اتنے سال ہوگی۔بعض کہتے ہیں کہ یہ فرمان ہوا کہ بہشت سے ایک سیب لے جاؤ اور موسیٰؑ کو دو۔غرضیکہ جب دوسری بار عزرائیلؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے تو ان سے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کو زندگانی محبوب ہے تو گائے کی پشت پر ہاتھ رکھو جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے آپ کی عمر اتنے سال ہوگی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔انہوں نے جواب دیا کہ اس کے بعد موت ہوگی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب عاقبت میں اس بلا سے خلاصی نصیب نہیں اور مُنتہائے کار یہی ہے تو بہتر ہے ابھی موت آجائے۔دوسری روایت میں آیا ہے جب عزرائیلؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں سیب دیا تو انہوں نے اُسے کاٹا۔اس کے اندر ایک ایسی حسین وجمیل اور لطیف صورت دیکھی کہ ان کے لئے جان دے دی۔ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صحرا میں جارہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ فرشتے ایک قبر کھود رہے ہیں جو نہایت فراخ اور خوشنما تھی۔انہوں نے پوچھا کہ یہ قبر کس خوش نصیب شخص کے لئے ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ اس کے اندر لیٹ جائیں اور پسند آجائے تو یہ آپ کے لئے ہوگی۔جب آپ اس کے اندر جا کر لیٹ

گئے تو اس قدر ٹھنڈک' لطافت' خوشی اور ذوق محسوس ہوا کہ فوراً جان دے دی۔

اس کے بعد جوانی کی قوت اور فضیلت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ عمر کا پودا جوانی کے ایام میں نیا ہوتا ہے جس طرح چاہو اس کی تربیت ہو سکتی ہے۔ جو پودا بڑا ہو گیا اور چالیس سال سے زیادہ اس کی عمر ہو گئی تو پھر اس کی تربیت نہیں ہو سکتی اور جو کچھ بن جاتا ہے وہی رہتا ہے۔ اس سے زیادہ اصلاح نہیں ہوتی چنانچہ داناؤں نے کہا ہے "بڈھا طوطے نہیں پڑھتا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت علیؓ حضرت بی بی فاطمہؓ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نے اپنا کھانا مساکین کے حوالہ کر دیا تو ان کے حق میں یہ آیت اتری۔ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ وَ مِسْكِينًا ـــــ۔ (حق تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے وہ غرباء و مساکین یتیمی اور قیدیوں کو طعام کھلاتے ہیں) فرمایا اس کا ذکر خیر المجالس[1] میں ہو چکا ہے۔

دوشنبہ ۱۳۔ شوال ۸۰۲ھ

دوپہر کے وقت بعض آدابِ صوفیاء کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا اگر کوئی شخص کوئی تحفہ ایک صوفی کے لئے لائے اور غلطی سے دوسرے صوفی کے پاس چلا جائے لیکن پھر متنبہ ہو کر اسی اصلی صوفی کے پاس آ جائے تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صوفی اُسے پہلے صوفی کے پاس بھیج دے یہ کہہ کر کہ پہلے یہ آپ کے پاس آیا اس لئے یہ تحفہ آپ کا ہے۔ آپ قبول کریں اسکے مطابق آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ہمارے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ مولانا شمس الدین یحیٰیؒ مولانا علاؤ الدین نیلیؒ اور جلال اودھیؒ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا قدس سرہ' کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ تمام صوفیاء یکجا تھے لیکن ہمارے خواجہ (حضرت خواجہ نصیر الدینؒ) اُن سے علیحدہ رہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے کھچڑی کا ایک تھیلہ ہمراہ کر دیا تھا۔ پہلی منزل پر آپ نے وہ تمام کھچڑی نکال کر پکائی اور سب لوگوں کو کھلا دی۔ یہ دیکھ کر مولانا شمس الدین نے مولانا علاؤ الدین سے کہا کہ دیکھو اس لڑکے نے کیا کیا ہے سارا زادِ راہ نکال کر ایک منزل پر خرچ کر دیا ہے۔ آگے چل کر کیا کرے گا۔ آخر یہ سفر ہے گھر نہیں ہے۔ عصر کی نماز کے وقت ایک شخص نے آ کر مولانا شمس الدین سے دریافت کیا کہ مولانا نصیر الدین محمودؒ نے کہاں قیام کیا ہے۔ جب انہوں نے اس جگہ کی نشان دہی کی تو اس

---

[1] خیر المجالس حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ خادم دربار مولانا حمید قلندر نے جمع کئے۔

نے جا کر آپ کی قدم بوسی کی اور پانچ اشرفیاں نذر کیں جب وہ چلا گیا تو آپ نے اپنے خادم خواجہ بشیر کو طلب کر کے فرمایا کہ یہ رقم مولانا شمس الدینؒ کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہو کہ چونکہ وہ شخص پہلے آپکے پاس آیا اور میرا پتہ دریافت کیا پھر میرے پاس آیا یہ تحفہ آپکا حق ہے۔ آپ قبول فرمائیں۔ اس پر مولانا شمس الدینؒ نے پھر مولانا علاؤ الدین نیلیؒ سے کہا کہ دیکھو یہ جوان کیا کرتا ہے پہلے اپنا سارا زادِ راہ پہلی منزل پر لوگوں کو کھلا دیا اب جب کہ غیب سے کچھ ملا ہے تو میرے پاس بھیج دیا ہے۔ شام کی نماز کے وقت حضرت خواجہ نے بشیر خادم کو طلب فرما کر کہا کہ جاؤ گھاس کا ایک گٹھا لے آؤ۔ یہ دیکھ کر سب لوگ یہاں نماز پڑھنے آ گئے تو کیا کریں گے۔ اس لئے گھاس منگوایا ہے تا کہ گھاس بچھا کر نماز ادا کی جا سکے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ کے ہاں بھی آذان دی گئی اور دوسرے صاحبان کے ہاں بھی۔ لیکن سب لوگ دوڑتے ہوئے حضرت خواجہؒ کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔ اور مولانا علاؤ الدینؒ وغیرہ کے پاس چند نفر بچ رہے۔ یہ دیکھ کر مولانا علاؤ الدینؒ نے مولانا شمس الدینؒ سے کہا کہ آپ دانا آدمی ہیں آپ بتایئے کہ نماز وہ بہتر ہے جہاں زیادہ آدمی ہوں یا وہ بہتر جہاں کم ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جہاں زیادہ ہوں۔ انہوں نے کہا ہمیں بھی زیادہ لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جائے نمازیں اٹھائیں اور حضرت خواجہؒ کے ہاں جا کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد فرمایا سبحان اللہ! حضرت خواجہؒ جانتے تھے کہ لوگ آپ کے ہاں نماز ادا کریں گے اس لئے گھاس منگوایا تھا۔ نماز کے بعد ایک شخص طعام کا خوانچہ لے کر آیا اور دریافت کیا کہ مولانا نصیر الدین محمودؒ کہاں ہیں۔ اس نے وہاں جا کر طعام ان کے سامنے رکھا اور کھانا اس قدر زیادہ تھا کہ سب نے افطار کیا اور بقیہ وہاں کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ مولانا علاؤ الدینؒ نے مولانا شمس الدینؒ سے فرمایا کہ دیکھ لیا۔ آپ کہہ رہے تھے کہ وہ کیا کھائے گا۔ خدا رزاق ہے اس کو کس طرح رزق پہنچا رہا ہے۔ اس حکایت سے ہمارا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ حضرت خواجہؒ نے پانچ اشرفیاں اس لئے مولانا شمس الدینؒ کے پاس بھیجی تھیں کہ اشرفیاں لانے والا آدمی پہلے مولانا شمس الدینؒ ہی کے ہاں آیا تھا۔ اور ان سے پوچھا تھا کہ مولانا نصیر الدین محمودؒ کہاں ہیں۔ یہ آداب درویشی ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک معزز آدمی حضرت شیخ (حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ) خدمت میں پائے بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَعْمَا

لِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُمْ وَنِیَاتِکُمْ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں کو اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب اور نیات کو دیکھتا ہے۔ جس کسی کو حق تعالیٰ پاک نفس اور ایسا دل عطا کرتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہے اور اسکی یاد میں مستغرق ہے اس کی زندگی کی مراد حاصل ہوگئی۔ آدمی اگر مالک ہے یا غلام' تاجر ہے یا مزدور اگر نفس پاک اور دل بیدار رکھتا ہے تو سب کچھ رکھتا ہے ورنہ حق تعالیٰ کے ہاں اس کی قیمت نیم جو کے برابر بھی نہیں ہے اور وہ کسی کام کا نہیں ہے۔ غرض یہ ہے کہ انسان کا مال و دولت راہِ حق میں مانع اور قرب حق کے منافی نہ ہو۔

اس مضمون کے مطابق آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

حکایت

ایک دفعہ دہلی میں خشک سالی ہوئی۔ ہمارے خواجہ (خواجہ نصیر الدینؒ) اپنے چبوترہ پر موجود تھے۔ جب لوگ نمازِ استسقٰی کی خاطر باہر آئے تو آپ بھی باہر تشریف لے آئے۔ آپ نے بزرگان سلف کے آداب کے مطابق نہایت عجز وانکسار کے ساتھ نماز ادا کی اور گڑگڑا کر بارانِ رحمت کے لئے دُعا مانگی۔ لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور سب لوگ اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اگر چہ دُعا فوراً قبول نہ ہوئی لیکن بعد میں بارش ضرور ہوئی۔ لیکن پھر بھی جب یہ احقر شام کے وقت حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا تم بھی نماز استسقاء میں شامل تھے۔ عرض کیا کہ جی ہاں شامل تھا۔ فرمایا تم نے دیکھا کہ لوگ ہمارے متعلق کیا کیا چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور خلقت مجھ سے کس قدر بدظن تھی لیکن ہم کیا کر سکتے تھے۔ آخر شرمندگی اٹھانا پڑی۔

ایک مخنّث کا مقامِ قُرب

فرمایا اس سے پہلے بھی ایک دفعہ دہلی میں خشک سالی ہوئی۔ اس وقت شہر میں مولانا بدرالدین سمر قندیؒ رہتے تھے اور سب لوگ آپ کے معتقد تھے۔ چنانچہ لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل نماز استسقاء میں شرکت فرمائیں اور دُعا کریں۔ مولانا نے جس قدر معذرت کی کسی نے نہ سُنی۔ آخر آپ نے انکی دعوت قبول کر لی۔ دروازہ سیری کے قریب ایک بزرگ رہتے تھے۔ مولانا بدرالدین انکے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے انہیں دیکھ کر کہا کہ مولانا آپ پریشان نظر آرہے

ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے میری گردن پر چھری رکھی ہے کہ کل نماز استقاء میں شامل ہو کر بارانِ رحمت کے لئے دُعا کرو لیکن مجھے اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے کہ میری دُعا سے بارش ہو۔ پس کل لوگوں کے سامنے ضرور میری رسوائی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اس دروازے کے اندر ایک درویش رہتے ہیں اگر وہ دعا کی دعوت قبول کریں تو آپ رسوائی سے بچ جائیں گے اور خلق خدا بھی قحط سے نجات پائے گی۔ ضرور بارش ہوگی۔ آپ عصر کے وقت یہاں تشریف لے آئیں میں ان کے پاس جا کر عرض کروں گا۔ مولانا شام کے وقت دروازہ سیری پر تشریف لے گئے اور قریب کی مسجد میں نماز شام ادا کی۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی مولانا بدرالدین کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولانا انہوں نے درخواست قبول کر لی ہے۔ اب آپ تشریف لے آئیں۔ اور اس آدمی نے مولانا کو ایک ہجڑے کے پاس لا کر کھڑا کر دیا۔ مخنث کو دیکھ کر مولانا ہچکچانے لگے کیوں کہ شہر میں ان کو کافی شہرت حاصل تھی اور مخنث کے پاس جانا معیوب نظر آ رہا تھا۔ ان کی ہچکچاہٹ دیکھ کر اس آدمی نے کہا مولانا گھبرائیں مت۔ پہلے اپنا ارادہ مضبوط کریں مولانا کی یہ حالت دیکھ کر اس ہیجڑے نے کہا کہ مولانا آپ بزرگ آدمی اور خلقت کے پیشوا ہیں۔ آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ مولانا نے کہا اے خواجہ مسلمانوں کی بہتری کا کام ہے۔ خشک سالی کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ان کی امداد کر سکتے ہیں۔ اس لئے آپ مہربانی کریں۔ مخنث نے جس کا نام خواجہ راحت تھا اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ پانی لاؤ۔ خادمہ نے پانی' مسواک اور مصلّٰی پیش کیا۔ خواجہ راحت نے وضو کیا اور جائے نماز پر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد کہا کہ مولانا کل جب لوگ نماز استقاء کے لئے جمع ہوں تو آپ نے جو کچھ بزرگوں سے سُنا ہے اُسی مطابق نماز ادا کریں اور بارانِ رحمت کیلئے دعا کریں اگر بارش ہو جائے تو بہتر۔ ورنہ میرے پیراہن کا ایک دھاگہ لے جائیں یہ کہہ کر انہوں نے پیراہن میں سے ایک دھاگہ توڑ دیا اور کہا کہ اس کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر اس طرح دعا کریں کہ الٰہی فلاں مخنث کے پیراہن کے دھاگے کی برکت سے بارانِ رحمت بھیج وہ پیراہن جو اس نے تیری رضا کی خاطر زیب تن کیا ہے۔ مولانا بدرالدینؒ نے فوراً وہ دھاگہ لے لیا اور اسے آنکھوں سے لگا کی اپنی دستار میں باندھ لیا۔ دوسرے دن نماز استقاء کی خاطر خلق خدا جمع ہوگئی۔ مولانا بدرالدینؒ نے روایات سلف کے مطابق نماز پڑھی اور دعا مانگی لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر انہوں نے گرہ کھول کر دھاگہ نکالا اور ہتھیلی

پر رکھ کر دُعا کی کہ خداوندا خواجہ راحت کے دامن کے اس دھاگے کی برکت سے جسے اس نے سوائے تیری رضا کے زیب تن نہیں کیا۔ اپنے بندوں کو بارانِ رحمت عطا کر۔ یہ کہنا تھا کہ ہوا چلی اور چاروں طرف بادل چھا گئے اور ابھی لوگ اپنے گھروں میں نہیں پہنچے تھے کہ موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ اب کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ خواجہ راحت کیسے مخنث تھے وہ تو مقرب بارگاہ رب العزت تھے اور مقربانِ حق کے ہم نشین تھے ظاہری صورت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ دہلی میں ایک سوداگر رہتا تھا جس کا نام خواجہ رشید ہندر تھا ایک آدمی نے قاضی کی عدالت میں اس کے خلاف تیس ہزار روپے کا جھوٹا دعویٰ دائر کر دیا۔ اب اگر وہ قاضی کی عدالت میں پیش ہوتا ہے تو اس کی عزت برباد ہوتی ہے۔ اس لئے اس نے فوراً تیس ہزار روپے گن کر اس آدمی کے حوالہ کر دیئے۔ اس آدمی نے رقم لے کر تجارت شروع کر دی اور بہت نفع کمایا۔ ایک دن وہ تیس ہزار روپے اور منافع لے کر خواجہ رشید کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ پر جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ اپنی عزت کی خاطر قاضی کی عدالت میں پیش نہیں ہوں گے۔ اور رقم دے دیں گے میں نے آپ کا سرمایہ تجارت میں استعمال کیا ہے جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اب مہربانی کر کے اپنی رقم اور منافع کا اپنا حصہ قبول کریں۔ خواجہ رشید نے کہا اے خواجہ رقم مجھے دے دو اور منافع تو لے جا کیوں کہ تم نے محنت کی ہے۔ یہ تیرا حق ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو سوداگر نے اس آدمی کے ساتھ صوفیاء جیسا معاملہ کیا۔ فرمایا حضرت خواجہ حارث محاسبیؒ کا والد فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو کافی مال دو دولت ورثہ چھوڑا۔ لیکن حضرت حارث محاسبیؒ نے باپ کا ورثہ کہہ کر قبول نہ کیا کہ میرے اور اُن کے درمیان مذہبی اختلاف تھا۔ ان کا ورثہ میرے لئے جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک آدمی نے حضرت مخدوم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ساڑھے تین ماہ دریا کے سفر میں رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اتنا عرصہ خدا تعالیٰ کی یاد میں صرف کرتے تو کیا سے کیا بن جاتے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

نہ یک افسوس کہ ہر دم ہر افسوس نہ یک دریغ کہ ہر دم ہزار دریغ
(ایک افسوس نہیں ہزار افسوس ہے ایک حسرت نہیں ہزار حسرت ہے)

پنجشنبہ ۱۶۔ شوال ۸۰۲ھ

صوفیاء اور علم ظاہر

ظہر کی نماز کے وقت علم ظاہر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا اس علم (یعنی ظاہری علم) سے صوفیاء کا جہل (یعنی ظاہری علم سے بے بہرہ ہونا) بہت مبارک ہے بشرطیکہ کوئی بات نہ کریں[1]۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ بڑے عالم نہیں تھے۔ لیکن آپ کا ذات حق کے ساتھ وہ مقامِ قرب تھا کہ خلقت کے ساتھ بات کرنے کی فرصت نہیں تھی۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ پھر حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ نے حضرت شیخ فرید الدین قدس سرہٗ کی تربیت کس طرح کی۔ فرمایا حضرت شیخ فرید الدین پوری استعداد کے بعد بیعت ہوئے تھے اس لئے ان کے لئے فقط اشارہ اور معمولی توجہ کافی تھی۔ آپ کو حضرت خواجہ قطبؒ کی زیادہ صُحبت بھی نہیں ملی تھی۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے مجاہدات

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام خواجہ فرید الدینؒ قدس سرہٗ کے مجاہدات کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا ہمارے شیخ (حضرت نصیر الدین محمودؒ) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ فرید الدینؒ دہلی کے دروازہ مندہ کے قریب ایک مسجد میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ تین دن کے فاقہ کے بعد ایک خمار (یعنی شراب بنانے والا) نے آپ کو تھوڑا سا بھات لا کر دیا۔ لیکن آپ کے دل میں اس قدر جوش تھا کہ بھات نیچے کر گیا۔ جب حضرت خواجہ قطبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا بابا فرید الدینؒ تم نے تین دن فاقہ تو کیا لیکن یہ معلوم کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ طعام کہاں سے آیا۔ آیا وہ حلال ہے یا حرام۔ فرمایا ایک اور دفعہ چند روز کا فاقہ تھا یہاں تک

---

[1] بشرطیکہ بات نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر صوفیاء کرام واصلین اور مقربین کو خلقت کے ساتھ دینی مسائل کے متعلق بات چیت کرنے کی ضرورت نہ ہو تو ظاہری علم کا نہ ہونا کوئی کمی یا نقص نہیں۔ کیوں کہ اصل چیز حال، وجدان، قرب و معرفت ہے جو علم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ لیکن مسائل پر گفتگو کرنے کیلئے علم کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہدایت خلق کا کام بھی بغیر علم نہیں ہو سکتا ہے یعنی باطنی توجہ سے مریدین کا تزکیہ نفس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن علم کی جو خرابیاں ہیں وہ صوفیاء کے جہل سے بدتر ہیں اس وجہ سے علم کو صوفیاء نے حجاب اکبر کہا ہے یعنی وہ علم جو دل میں تکبّر پیدا کرے اور مقصود بالذات کا درجہ دیا گیا ہو۔ کیوں کہ مقصود بالذات علم نہیں ہے "معلوم" ہے (یعنی خدا تعالیٰ) علم ظاہری پر اکتفا کرنا اور خدا تک رسائی کا اسے ذریعہ نہ بنانا جہل ہے۔

کہ جب حضرت شیخ کی زیارت کو آئے تو راستے میں کمزوری کی وجہ سے گر پڑے۔ راستے میں کیچڑ تھی۔ کیچڑ بھی آپ کے منہ مبارک میں چلی گئی لیکن وہ کیچڑ آپکے منہ مبارک میں شکر بن گئی۔ جب حضرت شیخ کی پابوسی حاصل ہوئی تو آپنے فرمایا کہ بابا فرید تم تو شکر خوار بن گئے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ کی خانقاہ میں شکر کے انبار لگ جاتے ہیں۔ لیکن لوگ جس قدر شکر لاتے ہیں سب کی سب خرچ ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین فرمایا کرتے تھے کہ سوائے ایک بار کے میں نے کبھی اپنے شیخ سے بے ادبی نہیں کی۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ ایک چلّہ کروں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے چلّہ نہیں کیا کیونکہ یہ موجب شہرت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد شہرت نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہا اچھا چلّہ زنان (عورتوں کا چلّہ) کرلو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور عورتوں کا چلّہ کیا ہوتا ہے۔ فرمایا چالیس دن تک صلوٰۃ معکوس (الٹا لٹک کر ذکر کرنا) ادا کرو۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید الدینؒ سفر پر روانہ ہو گئے۔ آپکا ایک دوست تھا جو آپکا شریکِ سفر تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اگر تو میرا دوست ہے تو جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کرنا ورنہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اس نے وعدہ کیا کہ آپ کے فرمان کی تعمیل کروں گا۔ اس کے بعد آپ اوچ تشریف[1] لے گئے۔ وہاں ایک مسجد تھی جس کے اندر ایک کنواں تھا اور کنویں کے ساتھ ایک درخت تھا۔ آپ نے اس مسجد میں قیام فرمایا۔ آپ نے ایک رسی خریدی۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر پاؤں میں رسی باندھ لیتے تھے اور اپنے دوست سے کہتے تھے کہ رسی کو درخت سے باندھ کر مجھے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا کرو۔ چنانچہ آپ ساری رات لٹکے رہتے اور حق تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ شروع میں آپ کلمہ سبحان اللہ کا ورد کرتے تھے بعد میں خاموش ہو جاتے تھے اس کے بعد معلوم نہیں کہ انکا کیا معاملہ ہوتا تھا۔ آپ ساری رات اس طرح گزارتے آخر شب آپ دستک دیتے تھے اور وہ دوست آپ کو باہر نکال لیتے تھے۔ اس کے بعد آپ صبح کی نماز ادا کرنے اور افکار و مشاغل میں مشغول رہتے۔ چاشت کی نماز کے بعد آپ اسی طرح لٹک جاتے تھے اور ظہر کی نماز تک اُسی حالت میں رہتے تھے۔ اسی طرح

---

[1] اوچ شریف ضلع بہاول پور میں ایک قدیم شہر ہے جس میں اکابر سہروردیہ اور قادریہ مشائخ کے بہت مزارات ہیں۔ سلاطین تغلق کے زمانے میں یہاں ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم تھی جس میں دور دراز کے ممالک سے طلبا آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔

چالیس دن تک آپ نے عبادت کی[1]۔ یہ سن کر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ الٹا لٹکنے سے آپکے منہ سے خون اور طعام کیوں نہیں نکل آتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ نے اس قدر سخت مجاہدات کئے تھے کہ نہ جسم میں خون باقی رہا تھا نہ کوئی اور چیز حتٰی کہ آپکی انتڑیاں اور رگ و ریشہ تک خشک ہو چکے تھے۔ خون اور طعام کہاں سے آتا۔

صلوٰۃ معکوس سُنت نبوی ہے

اس کے بعد اسی سائل نے عرض کیا کہ کیا صلوٰۃ معکوس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے یا اصحاب سلف سے بھی ملتا ہے یا متاخرین کی اختراع ہے۔ فرمایا علم ظاہری کی کتابوں میں تو نہیں دیکھا۔ لیکن فوائد الفواد[2] میں ایک روایت درج ہے کہ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ رسول خدا ﷺ سے پہنچا میں نے اس پر عمل کیا حتٰی کہ رسول اللہ ﷺ نے عبادت معکوس کی تو میں نے اس پر بھی عمل کیا۔

شنبہ ۱۸۔ شوال ۱۳۰۲ھ

طالب مولا کی عزت وعظمت

چاشت کے وقت حضرت اقدس نے منزل خانہ نبور میں قیام فرمایا۔ ظہر کی نماز کے بعد طالب خدا کی عزت اور بلند مرتبہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ ایک درویش نے متشابہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک دن ابدالون کی ایک جماعت طوائفِ کعبہ میں مشغول تھی کہ اچانک ان میں سے ایک درویش گُم ہو گیا۔ انہوں نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کیں یا بار خدایا اُس درویش کے متعلق کیا فرمان ہے۔ آیا ہم اس کی بجائے کوئی اور لائیں یا وہی شخص اپنی جگہ پر قائم رہے گا۔ فرمان ہوا کہ اس سے دریافت کرو یہ سن کر انہوں نے اس درویش کی تلاش شروع کر دی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مبہوت ہو کر دروازے پر بیٹھا ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا حال ہے اس نے جوابدیا کہ طوائف کی حالت میں

---

[1] اوچ شریف میں وہ مسجد اب تک موجود ہے اور اس کے ساتھ وہ کنواں بھی موجود ہے۔ البتہ درخت کنوئیں کے قریب نہیں ہے۔ بلکہ کچھ فاصلے پر ہے۔ پانچ چھ سو سال گزر جانے کے بعد وہی درخت کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ یہ مسجد حضرت مخدوم جہانیاں شیخ سید جلال الدین قدس سرہٗ کے مزار مقدس کے مشرق میں پچاس قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہمارے شیخ مولانا سید محمدؒ روقی شاہ قدس سرہٗ نے اس مسجد اور چاہ کی نشاندہی کرائی اور پانی بھی پیا۔ عام لوگوں میں بھی یہی مشہور ہے کہ یہی مسجد ہے۔

[2] مجموعہ مطبوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

مجھے ایک عورت نظر آئی جس کے حسن و جمال پر میں فریفتہ ہو گیا ہوں۔ انہوں نے کہا اب تو اٹھو۔ اس نے کہا کیسے اٹھوں میرا دل کہاں جا رہا ہے تم کہاں ہو۔ درویشوں نے دوبارہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ میں عرض کیا کہ الٰہی تو بہتر جانتا ہے۔ ہمارے ایک آدمی کو یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ اب کیا فرمان ہے۔ اس کی بجائے کوئی اور لے آئیں۔ یا وہی اپنے مقام پر قائم رہے گا۔ حکم ہوا کہ اس سے دریافت کرو کہ جس عورت کے ساتھ مبتلا ہے اس سے کیا آرزو رکھتے ہو۔ اس نے کہا میں اس سے بغل گیر ہونا چاہتا ہوں۔ فرمان ہوا کہ تم بازو کھولو ہم اس کو تمہاری آغوش میں ڈال دیں گے۔ جونہی اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے ایک صورت ظاہر ہوئی جس کو اس درویش نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس صورت نے زور سے اسے چھاتی سے لگایا اور اس سے آواز آئی اِنِیّ اَنَا اللہ لَا اِلٰہ اِلّا اَنَا (میں اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں) جب اس نے غور سے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ اس سے اس ابدال کے دل میں آتشِ عشق الٰہی کا طوفان برپا ہوا اور عورت کا عشق جاتا رہا۔ سبحان اللہ!

یکشنبہ ۱۹۔ شوال ۸۰۲ھ

تعلّقات وحوادث زمانہ

تعلقات وحوادث زمانہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا صوفی کو چاہیے کہ واقعات کی وجہ سے پریشان اور اندوہگین نہ ہو۔ جو کچھ پیش آئے اُسے علم ازل اور تقدیر سے منسوب کرے تو اسی مضمون کے مطابق فرمایا کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب تم دیکھو کہ کسی صوفی کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے ہیں پس یقین جانو کہ اس نے اپنے معبود کو دل میں جگہ دے دی ہے۔ لیکن یہ بات بہت مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ چیز منقول نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایک لڑائی پر بھیجا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ دیر کر رہے تھے اور دعا کر رہے تھے کہ اَللّٰھُمَّ لَا تُمُتْنِیْ حتّیٰ نُرِیْنِی علیاً وَجْھَهُ (فرمایا الٰہی مجھے اُس وقت موت نہ دے جب تک اپنا دیدار نہ کرائے) نیز آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر طیار کو بھی ایک طرف بھیجا ہوا تھا۔ انہوں نے بھی دیر لگا دی تھی اور کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر آپؐ اُنکی راہ دیکھ رہے تھے[1]۔ اس کے بعد فرمایا کہ

---

[1] یہ حکایت بیان کرنے میں حضرت شیخ کا مقصد شاید یہ ہے کہ جب رسول خدا ﷺ خود حضرت علیؓ اور حضرت جعفر طیار کی واپسی کے متعلق متفکر تھے تو باقی صوفیا کیوں کر واقعات اور حادثات سے متاثر نہیں ہوتے۔

ایک دفعہ ایک صوفی کسی خانقاہ میں داخل ہوا تو خانقاہ کے خادم نے اس کا عصا لے کر ایک کونے میں رکھ دیا۔ اور اس کے جسم سے مٹی جھاڑی اور دریافت کیا کہ کیا حال ہے خیر و عافیت تو ہے صوفی نے جواب دیا کہ جس روز سے میں نے طلب ملامت کا عصا ہاتھ میں لیا ہے سجادہ خیر و عافیت کو آگ میں ڈال دیا ہے۔ جس جگہ پر کوئی شخص مجھ سے خیر و عافیت دریافت کرتا ہے میرا وہاں قیام کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ لہذا میرا عصا مجھے دے دو۔ عصا لے کر روانہ ہو گیا۔

دوشنبہ ۲۰ شوال ۸۰۲ھ

سماع سے انکار کی وجہ

چاشت کے وقت سماع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص سماع کو جیسا کہ وہ ہے سنتا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے لوگ انکار اس لئے کرتے ہیں کہ سماع میں برائیاں شامل کر دی جاتی ہیں۔

سہ شنبہ ۲۱ شوال ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت قصبہ اساول میں منزل فرمائی اور وہاں کے حکام نے حضرت اقدس کا استقبال کیا۔ وہاں ہجرت کا واقعہ بیان فرمایا۔ چونکہ یہ واقعہ سابقہ مجالس میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد صوفیاء کرام کی طرف سے لوگوں کو خرقہ اور دیگر چیزیں عطا ہونے کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا صوفیائے متقدمین خرقہ عطا کرتے وقت جو شرائط ملحوظ خاطر رکھتے تھے آج وہ بات کہیں نظر نہیں آتی۔ اور وہ تربیت مفقود ہو چکی ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین قدس سرہٗ نے حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو لکھا کہ شیخ کے مصلے، تسبیح، پیراہن اور دستار عطا کرنے کی برکات تحریر سے باہر ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بوقت ملاقات بیان کی جائے گی۔

عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ ایک طالب نے امام محمد غزالیؒ سے خرقہ طلب کیا۔ امام موصوف نے اسے حضرت شیخ ابو نجیبؒ سہروردی کے حوالہ کر دیا کہ اسے آداب و شرائط خرقہ تعلیم کریں۔ شیخ ابو نجیبؒ بڑے بلند مرتبہ شیخ تھے۔ انہوں نے ایسی شرائط بیان کیں کہ وہ شخص طلب سے باز آیا۔ اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ جس روز اس کا مستحق ہوں گا واپس آ کر لے لوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب اس کی امام غزالی کے ساتھ ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اے جوان تم

واپس کیوں نہ آئے۔اس نے عرض کیا کہ خواجہ ابونجیبؒ نے جو شرائط بیان کی ہیں میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ جب وہ شرائط پوری کروں گا آ کر خرقہ لے لوں گا۔ یہ سن کر امام غزالیؒ نے خواجہ ابونجیبؒ کو طلب کیا اور غصے ہو کر فرمایا کہ آپ نے ایسی شرائط کیوں رکھی ہیں کہ جس سے اُسے نفرت ہوگئی ہے۔ مبتدی بتدریج صُحبت میں ترقی کرتا ہے۔ آپ نے شروع ہی سے اُسے ڈرا دیا ہے۔ اس پر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ آج کل ہم ایک کلاہِ (ٹوپی) بطور تبرک دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کلاہِ بیعت عطا کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ کس طرح معلوم ہو کہ یہ کلاہِ بیعت ہے یا کلاہِ تبرک۔ فرمایا جس شخص کا قلب متوجہ اور نفس پاک ہوتا ہے اس کا کلاہِ کلاہِ بیعت ہوتا ہے ورنہ کلاہِ تبرک ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ کے وقت سے یہ شرائط کلی طور پر مفقود ہو چکی ہیں۔ حتیٰ کہ اب ہر جگہ پر خانان خانزدگان، ملوک، امراؤ متعلم اور دانشور حتیٰ کہ مطرب لوگوں تک سب کو خلعتیں مل رہی ہیں اس لئے ہمارے شیخ خرقہ بطور تبرک و تطیب عطا فرمایا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ کا یہ بھی دستور تھا کہ جو شیخ بیعت کی خواہش کرتا تھا آپ اُسے بیعت کر لیتے تھے حضرت شیخ کا ایک ملازم تھا جو ہر مشکل کے وقت حضرت خواجہؒ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ) سے دریافت کرتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تو ہر چیز کے متعلق مجھ سے سوال کرتا ہے لیکن یہ جو میں نے عامتہ الناس کے لئے بیعت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اس کے متعلق تم کچھ نہیں پوچھتے حالانکہ یہی دریافت کرنے کی چیز ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرے دل میں کئی بار یہ خیال آتا ہے کہ دریافت کروں لیکن چونکہ بات نازک ہے دریافت کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ ہمارے حضرت شیخ (خواجہ نصیر الدینؒ) فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی لیکن میں نے قبول نہ کی جب اس نے بہت آہ وزاری کی تو میں نے کہا تم سفر پر جا رہے ہو جب واپس آؤ گے تو تجھے بیعت کر لوں گا۔ لیکن دوران سفر اس کا انتقال ہو گیا۔ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یا شیخ آپ نے جبراً مجھے رحمت حق سے باز رکھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ رحمت حق اس قدر وسیع ہے تو بیعت کی درخواست نہ کرتا۔ اس وقت سے میں نے اپنے آپ کو کہا کہ اے نظام یہ آخیر زمانہ ہے۔ توبہ کرنے والے کم ہیں۔ جو شخص رغبت کرتا ہے

اسے انکار نہ کر۔اور رحمت حق کو تنگ نہ کر۔فرمایا آپ کا مقصد اس سے ایک یہ تھا کہ اس آخری زمانے میں طالب بہت کم ہیں۔ ہر خاص و عام کو بیعت میں قبول کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کوئی طالب نکل آئے اور دوسرے لوگ بھی اس کے طفیل مستفیض ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شروع میں وہ زیادہ مستعد نہ ہو لیکن بعد میں جب اس کو محبت شیخ اور طالبان حق اور عاشقان الٰہی کی باتیں سنے تو شاید یہ عاشق اور طالب بن جائے۔ اور یہ عام مشاہدہ کی بات بھی ہے کہ عام لوگ ایسے آتے ہیں جو مشائخ کی صُحبت میں رہتے ہیں اور ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے صحیح معنوں میں طالب و عاشق ہو کر بڑے واصل باللہ۔ اور عارف بن جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ہمارے خواجہؒ (حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ) کے زمانے میں یہی ہوتا رہا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شکاری جال بچھاتا ہے۔ اور اس کے جال میں شاہین اور شہباز کے ساتھ چڑیاں اور کبوتر بھی پھنس جاتے ہیں لیکن شہبازوں کی صحبت میں رہ کر وہ کبوتر اور چڑیاں بھی شہباز بن جاتیں ہیں۔ میں تقریباً سترہ سال حضرت شیخ کی خدمت میں مقیم رہا اور اس عرصے میں ہر ہفتے میں تین چار بار شرف پایہ بوسی نصیب ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خواجہ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) کی بھی پانچ چھ مجالس نصیب ہوئی تھیں۔ اس عرصہ میں کوئی سوختہ جان عاشق حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ البتہ چند ایسے عاشقان جاں گداز دیکھے جو کافی عرصہ حضرت اقدس جیسے عاشقانِ سوختہ کی صحبت میں رہ کر صحیح معنوں میں طالبانِ حق بن چکے تھے۔

با عاشقان نشین و عاشقی گزین

(عاشقوں کی صحبت اختیار کرو عاشق بن جاؤ گے)

ایک بلند پایہ صوفی

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اپنی خانقاہ میں بیٹھے بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کا انتظار کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صوفی اندر داخل ہوا اور پایہ بوسی کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہؒ نے اس کے دلی مقصود کی طرف اشارہ فرمایا تو اس نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے اُسے بیعت کیا اور

فرمایا کہ اے عزیز کیا کروں سالہا تمہارا انتظار کرتا رہا اور تو بہت دیر کے بعد پہنچا ہے اب تو امراض اور ہجوم خلق کی وجہ سے اتنی ہمت نہیں کہ تمہاری تربیت کی طرف توجہ دے سکوں۔ اس وجہ سے حضرت اقدس نے اس کو مولانا برہان الدین غریبؒ کے سپرد کر دیا۔ لیکن شاید ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ کس وجہ سے ان کو سپرد کیا ہے اس لئے انہوں نے ان کی طرف زیادہ التفات نہ کیا۔ ایک دفعہ حضرت اقدس دریائے جمنا کے کنارے صوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو اس صوفی کو وہاں کھڑا ہوا دیکھ کر اسے اپنی جانب طلب فرمایا اور دریافت کیا کہ برہان الدینؒ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ جب اس نے ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ بے انصاف تمہارے ساتھ یہ سلوک کرے گا۔ اب تم نارنول چلے جاؤ۔ وہاں ایک پہاڑ ہے اس میں جا کر مشغول ہو جاؤ۔ وہاں شاید غیبی کا اُسے مشاہدہ ہوا اور اس کی محبت اس کے دل میں جائے گیر ہوئی کیونکہ اس نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں لکھا کہ حاضر خدمت ہونے کی اجازت فرمائی جاوے۔ جب آپ کے خادم خواجہ اقبال نے وہ عریضہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اجازت دے دی۔ جب وہ حاضر ہوا تو اتفاق سے اس وقت حضرت خواجہ رکن الدین ملتانیؒ بھی موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے شیخ زادے! جس شخص کی طلب سالہا میرے دل میں رہی یہ وہی مرد ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے پاس اس وقت پہنچا کہ جب ہم پر امراض کا غلبہ اور ہجوم خلق تھا اور ہم اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اسی طرح آپ نے اس کی بہت تعریف فرمائی۔ آپ جوں جوں اس کی تعریف کرتے تھے شیخ رکن الدین اس جانب دیکھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے درویش جب ہمارا انتقال ہو جائے تو تم سفر اختیار کرنا۔ جب کچھ عرصے کے بعد حضرت اقدس کا وصال ہو گیا تو وہ درویش خشکی کے راستے بیت اللہ کی زیارت کے لئے روانہ ہو گیا۔ اثنا راہ میں وہ ملتان پہنچا اور حضرت شیخ رکن الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ بڑی عظمت و اکرام کے ساتھ سجادہ پر تشریف فرما تھے۔ مشائخ ملتان بڑی جاہ و حشمت سے رہتے تھے اور کسی کی خاطر اپنی جگہ سے نہیں اٹھتے تھے لیکن جونہی آپ نے اس درویش کو دیکھا فوراً کھڑے ہو گئے اس سے بغل گیر ہوئے اور عزت و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ جو کچھ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا

میں نے اپنی آنکھوں سے وہ چیز دیکھ لی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ دیکھا ہے۔ اب آپ ہمیشہ کے لئے میرے پاس رہ جائیں۔ یہ ہوگا وہ :ہوگا یعنی سالکان راہ حقیقت کے مطالب و مقاصد گننے شروع کئے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے پاس رہو گے تو تم کو فلاں چیز حاصل ہوگی اور فلاں مرتبہ ملے گا۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ یا شیخ! امیر مقصد مجھے آپ سے نہیں ملے گا اور میرا مطلوب حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد شیخ رکن الدینؒ نے مزید مقامات و مراتب کی نشان دہی فرمائی لیکن اس نے وہی جواب دیا کہ میرا مقصد آپ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد شیخ نے دہلی کے شیخ الاسلام مولانا اسماعیل بدر کو طلب کر کے فرمایا کہ اس درویش کو لے جاؤ اور خلوت میں بیٹھے ہوئے سالکین دکھاؤ شاید ان کو اپنے کام میں غرق دیکھ کر اس کے دل میں رغبت پیدا ہو۔ سب کچھ دیکھ کر جب وہ درویش حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ یا شیخ میرا مقصد آپ سے حل ہونے کا نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے اس کو ایک مصلاً عطا فرمایا اور زادِ راہ دے کے عزت و اکرام کیساتھ رخصت کیا۔ اور بہت معذرت فرمائی اور فرمایا کہ جاؤ سفر کعبہ تجھے مبارک ہو۔ جب وہ درویش خانہ کعبہ میں پہنچا تو تین بار طواف کر کے بیٹھ گیا۔ اور خانہ خدا کو دیکھتے دیکھتے جاں بحق ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون سبحان اللہ! کیا ہی بلند استعداد کا مالک تھا۔

چہارشنبہ ۲۲۔ شوال ۸۰۲ھ

ذکرِ دین و اہلِ دیں

چاشت کے وقت دین اور اہل دین کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ تمام امور کا سرمایہ سعادت اور تمام نیکی کے کاموں کا مقصد دو چیزیں ہیں نفس پاک اور وہ قلب جو متوجہ الیٰ اللہ ہو۔ ان دو چیزوں سے کوئی کام اور کوئی مقام باہر نہیں ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہ السلام اپنی امتوں کو یہی نعمت عطا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے اور جو شخص درجہ ولایت کو پہنچا ان دو چیزوں کی بدولت پہنچا اور جو شخص رتبہ نبوت کو پہنچا انہی دو چیزوں سے پہنچا۔ اگر کوئی خان ہے یا سلطان۔ کوئی شاہ ہے یا گدا یا کوئی پیشہ ور یہ دو چیزیں رکھتا ہے تو درجہ عظیم رکھتا ہے ورنہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ خواہ کچھ بن جائے اس کی قدر ایک دانہ جَو یا تنکے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ سالار زین نے ایک دفعہ شیخ الاسلام خواجہ

نظام الدینؒ کے سامنے حکایت بیان کی۔ دروازہ حاجب عطار کے قریب ایک موئے تاب رہتا تھا۔ ایک دفعہ دہلی میں خشک سالی ہوئی تو خلق خدا نے اس موئے تاب کو گھیر لیا کہ خواجہ بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے خلقت مصیبت میں مبتلا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا تم کو بارش کیسے دے گا۔ میرا چھپر پرانا ہے اگر بارش ہوئی تو میں بھیگ جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا اچھا ہم آپ کو نیا چھپر بنوادیں گے پھر تو آپ دعا کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اگر مجھے نیا چھپر مل جائے تو خدا تم کو بارش دے دے گا۔ چنانچہ سب لوگوں نے مل کر ان کو نیا چھپر بنوادیا۔ جب چھپر لگ گیا تو انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ تو بارش اس لئے نہیں دیتا تھا کہ میں بھیگ جاؤں گا۔ اب اِن بیچاروں نے مجھے نیا چھپر بنوادیا ہے اب ان کو بارش عطا ہو۔ یہ کہنا تھا کہ افق سے ایک ہلکا سا بادل اُٹھا اور چاروں طرف چھا گیا اور ایسے زور کی بارش ہوئی کہ اس کے چھپر کی رسیاں ٹوٹنے لگیں۔ انہوں نے پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ میں نے ایسی بارش کب مانگی تھی کہ خلقت مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ یہ کہنا تھا کہ بارش تھمنا شروع ہوگئی اور آہستہ آہستہ بند ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب دیکھو بظاہر تو وہ موئے تاب تھا لیکن درحقیقت بادشاہ مقرب بارگاہ اور ہم نشین حضرت حق تھا۔ اب اس کے سامنے یہ دنیا کا جاہ وجلال کیا حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا مردِ دین کو چاہیے کہ مرتبہ عاشقی یا معشوقی سے کم طلب نہ کرے کیونکہ یہ مجاز ہے اور وہ حقیقت[1]۔

باغبان نے شہزادی پر جان قربان کردی

خواجہ سالار کہتے ہیں کہ مولانا رکن الدین شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ آہ ہم سب کچھ ہوئے لیکن ''دُلاہا'' نہ ہوئے۔ ہم نے پوچھا کہ دُلاہا کون تھا۔ انہوں نے کہا کہ دُلاہا ایک باغبان کا نام ہے جو دہلی دروازہ سے باہر رہتا تھا۔ ایک دفعہ شاہی

---

[1] عاشقی عالمِ مجاز کی چیز ہے یعنی عاشق اس ناسوتی دنیا سے تعلق رکھتا ہے لیکن جب سالک کو مقام معشوقیت یا مقام محبوبیت مل جاتا ہے تو وہ عالم مجاز سے گزر کر عالم حقیقت میں پہنچ جاتا ہے یعنی اپنی ذات سے فانی ہو کر ذاتِ حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ اور مجاز سے ترقی کر کے حقیقت بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس کے منہ سے نکلتا ہے ہو جاتا ہے۔ عارف رومی نے خوب کہا ہے۔

گفتهٔ او گفتهٔ الله بوَد
گرچه از حلقوم عبدالله بوَد

(اس کا کہنا حق کا کہنا ہوتا ہے خواہ وہ بندۂ مومن کے منہ سے کیوں نہ نکلے) اور یہ امر حدیث قدسی بی یسمعُ وبیُ یبصِرا کے عین مطابق ہے جو امام بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں روایت کی ہے اور کسی فرقے کا آدمی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

خاندان کی ایک خاتون جب باغ کی سیر کو نکلی تو دُلاہا کی نظر اس پر پڑگئی اور ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا۔اب کیا تھا کہ ہزار بہانہ بنا کر اس کا دیدار کرتا' باغ کا ہر میوہ اس پر نثار کرتا اور ہر قسم کا میوہ توڑ کر اس کو پیش کرتا۔شام کی نماز تک یہی حال رہا۔شام کو جب وہ خاتون پالکی میں بیٹھ کر ہر قسم کی پردہ داری اور عزت واکرام کے ساتھ گھر واپس گئی تو بیچارہ دُلاہا کہاں اور شہزادی کہاں۔باغ میں بیٹھ کر کیا کرتا' پالکی کے پیچھے ہو گیا۔لوگوں نے سمجھا کہ شاید انعام کی خاطر آرہا ہے کیوں کہ سارا دن میوہ جات پیش کرتا رہا ہے۔لیکن جب انہوں نے انعام دیا تو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس نے کہا یہ سب اس بی بی کا صدقہ ہے میں لے کر کیا کرونگا۔جب وہ خاتون محل کے اندر چلی گئی تو وہ بہت بے چین ہوا۔روزانہ محل کے دروازہ پر آکر بیٹھ جاتا تھا آخر چند روز بیٹھ بیٹھ کر جاں بحق ہو گیا۔

شہزادی نے بچہ سقہ پر جان قربان کردی

اس کے بعد فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا جو محل کے جھروکا میں بیٹھ کر صحن میں تیراندازی کیا کرتا تھا۔ اور بہشتی لوگ صحن میں آکر جھاڑو دیتے تھے اور چھڑکاؤ کرتے تھے۔بادشاہ کی ایک خوب صورت لڑکی بھی تھی جو دوسرے جھروکا میں بیٹھ کر تماشا دیکھتی رہتی تھی۔اُن بہشتیوں کا ایک نوجوان لڑکا بھی تھا۔ شہزادی اُسے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوگئی اور روزانہ جھروکا میں بیٹھ کر اس کا نظارہ کرتی رہتی تھی۔ایک دن وہ نوجوان نہ آیا کچھ دیر تک شہزادی نے صبر کیا آخر اس سے نہ رہا گیا اور شعر پڑھ کر رونے لگی۔

الا اے ساقی مستان بگو آں پور سقارا
بریدہ باسرِ زلفش غمے دادی دل مارا

(اے ساقی اس بہشتی کے لڑکے کو جا کر کہو کہ تو نے زلفوں سے ہمارے دل کو پامال کر دیا ہے۔)

جب بادشاہ نے یہ آواز سنی تو آہستہ سے نیچے آیا اور دیکھا کہ اس کی لڑکی یہ شعر گا رہی ہے اور رو رہی ہے۔بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہی تھی اس نے کہا۔ ؎

الا اے ساقی مستان بگو آن پور سقارا
بدیدہ باسراں مشکت تہی کردی ہمہ خم را

(اے ساقی بہشتی کے لڑکے کو جا کر کہو کہ تم نے اپنی مشک سے سارا تالاب خالی کر دیا ہے۔)

بادشاہ سمجھ گیا کہ اس نے جان کر دوسرا مصرع بنالیا ہے حالانکہ وہ بہشتی کے لڑکے پر عاشق ہو چکی ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے وزیر سے مشورہ کیا۔ وزیر نے کہا بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔ آپ اس سے کہیں کہ تیرا خون زیادہ ہو گیا ہے خون نکالنا چاہیے۔ لیکن رگ کاٹ کر پھر بند نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے وہ خود بخود مر جائے گی۔ وزیر کے مشورہ پر عمل کیا گیا جب وہ مرنے لگی تو اس نے اپنی انگلی خون میں ڈبو کر یہ تین مصرعے لکھے۔

گر من بمیرم او را بیارید
این مردہ تنم بدوسپارید
گر بوسہ دید بریں لبا نم

چوتھا مصرع لکھنے نہ پائی تھی کہ جاں بحق ہو گئی۔ جب بادشاہ آیا تو اس نے دیکھا کہ شہزادی اپنے خون سے یہ تین مصرع لکھ کر مر گئی ہے اور چوتھا مصرع لکھنے کی اسے فرصت نہیں ملی تو اس نے اہل نظم ونثر طلب کئے تاکہ کوئی چوتھا مصرع پورا کرے۔ جب سب لوگ چوتھا مصرع لکھنے سے عاجز آ گئے تو شہزادی نے اپنے ہونٹ ہلائے اور اس طرح رباعی پوری کر دی۔ ؎

گرمن بمیرم او را بیارید
این مردہ تنم بدوسپارید
گر بوسہ زند بریں لبا نم
ورزندہ شوم عجب مدارید

(جب میں مر جاؤں تو میرے محبوب کو بلا کر یہ مردہ جسم اس کے حوالہ کر دینا۔ اگر وہ میرے ان لبوں پر بوسہ دے تو حیران مت ہونا میں پھر سے زندہ ہو جاؤں گی۔

عاشق صادق کون ہے

اس مضمون پر حضرت اقدس نے ایک اور حکایت بیان فرمائی۔ حضرت خواجہؒ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ تھا جو حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھا۔ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلتا تو لوگ وجد و مستی میں آ کر اپنے پیراہن پھاڑ دیتے تھے۔ ایک دن اس نے اپنے

دربان سے پوچھا کہ یہ جولوگ میری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیاان میں کوئی عاشق صادق بھی ہے دربان نے جواب دیا کہ جی ہاں ایک عاشق صادق ہے۔اس کے صدق کی علامت یہ ہے کہ جب وہ آپ کو دیکھ لیتا ہے تو جب تک آپ دوبارہ وہاں نہیں جاتے وہیں کھڑا رہتا ہے نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔اگر کوئی شخص اسے زبردستی سے کھلاتا ہے تو کھالیتا ہے بادشاہ نے کہاتم سچ کہتے ہو یہی صدق کی علامت ہے۔بادشاہ نے پوچھا کہ اب کی بار وہ کہاں ہے۔دربان نے کہا وہ میدان کے وسط میں کھڑا ہے چوگان کھیلتا ہوابادشاہ اس کے پاس پہنچااوراس سے کہا کہ اے درویش مجھے گیند اٹھادو۔ بادشاہ کے منہ سے یہ خطاب سنتے ہی وہ گرااور جاں بحق ہوگیا۔کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

غمزہ زنِ مارسید ساختہ دارید جاں

یوسف ما باز گشت مژدہ بکنعاں برید

(تیرغمزہ چلانے والامحبوب آ گیا ہے۔اے عاشقو جان کوسنبھال کر رکھو۔ ہمارا یوسف (محبوب) آ گیا ہے پیر کنعاں (یعقوبؑ) کوخوشخبری دے دو)

دل جلاتن جلنے کو کیا جانے

اس مضمون پر حضرت اقدس نے ایک اور حکایت بیان فرمائی۔فرمایا کہ لیلیٰ جس جھروکے میں بیٹھا کرتی تھی اس کے نیچے ایک بڑا پتھر پڑا تھا۔مجنوں ہرروز جا کراس پتھر سے لپٹ جاتا تھااور پھر لیلیٰ کی طرف منہ کر کے مست ومستغرق ہوکر دیکھتا رہتا تھا۔اس کے رقیبوں نے کہا کہ مجنوں روزانہ آ کراس پتھر پر بیٹھ جاتا ہےاور لیلیٰ کو دیکھتا رہتا ہے اس کا کوئی علاج کرنا چاہیے تا کہ پتھر پر نہ بیٹھ سکے۔ایک دن انہوں نے اینڈھن جمع کر کے پتھر پر آگ جلائی جس سے وہ لال سرخ ہو گیا۔جب مجنوں حسبِ معمول آیااوراس پر پتھر سے لپٹا تو اس کا سارا جسم جل گیااور دھواں نکلنے لگا لیکن اُسے مطلق خبر نہ ہوئی اور بیٹھ کر حسنِ لیلیٰ کا مشاہدہ کرتا رہا۔یہ دیکھ کراس کے رقیبوں کو رحم آیا اور فریاد کرنے لگے کہ اے دیوانے دیکھ تو سہی تم نے اپنے آپ کو جلا دیا ہے۔اس نے جواب دیا کہ میرا دل جل چکا ہے دل جلے کو تن کے جلنے کا کب علم ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ کتب سلوک میں لکھا ہے کہ اِنَّ اللہ تعالیٰ خَلَقَ القُلُوبَ قَبلَ الاجساد

کذابا لوف سَنَتہِ وَجَعَلَ فِیُھَا نَارَ مَحُبّتہِ فَخَرج مِنھَا سُرار نار محبتہ فَخلَقَ بِنُھَا سَبُعَتہَ درکاتِ الجَھَنُّم یعنی حق تعالیٰ نے دل کو جسم سے کئی ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اوراس کے اندر اپنے عشق کی آگ بھر دی۔ اس آگ میں سے ایک چنگاری نکلی جس سے دوزخ کے ساتھ درجات وجود میں آئے۔ پس سوختہ آتشِ عشق کو دنیا کی آگ کی کیا خبر۔ متنبّی شاعر نے اس رازِ محبت کو خوب ادا کیا ہے۔

فی قلب المُحِبّ نار ھویٰ. اَحَرُّ نار الجحیم اَبردَھا (عاشق کے دل میں جو آتشِ موجزن ہوتی ہے اس سے دوزخ کی تیز سے تیز آگ بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔)

جمعۃ المبارک ۲۴۔ شوال ۸۰۲ھ

سارا شہر جل گیا ایک فاحشہ بچ گئی

نماز جمعہ کے بعد قربِ حق اور مقبولیت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کسی شخص کے نیک عمل کو دیکھ کر اسے مقبول اور عملِ بد دیکھ کر اسے مردود نہیں سمجھنا چاہیے۔ اوراس کی مدح وزم نہیں کرنی چاہیے۔ فرمایا ایک شہر میں ایک زاہد رہتا تھا۔ حق تعالیٰ نے اسے خواب میں فرمایا کہ میں اس شہر پر ایک مصیبت نازل کرنے والا ہوں۔ ایسی مصیبت کہ اس سے کوئی شخص نہیں بچ سکے گا۔ زاہد نے عرض کیا کہ خداوندا کسی مصیبت نازل کرو گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آگ نازل کروں گا۔ جس سے سب کچھ جل جائے گا۔ لیکن ایک فاحشہ عورت کا گھر اور جو کچھ اس کے گھر میں ہوگا۔ بچ رہیگا۔ زاہد نے عرض کیا الٰہی میرا کیا حال ہوگا۔ فرمان ہوا کہ تجھے بھی جلا دوں گا۔ ہاں اگر تو اس فاحشہ کے گھر جا کر پناہ لے تو بچ جائے گا۔ صبح اٹھتے ہی اس نے مصلّہ کندھے پر رکھا اور اس فاحشہ کے گھر جا پہنچا۔ وہ زاہد کو دیکھ کر حیران ہوئی اور پوچھنے لگی اے نیک مردِ خدا تو میرے ہاں کس طرح آ گیا۔ زاہد نے کہا میں چاہتا ہوں کہ چند روز تمہارے ہاں بسر کروں۔ اس نے کہا آپ جانتے ہیں کہ ہر روز میرے پاس کس قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اور کیا کرتے ہیں۔ زاہد نے کہا جو کچھ بھی ہو مجھے ایک کونے میں جگہ دے دو میں اس میں رہ کر عبادت میں مشغول رہوں گا۔ تو جان اور تیرا کام۔ فاحشہ نے اس کی بات مان لی۔ اور وہ ایک کونے میں بیٹھ کر یادِ خدا میں مشغول ہو گیا۔ چند دن گزرے تھے کہ شہر میں آگ لگ گئی۔ اور تمام گھر جلنے

لگے۔ لیکن جب فاحشہ کے گھر تک آگ پہنچی تو اسے چھوڑ کر دوسرے گھروں کو جلا دیا۔ جب آگ بجھ گئی تو زاہد نے اپنے مکان پر جا کر حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ یارب یہ کیا راز ہے۔ کہ تو نے سارا شہر جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ لیکن فاحشہ کا گھر اور جو کچھ اس کے اندر تھا بچ گیا اور میں بھی اس کے طفیل بچ گیا۔ فرمان ہوا کہ میرا ایک کتا تھا۔ جس کو خارش کی بیماری تھی۔ وہ بھوکا اور پیاسا گرمی کے مارے زبان نکالے ہوئے ہر محلے میں در بدر پھرا لیکن نہ کسی نے اسکو روٹی کا ٹکڑا دیا۔ نہ پانی کا گھونٹ۔ اور نہ اپنی دیوار کے سائے میں بیٹھنے دیا۔ جہاں جاتا تھا۔ لوگ سختی سے اسے باہر نکال دیتے تھے۔ لیکن جب وہ اس فاحشہ کے گھر پہنچا تو اس نے اسے سایہ دیوار میں بٹھایا پانی پلایا اور روٹی کھلائی اس کتے کے طفیل میں نے اُس فاحشہ کو بچالیا۔ باقی سارے شہر کو ہلاک کر دیا اور تجھے بھی اس فاحشہ کے گھر میں جگہ دے کر بچالیا۔

بوقت رحلت خواجہ جنیدؒ پر گریہ کا سبب

اس کے بعد فرمایا کہ موت کے وقت لوگوں نے خواجہ جنید بغدادیؒ کو دیکھا کہ سخت گریہ میں مبتلا ہیں۔ جب انہوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری اسّی سال کی عبادت کو ایک بال کے برابر تار سے باندھ کر لٹکا دیا گیا ہے اور صحرائے بے نیازی کی تندو تیز ہوا اس کو اڑائے جا رہی ہے۔ معلوم نہیں کہ مقبولیت کی ہوا ہے۔ یا رَد کی۔ رحلت کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا۔ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ طَاحَتُ تِلکَ العبارات و فنیت تِلکَ الاشارات وَ انتشرت تِلک العلوم فما نفقتنا الا رکعات نرکعھا وقت السَّحر (یعنی برباد گئی میری ساری تصانیف بے کار گئے میرے تمام حقائق و معارف اور ضائع گئے میرے تمام علوم۔ مجھے کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا سوائے چند رکعات کے جو صبح پڑھتا تھا)۔

حضرت امام حسنؓ پر گریہ

اس کے بعد فرمایا کہ رحلت کے متعلق وقت حضرت امام حسنؓ پر گریہ طاری تھا۔ جب لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اِنّیُ اَقُدَمُ علیٰ سیّد لم آراہ یعنی میں ایسے آقا کی طرف جا رہا ہوں کہ معلوم نہیں پھر کس طرح سے تجلی فرمائے گا۔

بہترین کام اور اہم ترین سعادت

اس کے بعد اس بات پر گفتگو ہونے لگی۔ کہ بہترین کام اور اہم ترین سعادت خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا ہے۔ فرمایا ایک دفعہ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ قدس سرہ' رات کے وقت ایک مسجد میں مشغول تھے۔ آپ پر[1] اس قدر غلبہ شوق ہوا کہ مسجد سے باہر گر پڑے۔ اور کوتوال نے جو گشت کر رہا تھا آپکو چور سمجھ کر گرفتار کرلیا۔ ساری رات اپنے پاس رکھا اور صبح ہوتے ہی اس نے بادشاہ کو رپورٹ کی رات ہم نے ایک چور پکڑا ہے جو صوفیوں کے لباس میں پھر رہا تھا۔ بادشاہ نے ان کو اپنے پاس طلب کیا اور پوچھا کہ کیا تم چور ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں چور ہوں۔ لیکن دین کا چور ہوں نہ کہ دنیا کا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ دین کا چور کیا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ **اسوء السراق من سرق فی حلواۃِ شیأا** (بدترین چور وہ ہے جو نماز سے چوری کرے) یعنی شرائط حضوری اور ادائے ارکان پورا نہ کرنا۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ اس نے کوتوال کو طلب کر کے تنبیہ کی کہ تم نے درویشی کو نہیں جانتے۔ پس اس نے حضرت شیخ کو اپنے پاس بٹھایا اور دستر خوان پر ہر قسم کا طعام لگا کر آپ کو کھانا کھلایا۔ آپ کے سامنے ایک پالودہ کا تھال تھا اور ایک حلوے کا۔ اس طرح بادشاہ کے سامنے بھی حلوہ اور پالودہ تھا۔ لیکن حضرت شیخ نے کھانا نہ کھایا اور حلوہ و پالودہ کو دیکھ کر تبسم فرما رہے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ آپ کھاتے کچھ نہیں۔ لیکن تبسم فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے خلیفہ اس پالودہ سے مجھے احوال قیادت یاد آ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا وہ کس طرح۔ فرمایا کل قیامت کے دن دو قسم کے لوگ ہوں گے۔ بعض آلودہ[2] ہوں گے اور بعض پالودہ[3] یہ بات سمجھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہنے

---

[1] شرح اس کلام میں یہ ہے کہ بعض لوگ خدا کے ساتھ مشغول ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آدمی یادِ خدا میں مشغول ہو۔ یا اہل ظاہر کا مفہوم ہے۔ اہل باطن واحباب حقیقت کے نزدیک ذات حق کے ساتھ مشغول ہونے کا مطلب یہ ہے۔ فنافی اللہ یعنی مراقبہ ذات یعنی سالک کا ذات حق میں مستغرق ومحو ہو جانا اور اپنی ذات حق میں گم کر دینا۔ لیکن چونکہ علمائے ظاہر فنافی اللہ کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ فوراً اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ جو چیز سمجھ میں نہ آئے۔ اس کا انکار جہالت ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے علم میں ماہر ہوتا ہے اگر دوسرے شخص کا علم سمجھ میں نہ آئے تو اس کا اپنا قصور ہے۔

[2] آلودہ بمعنی ملوث گناہ۔

[3] پالودہ سے مراد شاید وہ لوگ ہیں جو نعمتوں سے مال مال ہوں گے۔

لگا کہ آپ ہمیشہ ہمارے پاس رہیں۔ ہمیں آپ کی محبت سے بے حد فائدہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ اگر آپ شکار سے واپس آ کر مجھے اپنے حرم کے اندر دیکھیں تو مجھ سے کیا سلوک کریں گے۔ یہ بات سن کر بادشاہ سخت غصّے ہوا۔ آپ نے فرمایا ذرا غصّے کو دباؤ۔ میں ایک ہی بات واضح کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا جلدی کرو۔ فرمایا ابھی تو مجھ سے گناہ سرزد نہیں ہوا۔ اور آپ اس غیض وغضب میں آ گئے ہیں اگر گناہ ہو جائے تو پھر کیا کرو گے لیکن اس کے برعکس میں ایک ایسی ہستی کے ساتھ رہتا ہوں کہ اگر ہزار گناہ بھی کروں تو ایک دفعہ استغفار کرنے سے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اَنَا جَیْسُ مَنْ ذَکَرَنِی ُ۔ یعنی میں اس کا ہم نشین ہوں جو ذکر کرتا ہے۔ اس لیے میں خدا کا ہم نشین کیوں نہ بنوں۔ جو کچھ کروں ایک استغفار سے معاف ہو جائے یہ کہہ کر آپ دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور چل پڑے۔ بادشاہ حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔

چہار شنبہ ۲۹۔ شوال ۸۰۲ھ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے اصحاب کا انکسار

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہ' کے اصحاب کے اوصاف کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا مولانا برہان الدین غروب[1] اور ہمارے خواجہ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کے مابین بہت دوستی' محبت اور پیار تھا۔ جب ہمارے خواجہؒ اودھ سے تشریف لاتے تھے تو مولانا برہان الدین اور دیگر احباب حضرت سلطان المشائخ سے اجازت لے کر آپ کے استقبال کو جاتے

---

[1] حضرت مولانا برہان الدین غریب سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ' کے ان دس خلفاء میں سے تھے جن کو عرف میں عشرہ مبشرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت قدس سرہ' کے سامنے کسی نے حضرت بایزید بسطامی کے اوصاف بیان کیئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ہماری جماعت میں بھی ایک بایزید ہے اس نے کہا کہ وہ کون ہے۔ فرمایا برھان الدین غریبؒ۔ سبحان اللہ! حضرت اقدس کے غلاموں کے مراتب کس قدر بلند ہیں۔ بلکہ بندہ نواز محمد گیسودراز تھے جو آپکے غلام ہیں۔ کا مرتبہ کس قدر بلند تھا۔ کہ آپ نے اپنی کتاب خاتمہ تصوف میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے مسلک پر بھی تنقید فرمائی ہے۔ آپ نے لکھا ہے اگر شیخ اکبر ہمارے زمانے میں ہوتے تو ہم ان کو اوپر لے جاتے اور ان کی اصلاح ہو جاتی۔ یہ ہیں مراتب مشائخ چشتیہ کے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے متعلق حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ ہماری جماعت کے ابراہیم بن ادھم ہیں۔

تھے۔آپ تین دن اپنے شیخ (حضرت خواجہ نظام الدینؒ) کی خدمت میں رہ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس سرہ' کی زیارت کو جاتے ہیں اور جب کبھی مولانا برہان الدین مجلس سماع منعقد کراتے تھے تو ہمارے شیخ کو ضرور دعوت دیتے تھے۔غرض یہ کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کو ہمارے شیخ کے ساتھ کامل عقیدت تھی۔ یہاں تک کہ وہ کہا کرتے تھے۔ بیعت حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ نہ ہوتی تو مولانا نصیر الدین محمودؒ کے ساتھ کرتا۔ ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے ہم سالہا سال ایک جگہ رہے لیکن نہ مولانا برہان الدین نے میری پیٹھ[1] دیکھی نہ میں نے ان کی۔ ہمارے شیخ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے ایک بار کے کسی وقت مولانا برہان الدینؒ سے بے ادبی نہیں کی وہ یہ کہ ایک دفعہ ہم اکٹھے کھانا کھا رہے تھے اور ہم دونوں طعام ایک دوسرے کی طرف دھکیل رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اصحاب آپس میں چہ میگوئیاں کرتے تھے۔ کہ یہ لوگ کس وجہ سے ایک دوسرے کی طرف طعام دھکیلتے ہیں۔ یہ بے ادبی ہے ایک دفعہ جب میرے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو سید شرف الدین کیتھلی بھی موجود تھے۔ جب انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے تو میں نے کہا کہ صوفیاء کے بلند مقامات میں سے ایک مقام ایثار ہے۔ یہ حضرات ایثار کی وجہ سے ایک دوسرے کے سامنے طعام رکھتے ہیں اور خود محروم رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کہاں کی بے ادبی ہے۔ یہ بات سن کر سب مطمئن ہو گئے۔

بڑے پیر بھائی کا ادب

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کا خادم تھا۔ جس کا نام کا کا شاد بخت تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دفعہ مولانا برہان الدینؒ نے مجھ سے فرمایا کہ جہاں مولانا نصیر الدین محمودؒ مشغول ہیں مجھے وہاں لے چلو۔ میں ان کا ہاتھ پکڑ کر لے گیا۔ مولانا محمودؒ سر نیچا کیئے مراقب تھے۔ انہوں نے کہا کہ خبردار آواز نہ نکالنا اور چپکے سے مجھے ان کے پاس کھڑا کر دینا۔ چنانچہ میں نے ان کو لے جا کر حضرت شیخ کے پاس کھڑا کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب آپ نے مراقبہ سے فارغ ہو کر سر اٹھایا تو مولانا برہان الدینؒ کو پاس کھڑا دیکھا تو تعظیم کی خاطر اٹھنے لگے۔ مولانا برہان الدینؒ نے کہا

1 یعنی نہ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے تھے نہ پیٹھ کر کے چلتے تھے یہ پیر بھائیوں کے درمیان ایک دوسرے کا ادب۔ یہ برکت ہے روحانیت کے نور کی۔

آپ کو حضرت شیخ یعنی حضرت شیخ نظام الدینؒ کی قسم ہرگز نہ اٹھئے۔ میں آپ کے پاس گدا بن کر آیا ہوں آپ تشریف رکھیں اور میں آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہنا پسند کرتا ہوں۔ مجھ پر نظر عنایت کیجئے اور ایک فاتحہ پڑھکر میرے لئے دعا کیجئے۔ غرضیکہ پوری کوشش کر کے انہوں نے مولانا محمودؒ کو اٹھنے سے باز رکھا اور خود سر جھکا کر سامنے کھڑے رہے۔ جب مولانا دعا مانگ چکے تو مولانا برہان الدینؒ نے آپکا دامن پکڑا اور اپنے سر آنکھوں اور سینہ سے لگالیا۔ اور حضرت مولانا محمودؒ اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس کے بعد واپس چلے گئے۔

محمد تغلق کی بے ادبی پر حضرت شیخ کا صبر

اس کے بعد فرمایا کہ جب سلطان محمد تغلق حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے سامنے بے ادبی سے پیش آیا تو مولانا برہان الدینؒ یہ واقعہ سن کر بہت رونے لگے۔ اور فرمایا کہ کیا کروں۔ مولانا محمودؒ بہت حلیم و کریم ہیں۔ اگر چاہتے تو ایک دم میں بادشاہ کو اس کے تمام لاؤ لشکر سمیت تباہ کر سکتے تھے۔ اس وقت مولانا برہان الدینؒ نے آپ کے پاس ایک خط لکھا۔ جس کا عنوان یہ رباعی تھی۔

تا بر عاشقاں بلائے نرسد آوازۂ عشق شان بجائے نرسد
رو برسر کنگرہ سرمرداں ہیں نامرداں راخار بہائے نرسد

(جب تک عاشقوں کے سر پر بلا نازل نہ ہو ان کے عشق کی شہرت نہیں ہوتی۔ تم مردان خدا کے سر پھانسی پر لٹکے ہوئے پاؤ گے لیکن نامردوں کو کانٹا بھی نہیں چبھتا) اس کے بعد فرمایا کہ اس تحمل اور صبر کی وجہ سے تو آپ کو طبل و علم [1] ملا اور اولیاء اللہ کے درمیان آپ کو عظیم مرتبہ نصیب ہوا۔ آپ کے بعد آپکی ولایت چار آدمیوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک حضرت بندہؒ نواز خود) دوسرا ایک صندوق تراش تھا۔ تیسرا اکلل تھا۔ اور چوتھی ایک عورت تھی۔ ان میں سے جس نے رحلت کی اس کی جگہ اور مشائخ نے لے لی۔ چنانچہ آج آپ کو مدت گزر چکی ہے یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اس کے بعد کیا ہوگا۔ خدا بہتر جانتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ جب فاروق جندیریؒ نے جو مولانا برہان الدینؒ کا ذکر عزت و اکرام کے سوا کبھی نہیں فرماتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا برہان الدینؒ کے

---

1 طبل و علم یعنی نقارہ اور جھنڈا جس سے مراد ہے رشد و ہدایت کا منصب یعنی آپ کی ولایت خفیہ نہیں تھی بلکہ مرشد اس قدر بلند تھا کہ ڈنکے کی چوٹ پر دعوتِ رشد و ہدایت دیتے تھے۔

مرید تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انکے چند پیر بھائی بھی ان کے ساتھ حضرت شیخ کے مرید ہوئے تو مولانا برہان الدینؒ کے احباب میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ خواجہ نصیر الدین محمودؒ نے مولانا برہان الدینؒ سے تصوف کی بہت باتیں حاصل کی ہیں۔ جب یہ بات حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے کانوں میں پہنچی تو آپ ناخوش ہوئے اور اتنا فرمایا سبحان اللہ اگر مولانا برہان الدینؒ کے کانوں میں تصوف کی کوئی بات پہنچی ہے تو اس درویش سے پہنچی۔ اس دن آپنے یہی فرمایا ورنہ اس سے پہلے آپ ہمیشہ مولانا برہان الدینؒ کا ذکر عزت و اکرام کے سوا کبھی نہیں فرماتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا برہان الدینؒ کے احباب جو دہلی میں رہتے تھے۔ بہت صادق مرد تھے۔ مثل مولانا زین الدین دولت آبادی اور سید نصیر الدین محمود بقائی۔ یہ حضرات اکثر ماہ رجب میں حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور خاص مجالس میں شرکت کرتے تھے جن میں راقم الحروف بھی شامل ہوتا ہے۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ ہمارے شیخ مولانا برہان الدینؒ نے فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو خواجہ نصیر الدین محمودؒ سے نعمت ملے گی۔ ہم حیران تھے کہ کہاں ہم اور کہاں دہلی لیکن خداوند تعالیٰ نے اسباب پیدا کردیئے اور اب ہم آپکی خدمت میں حاضر ہیں۔ یہ سن کر حضرت خواجہ نصیر الدینؒ نے کچھ سوچا اور فرمایا کہ تم لوگ درس وتدریس کا سلسلہ جاری کرو۔ وہ بڑے صادق مرد تھے اور صاحب بیعت تھے۔ وہاں سے رخصت ہو کر انہوں نے کتابیں اٹھائیں اور درس شروع کردیا۔ جب ہمارے شیخ خواجہؒ کی خدمت میں آتے تھے تو اگرچہ پالکی یا گھوڑے پر سوار ہونے کی قدرت رکھتے تھے۔ غایت صدق وصفا کی وجہ سے ہمیشہ پیدل چل کر آتے تھے۔ حضرت خواجہ بھی ان کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے اور ایک ہی دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے یا اگر اپنی خانقاہ میں نہیں ہوتے تھے تو ہر ایک کو دس روپے نقد کا عطیہ دے دیتے تھے۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ اکثر شیخ کے ساتھ اعتقاد ومحبت کی باتیں کرتے تھے۔ یا پھر عشق ومحبت کی۔

پنجشنبه ۹۔ذی قعدہ ۸۰۲ھ

دین واہل دین کی غفلت

چاشت کے وقت آپ نہروالا تشریف لے گئے۔وہاں کے علماء مشائخ، سادات امراء حکام اور اہل صنعت وحرفت جوق در جوق شرف زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ہجوم خلائق بہت تھا۔ اور کافی مجالس میں شرکت ہوئی۔اتنی فرصت نہ ملی کہ تمام مجالس کا حال قلمبند کیا جائے۔البتہ اس میں کچھ نہ کچھ دائرہ تحریر میں لا سکا۔بروز شنبہ ۱۱۔ماہ مذکور بوقت چاشت عظمت دین اور عزت اہل دین پر گفتگو ہوئی۔آپ نے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ اکثر علماء نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دین چند کتابیں پڑھنے اور چند باتیں یاد کرنے کا نام ہے۔اگر دین یہی ہے تو پھر تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔خدا جانتا ہے کہ دین میں وہ کمال ہے اور دین میں وہ جمال ہے کہ اگر کسی کی عمر ہزار سال ہو تب بھی دین کے کمالات کو نہیں پہنچ سکتا۔

علماء ظواہر کی نماز

فرمایا نماز کو لیجئے۔علماء ظواہر کہتے ہیں کہ اگر دل میں یہی خیال رکھا جائے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہوں تو بس فرض ادا ہو گیا۔نماز میں خداوند تعالیٰ کے ساتھ حضور قلب ضروری نہیں ہے۔کیونکہ دل انسان کے قبضے میں نہیں ہے۔بے اختیاری کی چیز ہے۔اس لیے حضور قلب شرط نہیں ہے۔اور یہ جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب (حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی) اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور قلب کے بغیر کمال حاصل نہیں ہوتا۔

اہلِ اللہ کی نماز

اس کے برعکس صوفیاء کا عقیدہ یہ ہے نماز حضور قلب کے بغیر ہوتی ہی نہیں۔جیسا کہ لفظ ''حضور'' سے ظاہر ہے۔لیکن علماء ظاہر ''حضور'' کے معنی فرض کر لیتے ہیں اور حقیقی معنی ترک کر دیتے ہیں۔حقیقی معنی یہی ہیں کہ ان کے قلب کی یہ حالت ہے کہ فی الواقع اسے حق تعالیٰ کے

ساتھ حضوری حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تک اگر کوشش بھی کرے تو دل سے وسوسہ نہیں آ سکتا۔ اور یہی حضور قلب کی خاصیت ہے۔ کہ وسوسہ کی کوشش بھی کی جائے تو نہ آنے پائے۔ رفع وساوس کے لیے ان حضرات نے ایسے اصول اور قانون عمل تجویز کئے ہیں کہ جو شخص ان پر عمل کرتا ہے وساوس سے امان پاتا ہے۔ فرمایا ایک عالم جس کا نام نصیر الدین قاسم تھا۔ ہمارے ہاتھ پر داخل سلسلہ ہوا تھا۔ ایک دن اس نے کہا کہ میں وساوس سے عاجز آ گیا ہوں۔ میں نے اسے ایک عمل تعلیم کیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد جب میں نے اس کا حال دریافت کیا تو کہنے لگا کہ جس طرح پہلے حضوری کا نام ونشان نہیں پاتا تھا وساوس کا نام ونشان باقی نہیں رہا[1]۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کی نماز اور حضور قلب

اس کے بعد فرمایا کہ عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؓ رات

---

[1] شرح۔ حضور اور غیابت کے متعلق اولیاء کرام کے بہت اقوال ہیں۔ چونکہ رسول خدا ﷺ کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ جامع الکلم ہیں یعنی ایسی بات کرتے ہیں جو عوام کے حال کے مطابق بھی ہوتی ہے۔ خواص کے بھی اور خاص الخاص اور خص کے بھی۔ اس لیے آپ کی مندرجہ بالا حدیث لاصلوٰۃ الاحضور القلب کا مطلب عوام کے نزدیک یہ ہے کہ وہ یہ کلمات اور عبادات کے معانی سمجھتے ہیں اور خشوع وخضوع اور عجز وانکسار کے بھی مختلف مراتب ہیں۔ یعنی ہر شخص کا درجہ ایمان دوسرے سے مختلف ہے۔ اس لیے اعمال میں حضور کے بھی مختلف مراتب ومدارج ہیں۔ حتیٰ کہ اولیاء کرام کے حضور فی الصلوٰۃ میں بھی ان کے مراتب کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ جن حضرات کو مقام فنافی اللہ حاصل ہے۔ ان کا حضور فی الصلوٰۃ سراسر محویت اور استغراق فی ذات اللہ ہوتا ہے۔ اب چونکہ فناء کے بھی بے شمار مدارج ہیں اس لیے ہر ولی اللہ کی محویت فی لذات میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آدمی ذات حق میں فنا ہو جاتا ہے تو پھر نماز کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نماز میں تو عابد اور معبود کا شعور لازمی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فنا سے اوپر ایک مرتبہ ہے۔ جس کا نام ہے۔ بقاباللہ۔ جو حضرات مقام بقا پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان کو جو جامعیت حاصل ہو جاتی ہے یعنی بیک وقت فانی اللہ بھی ہوتے ہیں۔ اور باقی باللہ بھی۔ چونکہ ذات حق سبحانہ کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے بلند مرتبہ عارفین جب قرب کی منازل طے کرتے ہیں تو ہر منزل کے بعد ان کو اور منزل نظر آتی ہے۔ وہاں پہنچ کر اور منزل نظر آتی ہے۔ ان کے قلوب میں آتش عشق کا اس قدر طوفان موجزن ہوتا ہے کہ قرب اور وصال کی کسی منزل پر مطمئن ہوتے اور ہر وقت اور ہر آن ہل من مزید کا نعرہ لگاتے جاتے ہیں مرزا بیدلؒ نے خوب کہا ہے۔

همه عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما　　چه قیامتے که نمی رسی ز کنار ما بکنارِ ما

اس مضمون کو حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

توڑیں جو دریا نوش ہن　پُر جوش تھی خاموش ہن

اسرار دے سرپوش ہن　صامت رہن مارن نہ بک

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

منو حسنش غایتے دارا نہ سعدیؒ راہ سخن پایاں۔ بمیر وتشنہ مستقی و دریاں ہمچناں باقی

یہ سب حضور قلب کے مدارج ہیں جو اولیاء کرام کے ظرف واستعداد کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔

کے وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ایک آدمی نماز میں آپ کے تجسس میں تھا۔ نماز کے دوران آپ پر حال کا ایسا غلبہ ہوا کہ بے ہوش ہو گئے ۔ جب ہوش میں آئے تو اس آدمی نے قریب جا کر دریافت کیا کہ سچ بتایئے کہ جب آپ یادِ خدا میں تھے تو بے ہوشی کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا ما زالت ازد الایته حتی سُمعتُ من المتکلم بھاَ (یعنی میں ہمیشہ آیات کو بار بار پڑھتا ہوں۔ جب تک کہ آیات کو آیات کے متکلم یعنی خدا تعالیٰ سے نہیں سن لیتا۔)

حضرت شیخ محمد سرخسیؒ کا حضورِ قلب

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ محمد سرخسیؒ ایک مست بزرگ تھے۔ جن کے تیس دوست تھے۔ آپ ہر دوست کے ساتھ ایک رات بطور مہمان بسر کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ بعد ہر شخص کی باری آجاتی ہے۔ ایک رات آپ کا میزبان آپکے حال کی ٹوہ میں تھا کہ دیکھیں ساری رات کیا کرتے ہیں۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ شیخ یکا یک لبَیک لبَیک یا رب پکارنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد پھر لبَیک لبَیک پکارتے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو اس شخص نے قریب جا کر پوچھا کہ آپ کو قسم ہے اس نیک وقت کی مجھے بتایئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس وقت کیا راز تھا۔ انہوں نے کہا کہ پہلی بار خدا تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمدؒ میں نے کہا لبیک لبیک دوسری بار فرمایا۔ اے محمد سرخسیؒ یہ سن کر میرے ذوق میں اضافہ ہوا اور میں نے جواب میں اضافہ کرتے ہوئے عرض کیا۔ لبیک لبیک یا رب۔ تیسری بار جب حق تعالیٰ نے فرمایا اے محمد سرخسی بندہ من اس خطاب سے مجھ پر ذوق وشوق کا غلبہ ہوا۔ کہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اب یہ خیال مت کرو کہ یہ چیز حضرت امام جعفر صادقؓ اور شیخ محمد سرخسیؒ کے ساتھ مخصوص تھی۔ خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے بلکہ جو شخص ان کی طرح کام کرتا ہے اور ان کے فرمان کے مطابق عمل کرتا ہے جو کچھ ان کو حاصل تھا اس کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل ان جیسا بلند مقام حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس قسم کا حال حسب حیثیت ضرور حاصل ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ اور بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم کی تشریح

اس کے بعد فرمایا کہ یہ کیا علم ہے۔ کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات عشاء کی نماز

کے بعد میں نے جا کر امیر المومنین حضرت علیؓ سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے حرف با[1] کی اتنی طویل تفسیر بیان فرمائی کہ ساری رات گزر گئی۔ لیکن اسی ایک حرف کی تفسیر ختم نہ ہوئی۔ بلکہ ہم نے ترک کر دی۔ فرمایا با حرف جار ہے۔ جس کے پہلے عامل مخدوف ہے۔ اصل میں یہ ہے اَقراءِ بسم اللہ (یعنی اللہ کے نام کے ساتھ) اس کے بعد حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا **وَجدت نفسی عندهٗ کُل الجرۃ عنَ البحر** (میں نے اپنے آپ کو ان کے سامنے ایسے پایا جیسے سمندر کے ایک سو)

آیات کے باطنی معانی

حضرت ابو ہریرہؓ یَتنَزَّل الْاَمُر بَینَھُنَّ لَوْ اُفسِرُ ھذا الایه لکفرُتمُونِیُ (یعنی اگر اسی آیت تنزل الامر بینهن کی تفسیر بیان کروں تو مجھے کافر قرار دے دیں گے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں آیہ **وَجاءَ رَبُکَ وَالمَلکُ صَفًّا صَفًّا** کی تفسیر کروں تو لرجمعونی بالحارہ (تم مجھے سنگسار کرو گے)

عُلمائے ظاہر کی زبوں حالی

لیکن آج کل کے علما کا یہ حال ہے کہ اپنے جیسا لائق، فائق، فائض کسی کو نہیں سمجھتے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک بچے کو مسجد میں بٹھاتے ہیں۔ جہاں وہ انتیس حروف تہجی یاد کر لیتا ہے۔ اس کے بعد زیر زبر سیکھ کر الفاظ کا ہجا کرتا ہے۔ کہ ضَرَبَ کا وزن فَعَلَ پر ہے اور یَضرِبُ کا وزن یَفعِلُ ہے۔ پھر علم صرف کے قواعد یاد کر کے یہ معلوم کرتا ہے۔ اس کے بعد کافیہ اور قدوری پڑھ کر چند مسائل یاد کرتا ہے۔ اور لوگوں پر طعن و تشنیع شروع کر دیتا ہے۔ کہ فلاں جاہل ہے اور فلاں بے عقل ہے۔ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے۔ اس کے بعد ہدایہ اور بزودی پڑھتا ہے اور کشاف بھی پڑھتا ہے اور مجتہد زمانہ اوّل و آخر بن بیٹھتا ہے۔ اور فتوے دینے لگتا ہے کہ فلاں شیخ جاہل ہے۔ اور فلاں صوفی دیوانہ ہے۔ علم وہی ہے جو مجھے حاصل ہے۔ باقی سب جہل ہے۔ کام وہی ہے جو ہم کرتے ہیں۔ باقی سب فضول اور وبال ہے۔ سبحان اللہ! دین کو ان لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ علم وہ تھا جس کے

---

1 شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے اور اس کا خلاصہ بسم اللہ ہے کا خلاصہ حرف با ہے۔ عارفین کا قول ہے۔ حرف با مرتبہ ثانی ہے اب چونکہ علم تنزلات کے مطابق ذاتِ احدیث یا لاتعین کے بعد اس کا پہلا ظہور حقیقت محمدیہ میں ہوا جس کو تجلی اول یا تعین اول کے نام سے موسوم ہے کیا جاتا ہے۔ حر با کی حقیقت تجلی اوّل ہے یعنی حقیقت محمدیہ ہے۔

لیے حضرت موسٰی جیسے جلیل القدر پیغمبر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت خضرؑ کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔اور وہ ان کو یہ کہہ کر دور بھگانا چاہتے ہیں کہ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا (تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔) تم میرے ساتھ اس شرط پر چل سکو گے کہ مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ یہ کام کیوں کیا ہے۔لیکن موسٰی علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور سوال پوچھ بیٹھے۔اس وجہ سے ان کے درمیان جدائی ہو گئی۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسٰی کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان کو حقائق بتائے جائیں۔حالانکہ یہ مسائل شرع تھے اور حضرت موسٰی علیہ السلام خود صاحب شرع تھے۔لیکن خضر علیہ السلام کے پیچھے کیوں دوڑ رہے تھے۔اس سے ظاہر ہے کہ آج کل کے علماء کس عظیم خسارہ اور کتنی بڑی محرومی میں مبتلا ہے۔کہ زبانی جمع وخرچ میں مشغول ہے۔اور اپنے خداوند تعالیٰ سے بالکل محروم ہو چکے ہیں۔ان کے نزدیک تلاوتِ قرآن بس اسی بات پر محدود ہو چکی ہے کہ صاد اور ضاد کو کس مخرج سے نکالا جائے اور طا اور ظا کو کس مخرج سے اور قرآن کے معنی صرف وہی جانتے ہیں۔

تفسیر کشاف[1] کس قدر افسوس کی بات ہے۔

جمالِ حضرت قرآن نقاب آنکہ براندازد

کہ دارالملک معنی را مجرد بیند از غونجا

(جمال قرآن اس وقت نظر آتا ہے جب انسان حقیقت مجردہ[2] کو معنی شور وغل کے بغیر دیکھتا ہے۔)

چنانچہ ہم نے جتنے علمائے ظاہر دیکھے ہیں سب کو وسواس میں مبتلا پایا ہے۔سب اسی بلا میں گرفتار ہیں اور اس کی وجہ سے نالہ وفریاد کرتے ہیں اور سبھی اس سے خلاصی نہیں پاتے۔اور یہ بلائے عظیم اور خطرہ بے انداز ہے۔جس کے مضرات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ کیونکہ وساوس بے بنیاد خطرات ہوتے ہیں جس کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں۔ خطرات اور وساوس کسی دلائل و براہان کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ یکا یک دل میں اٹھتے ہیں۔معاذ اللہ اگر یہ خطرات عقائد دین کے خلاف ہیں اور موت کے وقت پیش آئیں تو اس وقت ان سے رہائی ناممکن ہوتی ہے۔یہی وہ حالت ہے کہ جس کے متعلق تمام انبیاء علیہ

1 تفسیر کشاف کے مصنف معتزلہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جو اہل سنت وجماعت کے نزدیک دین اسلام کے خارج فرقہ ہے اس تفسیر میں بھی غیر اسلامی عقائد کی بھرمار ہے۔

2 دارالملک معنی سے مراد حقیقت ہے یعنی جب تک انسان فنائے نفس نہیں کر لیتا اور فنافی الذات کے مراتب تک نہیں پہنچتا وہ وصیت قرآن نہیں سمجھ سکتا۔

السلام حتّٰی کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خبردار کیا ہے کہ یہی بدترین اور دشوارترین حالت ہے۔ جو شخص اس حالت میں مبتلا ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کتنی بڑی مصیبت اور کس قدر عظیم آفت ہے اس حال میں اس کے تمام خویش واقارب اور اہل وعیال فکر مند ہوتے ہیں۔ کہ وہ اس حالت میں مر نہ جائے۔ لیکن مرنے والا اپنے ملک ومال ودولت اور گھر بار کے خیالات میں منہمک ہوتا ہے۔ ملک الموت اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے۔ اور شیطان اسے گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوتا ہے۔ اس حال سے خدا پناہ دے جب دین کے خلاف وساوس ایک دو بار دل پر گزرتے ہیں تو پھر وہاں گھر بنا لیتے ہیں۔ اب اگر اس حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو یہ کیا عاقبت ہے لوگ اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس سے بالکل بے خبر ہیں۔ بس رات دن یہی کام ہے کہ وہ جاہل ہے اور میں عالم۔ وہ بے دین اور مردود ہے اور میں دیندار اور مقبولِ خدا ہوں۔

سَوفَ تریٰ اذا تجلّی الغُبار

اَفَرسَ تحتک اَم حمار

(جب غبار دور ہو گی تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر)

خواجہ محمد بقا کی آہ زاری

اس مضمون پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ خواجہ [1] سالار کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت خواجہ نظام الدینؒ قدس سرہٗ کے ساتھ جماعت خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک مسافر بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ حضرت خواجہؒ کے خادم خواجہ اقبال نے اس مسافر کے پاس جا کر پوچھا کہ تم نے حضرت خواجہؒ سے کیا کہا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا ہے اور آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے کیا کہا ہے۔ حضرت خواجہ نے مجھ سے سفر اور بلاد شہر کا علماء ومشائخ کا حال دریافت کیا اور میں نے آپ کو ایک حکایت سنائی یہ سُن کر خواجہ اقبال چلے گئے لیکن ہم نے اس مسافر سے پوچھا کہ وہ کون سی حکایت تھی جس پر حضرت اقدس پر گریہ طاری ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے حضرت شیخ کو خواجہ محمد بُکا کی حکایت سنائی۔ آپنے فرمایا کہ تجھے معلوم ہے کہ ان کو محمد بُکا کیوں کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ قصہ یوں ہے کہ خواجہ محمد ایک

[1] حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ قدس سرہٗ کے ایک مرید کو خواجہ سالار کہتے تھے۔

سوداگر کا لڑکا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی باطنی نعمت عطا فرمائی ہے کہ اس کا دل دنیا اور متاع دنیا سے بیزار ہو چکا ہے اور چاہتا تھا کہ درویش کی صحبت اختیار کی جائے تا کہ دنیاوی تعلقات بالکل ختم ہو جائیں۔ اس کے شہر میں ایک درویش رہتے تھے۔ جو صرف ایک تہ بند باندھتے اور نماز زمین پر پڑھتے تھے۔ ان کے پاس نہ کوئی زندگی کا سامان تھا نہ لباس۔ شیخ محمد بُکا نے جا کر ان کی صحبت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ صحبت میں رہنے کے بعد اس درویش نے سفر کا ارادہ کیا اور مریدین سے کہا کہ اب ہم اپنے وطن جانا چاہتے ہیں۔ شیخ محمد بُکا نے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر بہت منت سماجت کے بعد انہوں نے قبول کر لیا اور شہر سے باہر جا کر شیخ محمد بُکا سے کہا کہ مجھ سے بغلگیر ہو جاؤ۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید مجھے الوداع کہتے ہیں۔ اس لیے رونا شروع کر دیا۔ درویش نے کہا۔ اچھا میرے سینے پر سر رکھو اور آنکھیں بند کرو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ کچھ دیر کے بعد کہا کہ آنکھیں کھولو۔ تو اپنے آپ نے اس درویش کے آبائی شہر میں پایا۔ جب اس کے شہر کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ شیخ واپس آ گئے ہیں تو اکابر اور مشاہیر ملاقات کے لئے پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ اپنی خانقاہ میں بیٹھ گئے جو ایک عظیم الشان عمارت تھی اور صوفیاء کا ہجوم تھا۔ ان کے مریدین نے آپ کے لئیے ایک شان دار سجادہ تیار کیا جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے۔ مریدین میں ان کی ایک ہمشیرہ بھی شامل تھیں جو ایک علیحٰدہ حجرہ میں گوشہ نشین تھی۔ شیخ کے مریدین میں سے ہر ایک کا یہ مقام تھا کہ ہوا میں اڑتا تھا اور پانی پر چلتا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے کہ کھانے پینے سے بھی بے نیاز تھے۔ ساری رات قیام کرتے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ شیخ محمد بُکا کو بھی ایک حجرہ مل گیا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد شیخ بیمار ہو گئے اور قریب مرگ پہنچ گئے۔ ان کی ہمشیرہ نے جب دیکھا کہ ان کا آخری وقت ہے تو ان کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ شیخ محمد بُکا کا حجرہ پاس تھا۔ انہوں نے سوچا کہ شائد ان کی ہمشیرہ جائیداد اور خزانے کے متعلق وصیت حاصل کر رہی ہے۔ شیخ محمد کہتے ہیں کہ میں بھی دروازہ کے ساتھ کان لگا کر کھڑا ہو گیا کہ دیکھیں کیا گفتگو ہو رہی ہے کہ اچانک ہمشیرہ نے کہا کہ ایسی بات مت کہو۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کسی کی کیا مجال کہ شیخ سے کہے کہ ایسی بات مت کہو۔ کچھ دیر بعد ہمشیرہ نے کہا کہ میں تجھے کہہ رہی ہوں کہ یہ بات مت کہو اس کے بعد بار بار یہی کہتی رہی کہ یہ بات مت کہو۔ اس نے سختی سے کہا کہ

اے بَد بخت یہ بات مت کہو۔اے عیسائی۔اے یہودی یہ بات مت کہو۔ یہ دیکھ کر شیخ محمد نے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا۔اے خاتون اندر کیا ہو رہا ہے۔اس نے دوازہ کھولا اور سر اور منہ پیٹتی ہوئی باہر آ کر کہنے لگی کہ یہود و نصاریٰ کو بلاؤ تا کہ وہ اپنی رسوم کے مطابق اس کو دفن کریں۔ یہ شخص بے ایمان ہو کر مرا ہے اس نے موت کے وقت کتاب اللہ کا انکار کیا ہے۔ پیغمبر کا انکار کیا ہے اور تمام اصول دین کا انکار کیا ہے۔ میں نے اِسے بہت منع کیا ہے لیکن وہ باز نہ آیا اسی وقت شیخ محمد بُکا پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور اب تک جاری ہے جس کی وجہ سے ان کا سارا چہرہ زخمی ہو چکا ہے۔ جب حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے یہ واقعہ سُنا تو آپ پر بھی بے حد گریہ طاری ہوا۔اور رو رو کر بے تاب ہو گئے کیونکہ جب اتنے بڑے بزرگوں کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا کہنا[1]۔

جمعتہ المبارک ۱۷۔ذی قعدہ

جوانی کا مجاہدہ کام آتا ہے۔

چاشت کے وقت چند نوجوان بیعت کی غرض سے حاضر ہوئے۔حضرت شیخ نے ان کے سامنے درس وتدریس اور زہد وتقویٰ کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ تم لوگوں کی زندگی کی بہار کا زمانہ ہے۔نوعمر درخت کی جس طرح تربیت کی جائے اسی مطابق بڑا ہوتا ہے۔ایام جوانی میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہی کام آتا ہے۔اور وہی سرمایہ حیات ہوتا ہے۔فرمایا حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ بڑے مہمان نواز تھے ایک دفعہ جب کافی عرصہ تک کوئی مسافر آپکے ہاں مہمان نہ ہوا تو آپ نے عہد کرلیا کہ آج جو شخص کسی مسافر کے آنے کی اطلاع دے گا وہ جو مانگے گا عطا کروں گا۔اس روز آپ کے بیٹے نے آ کر مسافر کی اطلاع دی آپ بہت خوش ہوئے۔ بیٹے نے کہا آپنے وعدہ کیا تھا کہ مسافر کی خبر دینے والا جو مانگے گا پائے گا۔آپنے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پڑھنے کی تاکید نہ کریں۔آپ نے فرمایا اچھا لیکن اگر تم سورۃ الملک یاد کرلو تو ہر لفظ کے عوض تجھے ایک دینار دیا کرونگا۔ دینار کی لالچ میں آ کر اس نے روزانہ ایک

---

[1] ممکن ہو سکتا ہے کہ موت کے وقت اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی ہو اور بے ہوشی کی حالت میں ان کے منہ سے غیر سرعی کلمات نکل گئے ہوں۔یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بے ہوشی کی حالت میں شیطان لعین کی جانب سے غیر اسلامی کلمات کا اضافہ ہو گیا ہو۔جیسا کہ پہلے ایک واقعہ بیان ہو چکا ہے۔یا ممکن ہے کہ انا الحق جیسی بات منہ سے نکل گئی ہو۔

لفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور ہر روز ایک دینار لیتا رہا۔ جب شیخ کا وصال ہوا تو مریدین نے اس لڑکے کو ان کی مسند خلافت پر بٹھا دیا لیکن یہ بالکل جاہل اور لوازمات مشائخیت سے بے بہرہ تھا۔ چنانچہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ یہ بے علم آدمی کس طرح ہدایت خلق کریگا۔ ایک دن انہوں نے بھری مجلس میں جا کر شیخ زادہ سے فرمائش کی کہ آپ ذرا سورۃ الملک تو پڑھکر دکھا دیں۔ یہ سورت اسے اچھی طرح یاد تھی۔ آعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ پڑھکر ساری سورت سُنا دی اور اسی وقت سے کسی نے ان کا امتحان نہ لیا اور وہ سجادگی پر متمکن ہو گئے۔ بات یہ تھی کہ حضرت شیخ کو کرامت سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ واقعہ پیش آئے گا اس لئے انہوں نے اسے سورۃ الملک یاد کرا دی تھی۔

حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کی توبہ کا واقعہ

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح شیخ حبیب عجمیؒ ابتدائے حال میں ایک سود خور آدمی تھا اور ہمیشہ قرض داروں پر تاوان لگا کر کھاتا تھا۔ لقمہ حلال کبھی نہیں کھاتا تھا۔ ایک دفعہ اسے کہیں سے تاوان وصول نہ ہوئی۔ آخر ایک شخص کے پاس گیا جو انکا مقروض تھا۔ جب اس سے تاوان طلب کیا تو اس نے کہا کہ آج میرے گھر میں سوائے گوشت کے کچھ نہیں۔ حبیب عجمیؒ نے کہا اچھا گوشت ہی دے دو۔ گوشت لیکر گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ اور تو کچھ نہیں ملا یہی گوشت پکا لو۔ جب اس نے گوشت پکا لیا تو ایک درویش نے آ کر کھانا طلب کیا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ درویش نے زبردستی سے دیگ میں چمچہ ڈال کر گوشت نکالنا چاہا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ خون سے لبریز ہے۔ یہ دیکھ کر خواجہ حبیب عجمیؒ حیران ہوئے اس سے ان کا دل کچھ نرم ہو گیا اس کے بعد وہ اٹھ کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا وعظ سننے کے لئے چلے گئے۔

راستے میں لڑکے کھیل رہے تھے۔ انہوں نے حبیب عجمیؒ کو دیکھ کر ایک دوسرے کو خبردار کیا کہ سود خور آ رہا ہے اس سے بچ کر رہو۔ اگر اس کا دامن بھی کسی کو لگ گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ یہ سن کر ان کا دل مزید نرم ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ اے حبیب دیکھو خلقِ خدا تجھے کیا کہتی ہے' جب حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا وعظ سنا تو دل زیادہ نرم ہوا حتّٰی کہ سود سے توبہ کر لی اور دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ جن لوگوں سے سود وصول کیا ہے ان کو واپس دونگا۔ جب واپس جا رہے تھے تو راستے

میں لڑکے کھیل رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ خبردار حبیب عجمی تائب ہو کر آرہا ہے۔ ان سے بے ادبی نہ کرنا ورنہ دوزخ کی آگ میں جلا دیئے جاؤ گے۔ یہ سن کر آپ نے کہا سبحان اللہ! میں نے ساری عمر دوست کی نافرمانی کی ہے لیکن ایک دفعہ توبہ کرنے سے اس نے مجھے خلق کے درمیان کسقدر عزت بخشی ہے بس وہ جا کر گھر بیٹھ گئے اور اعلان کر دیا کہ جس شخص سے میں نے سود وصول کیا تھا وہ آ کر مجھ سے لے سکتا ہے' سب لوگوں نے آ کر اپنا مال لے لیا۔

بندہ کی طرف سے بے پناہ خلوص اور حق کی طرف سے بے پناہ عنایت

اس کے بعد اپنا مال بھی راہِ خدا میں فقراء کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ان کی بیوی نے کہا آپ نے اپنے کھانے کے لئے کیا رکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ مزدوری کرونگا۔ صبح اٹھ کر دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ جب رات ہوئی تو گھر واپس آئے۔ بیوی نے پوچھا کہ مزدوری کہاں ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ جس مالک کے ہاں میں کام کرتا ہوں بہت ہی رحیم و کریم ہے اس نے مجھ سے کہا ہے کہ تین دن میرا کام کرو۔ اس کی اجرت تجھے یکجا مل جائے گی۔ دوسرے دن بھی اسی طرح جا کر مشغول ہو گئے' تیسرے روز جب عصر کا وقت ہوا تو آپ کے دل میں خیال آیا کہ آخر وہ عورت ہے اسے کیا جا کر کہوں گا۔ مناسب یہ ہے کہ کوئی چیز اس کے پاس لے جاؤں۔ راستے سے کچھ سنگریزے دستار میں باندھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیونکہ بیوی کی پہلی نظر دستار پر پڑے گی۔ اور اس کو یقین ہو جائے گا کہ آخر کوئی چیز لایا ہے۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو کھانے کی خوشبو محسوس ہوئی۔ اندر جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوانچہ پڑا ہے جو روٹی' بھنی ہوئی مچھلی' انڈے' شہد اور کئی قسم کے کھانوں سے لبریز ہے اور ایک سو دینار دستر خوان کے ایک کونے میں باندھے ہوئے ہیں۔ آپ نے بیوی سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارے مالک نے جس کے ہاں تم تین دن سے کام کر رہے تھے' بھیجا ہے۔ ایک خوبصورت نوجوان سفید لباس میں زیب تن کئے ہوئے خوانچہ سر پر رکھ کر آیا اور کہنے لگا کہ حبیب عجمی سے کہنا کہ یہ تمہاری مزدوری ہے۔ اسی طرح تم زیادہ کام کرو گے تو ہم مزدوری بھی زیادہ دینگے۔

اے ترا با ہر کسے رازے دگر

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ یقین جانو کہ یہ بات حبیب عجمیؒ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جو شخص حبیب عجمیؒ کی طرح کرے گا۔ وہی کچھ بلکہ اس سے بہتر حاصل کرے گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر متوکل کے ساتھ یہی معاملہ ہو۔ شرط یہ ہے کہ اس کے کام میں لگا رہے ممکن ہے کہ اس کے ساتھ خدا کا تعلق کسی اور نوعیت کا ہو۔

با توکل زانوئے آشتر بہ بند

ایک درویش تھا جس نے ترک تعلق کر کے صحرا میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ لیکن تین دن گزر گئے اس کو کچھ نہ ملا۔ وہ بہت صابر تھا۔ اس نے کئی روز فاقہ میں گزار دیئے جب ہلاکت تک نوبت پہنچ گئی تو حق تعالیٰ سے مناجات کی کہ الٰہی اگر مجھے جان سے مارنا ہے تو مار دے ورنہ کچھ روزی عطا کر کہ میں زندہ رہ سکوں۔ غیب سے آواز آئی کہ مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم میں تجھے کچھ نہیں دونگا۔ جب تک کہ تو شہروں میں جا کر لوگوں کے ہاتھ سے نہ کھائے پیئے گا۔ چنانچہ وہ شہر میں آیا تو فوراً کوئی شخص اس کے لئے کھانا لایا کوئی پانی، اور درویش کو تسکین ہوئی۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی کہ کیا تو چاہتا تھا کہ تیرے زہد کی وجہ سے میں اپنی حکمت تبدیل کر دوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامیؒ نے حضرت خواجہ شفیق بلخیؒ سے فرمایا کہ توکل ترک کر دو کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تم اس کی وجہ سے شرک یعنی خود بینی اور عزت نفس میں مبتلا ہو جاؤ گے[1]۔

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور اس کی کیا وجہ ہے کہ حضراتِ چشتیہ کی کلاہ پر تکمہ ہوتا ہے اور مشائخِ سہروردیہ کی کلاہ پر نہیں ہوتا۔ کیا اس کی کوئی سند ہے۔ فرمایا کہ چشتیوں کے ہاں تکمہ ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ درزی کی پسند پر منحصر ہے چاہے وہ تکمہ لگائے یا نہ لگائے۔ درویش لوگ خواہ پسند کریں یا نہ کریں مشائخِ عظام کی طرف سے کوئی شرط نہیں ہے۔

---

[1] حکایت پہلے بیان ہو چکی ہے اس ضمن میں ایک اور حکایت یہ ہے کہ ایک درویش توکل اختیار کر کے جنگل میں گوشہ نشین ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ پاس ہی ایک اندھی چڑیا بیٹھی ہے جو اڑنے اور چلنے سے بھی معذور ہے۔ لیکن غیب سے ایک باز آتا تھا کچھ دانا دنکا اس کے منہ میں ڈال کر چلا جاتا تھا۔ لیکن درویش کو کچھ نہیں ملتا تھا، کئی روز فاقہ کشی کے بعد اس نے مناجات کی کہ بارالٰہی! کیا یہ چڑیا بھی مجھ سے افضل ہے، غیب سے آواز آئی کہ تم چڑیا کیوں بنتے ہو باز بن کر دوسروں کو کیوں نہیں کھلاتے۔ سچ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اس کی استعداد اور کیفیت قلبی کے مطابق معاملہ ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اے ترا با ہر کسے رازے دگر ہر گدا را بر درت نازے دگر

(ہر شخص کے ساتھ تیرا مختلف روز و نیاز ہے

گنبد نما کلاہِ درویشی کی توجیہہ

اس کے بعد فرمایا کہ کلاہِ درویشان (ٹوپی) کی موجودہ شکل وصورت کی وجہ یہ ہے کہ جب رسولِ خداﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو حق تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوا کہ قبۂ نور میں تشریف لے جائیں۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس کا دروازہ بند تھا۔ آپ نے دستک دی تو آواز آئی کہ تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا میں محمدؐ ہوں۔ آواز آئی کہ واپس جاؤ یہاں منی ومائی (یعنی میں اور تو) کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے واپس آ کر حق تعالیٰ سے عرض کی۔ فرمان ہوا کہ کیا آپ قبۂ نور میں گئے تھے۔ آنحضرتﷺ نے جواب دیا کہ الٰہی تو بہتر جانتا ہے کہ میں گیا تھا۔ لیکن دروازہ بند تھا اندر سے آواز آئی کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں محمدؐ ہوں۔

تحفۂ یتیمی و بے کسی

آواز آئی کہ یہاں من ومائی کی گنجائش نہیں ہے۔ واپس جاؤ۔ فرمان ہوا کہ سچ کہا ہے۔ بارگاہ عزت میں من ومائی کی کیا گنجائش، واپس جا کر کہو کہ میں ایک بیچارہ مسکین مضطرب ویتیم ہوں جس کی والدہ سوکھا گوشت کھا کر گزارہ کرتی تھی۔ کافروں میں پرورش یافتہ بیکس اور بے نور ہوں۔ جب آپ نے یہ جا کر کہا تو اندر سے آواز آئی کہ مرحبا! جلد آؤ۔ آپ کا کئی سالہا سال سے انتظار ہو رہا ہے، جب آپ قبہ کے اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہاں چھ آدمی بیٹھے ہیں اور رسول اللہ خود میرِ مجلس ہیں اور ایک طرف سے نہایت دلکش، دلربا اور دلنواز آواز آ رہی کہ اِلَیّ اِلَیّ (میری طرف آؤ، میری طرف آؤ۔)

آنحضرتﷺ پر وجد کا واقعہ

یہ آواز سن کر آپ پر وجد طاری ہو گیا جس کی وجہ سے آپ کی دستار مبارک گر گئی جب آپ پر افاقہ ہوا تو حاضرین نے کہا کہ حق تعالیٰ نے یہاں آپ کو ایک نیا ذوق وشوق بخشا ہے آپ ہمیں بھی اس سے حصہ عنایت کریں۔ آپ نے وہی دستار مبارک ان کے سامنے رکھدی کہ یہ تمہارے سامنے گر گئی تھی یہی تمہارا حصہ ہے چنانچہ انہوں نے اس کے چند ٹکڑے کئے اور آپس میں تقسیم کر لئے[1]۔ اس کے بعد وہ حضرات آپس میں کہنے لگے کہ ان ٹکڑوں کو کیا کریں گے۔ اس کی ٹوپیاں بنالینا چاہیے۔ اور چونکہ ہم گنبد کے اندر بیٹھے ہیں

[1] صوفیاء کرام کے وجد کی حالت میں نذرانے دینے اور پارچات تقسیم کرنے کی اصل یہی ہے اس پر اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔

ٹوپیوں کی شکل بھی گنبد نما ہونی چاہیے۔ یہ فتوح خاص اس مقام کی یادگار رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے دستار مبارک کے ٹکڑوں سے ٹوپیاں بنالیں۔ صوفیاء کرام کی گنبد نما ٹوپیوں کی اصل یہ ہے۔ واللہ اعلم۔

دوستان خدا کی صعوبت اور ریاضت کا بیان

ظہر کی نماز کے بعد اولیاء اللہ کی صعوبت و ریاضت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ: مَنْ اثْنَيْتُمْ عَلَيهِ خَيراً وَجَبتُ لَهُ الْجَنَّة وَمَنْ اثْنَيْتُم وعليه شعراً وَجبتُ له النّار۔ (جس کا ذکر خیر سے ہوا اس پر جنت واجب ہوتی ہے جس کا ذکر بدی سے ہوا اس پر دوزخ واجب ہوتی ہے) اس حدیث کا واقعہ یہ ہے ایک دفعہ رسول خدا ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جنازہ ملا، جس کی لوگ شکایت کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وَجبتَ (اس پر واجب ہو گیا) اس کے بعد اور جنازہ ملا۔ جسکی لوگ تعریف کر رہے تھے آپ نے فرمایا وَجَبت (اس پر واجب ہو گیا)۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور پہلے شخص کے لئے جنت واجب ہوئی اور دوسرے کے لئے دوزخ۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم لوگ خدا تعالیٰ کے گواہ ہو جس شخص کا ذکر خیر سے ہوتا ہے اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے اور جس کا ذکر شر سے ہوتا ہے اس پر دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے جو بظاہر کچھ ہوں اور نظر کچھ آتے ہوں۔ جو شخص ان کو دیکھتا ہے نیکی کا گمان رکھتا ہے لیکن اُن سے کوئی غیر شرع کام ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ لوگوں نے آپ کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ و ما صَلَبوهُ وَيَكُنْ شُبّهَ لهم (ان کو نہ قتل کیا گیا نہ سولی پر مارا بلکہ لوگوں میں شک میں ڈالا دیا گیا) اس طائفہ میں اس قسم کے لوگ بہت ہوئے ہیں۔ بیشتر اولیاء بظاہر بری شکال میں ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا حال مستحسن ہوتا ہے۔ خواہ ان کی ظاہری صورت کیسی ہو۔ لیکن ان کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے تا کہ ان کو نہ کوئی دیکھے نہ معلوم کر سکے۔ اور نہ ہی وہ حضرات کسی سے کوئی تعلق رکھیں۔ اس مضمون کے مطابق آپ نے یہ حدیثِ قدسی بیان فرمائی ہے کہ اَوْلیائی تَحتَ قبائی لَا یَعرفُهُم غیری (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہنچانتا۔)

خاکساران جہاں بحقارت منگر

اس کے بعد فرمایا کہ ایک سوداگر تھا' جس نے ایک مغل کا مال لیکر تباہ کر دیا تھا۔ یہ سلطان محمد کا زمانہ تھا۔ اُس وقت مغل لوگ جس کی شکایت کرتے تھے۔ بادشاہ اس کو فوراً قتل کر دیتا تھا۔ وہ سوداگر ایک طالب علم کا ہمسایہ تھا جو ہمارے خواجہ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کا مرید تھا۔ سوداگر نے کہا کہ چلو حضرت خواجہؒ کے سامنے ماجرا بیان کرتے ہیں۔ طالب علم نے کہا کہ تم نے مغل کا مال تلف کیا میرے خواجہ کیا کریں۔ اس نے کہا چلو بات تو کریں۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت اقدس نے کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کیں جس سے وہ اسقدر ہیبت زدہ ہو گئے کہ اپنا مقصد بھول گئے۔ رخصت ہوتے وقت سوداگر نے اپنا حال یاد دلایا تو طالب علم نے حضرت اقدس کے سامنے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا جلال کے پاس جاؤ۔ اس زمانے میں تمام بزرگ گھر کے دروازے بند کر کے خاموش پڑے ہوئے تھے کیونکہ جو شخص ان کا نام لیتا تھا۔ یا کوئی بات کہتا تھا بادشاہ ان کو قتل کر دیتا تھا جب دونوں آدمی شیخ جلال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ کا سلام دیکر اپنا حال بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ شیخ محمود نے مجھے اب بھی نہیں چھوڑا اور کافی رنجیدہ خاطر ہوئے۔ آخر فرمایا کہ اچھا کوئی آدمی دروازہ بھیلسہ کے باہر جا کر سو جائے وہاں یہ ہوتا ہے کہ رات کو میواتی آتے ہیں اور لوٹ لیتے ہیں۔ اس لئے نماز عصر کے بعد باہر حوض پر کوئی نہیں ہوتا سب لوگ اندر آ جاتے ہیں۔ وہاں جا کر دیکھتے رہو کہ سب سے پہلا شخص جو دروازہ سے باہر نکلے اپنی حاجت ان سے طلب کرنا۔ چونکہ سوداگر ضرورت مند تھا۔ اس نے رات دروازہ سے باہر بسر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر اس طالب علم نے بھی اس کے ساتھ رہنے کا ارادہ کر لیا۔ کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ ساری رات وہ ایک کونے میں چھپے رہے جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ہیجڑہ سب سے پہلے دروازہ سے نکلا ہے۔ اس کو دیکھ کر طالب علم نے ہنس کر سوداگر سے کہا اب جاؤ ہیجڑے سے مراد طلب کرو۔ سوداگر نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ مجھے اس سے کیا غرض کہ کون ہے مجھے جس طرح حکم ملا ہے اُسی مطابق کرونگا۔ یہ کہہ کر وہ اُس ہیجڑے کے پیچھے چل دیا۔ ہیجڑے نے پیچھے

دیکھ کر کہا کہ تم کون ہو اور کس لئے میرا پیچھا کر رہے ہو۔ اگر تجھے میرے ساتھ کوئی فعل کرنا ہے تو آؤ اس خندک میں کرلو۔ سوداگر نے کہا میرا یہ ارادہ نہیں ہے مجھے مولانا جلال نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ جو مراد طلب کرنی ہے آپ سے طلب کروں۔ یہ کہہ کر اپنی حاجت اُن کے سامنے بیان کر دی۔ انہوں نے کچھ دیر سوچ کر کہا کہ آؤ حوض پر چلتے ہیں۔ حوض پر جا کر ہیجڑے نے وضو کیا اور دوگانہ نماز ادا کر کے سوداگر سے کہا کہ جاؤ تمہاری حاجت پوری ہوگئی ہے۔

اب یہ آدمی حیران تھا کہ کیا حاجت پوری ہوئی اور کیا حاصل ہوا۔ غمزدہ ہو کر واپس جا رہا تھا۔ کہ راستے میں اچانک اُس مغل سے ملاقات ہوگئی۔ وہ چھپر کے نیچے بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اس نے دو آدمی بھیجے کہ اُس مولانا کو پکڑ کر لے آؤ۔ وہ اُسے پکڑ کر لے گئے اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ قصہ ختم ہوا اور موت آ گئی۔ جب قریب پہنچا تو مغل نے کہنا شروع کیا کہ مولانا سنو! بادشاہ نے مجھ پر بہت مہربانی کی ہے تیس ہزار روپے انعام دیئے ہیں اب تم میرے اُس مال کا فکر چھوڑ دو۔ اب اُسی قدر مال اور لے جاؤ اور تجارت کرو۔ یہ سن کر سوداگر بہت خوش ہوا اور شکرانہ کے طور پر حلوہ تیار کر کے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مولانا جلالؒ کا حق اُن کے پاس لے جاؤ۔ جب اُن کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اِس شخص کا حق ہے جس نے تمہارا کام ہے۔ اُس کے پاس لے جاؤ جب وہ باہر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ستر اَسّی ہیجڑوں کا ہجوم آ رہا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا وہ آدمی جس نے ہیجڑوں کی صورت میں اس روز سوداگر کے لئے دعا کی تھی ایک چیتھڑے پر دو رکعت نماز ادا کر کے جان بحق ہو گیا ہے۔ وہ ہیجڑہ نہیں تھا بلکہ مردِ حق تھا۔ اور مقرب اور ہمنشین بارگاہ تھا لیکن کسی مصلحت کے تحت اُس نے ہیجڑوں کی صورت بنا رکھی تھی [1]۔

[1] اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ جیسے کامل اکمل شیخ نے سوداگر کی حاجت پوری کیوں نہ فرمائی اور اُسے شیخ جلالؒ کے پاس کیوں بھیجا۔ پھر شیخ جلالؒ نے اُسے ایک گمنام ونشان درویش کے پاس کیوں بھیجا۔ انہوں نے خود اس کی حاجت پوری کیوں نہ فرمائی۔ بات یہ ہے کہ مشائخ عالی مقام کے نزدیک اس قسم کی کرامت بازیچہ اطفال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں اور وہ ہمیشہ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے مراتب میں کمی آتی ہے۔ اس لئے یہ کام چھوٹے بزرگوں کے حوال کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ مشائخ عظام جن کے ذمہ خدمت مُرشد و ہدایت خلق ہوتی ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی کو ترک کر کے کشف وکرامات میں حصہ نہیں لیتے۔ بلکہ لوگوں کی حاجت روائی کے کام اُن بزرگوں کے سپرد کر دیتے ہیں جو کسی خاص علاقے کے حاجب خدمت ہوتے ہیں۔ شیخ اکبرؒ نے آخر میں افسوس کیا کہ کاش کشف وکرامات سے اجتناب کرتا تو مراتب نہ ہوتے۔ لیکن قلندر اور مست قسم کے بزرگان کو مراتب کی کمی کی فکر نہیں ہوتی ہے۔ اور ایک خاص لگن میں ہوتے ہیں۔

خواجہ خضر علیہ السلام کی زیارت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک طالب علم تھا جو ہر جمعرت کے دن مدرسے سے غیر حاضر ہوتا تھا۔ جب اُستاد نے وجہ پوچھی تو کہنے گا کہ مجھے ہر جمعرات کے دن حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔ اُستاد نے کہا کہ میری بھی خواجہ خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوسکتی ہے۔ اس نے کہا جا کر عرض کروں گا۔ شاید قبول کرلیں۔ جمعرات کو جب ملاقات ہوئی تو طالب علم نے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ خواجہ خضرؑ کے سامنے اپنے استاد کی تمنا ظاہر کی اور انہوں نے یہ بات قبول کر لی اور فرمایا کہ چھ ماہ کے اندر ملاقات کرونگا۔ اب اُستاد اس انتظار میں تھا کہ کب وہ وقت آتا ہے اور خواجہ خضرؑ کس مہیب یا جمیل صورت میں ہوں گے۔ اور کس شان وشوکت اور عزت وجلال میں سامنے آئیں گے۔ ایک دن ایک درویش آیا جو چیتھڑے پہنے ہوئے تھا اور کپڑوں پر کہیں کہیں غلاظت بھی لگی تھی۔ لکڑی ہاتھ میں اور سر نیچے کئے ہوئے اسقدر خستہ حالت میں تھا کہ اس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ بلکہ اسے دیکھ کر سب نے کہنا شروع کر دیا کہ اے درویش وہیں بیٹھ جاؤ لیکن وہ آگے چلا آیا۔ وہ طالب علم مجلس میں بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر درویش نے کہا کہ مجھے پانی کا کوزہ درکار ہے۔ استاد نے کہا اُسے کوزہ بھر کر دے دو جونہی ایک لڑکے نے اس کے ہاتھ میں کوزہ دیا۔ اُس نے نیچے گرا دیا۔ کوزہ گر کر ٹوٹ گیا۔ اور اس کی کتابیں اور کاغذ گیلے ہو گئے جب طالب علموں کی کتابوں پر کوئی شخص پانی گرادے تو سب جانتے ہیں کہ وہ کیا حشر کرتے ہیں سب لوگ درویش پر برس پڑے اس کی بڑی بے عزتی کی۔ جب اس واقعہ کو چھ ماہ گزر گئے تو استاد نے اس طالب علم سے کہا کہ میعاد گزر چکی ہے لیکن خواجہ خضرؑ نہ آئے۔ طالب علم نے کہا کہ وہ تو آئے تھے لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ وہ جو ایک روز پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ایک درویش آیا اور پانی کا کوزہ طلب کیا۔ جب ان کو کوزہ دیا گیا تو اس نے گرا دیا جس سے طالب علموں کی کتابیں بھیگ گئیں اور سب لوگوں نے ان کو بُرا بھلا کیا وہ خضرؑ نہیں تو کون تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اُس ہیجڑے کے حال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

طوائف کے پاؤں کی خاک لگنے سے آنکھیں درست ہو گئیں

اس کے بعد فرمایا کہ سبلتو 1 نام ایک دیوانہ تھا جس کی موچھیں بہت بڑی تھیں۔ وہ ہمیشہ خستہ حال پریشان اور دیوانہ وار رہتا تھا۔ اس کی شکل اسقدر ڈراؤنی تھی کہ جب طوائف کے بازار میں جاتا تھا تو سب بھاگ جاتی تھیں اس کی آنکھیں خوب کھلی رہتی تھی اور ایسی سرخ ہوتی تھیں کہ گویا خون برس رہا ہے۔ ایک دن اس کے کسی دوست نے کہا کہ اے سبلتو! تم آنکھوں کا علاج کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا اچھا آنکھوں کا علاج کرتے ہیں۔ وہ اس طوائف کے پاس گیا اور اس کے پاؤں کی مٹی اٹھا کر آنکھوں پر لگائی اور یہ دعا کی الٰہی اپنے بندوں کے پاؤں کی خاک کی برکت سے میری آنکھیں درست کر دے یہ کہنا تھا کہ اس کی آنکھیں درست ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر ساری خلقت حیران رہ گئی۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور زمین پر سوتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنَا الیہِ رَاجِعُون۔

درویش نے ایک عالم کا علم سلب کر لیا

اس کے بعد فرمایا کہ قدیم زمانے میں شہر دہلی میں ایک استاد رہتے تھے جس کا نام مولانا برہان الدین بلخی تھا۔ اور اکثر لوگ ان سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک درزی بھی اُن کے پاس جا کر بیٹھتا تھا۔ ایک دن عقائد بیان ہو رہے اور طالب علم آپس میں بحث کر رہے تھے اس درزی نے ایک درویش سے کوئی بات سُنی تھی اگر چہ وہ بات غیر شرع نہیں تھی۔ تاہم اس کا ادائیگی کا طریقہ ایسا تھا کہ وہ غیر شرع معلوم ہوتی تھی۔ جس سے سب لوگ حتّٰی کہ خود مولانا برہان الدین اس کی سخت مخالفت کر رہے تھے اور کفر کے فتوے لگا رہے تھے۔ اور طعنے دے رہے تھے۔ جیسا کہ علماء کا قاعدہ ہے۔ کہ صوفیاء کی ہر بات پر برس پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پہلے اپنا ایمان صحیح کرو پھر بحث کرو۔ تُم جاہل ہو، ملحد ہو، وغیرہ وغیرہ۔

یہ دیکھ کر وہ درزی حیران ہوا اور اس نے درویش کے پاس جا کر کہا کہ آپ نے جو بات کہی تھی۔ میں نے وہ بات مولانا برہان الدین کی مجلس میں کہی تو سب لوگوں نے مجھ پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اور بہت بُرا بھلا کہا۔ یہ سن کر وہ درویش غضبناک ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھ مروڑ کر کہا کہ

---

1 سبلت بمعنی مُوچھ۔ سبلتو بمعنی مُوچھو۔

ہم نے مولانا کی کتاب ختم کردی ہے۔اب دیکھیں کیا سبق دیتا ہے۔دوسرے دن جب تمام طالب علم مولانا کی خدمت میں درس کے لئے حاضر ہوئے تو وہ دیر سے باہر آئے اور سخت پریشان حال نظر آرہے تھے۔جب حسب دستور پہلا طالب علم سبق کے لئے آکر مولانا کے سامنے بیٹھا اور اول سے آخر تک سبق پڑھا تو مولانا نے کہا واللہ باللہ آج مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ طالب علم نے بہت کہا کہ آپ میرے استاد ہیں مخدوم میرے مہربان ہیں آج اس بے رُخی کی کیا وجہ ہے۔مہربانی فرمائیں۔میرا قصور معاف کردینا۔مولانا نے کہا مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہا کہ تو کیا پڑھ رہا ہے۔رات کو میں نے کتاب اٹھا کر آنے والا سبق دیکھنا چاہا تو مجھے سمجھ میں نہ آیا کہ کتاب کیا کہہ رہی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے سینہ پر مہر ثبت ہوگئی ہے۔یہ دیکھ کر طالب علم سخت حیران و پریشان ہوئے اور خود مولانا حیران تر تھے اس کے بعد جب لڑکے چلے گئے تو وہی درزی پہنچ گیا اور مولانا سے کہنے لگا کہ اُس دن جو میں نے ایک بات کی تھی اور آپ لوگوں نے کفر کے فتوے لگا دیئے تھے۔میں کون ہوں اور کب ایسی باتیں کرسکتا ہوں۔وہ بات تو فلاں درویش نے کہی تھی۔جب میں نے جا کر ان کو سارا ماجرا سنایا تو انہوں نے غصے میں آکر کہا ہم نے مولانا کا علم چھین لیا ہے۔اب دیکھیں کیسے پڑھاتے ہیں۔یہ سن کر مولانا نے کہا آہ!یہ بات ہے ساری بلا اسی وجہ سے ہے یہ کہتے ہی انہوں نے درزی کے قدم پکڑ لئے اور کہنے لگے کہ خدا کے واسطے جس طرح تم نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا کرایا ہے اب بھی تم' مجھے اس سے نجات دلاؤ تمہارے بغیر یہ بلا مجھ سے نہیں ٹل سکتی۔درزی نے کہا کہ اچھا میں ان کے پاس جاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں شاید وہ مان لیں۔اس کے بعد اس نے درویش کے پاس جا کر عرض کیا کہ مولانا کا علم بالکل سلب ہو چکا ہے۔اب چونکہ لوگوں کو اس سے بہت فائدہ ہوتا تھا۔لوگ علم دین حاصل کرتے تھے اور مسائل فقہ دریافت کرتے تھے۔اس کے حال پر رحم کریں تا کہ اسکا علم واپس آجائے اور خلق خدا اس سے فائدہ حاصل کرے۔جب درزی نے بہت عجز وانکسار سے کام لیا تو درویش نے کہا کہ اس سے کہو کہ جس طرح میں کہوں اُسی طرح کرے۔پہلے وہ اپنی عزت بالائے طاق رکھے اور عالم ہونے کا خیال دل سے نکال دے پھر اپنے گھر سے اس طرح ہمارے پاس آئے کہ ہر قدم پر اپنا سر زمین پر رکھے۔درزی نے کہ وہ ضرور اس طرح آئینگے۔اس کے بعد اس نے مولانا کے پاس جا کر بشارت دی اور کہا کہ انہوں نے اس

شرط پر معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ مولانا چونکہ صاحبِ غرض تھے کیا کر سکتے تھے۔ گھر سے نکل کر قدم قدم پر سر زمین پر رکھتے گئے' جب درویش کے قریب پہنچے تو وہ ایک لنگوٹ باندھے برہنہ تن ایک چبوترہ پر پڑے تھے۔ درزی نے کہا یہ ہیں وہ درویش۔ مولانا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لیکن کیا کہہ سکتے تھے۔ کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ خیر اُسی طرح منہ زمین پر رگڑتے ہوئے آگے بڑھے اور درویش کے بالکل قریب پہنچ کر رُک گئے اور منتظر ہو کر کھڑے رہے۔ کچھ دیر بعد درویش نے آنکھیں کھولیں۔ اور کہنے لگے کہ ہاں مولانا کیسے آنا ہوا۔ درزی نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضور مولانا عرض کرتے ہیں کہ مجھے علم سے کیا کام میں تو جاہل ہوں۔ مسکین ہوں۔ اور آپ کے در پر گدائی کے لئے حاضر ہوا ہوں درویش نے کہا ہاں مولانا بیٹھ جائیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارا علم کہتا ہے۔ کہ جب کوئی حاجت پیش آئے تو پہلے دو رکعت نماز پڑھنا چاہیے۔ اس کے بعد یہ پڑھے وہ پڑھے اور اتنی بار دُرود پڑھے۔ حاجت پوری ہو جاتی ہے مولانا نے کہا جی ہاں! اسی طرح ہے۔ درویش نے کہا کہ تم بھی یہی کام کرو۔ چنانچہ مولانا نے پھر سے وضو تازہ کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے درود پڑھا۔ لیکن مشکل حل نہ ہوئی۔ درویش نے پوچھا کہ مولانا کیا حال ہے۔ کوئی فائدہ ہوا ہے یا نہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ معلوم نہیں یہ روایت صحیح ہے یا غلط۔ درویش نے کہا مولانا روایت بالکل صحیح ہے لیکن تجھے نماز پڑھنا اور دعا مانگنا نہیں آتا۔ مولانا نے کہا۔ جی ہاں!

آپ نے سچ فرمایا ہے مجھے نماز پڑھنا اور دعا مانگنا نہیں آتا۔ اس کے بعد درویش نے کہا ہاں مولانا اب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کچھ بھی نہیں ہیں۔ مولانا نے کہا جی ہاں مجھے اب معلوم ہو گیا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور سب جاہلوں سے بدتر ہوں۔ درویش نے کہا اچھا اب وہ کاغذ نکالو جو تم ساتھ لائے ہو۔ مولانا نے جیب سے کاغذات نکال کر اُن کے سامنے رکھ دئے۔ درویش نے اپنے بدن سے خاک لے کر اُن کاغذات پر لگائی اور فرمایا کہ اب دیکھو۔ اب مولانا کیا دیکھتے ہیں کہ انکا سارا علم واپس آ گیا ہے اور مولانا خوشی خوشی گھر آ گئے۔ اب دیکھئے۔ اس دیوانے کا کیا حال تھا۔ ظاہری ارکان شریعت ہی سے صرف ستر نہیں تھا۔ باقی اس کے اندر کوئی غیر شرع چیز نہیں تھی۔ لیکن نظر یہی آتا تھا بات یہ ہے کہ ایک راہِ شریعت ہے (جو صراط مستقیم ہے) اور حق تعالیٰ کی جانب بیشمار راستے ہیں جو اگرچہ غیر شرع نظر آتے ہیں۔ خلاف شرع نہیں ہیں۔ اور ان کا کوئی شمار نہیں ہے۔

بیان سے باہر ہیں[1]۔ حق تعالیٰ کے قول اِنّ الّذین اٰمَنُو وَ عَمِلُ الصّالِحَاتِ کَانَتُ لَھُمْ جَنّٰتُ الــفِــردَوْسَ (جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کے لئے جنت الفردوس ہے) میں راہِ شریعت کی طرف اشارہ ہے اور اس کے قول لو کان البحر و مداد الکلمات ربیّ لنطر البحرُ قبل اِن منقد کلمات ربیّ (اگر سارا سمندر سیاہی بن جائے حق تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر ختم ہو جائے گا لیکن کلمات ختم نہ ہونگے۔) کے اندر دیگر راستوں کی طرف اشارہ ہے جو خلاف شرع نظر آتا ہے لیکن خلاف شرع نہیں ہے۔ فرمایا کلمات ربّی سے مراد ہے بعفاتــــہ و اسرار ہ وبطرق الوصول الیہ (یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائیں اس کے کلمات یعنی حق تعالیٰ کی صفات اسرار و رموز اور حصولِ قرب کے مختلف طرائق لکھنے کے لئے۔)

اس کے بعد آپ نے ایک اور حکایت بیان فرمائی اور فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ' خلوت میں بیٹھے سماع سن رہے تھے اور خواجہ مبارک کو دروازے پر بٹھا دیا تھا کہ کسی کو اندر نہ آنے دے اچانک ایک درویش آیا اور اندر جانے لگا۔ لیکن خواجہ مبارک نے اُسے روک دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر اندر جانے کی کوشش کی اور خواجہ مبارک نے روک دیا۔ تیسری بار پھر کوشش کی لیکن روک دیا گیا اب اس پر ذوق وشوق کا اسقدر غلبہ ہوا کہ زبردستی اندر جا کر سماع سننے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن خواجہ مبارک نے اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ اے سوختہ کب تک جلتے رہو گے۔ یہ سن کر وہ درویش واپس جانے لگا کہ اندر سے حضرت خواجہؒ نے دستک دی اور اُس درویش کو اندر طلب فرمایا۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔ اب خواجہ مبارک پر خوف اور پیاس کا غلبہ ہوا۔ جس قدر پانی پیتا تھا۔ تسکین نہیں ہوتی تھی آخر اسی حالت میں جاں بحق ہو گیا۔ جب ساری خلقت چلی گئی تو حضرت

[1] حدیث میں آیا ہے کہ الطرق الی اللّٰہِ بِعَدَدِ انفاس الخلائق (اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہیں جتنے مخلوقات کے سانس)۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیسائیوں کا ایک راستہ ہے۔ یہودیوں کا دوسرا' ہندوؤں کا تیسرا وغیرہ کیونکہ جتنے انبیاء علیہم کے بتائے ہوئے طریقے ہیں ان سب کی اصل ایک ہے۔ اور ان سب کا نام اسلام ہے۔ لیکن جب ایک نبی کی تعلیمات میں ملاوٹ شروع ہو گئی تو وہ صحیح راستہ نہ رہا بلکہ گمراہی اور بے راہ روی بن گئی۔ اور اس کی تجدید کے لئے اللہ تعالیٰ نے نیا نبی بھیجا۔ یہ جو ہزاروں طریقوں کا نام لیا گیا ہے اس سے مراد مذہب یعنی اسلام کے اندر اندر کے طریقے ہیں یعنی ہر مسلمان کی اپنی علیحدہ ایمانی کیفیت اور حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا اپنا علیحدہ تعلق۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اے تیرا باہر کسے رازے دگر   ہر گدا را بر درت نازے دگر۔

(اے محبوب تیرا ہر عاشق کے ساتھ علیحدہ راز و نیاز ہے اور ہر گدا کا تیرے در پر جداگانہ ناز ہے۔)

شیخ نے فرمایا کہ آج چند اشعار وارد ہوئے ہیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں ؎

۱۔ تیرا حسن است از اندازہ بیرون۔ مرا اندوہ و غم ہر روز افزون
۲۔ تیرا در دلبری میلے کثیرے۔ منم در عاشقی استادہ مجنون
۳۔ بہ پیش توہمہ خوباں سجودند عیاں دیدند دانم سِرّ بے چون
۴۔ مثال تو میانِ خوبرو بان۔ حدف اندر میانش درمکنون
۵۔ ندیدہ چشم من روئے غنودن۔ نہ دانم تاکدا مین خواند افسوں
۶۔ زلعلِ اوہمہ عالم شدہ مست۔ سِر زلفش جہاں را کردہ مفتون
۷۔ ہوائے بوسہ را از دل بدرکن یقین ددم بش موہوم مطنون
۸۔ لبِ لعل تو گوئی ساقی مست۔ پیالہ بردہد ہر دم بہ ہرگوں
۹۔ مبارک مطلع میموں جیوجے کہ آید یار کسے خوروہ و معجون
۱۰۔ بنہ سر در پریشانی محمّد کہ زلف اوبرآشفتہ است اکنوں

(۱۔ اے محبوب تیرا حسن حدوحساب سے باہر ہے میرا غم ہر دور ترقی پر ہے۔
۲۔ تجھے اپنی محبوبیت پر ناز ہے اور میں اپنے عشق میں مجنون بن گیا ہوں۔
۳۔ تیرے سامنے تمام محبوبانِ جہاں سجدہ ریز ہیں کیونکہ انہوں نے رازِ مخفی کو دیکھ لیا ہے۔
۴۔ محبوبان جہاں کے سامنے تیری مثال ایسی ہے جیسے درِمکنون) چھپ ہوا گوہر)
۵۔ تیرے عشق میں میری آنکھ نہیں جانتی کہ نیند کیا چیز ہے۔ معلوم نہیں یہ جادو کہاں سے ہوا ہے۔
۶۔ محبوب کے لبِ لعل کی مستی سے سارا جہاں مست ہے اور اس کی پریشاں زلف سے سارا جہاں پریشان ہے۔
۷۔ اے دل تو اُس کے لبِ لعل کے بوسہ کی تمنا ترک کر دے اب تجھے حق الیقین کا درجہ مل گیا ہے اور سب خالی وہم ہے۔
۸۔ اے ساقی تیرا لبِ لعل ہر دم اور ہر لحظہ عشاق کو پیالہ در پیالہ دیکر مست کر رہا ہے۔
۹۔ کیا ہی مبارک صبح ہوگی کہ جب محبوب مستِ شراب محبت ہوکر باہر آئے گا۔
۱۰۔ حضرت اقدس نے یہاں محمّد تخلص فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے محمّد چونکہ دوست کی زلف

اب تک پریشان ہے تو بھی پریشان حالی کو شیوہ بنالے۔

یک شنبہ ۱۹۔ ذیقعدہ ۸۰۲ھ

حقیقت دنیا

چاشت کے وقت کسی ہمسایہ کے گھر میں ڈھول بج رہا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ کیا ہی مہیب (خوفناک) آواز ہے جس نے یہ آواز کبھی نہ سنی ہو۔ پہلی بار سنکر حیران ہوگا کہ یہ کیا بلا ہے۔ اور کیا خوفناک چیز ہے۔ یا کسی بڑے جانور کی آواز ہے۔ جو یہ فریاد کررہا ہے۔ لیکن جب نزدیک آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ یہ تو لکڑی ہے جس پر چمڑا چڑھا ہوا ہے۔ اور اس پر ایک اور لکڑی مارنے سے یہ مہیب آواز پیدا ہوتی ہے۔ پھر اُسے شاید یہ بھی خیال ہو کہ اس کے اندر کوئی جانور بند ہے جو فریاد کررہا ہے۔ لیکن اُسے کھول کر دیکھے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اندر سے خالی ہے۔ دنیا کی مثال بھی بعینہٖ یہی ہے جو شخص اس کی حقیقت جانتا ہے اُسے معلوم ہے کہ یہ بھی کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ محض نیستی کو ہست کی صورت دیدی گئی ہے۔ اور اُسے ہست سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ نہ اس کا کوئی وجود ہے نہ حقیقت۔ اسی وجہ سے یہ مثال پڑگئی ہے کہ تسمع بالمحیدی خیرٌ مِنْ اَن تراہ (ترجمہ بامحاورہ یہ ہے دور کے ڈھول سہاونے)

فرمایا ایک شاعر تھا جس کی بادشاہ وقت نے بہت تعریف سنی تھی۔ جب اُسے بلا کر دیکھا تو وہ ایک حقیر سا آدمی تھا بادشاہ نے دیکھ کر یہی کہا تسمع بالمحیدی خیرٌ منَ اَن تراہ اور یہ ضرب المثل بن گئی۔

محاسن ومحامدِ اہل بیت

اس کے بعد اہل بیت کے اوصاف اور محاسن کا ذکر ہونے لگا فرمایا کہ خرقہ مشائخ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ اور حضرت کمیل ابن زیادؓ ابن زیادؓ کو حضرت علیؓ سے خلافت حاصل تھی۔ ہمارا سلسلہ (چشتیہ) اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ حضرت حسن بصریؒ تک جا پہنچتا ہے۔ اور سلسلہ کرویہ حضرت کمیل ابن زیادؓ سے جاملتا ہے۔

کتاب تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے خرقہ امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے حسن بصریؒ کو ملا۔ اور حضرت علیؓ کی طرف سے براہ راست جو اجازت امام حسن بصریؒ کو ملی وہ دو طرح پر ہے ایک اس طرح پر ہے کہ حضرت علیؓ نے بصرہ میں جا کر تمام ممبر توڑ دیئے لیکن امام حسن بصریؒ کو

اجازت دے دی کہ پند ونصیحت کیا کرو۔ یعنی اُن کے طریق ہدایت کو برقرار رکھا یہ ایک قسم کی اجازت ہے۔ امام حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ کو بصرہ میں پہنچان لیا اور کسی نے نہ پہنچانا تھا۔ اور عرض کیا کہ مجھے وضو کا طریقہ تعلیم کریں۔ حضرت علیؓ نے پانی طلب کر کے اُن کے سامنے وضو کیا اور وضو کا طریقہ تعلیم ہوا اُس کے بعد فرمایا کہ جو شخص کسی مقام کو پہنچا اہل بیت کے ذریعے پہنچا۔

بایزید بسطامیؒ پر اہل بیت کی نظر

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک سو تیرہ مشائخ کی خدمت کی لیکن ولی مقصود کی نشان دہی کسی سے نہ ہوئی جس بزرگ سے استدعا کرتے تھے وہ یہی کہتے تھے کہ اے طیفور (یہ آپ کا لقب ہے) جو کچھ تم کہتے ہو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر جب حضرت امام جعفر صادقؓ[1] کی خدمت میں حاضر ہو کر ولی مقصود طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے طیفور یہ دولت تم کو ہمارے ہی خاندان سے ملے گی۔ چنانچہ خواجہ بایزید بسطامیؒ نے بارہ سال امام جعفر صادقؓ کی خدمت میں رہ کر فراشی کے (یعنی جاروب کشی) فرائض انجام دیئے۔ ایک دفعہ امام جعفر صادقؓ نے فرمایا طیفور میرے سرہانے کی طرف جو طاق ہے اس میں ایک کاغذ پڑا ہے۔ وہ لے آؤ۔ خواجہ بایزید بسطامیؒ نے جواب دیا کہ کیا آپ کے سرہانے کی طرف کوئی طاق بھی ہے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! تم نے بارہ سال اس گھر کی فراشی کی ہے اب تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ طاق کہاں ہے۔ بایزیدؒ نے جواب دیا کہ اے فرزند رسولؐ مجھے تو اُس شخص پر تعجب آتا ہے کہ آپ کی خدمت کرے اور دائیں بائیں کی خبر رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا اب بسطام چلے جاؤ میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔ سلطان العارفین اور سید العاشقین کی ساری بزرگی اُس ایک نظر سے تھی۔

---

1 بعض کا خیال ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو امام جعفر صادقؓ کا زمانہ نہیں ملا تھا اور انہوں نے اویسی طریقہ پر حضرت امام موصوف سے فیضان حاصل کیا۔ اس لئے فراشی یعنی جاروب کشی سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے حضرت امام عالی مقام کے مزار مبارک پر بارہ سال رہکر جاروب کشی کی ہو۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امام موصوف کا وصال ۱۴۸ھ میں ہوا اور حضرت بایزید بسطامیؒ کا وصال ۲۶۱ھ میں ہوا اس لئے اگر ان کی عمر ایک سو سال ہو تو پیدائش ۱۶۱ھ میں ہو گی یعنی امام موصوف کے وصال سے ۱۳ سال بعد ہاں اگر ان کی عمر کافی طویل ہو یعنی ایک سو چالیس پچاس سال ہو تب ان کو امام موصوف کی صحبت مل سکتی ہے۔

2 عرائس سے مراد تفسیر عرائس البیان ہے جو شیخ روزبہان بقلی شیرازیؒ کی تالیف ہے۔ بڑے عارفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے اور حقائق و معارف سے لبریز ہے۔

حضرت خواجہ معروف کرخیؒ پر اہل بیت کا کرم

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو اہل بیت کی فراشی سے نعمت ملی اور خواجہ معروف کرخیؒ کو اہل بیت کی دربانی سے حضرت خواجہ معروف کرخی خواجہ سری سقطیؒ کے پیر تھے اور سری سقطیؒ امام الطائفہ خواجہ جنید بغدادی کے پیر اور ماموں تھے۔

امام اعظم وسفیان ثوریؒ اور اہل بیت کی نظر

اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ اور شیخ سفیان ثوریؒ بھی امام جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے۔

یہودیوں کے سوالات اور حضرت علیؓ کی معرفت کا کمال

اس کے بعد فرمایا کہ عرائس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ چار یہودی پیشواؤں نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ آپ پیغمبر اسلام ﷺ کے دوسرے خلیفہ ہیں اور پیغمبر علیہ اسلام کا علم آپ کو ملا ہے آپ سے ہم چند سوال کرتے ہیں اگر آپ جواب دیدیں تو ہم اسلام قبول کریں گے ورنہ ہم سمجھیں گے کہ تمہارا دین باطل ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ کیا سوال ہیں۔انہوں نے کہا کہ (۱) دوزخ کا قفل کیا ہے۔(۲) اس کی چابی کیا ہے (۳) بہشت کا قفل کیا ہے (۴) اور اس کی چابی کیا ہے (۵) وہ کون اہل قبر ہے جو قبر میں رہ کر سارے جہان میں پھرتا ہے (۶) اور آدم کے سوا کون آدمی ہے جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا۔(۷) گھوڑا اصطبل میں کیا کہتا ہے (۸) بکری اور اونٹ اپنے احاطہ میں کیا کہتے ہیں (۹) کوا گھونسلے میں کیا کہتا ہے (۱۰) گدھا احاطہ میں کیا کہتا ہے۔ اس قسم کے اور سوال بھی تھے۔حضرت عمرؓ نے کچھ دیر سوچ کر فرمایا کہ ممکن ہے عمر بعض سوالات کے جواب نہ دے سکے۔یہ سن کر یہودی اکابر ہنسے اور مذاق کرنے لگے۔عمر اُمیہ جو حضرت علیؓ کے غلام تھے دوڑتے ہوئے حضرت علیؓ کے پاس گئے اور کہنے لگے اغث الاسلام یا علیؓ (اے علیؓ اسلام کی مدد کرو) آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا۔اس نے کہا چار یہودی اکابر دین آئے ہیں اور حضرت عمرؓ سے چند سوالات کئے ہیں۔جس سے انہوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔حضرت علیؓ نے رسول خدا ﷺ کا جبہ زیب تن فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کی دستار سر پر باندھی اور جلدی سے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ گئے۔آپ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تمہارے سوالات کیا ہیں؟

مجھ سے پوچھو۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر علم کے ہزار دروازے کشادہ فرمائے ہیں۔ اور پھر ہر دروازے میں سے ہزار دروازے اور کھولے ہیں۔ جو مرضی آئے پوچھو۔ انہوں نے کہا قفل کا دوزخ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ کلمہ **لا الہ الا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ**۔ انہوں نے کہا اس کی چابی کیا ہے؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ انہوں نے کہا بہشت کے دروازہ کا قفل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شرک باللہ۔ انہوں نے کہا اس کی چابی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کلمہ۔ کلمہ **لا الہ الا اللّٰہ محمّد رسُول اللّٰہ**۔ انہوں نے کہا وہ کون اہل قبر ہے جو قبر میں ہوتے ہوئے جہاں کے گرد گشت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا پیغمبر یونس علیہ السلام کیونکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے اور مچھلی دریا میں گشت کر رہی تھی۔ غرضیکہ آپ نے تمام سوالوں کے جواب دے دیئے اور وہ مطمئن ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے تین اکابر نے اسلام قبول کر لیا۔ باقی ایک رہ گیا اس نے کہا کہ آپ مجھے دقیانوس کا نسب' اس کے شہر کے رسم و رواج اور والدین کے نام اور اس کے زمانہ کی خاصیّت بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ اس کا قلعہ کتنا بڑا تھا۔ اس کے کتنے دروازے تھے' کتنے برج اور کتنے کنگرے تھے۔ تب میں ایمان لے آؤں گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فی الفور اس کے سوالات کے جواب دیئے اور وہ بھی دولت اسلام سے مشرف ہوا اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھے کئی بار یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کسی مسئلہ میں حضرت علیؓ سے کوئی جواب نہ بن آیا ہو یا کسی اور نے آپکی مدد کی ہو۔ لیکن ایسا واقعہ کسی کتاب میں نہیں ملا البتہ باپ بیٹے کے درمیان ایسی گفتگو ضرور ہوئی جس میں بیٹے کا جواب باپ کے جواب سے زیادہ صائب تھا۔ مثلاً ایک دفعہ جب حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ ابّا جان آپ کسے دوست رکھتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا خدا تعالیٰ کو اور تجھ کو۔ حضرت امام حسنؓ نے کہا کہ ایک دل میں دو کی محبت کس طرح ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ لیکن کیا کروں واقعہ یہی ہے۔ امام حسنؓ نے کہا نہیں آپ کی اللہ سے محبت ہے اور مجھ پر شفقت ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ رُو پڑے اور فرمایا کہ اے حسنؓ تمہارا یہ جواب میری پشت سے نہیں بلکہ فاطمہؓ کے پیٹ سے ہے۔

حضرت خاتون جنتؓ کے چیتھڑے شاندار پوشاک بن گئے

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ انصار کے ہاں کوئی شادی تھی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر حضرت بی بی فاطمہؓ کے لئے شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ چونکہ اُس وقت مدینہ

منورہ میں آپ تازہ تشریف لائے تھے آپ نے ان کی تالیف قلبی کے لئے دعوت قبول کر لی اور حضرت بی بی فاطمہؓ سے فرمایا کہ جا کر شادی میں شرکت کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نہ میرے پاس کپڑے ہیں نہ زیور۔ ایک ہی جوڑہ ہے جو پہنا ہُوا ہے وہ بھی پھٹا پرانا اور پیوند زدہ ہے شادی میں کیسے شریک ہو سکتی ہوں۔ لوگ مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے میں نے دعوت قبول کر لی ہے۔ تجھے جانا چاہیے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے حضرت بی بی فاطمہؓ اسی جوڑے کے ساتھ شادی میں شرکت فرمائی وہاں جا کیا دیکھتی ہیں کہ تمام خواتین کے اعلیٰ اور شاندار ملبوسات ہیں اور بی بی فاطمہؓ کے نزدیک کوئی نہیں آتی۔ آپ نے دل میں کہا کہ میرا خیال صحیح نکلا۔ ان لوگوں کو مجھ سے اتنی نفرت ہے کہ کوئی نزدیک نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ آتی جب گھر واپس تشریف لائیں تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔ میرے کپڑے اسقدر حقیر تھے کہ خواتین میں سے کوئی بھی میرے پاس نہ آئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا میں وہاں سے کسی کو بلا کر کیفیت دریافت کرتا ہوں۔ جب انصار کی طرف سے ایک عورت آئی تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ آپ فرماتے ہیں کہ میں فقیر ہوں اور میرے گھر میں کچھ نہیں ہے یہ لباس فاخرہ یہ زیورات' اور یہ ہیرے جواہرات جو فاطمہؓ نے زیب تن کر رکھے تھے کہاں سے آئے۔ ہم یہ سب دیکھ کر اسقدر مرعوب ہوئے کہ اُن کے نزدیک نہیں پھٹک سکتے تھے۔ ان کے چمکدار لباس اور ہیرے و جواہرات دیکھ کر ہماری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دور دور رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہؓ سنو! تمہارا کیا گمان تھا اور یہ کیا کہتی ہیں [1]۔

دوشنبہ ۲۰ ذی قعدہ

حسنِ ادب

ظہر کی نماز کے بعد حسنِ ادب پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ جس کسی کو کوئی رتبہ ملا ہے حسنِ ادب سے ملا ہے۔ ایک دن رسول خدا ﷺ تشریف فرما تھے اور بہت صحابہ کرام آپکے گرد بیٹھے تھے۔ جگہ اسقدر تنگ تھی کہ کوئی دوسرا آ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا اُسوقت تین اور آدمی آ گئے۔ ایک کو صحابہ

[1] ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سُن کر حضرت بی بی فاطمہؓ نے فرمایا کاش مجھے بھی علم ہوتا کہ میں نے شاندار جوڑا اور زیورات پہنے ہوئے ہیں۔

کے مجمع میں جگہ مل گئی۔ دوسرے کو جگہ نہ ملی اور سب کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرا آدمی جگہ نہ ملنے کی وجہ سے واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجمع میں بیٹھا اس کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جگہ دی۔ جو سب سے پیچھے بیٹھا اس کو خدا اور رسول ﷺ کے درمیان جگہ ملی اور جس نے مجلس سے اعراض کیا خدا اور رسول ﷺ نے اسے اعراض کیا[1]۔

اس کے بعد ایک شخص نے جلال خان بن ظفر خان کا عریضہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا۔

برادر دینی خانِ اعظم خاقان معظم جلال خان۔

دعائے محمدؐ حسینی مطالعہ گند پر چہ ہستم ہستیم وآنچنا کہ باشیم باشیم، وہر کجا باشیم باشیم باید کہ نفسے پاکے در یاد خدا باشیم، اگر این باماٰبوَد خمیر مایہٗ ہمہ سعادتہا در دامن بر بستہ بوَد خداوند تعالےٰ سعادتے کہ ے داد ختم او ہمبرین شود روزی ما گرواند واز برادر عزیز خان اعظم ما ہمیں منتظر و متوقع باشند انشاء اللہ الکریم ہمبرین رود وما را در دعائے خود تصور کند والسلام۔

ترجمہ محمد حسین کی دعا ہے کہ جو کچھ ہی جو کچھ ہونگے اور جہاں ہونگے ہمارے لئے لازم ہے کہ نفسِ پاک کے ساتھ یاد خدا میں رہیں۔

اگر یہ چیز ہمیں مل جائے تو سمجھ لو کہ تمام سعادتوں کا سرمایہ مل گیا۔ خدا کرے یہ دولت ہمارے نصیب ہو اور اسی پر ہمارا خاتمہ ہو۔ برادر عزیز خان اعظم کے لئے بھی یہی دُعا ہے انشاء اللہ الکریم ان کو بھی یہی دولت ملے گی۔ اور مجھے اپنی دعا میں یاد کرنا۔ والسلام۔

یہ تین غزلیں جو حضرت اقدس نے مختلف اوقات میں لکھوائی تھیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

غزل اوّل

۱۔ ہر کہ از دردِ من خبر دارد   دست برسینہ یا کمر دارد

۲۔ آہ من ہر کہ در سحر شنور   تا دمد صبح چشم تر دارد

۳۔ شوخ چشمے و فتنہ بار بوَد   ہر کہ بر روئے اونظر دارد

[1] اعراض بمعنی روگردانی، اجتناب۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان تینوں آدمیوں کے متعلق حق تعالیٰ نے رسول خدا ﷺ نے یہ فرمایا کہ پہلا آدمی مراد کو پہنچا۔ دوسرے آدمی سے خدا شرمار ہے اور تیسرا آدمی محروم رہا۔

۴۔ ہمچو من مبتلا شود یک بار ہر کہ در کوئے اوگزر دارد

۵۔ ترک غمزہ اگر کشاید تیر سینہ را اہل دل سپر دارد

۶۔ کبک رفتار از بلند پری مرغ دل بریدہ پردارد

۷۔ جعدِاد بر سریں چہ مے نازد مار ہر گہ کشیدہ سر دارد

۸۔ اے ابوالفتح عشق راشناس مرد عاشق کجا خبر دارد

(ا۔ جو شخص کہ میرے درد سے آگاہ ہوتا ہے وہ اپنا ہاتھ سینے پر یا کمر پر رکھتا ہے یعنی سخت اندوہناک ہوتا ہے۔

۲۔ جو شخص رات کو میری آہ وفریاد سنتا ہے صبح تک روتا رہتا ہے۔

۳۔ جو شخص اس کے حسین چہرہ پر نظر کرتا ہے شوخ چشم وفتنہ گر بن جاتا ہے۔

۴۔ جو شخص ایک بار دوست کے کوچہ میں داخل ہوا میری طرح مبتلائے غم ہو جاتا ہے۔

۵۔ جب محبوب تیرِ غمزہ برسانے لگتا ہے تو عاشقوں کے سینے چھلنی ہو جاتے ہیں۔

۶۔ میرا کبک رفتار محبوب جب بلند پروازی پر آتا ہے تو مرغِ دل کے پر کٹ جاتے ہیں۔

۷۔ محبوب کی زُلف سیاہ اس کے سر پر ایسی معلوم ہوتی ہے۔جیسے پہاڑ پر سانپ بیٹھا ہو۔

۸۔ یہاں ابوالفتح تخلص فرما کر کہتے ہیں کہ اے ابوالفتح عشق کی حقیقت سمجھ مرد عاشق عام طور پر عشق کی حقیقت نہیں سمجھتا۔)

غزلِ دوم

ا۔ دیدگان را شراب خواہم کرد جگر و دل کباب خواہم کرد

۲۔ ترکِ خود مہمان نجواہم خواند خدمت جان شتاب خواہم کرد

۳۔ دست در جعدِ او بخو اہم کرد خانماں را شراب خواہم کرد

۴۔ لب او بزبان بہم جوشم شکری در گلاب خواہم کرد

۵۔ تاحسودے خیال ذوق برد نام اور لعاب خواہم کرد

۶۔ نفس را گر دریغ آید جاں نفس را احتساب خواہم کرد

۷۔ خون دل راز دیدہ خواہم ریخت ناخنش را خضاب خواہم کرد

(ا۔ میں اپنی آنکھوں کو سرمئی عشق سے سراپا شراب بناؤں گا اور دل وجگر جلا کر کباب بنادوں گا۔

۲۔ اپنے محبوب کو غریب خانہ پر دعوت دیکر جان ودل سے اس کی خدمت میں کمربستہ ہو جاؤں گا۔

۳۔ محبوب کی زلف سیہ میں ایک بار ضرور ہاتھ ڈالونگا خواہ میرا خانہ خراب کیوں نہ ہو جائے۔

۴۔ اس کے لب لعل سے زبان لگا شکر اور گلاب کی آویزش کردوں گا۔

۵۔ اگر حاسد رقیب نے دوست کا نام لیا تو اس کا بھرتہ نکال دوں گا۔

۶۔ اگر میرے نفس نے جان قربان کرنے سے دریغ کیا تو نفس پر حدود اسلامی لگا کر کچل ڈالوں گا۔

۷۔ اپنے خون دل کو آنکھوں کے ذریعے نکال کر محبوب کے ناخن رنگین کردوں گا۔

غزلِ سوم

ا۔ تا کہ پا ما است جانِ ما بوجود یار از ما نمے شود خشنود

۲۔ من ز اندوہ و درد و غم و الم یار از لطفِ خود ہمیں فرمود

۳۔ ما کجا و وصالِ او از کجا ہمبدین درد شاد باید بود

۴۔ وصل را از خیال بیرون بُر ہر کہ با درد ساخت او آسود

۵۔ راہِ وصلش راہِ بے پایان است ماندہ شد ہر کہ راہ را پیمود

۶۔ با تو نقد است درد ہموارہ نقد بہتر ز وعدہٗ بخلود

۷۔ اے محمد نہ مونس است و نہ یار ہست اندوہ و درد و غم موجود

(ا۔ جب تک میری جان باقی ہے (یعنی دوست پر قربان نہیں ہوئی) دوست خوش نہیں ہوسکتا۔

۲۔ میں درد وغم، الم اور مصیبت میں مبتلا ہوں کیا کروں دوست کی یہی فرمائش ہے۔

۳۔ ہم کہاں اور وصال یار کہاں بس اسی دردِ فراق میں خوش وخرم رہنا بہتر ہے۔

۴۔ وصال دوست کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ جس نے درد سے دوستی کی وہی آسودہ ہُوا۔

۵۔ دوست کے وصال کا راستہ بے پایاں راستہ ہے جس نے یہ راہ اختیار کی تھک کر رہ گیا۔

۶۔ دوست کے غم کا درد ایک نقد دولت ہے جو وعدہ فردا سے کئی گنا بہتر ہے۔

۷۔ اے محمد نہ تیرا کوئی مونس ہے نہ یار، تیرا مونس دیار بس درد والم اور ہجر وفراق ہے۔)

سہ شنبہ ۲۱ ذی قعدہ

بیان قہر عشق

قہر وغلبۂ عشق کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا عشق مرغ ازلی ہے جو مسافر ہو کر آیا ہے نہ کسی کا بنتا ہے نہ کسی سے آشنا ہوتا ہے نہ کسی نے اسے دیکھا ہے، نہ اُس کے کمال تک کسی کی رسائی ہوئی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

معشوق تمام روئے بکس نمودہ است

ایں نعرہ و شور عاشقان بیہودہ است

(محبوب حقیقی نے اپنا مکمل دیدار کسی کو نہیں کرایا عاشق لوگ خواہ مخواہ نالہ وفریاد کر رہے ہیں) ہر شخص اپنی استعداد و ہمت کے مطابق قرب حاصل کرتا ہے اور اپنے خیال اور فہم کے مطابق وصل اور وصال سے آشنا ہوتا ہے ورنہ وہ کہاں اور نہایت کار کہاں[1]۔

مراتب وصال ہر شخص کی کیفیت اور طلب کے مطابق ہوتے ہیں جس کے اندر جذبہ طلب زیادہ ہوتا ہے اُسے وصال کا زیادہ بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے لیکن حقیقت اور غایت وصل سے کوئی آگاہ نہیں کہ کیا ہے۔ مثلاً ایک عاشق ہے جس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ معشوقہ کے سامنے اس کا نام لیا جائے۔ جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ معشوقہ کے سامنے اس کا ذکر ہوتا ہے تو پھولا نہیں سماتا۔ یہ بھی ایک قسم کا وصال ہے۔ اس کے بعد اس کی خواہش ہوتی ہے کہ محبوب کے کوچہ میں جانا نصیب ہو جائے۔ جب یہ دولت نصیب ہوتی ہے تو اس کو بھی وصال سمجھتا ہے۔ حتٰی کہ بڑھتے بڑھتے ایک دن محبوب کے سامنے جا بیٹھتا ہے اور ہم کلام ہوتا ہے یہ بھی وصال کا ایک درجہ ہے۔ لیکن دراصل یہ عین فراق اور محض ہجر ہے کیونکہ اس کی آتش عشق اور سوز وگداز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ الٹا زیادہ ہوتا ہے۔ پس آتش عشق میں جلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا اور درد واندوہ اور نالہ وفریاد اور سوز وگداز سے کام رہتا ہے۔

---

[1] جب ذات حق کی نہایت ہی نہیں کوئی نہایت کو پہنچے تو کیسے پہنچے سعدی نے خواب کہا ہے

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

حاصل عشقش سہ سخن بیش ہست
سوختم و سوختم و سو ختم
(عشق کا حاصل تین چیزیں ہیں جلنا' جلنا اور جلنا)

عشق وہ دریا ہے کہ جس کا دوسرا کنارہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ گہرائی ہی گہرائی ہے اور جو شخص اس کے اندر غوطہ لگاتا ہے ابدالاباد تک اس کے اندر غرق رہتا ہے اور لحظ بلحظ نیچے جاتا ہے حتٰی کہ نہ وہ واپس آ سکتا ہے نہ اس کی کسی کو خبر رہتی ہے اور نہ منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔

وہ شخص جو کچھ عرصہ طلب اور تڑپ کے بعد محبوب تک پہنچ جاتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے وہ عاشق نہیں۔ بندہ ہوس ہے عشق یہ ہے کہ جوں جوں محبوب کا وصال ہوتا ہے اس کے عشق و ذوق و شوق درد و اندوہ اور سوز و گداز میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

عجبے نیست کہ سرگشتہ بوَدَ طلب دوست
عجب ینست کہ من واصل و سرگردا نم

(تعجب کی بات یہ نہیں طالب دوست سرگشتہ و پریشان ہوتا۔ تعجب یہ ہے کہ میں وصل میں بھی سرگردان ہوں)

حکایت

اس کے بعد فرمایا کہ قاضی شہ بالمی کہتے ہیں کہ مولانا عارف نام ایک شاعر تھا جو ایک مراسن پر عاشق ہو گیا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسائی حاصل ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ شادی کر لی اور بچے پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ قاضی جی کیا کروں کتنے سال اس عورت کے ساتھ عشق کمایا' شادی کی' بچے پیدا ہوئے۔ جسقدر اس کے ساتھ صحبت زیادہ ہوتی ہے درد و غم و اندوہ زیادہ ہوتا ہے۔ ''مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی'' کا معاملہ ہے۔ اب کیا کروں ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی ہے۔

من از عشق تو خون خوردن گرفتم تو دیر زی کہ من مردن گرفتم
مرا عشق از جمالت کردہ محروم کہ رشک از چشم خود بردن گرفتم

(اے دوست میں نے تیرے عشق میں خونِ دل کھانا سیکھا ہے۔ تیری عمر دراز ہو میں اب مر چلا مجھے عشق

نے تیرے حسن و جمال کے مشاہدہ سے محروم کردیا ہے اور اب تو اپنی آنکھ سے بھی رشک کھاتا ہوں)[1]۔

اُس کے بعد مولانا عارف نے کہا یہ مت سمجھو کہ شاعرانہ مبالغہ بازی سے کام لے رہا ہوں جب انہوں نے میرے سامنے دو مرتبہ تھوکا تو اندر سے خون برآمد ہوا۔ اور چند روز نہ گزرنے پائے تھے کہ جاں بحق ہو گئے۔

فضیلت صحابہ کرامؓ

اس کے بعد فضیلت صحابہ امیر المومنین حضرت علیؓ اور اہل بیت کی فضیلت اور کرامات کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم   گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

ایک شاعر نے ہجر و وصل دونوں میں جلنے کی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔

من شمع جانگدازم تو صبح و دلبربائی   سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

نزدیک ایں چنینم دور آنچناں کہ گفتم   نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

فتنہ مسیلمہ کذاب

مسیلمہ کذاب کا فتنہ کھڑا ہوا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، نئی شریعت پیش کی اور فریضۂ زکوٰۃ کو ختم کردیا۔ عرب کے کئی قبیلے مرتد ہو کر اس سے مل گئے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب رسولِ خدا ﷺ کا سایہ ہمارے سروں پر تھا، تو حق تعالیٰ کی امداد آپ کی وساطت سے ہمارے شامل حال ہوا کرتی تھی۔ اب آنحضرت ﷺ کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ چکا ہے، ہم کس کے ساتھ جنگ کر سکتے ہیں ہر شخص کو اپنے اپنے دین پر چلنے دو۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے دین پر چلیں گے جو کچھ ہونا ہے ہونے دو۔ یہ سن کر صدیق اکبرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور جوش میں آ کر فرمایا کہ واللہ جب تک میرے جسم میں جان ہے میری تلوار دشمنان اسلام کی گردنیں کاٹتی رہے گی۔ اور میں اپنی جان اسلام پر قربان کردوں گا۔ یہ کہہ کر فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اور جونہی آپ نے گھوڑے کو ایڑھی لگائی اس کے پاؤں زمین سے اٹھ گئے اور ہوا میں اڑنے لگا۔

[1] آنکھ سے رشک کھانے کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ محبوب کا حسنِ و جمال دیکھ رہی ہے لیکن واحسرتا: کہ میں تڑپ رہا ہوں۔ بوعلی قلندرؒ نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کرامت تھی۔ جب حضرت علیؓ کو آپ کے فیصلہ کا علم ہُوا تو فرمایا۔ نِعمَ مَاحَکَمَ خلیفتہ رسول اللّٰہ۔ یعنی خلیفۃ رسول نے خوب اچھا فیصلہ فرمایا ہے۔ اسی روز حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفۃ رسول کہا اور یہی آپ کی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بیعت تصور ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلیفۃ رسول ہونا تسلیم کیا۔ اس کے بعد تمام مسلمان جنگ کے لئے باہر نکلے۔

مسیلمہ کذاب بھی آمادہ جنگ ہُوا۔ کئی روز تک لوہے سے لوہا بجتا رہا۔ تلواریں ٹوٹتی رہیں تیر ختم ہو گئے، نیزے ٹوٹ گئے۔ لیکن فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ دورانِ جنگ میں جب مسیلمہ کذاب پہاڑ کی جانب گیا تو وہاں ایک حبشی بیٹھا تھا۔ اس نے تلوار نکال کر مسیلمہ کا کام تمام کر دیا اس سے اس کا لشکر بھاگ نکلا اور مسلمانوں کو فتح عظیم نصیب ہوئی۔ دین اسلام پھر سے جم گیا۔ زکوٰۃ وصول ہونے لگی اور احکام شریعت جاری ہو گئے۔

جنگ فارس

اس کے بعد فرمایا کہ جب لشکرِ اسلام نے فارس کے قصبات و دیہات کو فتح کرنا شروع کیا تو فارس کے بادشاہ یزدجرد نے اپنے امرا کو جمع کر کے کہا کہ ہم نے عرب پر کبھی چڑھائی نہیں کی، کیونکہ وہ لوگ مردار خور ہیں، اونی کپڑے پہنتے ہیں قطع رحمی کرتے ہیں راہ زنی کرتے ہیں، سوسمار کھاتے ہیں۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے ہیں۔ اب بھوک سے تنگ آ کر ہمارے ملک پر حملہ آور ہوئے ہیں اُن میں سے کوئی آدمی میرے پاس لے آؤ۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو منتخب کیا گیا۔ جب آپ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے وہی کلمات دہرانا شروع کئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا کہ تم سچ کہتے ہو ہم ایسے ہی تھے جیسے تم نے بیان کیا ہے لیکن حق تعالیٰ وتقدس نے ہم پر ایک نبی مبعوث فرمایا ہے جس نے خدا کے حکم سے ہمیں مردار کھانے قطع رحمی کرنے اور بچوں کو زندہ درگور کرنے سے باز رکھا ہے اور ہم نے وہ تمام کام چھوڑ دیئے ہیں۔ اب ہم کو حکم ملا ہے کہ جو شخص دین اسلام قبول نہ کرے یا جزیہ ادا نہ کرے اس کے خلاف جہاد کرو۔ اب ہم تلوار نکال کر تمہارے سر پر آئے ہیں۔ اگر تم ہمارا دین قبول کر لو گے یا جزیہ دینا قبول کر لو

گے تو ہم تم کو چھوڑ دینگے۔ اور تم کو امان دے دیں گے ورنہ یہ تلوار ہوگی اور تمہاری گردن۔ یہ سن کر یزدجرد نے ہنس دیا اور کہنے لگا کہ کیسے شوخ لوگ ہیں، مٹی کا ایک توبرہ بھر کر اس کے سر پر رکھ دو۔ جب انہوں نے آپ کے سر پر مٹی کا توبرہ رکھا تو آپ خوب ہنسے اور خوش ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ہنسی کس بات پر آئی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہم مسلمان تمہاری زمین لینے آئے ہیں اور تم نے اپنے ہاتھ سے اپنی زمین میرے حوالہ کردی ہے میں خوش نہ ہوں تو اور کیا کروں جب حضرت ابوموسیٰؓ واپس چلے گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ساری فوج جمع کی جائے تا کہ ان بے ادب لوگوں کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام اطراف، جوانب میں اعلان ہوگیا اور ایک بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا۔ جب امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اس کی خبر وصول ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو بلا کر مشورہ کیا۔ حضرت طلحہؓ نے کہا کہ آپ ہمارے امیر ہیں آپ جو حکم دیں گے ہم تعمیل کریں گے حضرت عمرؓ نے فرمایا اس میں شک نہیں لیکن میں آپ لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا جب ان کا بادشاہ اپنی پوری فوج لے کر خود باہر آ گیا ہے۔ آپ بھی ہمارے بادشاہ ہیں آپ بھی پوری فوج لے کر میدانِ جنگ میں آ جائیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے مشورہ طلب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے علیؓ آپکی کیا رائے۔ آپکی رائے معتبر ہو گی۔ حضرت علیؓ نے کہا ساری فوج یکبارگی جنگ میں جھونکنا غلطی ہوگی۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ ہماری فوج کو شکست ہوگئی تو اور فوج کہاں سے آئے گی۔ نیز آپ کا میدان جنگ میں آنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر آپ کی عزت کو کوئی ٹھیس لگی تو لوگ کہیں گے کہ یہ ملک العرب ہے۔ اس سے اسلام کی بے عزتی ہے، آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ اور فوج کے تین حصے کر کے صرف ایک حصہ دشمن کے مقابلے میں بھیجیں۔ چنانچہ لشکر کا تیسرا حصہ جو پچاس ساٹھ ہزار مرد تھے نکال کر شاہ ایران کے مقابلے میں بھیجا گیا، اُدھر دشمن کی افواج روزانہ دور دراز علاقوں سے آ کر جمع ہو رہی تھیں۔ یزدجرد کا بھتیجا میر آتشہ اس فوج کا کماندار تھا۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام کے دل میں خیال آیا کہ ہم بیٹھے انتظار کر رہے ہیں اور دشمن کی فوج میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی ایسی تجویز نکالی جائے کہ یہ لوگ مقابلہ نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے دشمنوں کا ایک آدمی گرفتار کرلیا۔ اور اُسے خوب زدوکوب کرنے کے بعد زمین پر لٹا دیا اور یہ تاثر دیا کہ ہم تجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں۔

اس نے کہا آپ مجھ ایک آدمی کو ذبح کر کے کیا کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا اچھا تجھے ہم ذبح نہیں کریں گے تم ایک کام کرو۔ وہ یہ کہ تم جا کر اپنی فوج میں مشہور کر دو کہ مسلمانوں کا امیر فوت ہو گیا ہے اور ان کا لشکر کل بھاگ جائیگا۔ اور تم ان کا تعاقب کرو۔ غرضیکہ اس کو خدا کی قسم دیکر پکا کیا اور ایرانی فوج کی طرف بھیج دیا۔ اس نے وہاں جا کر اسی طرح بیان دیا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی مسلمان اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے ایرانیوں نے خیال کیا کہ اب واپس جا رہے ہیں' اس لئے ایرانیوں نے ان کا تعاقب کیا۔ تھوڑی دور جا کر اسلامی لشکر رُک گیا اور ایک دم پیچھے مڑ کر ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ اب کیا تھا میدان کارزار گرم ہو گیا۔

اور تین دن تک لڑائی جاری رہی۔ دونوں طرف ہزاروں آدمی قتل ہو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سات کمانداز مقرر کر رکھے تھے اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ جب ایک شہید ہو جائے تو اس کی جگہ فلاں لشکر کی کمان سنبھال لے۔ اسی طرح اسلامی فوج کے پانچ سپہ سالار شہید ہو گئے اور دو باقی رہ گئے ایک نے کمان سنبھال لی اور دوسرا تیار تھا کہ اسلامی لشکر تھک کر چور ہو گیا۔ اور قریب تھا کہ شکست کھا جائیں۔ عین اُسی وقت ساریہؓ دو ہزار فوج بصرہ سے لیکر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے ساریہؓ سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ فی الحال خلط ملط نہ ہو جاؤ بلکہ فلاں پہاڑ کے پیچھے چُھپ کر بیٹھ جاؤ۔ جب تک ہمارے اندر طاقت ہے لڑتے رہیں گے اس کے بعد تمہارا دستہ ہمارے آگے آ کر لڑائی شروع کر دے اور ہم پیچھے رہ کر کچھ آرام کر لیں گے' ادھر ایرانی لشکر نے سوچا کہ ہم نے تو مسلمانوں پر سبقت حاصل کر لی تھی اور ان کو عاجز کر دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ایک فوج کا دستہ بھیجا جس کو حکم تھا کہ پہاڑ پر چڑھ کر اسلامی لشکر کے درمیان گھس جائے اور اس کے دو حصے کر دے تا کہ ان کو جلدی شکست دی جا سکے۔ عین اُسی وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ مدینہ میں جمعہ کی نماز کا خطبہ دے رہے تھے۔ اُسی جگہ ممبر پر کھڑے ہوئے آپ نے نعرہ لگایا کہ یا ساریۃ الجبل الجبل (اے ساریہ پہاڑ مت چھوڑ' پہاڑ مت چھوڑ) ساریہ نے پہلی بار یہ بات نہ سنی۔ جب دوسری اور تیسری بار آواز دی تو انہوں نے سن لی اور پہاڑ پر چڑھ کر اس کی چوٹی پر قبضہ کر لیا۔ جب ایرانی فوج نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تازہ دم کثیر تعداد فوج پہاڑ پر قبضہ کر چکی ہے تو چونکہ وہ بھی کئی روز کی مسلسل لڑائی کی وجہ سے تھک کر چور ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور

مسلمانوں کو خدائے عزوجل نے زبردست فتح عطا فرمائی[1] اور بیشمار مال غنیمت، مویشی اور قیدی ہاتھ آئے، جنگ کے دوران امیر المومنین مدینہ منورہ سے چند کوس باہر آکر اس انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ شاید کوئی قاصد جنگ کی خبر لائے کہ ایک دن آپ کو فتح کی خوشخبری مل گئی۔

ہُوا یہ کہ ایرانی فوج کے سپہ سالار میر آتشہ کو اسلامی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا اور جب اُسے قتل کرنے لگے تو اس نے استدعا کی کہ مجھے قتل نہ کرو بلکہ امیر المومنین کے پاس لے چلو میں اُن کے سامنے ایمان لے آؤں گا، چنانچہ مسلمان اس کو مدینہ منورہ لے آئے۔ مدنیہ کے کچے اور چھوٹے چھوٹے مکانوں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جس قوم نے ایران جیسی مضبوط سلطنت سے ٹکر لی ہے شاندار عمارتوں کی مالک ہوگی۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی سادگی

مدنیہ منورہ پہنچ کر ایرانی فوج کے سپہ سالار نے دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا آؤ، ہم تمہیں اُن کے مکان پر لے چلتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا بادشاہ بہت بڑے محل میں رہتا ہوگا، جب حضرت عمرؓ کے گھر پر پہنچے تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے جو گیلی مٹی اور پتھر کے ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے، جب گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں بلکہ نخلستان میں گئے ہوئے ہیں، جب نخلستان پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المومنین ایک درخت کے نیچے زمین پر اس انداز سے سوئے ہوئے ہیں کہ سر کے نیچے ایک پتھر ہے، اور ٹاٹ کی قسم کا ایک پراہن زیب تن ہے جس پر کئی پیوند لگے ہوئے ہیں، لوگوں نے ایرانی فوج کے سپہ سالار سے کہا کہ یہ امیر المومنین ہے، اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ کیا یہی وہ شخص ہے کہ جس کے خوف سے ہمیں رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے ہمارے ملک کو پامال کیا ہے، ان کی بات چیت سُن کر امیر المومنین بیدار ہوئے لیکن مسلمانوں کے فربہ جسم اور خوبصورت کپڑے دیکھ کر آپ کو غصہ آیا۔ اور ان کو خوش آمدید وغیرہ نہ کہا۔ یہ دیکھ کر ان کو اپنی غلطی

---

[1] یہ جنگ ایران میں نہاوند کے مقام پر ہوئی جو مدینہ منورہ سے کئی ہزار میل دور ہے لیکن بمصداق حدیث اتقوا فراسته المومن انه ينظر بنور الله (مومن کی باطنی بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) حضرت عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ کا نقشہ دکھا دیا اور ان کی آواز بھی وہاں پہنچ گئی اور فوجی کمانڈر ساریہؓ نے بھی سن لی۔

کا احساس ہوا جسموں کو فوراً دبلا تو نہیں کر سکتے تھے یہ کام کیا کہ کپڑے بدل لئے اور وہی پرانے معمولی قسم کے کپڑے پہن کر دوبارہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو مرحبا کہا۔ اور اُن سے سوال کیا کہ کیا رسولِ خدا ﷺ اور صحابہ بھی فربہ تھے۔ اور نفیس کپڑے زیب تن کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر تم کس کی اقتدا کر رہے تھے' رسول اللہ اور صحابہ کی یا فرعون اور نمرود کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کے لئے کھانا پکوایا' کھانا کیا تھا' ابلا ہُوا اونٹ کی گردن کا گوشت اور جو کی روٹی۔ اب جو شخص عمر بھر ناز و نعمت میں پلا ہو اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی ہو اس کو اونٹ کا گوشت اور وہ بھی پھیکا اور بدمزہ کس طرح پسند آ سکتا تھا۔ کسی نے نہ کھایا لیکن حضرت عمرؓ مزے سے کھا رہے تھے۔ اور گوشت کا ٹکڑا دونوں ہاتھوں میں دانتوں سے توڑ رہے کہ ہڈی کا ایک ٹکڑہ ٹوٹ کر آپ کے چہرے پر لگا جس سے چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام کے دل میں خیال آیا کہ حضرت عمرؓ ضعیف ہو چکے ہیں۔ آجکل بھیڑ بکریاں کافی میسر آ رہی ہیں کوئی غربت یا محتاجی نہیں۔ اور گندم کی روٹی اور اس کے ساتھ بکری کے گوشت میں ذرا گھی ڈال کر کھائیں تو اس سے ایک تو ان کی صحت بحال رہے گی دوسرے دین کا وقار بھی قائم رہ جائے گا۔ لیکن سب ڈرتے تھے کہ اُن سے کس طرح کہا جائے آخر سب کا مشورہ یہ ہوا کہ آپ کی بیٹی حضرت بی بی حفصہؓ جس کی آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ عزت کیا کرتے تھے۔ ان کو کہا جائے کہ والد صاحب سے عرض کریں۔ انہوں نے کہا اچھا میں ان کو محلہ سے بلوا کر عرض کرتی ہوں' جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ ابا جان فلاں فلاں صحابہ کرام آئے تھے اور انہوں نے یہ عرض کیا ہے کہ اس ضعیفی کے زمانے میں اگر آپ گندم کی روٹی اور بکری کا گوشت تھوڑا گھی ڈال کر کھائیں تو صحت بحال بھی رہے گی اور دین کا وقار بھی قائم رہے گا۔ آپ نے فرمایا بیٹی! ایک بزرگ تھے اور اُن کے دو دوست تھے۔ اس بزرگ نے ایک راستہ اختیار کیا اور منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ اس کا ایک دوست بھی اُسی راستے پر چلا اور منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ وہ بزرگ رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور آپکے ایک دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے' اب میں رہ گیا ہوں۔ اگر میں ان کے راستہ پر نہیں چلوں گا تو منزلِ مقصود پر کیسے پہنچوں گا' جہاں وہ پہنچے ہیں' اس لئے یا بنتِ لاتوذینی فی دینی اے بیٹی! مجھے دین کے معاملے میں ایذا مت پہنچاؤ۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت عمرؓ محکمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت نے آ کر چند ماہ کا بچہ سامنے ڈال دیا آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا یہ آپ کے بیٹے کا نطفہ ہے۔ آپ نے فرمایا کس بیٹے کا۔ اس نے جواب دیا کہ ابوشحمہ کا۔ آپ دوڑتے ہوئے گھر گئے۔ ابوشحمہ والدہ کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ابوشحمہ کیا تو نے یہ کام کیا ہے۔ اس نے اقرار جرم کیا تو آپ نے اس کو بازو سے پکڑ کر کوڑے لگانے کے لئے باہر لے آئے۔ اس کی والدہ نے عرض کیا کہ ابھی بیماری سے اٹھا ہے کمزور ہے آپ ذرا صبر کریں تا کہ اس کی صحت بحال ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اے عورت کیا تو اس امر کی ضمانت دے سکتی ہے کہ اس کی صحت بحال ہونے تک ہم دونوں زندہ رہیں گے۔ صحابہ نے یہی عرض کیا کہ لڑکا کمزور ہے اس کی صحت ٹھیک ہو جائے بعد میں اس کو حد لگا سکتے ہیں۔ انکو بھی آپ نے وہی جواب دیا کہ ہم دونوں کی عمر کی کون ضمانت دے سکتا ہے۔ پس آپ نے اس کو زمین پر پھینک دیا اور خود کوڑے لگانا شروع کئے اَسّی کوڑے لگائے تھے کہ ابوشحمہ فوت ہو گیا۔ آپ نے بیس مزید کوڑے اس کے مردہ جسم پر لگائے تا کہ سو کوڑوں کی شرعی حد پوری ہو جائے سبحان اللہ! کیا انصاف ہے۔

حالانکہ غیر شادی شدہ زانی کی سزا موت نہیں ہے بلکہ ایک سو کوڑے ہیں جو لڑکے کی بیماری کی وجہ سے مہلک ثابت ہوئے' لیکن آپ نے ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔ اور جب اس کام سے فارغ ہوئے تو آپ نے مسجد میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کی کہ یاالٰہی مجھے معاف کیجیئے ممکن ہے میں نے شفقتِ پدری کی وجہ سے کوڑے لگانے میں نرمی کی ہو[1]۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک حج پر آیا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت امام زین العابدینؒ بھی مکہ معظمہ میں موجود تھے' عبدالملک نے حجر اسود پر بوسہ دینے کی بہت کوشش کی لیکن ہجوم خلق کیوجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ باوجود یہ کہ وہ بادشاہ وقت تھا۔ اس کے بعد جب حضرت امام زین العابدینؒ تشریف لائے تو آپکے مشاہدہ جمال اور عزت کمال کی وجہ سے لوگ ایک طرف ہٹ گئے اور آپ نے آسانی سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ یہ دیکھ کر فرزوق شاعر نے عبدالملک سے دریافت کیا کہ

1 بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور دشمنانِ اسلام کی پیدا کردہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے کسی بیٹے سے کوئی بدفعلی سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہی کوڑے لگائے گئے۔

اے عبدالملک یہ کون شخص تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ ایک طرف ہو گئے اور آپ کو بوسہ دینے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ اس نے جان بوجھ کر لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ معلوم نہیں کون تھا۔ اس خیال سے کہ لوگوں کے درمیان اس کی کمزوری ظاہر نہ ہو۔ اس کے بعد فرزوق نے کہا میں بتاؤں وہ کون تھے۔ چونکہ وہ شاعر تھا اس نے حضرت امام زین العابدین کی تعریف میں فی البدیہہ کئی شعر کہہ ڈالے۔ لیکن یہ بات بادشاہ کو پسند نہ آئی۔ جب یہ بات حضرت امام زین العابدین تک پہنچی تو آپ نے اُس شاعر کے پاس نقد نذرانہ ارسال فرمایا اور کہلا بھیجا کہ بھائی ہم لوگ اہل بلا ہیں تم ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو اس نے کہلا بھیجا کہ اے ابن رسول خدا میں نے عمر آل رسول ﷺ کی مدح وثنا میں بسر کی ہے اور جو کچھ میں نے کہا مبالغہ آمیزی بھی اس میں شامل تھی، لیکن آج جو کچھ میں نے آپ کی تعریف میں کہا ہے بالکل سچ ہے۔ اور اس سے میری تمام دورغ گوئی ومبالغہ آمیزی کا کفارہ ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے وہ رقم بھی واپس کر دی، حضرت امامؓ نے کہلا بھیجا کہ آپکی نیت آپ کے ساتھ لیکن ہم جو کچھ دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ امام زین العابدینؒ کو دشمنوں نے جوانی میں زہر دے دی اور فرزوق شاعر کو بھی علیحدہ مقام پر زہر دے دی گئی۔

مزارات اہل بیت کی برکات

اس کے بعد فرمایا کہ اہل بیت کے چند مزارات بہت مشہور ہیں۔ ایک روضہ حضرت علیؓ دوسرا روضہ حضرت امام حسینؓ تیسرا روضہ حضرت امام زین العابدینؒ چوتھا حضرت علی موسیٰ رضاؒ جو سلطان خراسان کے نام سے مشہور ہیں۔ ان روضہ جات پر جو نابینا، بہرا گونگا یا لنگڑا جاتا ہے صحیح سلامت واپس آتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہی آداب برتے جو وہاں کا دستور ہے۔ وہاں جا کر ان کرامات کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ مولانا حسام الدین خرکوشی دہلی کے رہنے والے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حج سے فراغت کے بعد میں ایک قافلہ میں شریک ہو کر کربلا معلّٰی کی حاضری کے لئے گیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ ایک نوجوان بیٹھا ہے۔ جس کی نہ آنکھیں تھیں نہ پاؤں۔ میں نے اس عورت سے پوچھا کہ کیا بات ہے اس نے کہا یہ میرا بیٹا ہے میرے پاس مال و دولت بہت ہے، لیکن صرف یہی ایک بیٹا ہے۔ جو معذور ہے، میں نے سُنا

ہے کہ جو شخص امام حسینؓ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوتا ہے اور قبر سے لپٹ جاتا ہے۔

وہ جس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے صحت یاب ہو جاتا ہے لیکن جو بیماری مادر زاد ہوتی ہے وہ دور نہیں ہوتی۔ میرا بیٹا مادر زاد لنگڑا ہے لیکن اسکی آنکھیں بیماری کی وجہ سے ضائع ہو گئی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر اس کے پاؤں ٹھیک نہیں ہوتے تو کوئی بات نہیں آنکھیں تو درست ہو جائیں۔ میں نے اس عورت سے کہا کہ فکر مت کرو۔ حضرت امام حسینؓ کی برکت سے اس کی آنکھیں بھی ٹھیک ہو جائیں گی اور پاؤں بھی۔ چنانچہ اس عورت نے مزار شریف کے مجاوروں کو نذرانہ پیش کیا۔ وہ اس لڑکے کو اندر لے گئے اور اسے قبر پر ڈال کر اوپر غلاف ڈال دیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکا آنکھیں اور پاؤں صحیح سلامت لئے دوڑتا ہوا باہر آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا مراد لیکر آئے تھے۔ شام کو جب ہجوم کم ہوا میں نے اس کے پاس جا کر حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ کچھ دیر مزار پر پڑا رہنے کے بعد میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ گھوڑے پر سوار ہیں چابک ہاتھ میں ہے آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں۔ بعض کے گلے میں سنہری ہار ہیں اور بعض کے گلے میں حمائل ہیں اور بعضوں کی گردن سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کی گردن کی دوسری طرف وہی زخم تھا جو شہادت کے وقت لگا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اس نوجوان کو میرے پاس لے آؤ۔ جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ میرے منہ پر پھیرے جس سے میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ کسی نے کہا حضور یہ پاؤں سے بھی معذور ہے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ میرے دونوں پاؤں پر پھیرے جس سے میری ٹانگیں درست ہو گئیں اور میں دوڑ کر باہر آ گیا۔

شنبہ ۲۵۔ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنا

چاشت کے وقت ایک صوفی نے دریافت کیا کہ آیا شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ فرمایا ہاں پڑھا کرتے تھے۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا سورت فاتحہ کے اختتام پر بِسۡمِ اللّٰہ بھی پڑھتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت شیخ سے نہیں سنا۔ اس

نے پوچھا کہ کیا آپ پڑھتے ہیں۔فرمایا نہیں۔اس نے کہا یہی کافی ہے اس کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا شیخ الاسلام فرض نماز کے بعد سُنت پڑھتے تھے یا اوراد میں مشغول ہو جاتے تھے۔فرمایا کہ آیۃ الکرسی پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔تمام کرتے تھے اور پھر سُنت کی تکبیر ہو جاتی تھی[1]۔

لیکن حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے سامنے سلام کے بعد امام مندرجہ ذیل دعا جو مشہور ہے پڑھتے اور مقتدی بیٹھے ہوئے پڑھتے جاتے تھے اس کے بعد اٹھتے تھے۔لیکن ہم لوگ اپنے شیخ (حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کے سامنے جب امام سلام پھیرتے تھے تو ہم مقتدی سر زمین پر رکھ کر باہر چلے آتے تھے۔وہ دعا یہ ہے۔اَللّٰھُمَّ لا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلا مُعْطِی لِمَا مَنَعْتَ وَلا یَنفَعُ ذا الجو منک الجد وَلا رَادّ لِمَا قَضَیْتَ الٰی آخرہٖ۔

اس کے بعد اُس صوفی نے پوچھا کہ کیا حضرت مخدوم دوگانہ حفظ ایمان میں سات مرتبہ قُلْ ھُوَ اللہ پڑھا کرتے تھے۔حدیث میں چھ بار آیا ہے اور ہر رکعت میں معوذتین (سورۃ قل آعوذُ رب الفلق اور قل اعوذُ برب الناس کو موذتین کہتے ہیں) پڑھتے تھے۔فوائد الفواد میں ایک بار معوذتین ہے۔ فرمایا کہ فوائد الفواد میں ایک جگہ پر سات مرتبہ قُلْ ھُوَ اللہ لکھا ہے۔اور ایک جگہ چھ مرتبہ زیادہ صحیح سات مرتبہ ہے اور حدیث میں مُعوذتین دونوں رکعتوں پر آیا ہے۔ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

سماع بالمزامیر

اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ کیا حضرت خواجہ نصیر الدینؒ مزامیر[2] سنتے تھے۔آپ نے فرمایا کہ جس نے کہا ہے غلط کہا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے احباب مثل مولانا صدر الدین طبیبؒ حضرت قاضی عبدالمقتدرؒ اور مولانا علاؤالدینؒ یکجا ہو کر ہر قسم کے مزامیر کے ساتھ قوالی سننا شروع کی۔

---

1 بعض مشائخ سنت بھی باجماعت پڑھتے تھے جیسے تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہیں۔

2 مزامیر سے مراد باجہ ہے۔یہ مزمار کی جمع ہے۔سماع بلا مزامیر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے لیکن سماع بالمزامیر یعنی باجے کے ساتھ سننے میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض جائز قرار دیتے ہیں۔بعض ناجائز۔کیوں کہ دونوں کے متعلق صحیح احادیث موجود ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے باجے کے ساتھ سنا بھی ہے اور منع بھی فرمایا ہے۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سماع سے منع فرمایا جو جس میں غیر شرع امور شامل ہوں جیسے مرد عورت یکجا ہوں۔ عورتوں کا گانا، شراب کا دور چلنا وغیرہ۔اور اس قسم کا سماع تو ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے۔

لیکن جب حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس طریقے سے نہیں سنتے بلکہ ہمارا یہ طریقہ ہے۔ میں اس مجلس میں حاضر نہیں تھا۔ جب میں نے ان کی بات سنی تو عہد کر لیا کہ آئیندہ اسی طریقے سے سنوں گا (یعنی بلا مزامیر) لیکن مولانا برہان الدینؒ غریب اور انکے سب احباب تمام مزامیر سنتے ہیں۔ ہمارے خواجہ (خواجہ نصیر الدینؒ) ہرگز مزامیر کے ساتھ سماع نہیں سنتے تھے۔ البتہ جب اتفاق سے کسی جگہ مزامیر کا سامنا ہوتا تو منع بھی نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ محفل سماع گرم تھی اس کے اندر پانچ قسم کے باجے تھے۔ مولانا برہان الدین غریبؒ سماع میں مشغول تھے۔ جب ہمارے خواجہؒ تشریف لائے تو آپ کے ساتھ ایک دوست تھے جن کو سماع کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ جب حضرت شیخ نے باجے دیکھے تو واپس تشریف لے گئے۔ لیکن آپ کے ساتھ جو مولانا تھے۔ آپ نے انکو بھی منع کیا لیکن وہ نہ محفل سماع میں شریک ہوئے اور نہ ترک کیا (بلکہ باہر کھڑے سنتے رہے) لیکن ہمارے شیخ گھر چلے گئے۔

اس کے بعد اس صوفی نے دریافت کیا کہ کیا حضرت خواجہؒ عورت کی آواز سنتے تھے (یعنی گانے والی عورت کی آواز) فرمایا آپ نے کبھی قصداً یہ کام نہیں کیا اور نہ ہی پسِ پردہ بیٹھ کر یا نزدیک بیٹھ کر سنا ہے البتہ جب شادی بیاہ کے موقعہ پر کوئی مراسن گاتی تھی مثلاً مولانا زین الدین اور مولانا کمال الدین کے ہاں جب مراسن عورتیں گا رہی تھیں تو آپ نے منع نہ فرمایا۔ ہاں ایک بار جب مولانا کمال الدین کی وفات سے تین روز پہلے ان کے بڑے بھائی مولانا سراج الدین کے ہاں شادی پر جب کوئی عورت گا رہی تھی تو اس کی آواز ہمارے حضرت کو پتھر کی طرح لگ رہی تھی اس نے میزبان نے منع کر دیا لیکن حضرت اقدس نے فرمایا کہ کیوں بند کیا گانے دو۔ اس نے پھر گانا شروع کر دیا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے زمانے میں ایک عورت آئی اور حضرت اقدس کے مقام کے نیچے سہیلہ یا شبانہ گایا تو اگر حضرت اقدس پر کیفیت طاری ہوئی تو بالا خانہ سے آپ لحاف، نہالی، یا جو کپڑا ہاتھ لگتا اٹھا کر اس کے پاس پھینک دیتے۔ لیکن مولانا برہان الدین غریبؒ ان کے تمام احباب گانے والی عورتوں کو بلا کر گانا سنتے تھے، رقص کرتے تھے[1]۔

[1] شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی دف پر لڑکیوں کا گانا سنا اور مسجد نبوی میں حبشیوں کا ناچ اور گانا بجانا دیکھا۔

یکشنبہ ۲۶ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

کمال توکل اور اس کی برکات

چاشت کے وقت اس بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ آیا ولی اللہ کو مامون العاقبت سمجھنا[1] صحیح ہے کیوں کہ لطائف قشیری میں آیہ پاک اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡ رَبُّنَا اللّٰہ ثُمَّ اسۡتَقَامُوا[2] (وہ لوگ جو اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جم جاتے ہیں) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مَنۡ کَانَ لَہٗ اصل الا استقامۃ آمِنَ من الۡخلُود وَمَنۡ کَانَ لہٗ کمال الا ستقامۃ آمِنَ مِنَ الوعید مِنۡ غیر اَنۡ یَلۡحقہ سُوء" (جو شخص استقامت کے ابتدائی درجہ میں ہے اس کو امان ملی دوزخ سے اور جس کی استقامت کمال کو پہنچی وہ وعید سے بھی امن میں آیا یعنی اس دنیا میں بھی اس کو امان ملتی ہے) کیوں کہ وعید کا تعلق اس دنیا سے ہے آخرت میں وعید ختم ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایکدن قاضی عبدالمقتدر ہمارے پاس احاطہ شیر خان میں آئے اور کہنے لگے کہ کتاب ''تعرن'' کے مصنف (شیخ کلا آبادی) نے ذوالنون مصریؒ کا کیا ہی اچھا قول نقل کیا ہے کہ مَنۡ رَجَعَ رَجَعَ عَنِ الطَّرِیۡقِ وَ مَن وَصَلَ لَا یَرۡجِعُ (یعنی جس نے روگردانی کی اس نے راستے سے روگردانی کی کیوں کہ جو شخص مقام وصل میں پہنچ جاتا ہے روگردانی نہیں کرتا یعنی واصل باللہ ہرگز منہ موڑ کر نہیں بھاگتا جو شخص منہ موڑتا ہے وہ راستے میں ہوتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچا ہوا نہیں ہوتا) میں نے جی ہاں بہت ہی اچھا قول ہے لیکن اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ کیا وہ شخص (یعنی واصل) بالکل مامون العاقبت ہوتا ہے (یعنی اس سے کوئی سوال و جواب نہ ہوگا)۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ آپ نے بہت اچھی بات کہی۔ اس کے بعد وہ فوراً حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کی خدمت میں پہنچے اور یہ بات دریافت کی۔ حضرت خواجہؒ نے

---

[1] جسکی عاقبت بخیر ہو۔

[2] پوری آیت یوں ہے جس نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور اس پر استقامت کی یعنی جم گیا اور غیر اللہ سے ہر قسم کی امید اور توقع ختم کردی تو اس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی قسم کا فکر اور خوف نہ کرو۔ ہم تمہارے مددگار ہیں۔ تم اس دنیا اور آخرت میں جو چاہو گے مل جائے گا اور یہ مہمانی ہے تمہارے لئے ربّ جلیل کی طرف سے سُبحان اللہ! کس قدر بڑا انعام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ صرف زبان سے اقرار نہ کرے بلکہ اس اقرار پر جم جائے اور غیر اللہ پر بھروسہ کرنا بالکل بند کر دے۔ روایت ہے کہ ایک صحابی گھوڑے پر سوار تھے کہ ہاتھ سے چابک گر گیا۔ لوگ پاس کھڑے تھے لیکن وہ خود گھوڑے سے اتر اور چابک اٹھالیا۔ کسی سے پانی مانگنا قرض مانگنا حتیٰ کہ وقت پوچھنا بھی کمال استقامت کے منافی ہے۔

ایک دو بار سخن کو دہرا کر فرمایا کہ ہمیں کیا معلوم اِن لوگوں کا کیا مطلب ہے دوسرے دن حضرت اقدس سے جب میں نے وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہی بات ہے جو کل قاضی عبدالمقتدر پوچھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (بے شک اولیاء اللہ کیلئے نہ کوئی خوف ہے نہ غم)

خطاباتِ اولیاء

اس کے بعد مختلف خطابات کا ذکر ہونے لگا جو حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی بعض مقربین اور اولیاء کو عنایت فرماتے ہیں۔ مثلاً کسی کو شیخ الاسلام کہتے ہیں کسی کو شیخ المشائخ کسی کو کچھ، کسی کو کچھ اور بعض کو ایسے خطاب دیتے ہیں جو عین دشنام (گالی) ہوتے ہیں۔ اس سے مخاطب کو اس قدر ذوق ہوتا ہے کہ عزت و اکرام اور جاہ و جلال کے لاکھوں خطابات سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔

سگ کے خطاب پر ذوق

ایک دفعہ خواجہ محمد سُرجیؒ چوپایوں کی طرح ہاتھ پاؤں زمین پر ٹیکتے ہوئے جا رہے تھے۔ جب لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا آج رات میں نے حضرت حق تعالیٰ و تقدس سے پوچھا کہ آپ ہر شخص کو کسی لقب کے ساتھ پکارتے ہیں میرے لئے آپ نے کونسا لقب فرمایا ہے۔ فرمان ہوا کہ محمد سُرجی سگِ درگاہ ماست (محمد سُرجی میری دربار کا کتا ہے) چونکہ دوست نے مجھے اپنی درگاہ کا کتا کہا ہے اس لئے غایتِ ذوق اور شادمانی کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ کتے کی طرح چلوں۔

لیلیٰ کے ہاتھوں پیالہ ٹوٹنے پر مجنوں کا رقص

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ لیلیٰ کے سامنے چند پیالے (عطائے خوارک کے لئے) پیش ہوئے اُن میں ایک پیالہ مجنوں کا تھا۔ لیلیٰ نے باقی سب پیالے بھر دئے لیکن مجنوں کے پیالے کو توڑ دیا کسی نے مجنوں سے جا کر کہا کہ لیلیٰ نے تیرا پیالہ توڑ دیا ہے تو اس پر وجد طاری ہو گیا اور رقص کرنے لگا۔ اور اس قدر ذوق و شوق ہوا کہ اگر ہزاروں پیالے بھر دئے جاتے تو وہ ذوق حاصل نہ ہوتا۔ اللہ کی طرف سے تمام مشکلات اور مصائب کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ ہر چہ از دوست نیکو است۔

بزرگوں کے خواب

اس کے بعد رویا یعنی خواب کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا عین القضات [1] فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بار پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا میرا خیال یہ تھا کہ میں نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہے جب غور سے دیکھا تو میں خود تھا جو پیغمبر علیہ السلام کی صورت میں متمثل ہو گیا تھا۔ فرمایا یہ صحیح ہے کُلُّ اَمْرٍ مزینُ بَمِثْلِہٖ یعنی جس شخص کا عمل اتباعِ رسولؐ پر ہے اُسی عمل کی بہت سے نبی علیہ السلام کی صورت اس پر جلوہ گر ہوتی ہے۔

اسبات پر کسی نے سوال کیا کہ آیا شیطان بھی رسول خدا ﷺ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ فرمایا ہاں۔ لیکن وہ پیغمبر علیہ السلام کی اصل صورت اختیار نہیں کر سکتا بلکہ کوئی اور صورت اختیار کر کے دعویٰ یہ کرتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں۔

اس کے بعد کسی نے پوچھا کہ آیا بیداری میں بھی رسول خدا ﷺ کی زیات ممکن ہے۔ فرمایا جس شخص کی نیند بھی بیداری بن چکی ہے اس کے روح کی صفائی کی وجہ سے ارواح اور مغیبات (غیب کی چیزیں) کا ظہور اس پر دائم و لازم ہو جاتا ہے۔ اور وہ دیکھ سکتا ہے۔ اس مضمون کے مطابق فرمایا کہ ایک دفعہ امام غزالی کھانا کھا رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ ہاتھ سے لقمہ اٹھاتے' لقمہ خود بخود آپکے منہ میں چلا گیا۔ جب لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت رسول

---

[1] قاضی عین القضات ہمدانی ایک مست بزرگ تھے جو بے حجاب باتیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ کا اکلوتا بیٹا فوت ہو گیا جس سے وہ بے حد غمزدہ ہوا اور علمائے شہر کو بلوا کر کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کی مانند ہیں چونکہ حضرت عیسیٰؑ مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ جب آپ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا سا مرتبہ رکھتے ہیں تو میرے بیٹے کو زندہ کر دو ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ یہ سن کر علماء حیران و پریشان ہوئے اور کہنے لگے اب ہماری امداد عین القضات کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلے ان کی نکتہ چینی کرتے تھے۔ جب ان کے پاس گئے اور استدعا کی تو انہوں نے کہا کہ میں بادشاہ کے بیٹے کو زندہ تو کر دوں گا لیکن تم لوگ مجھ پر فتویٰ لگا کر مجھے زندہ جلوا دو گے۔ علماء نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ خیر عین القضات نے شہزادہ کے پاس جا کر کہا قم باذنی (اٹھو میرے حکم سے) وہ زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اب علماء نے بادشاہ سے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو قم باذن اللہ کہہ کر زندہ کرتے تھے۔ اس نے قم باذنی کہا۔ ہے اس لئے کافر ہے اس کی سزا یہ ہے کہ زندہ جلایا جائے چنانچہ آپ کو زندہ جلایا گیا۔ آپکی راکھ سے ایک ڈبیہ برآمد ہوئی جس میں ایک کاغذ پر یہ شعر لکھا ہوا تھا کہ دشمن نے یہ سمجھا کہ مجھے سزا دلوا رہا ہے لیکن میں نے یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ میری تمنا ہے کہ تیری راہ میں زندہ جلایا جاؤں۔

اکرم ﷺ تشریف لائے اور روٹی کا ٹکڑے لے کر میرے منہ میں رکھ دیا۔ جب یہ حکایت خواجہ احمدؒ تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بذا خویلات تربی بھا اطفال ہذہ الطریقہ یعنی یہ خیالات ہیں جو اس کوچہ کے بچگان کے دلوں میں پرورش پاتے ہیں[1]۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ آج میں نے یہ غزل کہی ہے۔

۱۔ مے بنی آں جوانِ خوش خو آں قد بلند دراز گیسو

۲۔ آں ماہ جبین زہرہ رخسار باہیچ کسے نہ کرد یکسو

۳۔ با جملہ جہاں نفاق بازو گوید تو منی و من ہمیں تو

۴۔ چوں نیک نگہ کنی بدانی اسرارِ کثیر آں دو ابرو

۵۔ آں چشم کشادہ چشمکے زد بربست خیال سحر و جادو

۶۔ آں جعد نگر کہ مارِ خانہ است واں پنجۂ کفر راست بازو

۷۔ آں لعل شکر کہ خون بنو شد وآں خال کہ کافر است ہندو

۸۔ بوالفتح مدار استوارش آں ظالم کافر است بدخو

۱۔ کیا اس خوب صورت جوان کو دیکھتے ہو۔ کیسا بلند قامت اور گیسو دراز ہے[2]۔

۲۔ وہ ایسا ماہ جبین اور زہرہ رخسار ہے کہ کسی کی طرف التفات نہیں کرتا۔

۳۔ وہ ہر شخص کے ساتھ منافقت سے پیش آتا ہے اور کہتا ہے کہ تو میں ہوں اور میں تو ہے۔

۴۔ جب غور سے دیکھو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب اس کے دو ابرو کے راز ہیں۔

۵۔ دوست نے آنکھیں کھولے ہوئے ایسا تیر غمزہ لگایا کہ سحر و جادو کا خیال ہونے لگا۔

۶۔ اس کی زلف سیہ تو دیکھو کیسا مار آستین ہے اور اس کا بازو کیا پنجۂ کفر ہے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ بلند مرتبہ مشائخ کشف و کرامت میں وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ اکس کو وہ بازیچہ اطفال کہتے ہیں اور ہمیشہ مقصد اصل یعنی قرب الی اللہ میں کوشاں رہتے ہیں۔ کیوں کہ کشف و کرامت نچلے درجہ کی چیز ہے اور تھوڑی ترقی کے بعد حاصل ہو سکتے ہیں لیکن بلند مرتبہ اور عالی ظرف مشائخ اپنے مریدین کو کشف و کرامات میں الجھنے نہیں دیتے کیوں کہ اس سے ترقی رک جاتی ہے بلکہ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اوپر لے جاتے ہیں اور جب آخری مقام پر پٹی کھلتی ہے تو سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اگر پہلے انکشافات ہو جائیں تو اس سے ترقی میں رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔

[2] لفظ گیسو دراز سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میر سید محمدؒ بندہ نواز گیسو دراز از خود مقام محبوبیت پر ہیں۔ اور اپنے آپ عاشق و معشوق ہوتے ہوئے خود کو خطاب کر رہے ہیں۔

۷۔ اس کا لب لعل اس قدر سرخ ہے کہ گویا خون پی رہا ہے (عاشق کا خون) اور اس کا خالِ رخ ہندو کافر کی طرح ہے۔ جو ہر وقت ایمان لینے کے درپے ہے (یعنی عاشق کا ایمان برباد کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہے)

۸۔ اے ابوالفتح محبوب کو غصہ نہ دلا کیوں کہ وہ بڑا ظالم اور کافر ہے۔ کافر کا مطلب یہ کہ تندخوئی کی وجہ سے کسی کی بات نہیں مانتا اور ظلم ڈھائے جاتا ہے[1]۔

دوشنبہ ۲۷ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

بیعت کے فوائد

شیخ سے بیعت کے اشکال کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا بیعت کا پہلا فائدہ عذابِ دوزخ سے نجات ہے۔ پیر کے ہاتھ بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آج میں نے آپ کا دامن پکڑا ہے۔ کل قیامت کے دن آپ کے پاؤں پکڑ لوں گا۔ آپ ذمہ دار اور ضامن ہوں گے۔ دیکھو کتنا بڑا کام ہے۔ لوگ کیسے دلیر ہو گئے ہیں ان کو خود معلوم ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا ایک بزرگ کے دل میں شک پیدا ہوا کہ بیعت کا کیا فائدہ ہے۔ اس کے پڑوس میں ایک آدمی رہتا تھا جو شیخ اجل سرجیؒ کا مرید تھا اور بہت پریشان حال تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا لوگوں نے اسے دفن کر دیا دوسرے دن وہ بزرگ اس پڑوسی کی قبر پر چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ قبر میں ایک سوراخ ہے جس سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ دل میں کہنے لگے کہ یہ آدمی صالح نہیں تھا اگر صالح ہوتا تو آج آگ میں نہ جلتا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ اس آدمی کے پیر شیخ اجل سرجیؒ پہنچ گئے اور قبر کے سوراخ پر کھڑے ہوئے۔ انکے کھڑے ہوتے ہی آگ ختم ہوگئی۔ اس کے بعد شیخ اجل نے اس بزرگ سے کہا کہ تم نے دیکھ لیا پیر کی اسی دن کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

---

[1] اسی مضمون پر شہیدؒ نے بھی ایک غزل کہی ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

ہے دارم سخن دانے پری وش ماہ کنعانے　　جوانِ نامسلمانے عدوِّ دین وایمانے

مصرع ثانی میں ”جوانے نامسلمانے“ سے مراد وہی کافر مغبچہ ہے جو اپنی منواتا ہے اور کسی کی نہیں سنتا۔

فضیلت توبہ وعظمتِ تائب

اس کے بعد توبہ کی فضیلت اور تائب کی عظمت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا جو شخص صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے مرتبہ محبوبیت کو پہنچتا ہے۔ اور صوفیاء کے نزدیک مرتبہ محبوبیت بہت اعلیٰ وارفع ہے کیا ہی کرم ہے کہ ایک توبہ کا لفظ منہ سے نکالنے سے اس قدر بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ (اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور پاکیزہ لوگوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کی توبہ کا واقعہ

اس کے بعد حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کی توبہ کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا فضیل ابن عیاض ابتدا میں ایک بڑے عیار مرد تھے جو راہ زنی کرتے تھے۔ اس کے باوجود تسبیح بھی ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ صوم دوام (ہر روز روزہ) رکھتے تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ کسی عورت کو برہنہ نہیں کرتے تھے اور جس شخص کا مال لوٹتے تھے اس کو اتنا زادِ راہ دے دیتے تھے کہ اپنے گھر پہنچ سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک قافلہ جا رہا تھا جس کے اندر ایک مالدار آدمی تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اس مقام پر فضیل ڈاکہ زنی کرتا ہے۔ بہتر ہے مال کو کسی جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب اس کا فتنہ ختم ہو جائے گا مال نکال لوں گا۔ اس نے جنگل میں دیکھا کہ ایک درویش خیمہ لگائے بیٹھا ہے۔ اس نے پلاسی (ٹاٹ) کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور تسبیح ہاتھ میں ہے۔ اسے خیال آیا کہ یہ نیک اور دیندار آدمی ہے بہتر یہ ہے کہ مال اس کے پاس رکھ دیا جائے۔ جب خطرہ دور ہو جائے گا۔ مال اس سے واپس لے لوں گا۔ اس کے پاس جا کر کہا کہ اے خواجہ اس علاقے میں فضیلؒ ڈاکہ زنی کرتا ہے۔ میرا مال آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ میں بعد میں اپنی امانت لے لوں گا۔ جب قافلہ ایک غار سے گزرنے لگا تو فضیل کے آدمیوں نے قافلہ لوٹ لیا اور فضیلؒ نے مال تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ سوداگر وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ جس درویش کے حوالے اپنا مال کیا تھا وہ فضیلؒ ہے۔ اور قافلے کا مال تقسیم ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ میرا مال جاتا رہا۔ لیکن اس مایوسی کے عالم میں خواجہ فضیلؒ نے اُسے بلا کر کہا کہ تمہارا مال یہاں دفن ہے اسے خود نکال لو۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔ اور اپنا مال نکال کر فضیلؒ سے کہا کہ آپکا یہ صوم وصلوٰۃ اور تسبیح اور ڈاکہ زنی۔ میری

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ دوست کو بہت رنجیدہ کرتا ہوں اور صلح کی امید بھی رکھتا ہوں۔ اور پھر یہ آیت پڑھی خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّ آخر سیئاً (اچھے اور برے اعمال جمع ہو گئے ہیں) لیکن فضیلؒ کی توبہ اس بات پر ہوئی کہ جب قافلہ جا رہا تھا تو قافلہ سالار نے کہا کہ فضیلؒ ایک خدا ترس ڈاکو ہے کوئی خوش الحان قاری لاؤ۔ اس کو اونٹ پر بٹھا کر قرآن مجید کی رقتِ آمیز اور لطیف آیات کی تلاوت کراتے ہیں۔ امید ہے اس کا ضرور اثر ہوگا۔ جب قاری نے یہ آیات شروع کیں اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ (کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آ گیا کہ اب ان کے قلوب ذکر اللہ سے متاثر ہوں) جونہی یہ الفاظ حضرت فضیلؒ کے کانوں میں پڑے فوراً پکار اٹھے کہ یا رب وقت آ گیا یا رب وقت آ گیا ہے۔ یہ کہہ کر اپنے دوستوں کو خیر باد کہا اور ویرانے کی طرف چلے گئے۔ جب قافلہ اس غار کے نزدیک پہنچا تو میر قافلہ نے کہا جلدی نکل چلو یہ فضیلؒ کی غار ہے۔ خواجہ فضیلؒ نے یہ بات سن کر کہا فکر مت کرو آج جس طرح تم لوگ فضیلؒ کو ترک کر رہے ہو فضیلؒ تم کو ترک کر رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ہر شخص کے گھر جا کر اس کا لوٹا ہوا مال واپس کیا کیوں کہ انہوں نے پہلے ہی سے ہر شخص کا نام اس کے مال پر لکھ رکھا تھا۔ جب ایک یہودی کو اس کا مال واپس کرنے کے لئے گئے تو وہ راضی نہیں ہوتا تھا۔ آخر اُس نے کہا کہ میرے باغ میں ایک بڑا ٹیلہ ہے کہ جس کو اگر چند آدمی کئی ماہ تک اٹھائیں تو بھی ختم نہ ہوگا۔ اگر تو اسے کھود کر مٹی باہر پھینک دے تو راضی ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا پھاوڑہ اور ٹوکری لاؤ۔ یہودی نے سامان لا کر انکو دیا۔ آپ نے پھاوڑہ اور ٹوکری ٹیلے کے پاس جا کر رکھ دی اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ اب کیا ہوا کہ پھاوڑہ خود بخود مٹی کھودنے لگا اور ٹوکری خود بخود مٹی اٹھا کر باہر پھینکنے لگی۔ اور تھوڑی دیر میں ٹیلہ صاف ہو گیا۔ یہودی دور بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس نے آپکے پاس جا کر کہا فلاں مقام پر میرا سونا پڑا ہے اٹھا کر لے آؤ۔ جب آپ نے اس کو وہ چیز اٹھا کر دی تو یہودی نے کہا کہ یہ اس وقت لوں گا جب تم مجھے اپنے دین سے آگاہ کرو گے جب آپنے اس کو اصول دین سے مطلع کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جو شخص دین محمدیؐ میں ہے اگر وہ سچے دل سے توبہ کر کے پتھر کو ہاتھ لگائے تو زر ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس کا امتحان کرنے کی خاطر تم سے کہا وہ سونا اٹھا لاؤ حالانکہ وہ پتھر تھا۔ جب تم نے اُسے ہاتھ لگایا تو سونا ہو گیا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ تم نے صدقِ دل سے توبہ

کی ہے اور تمہارا دین برحق ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ یادحق ہی میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ ایک دفعہ جب کسی نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپکی غذا کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہر چھ ماہ کے بعد فضیلؒ مجھے اپنا دیدار کراتے ہیں اس سے کامل چھ ماہ تک مجھے بھوک نہیں لگتی۔ وہی دیدار کافی ہو جاتا ہے اس کے بعد آپ نے اپنی دو غزلیں املا کرائیں۔

غزل اوّل

۱۔ پس از دہرے جمال یار دیدم رخ زیبائے آں یار دیدم

۲۔ شبے با ماہ روئے خوش غنودم دو چشم بخت خود بیدار دیدم

۳۔ خوشی و خرمی افزور دولت غم و اندوہ را از یاد دیدم

۴۔ بزیرِ سایہ سروے نشستم نہاں آسودگی برباد دیدم

۵۔ بساطِ کامرانی را گزیدم دگر تا تو لفاف خار دیدم

۶۔ بہرپائے درِ فرحت کشادہ در دنِ خانہ خمار دیدم

۱۔ مدوت کے بعد دیدارِ یار نصیب ہوا اور اس کے رخ زیبا کا مشاہدہ کیا۔

۲۔ رات اس ماہ روئے کے ساتھ بسر کی اور میری خوش نصیب آنکھیں دیدار سے سرفراز ہوئیں۔

۳۔ میری خوشی اور خرمی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ میرا غم اور اندوہ بھی یار کی طرف سے تھا اس لئے خوشگوار تھا۔

۴۔ اس سَر وقد کے زیر سایہ بیٹھنا نصیبب ہوا اور میرا خوشی کا پودا بار آ ور ہوا۔

۵۔ مجھے کامیابی نصیب ہوئی اگر چہ بظاہر کانٹے نظر آتے تھے۔

۶۔ ہر قدم پر خوشی کے دروازے کھل گئے اور شرابِ وحدت کے پیمانے نوش کئے۔

غزل دوم

۱۔ کمند جعداد دام ہوائے است دو گوشہ ابرواں کنج بلائے است

۲۔ رخ تابانش شمع مہر افروز لب خندانش چوں میخانہ جائے است

۳۔ کنار غرق دریائے محبت نشتہ درد و غم چوں اشنائے است

۴۔ چہ پندم مے دہی اے خواجہ زہد بروئے خوب مارا ابتدائے است

۵۔ نظر کردن نجو کردن نجوباں دین سعدے ست محمدؐ اہل دل را مقتدائے است

٦۔ ہر آں زاہد کہ زہد ش کرد مفرور چہ گویم یَعلَمُ للہ ژاژخائے اُست

ا۔ محبوب کی زلف ایک جال ہے جو دلوں کو قید کر لیتا ہے اس کے دو ابرو بلائے عظیم ہیں۔

۲۔ اس کا روشن چہرہ محبت کی آگ بھڑکانے والی شمع ہے اور اس کے لب لعل سے شراب ٹپک رہی ہے۔

۳۔ دریائے محبت کے کنارے پر بیٹھا ہوا میں درد وغم میں مبتلا ہوں۔

۴۔ اے زاہد خشک تو مجھے کیا نصیحت کرے گا ابھی تو ہمارے حسن وجمال کی ابتدا ہے۔

۵۔ حسینانِ جہاں کا چہرہ دیکھنا ہمارا دین ہے۔ اور اہل محبت کے لئے محمدؐ رہنما ہیں۔

٦۔ زاہد خشک کو زہد نے مغرور کر دیا ہے اور وہ ہر وقت لایعنی گفتار میں مشغول ہے۔

سہ شنبہ ۲۷۔ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

امیر کی پرہیز گاری افضل ہے فقیر کی پرہیز گاری سے

چاشت کے وقت ایسے مردِ خدا کی فضیلت بیان فرمائی جس نے دین و دنیا دونوں کو دوست کی خاطر کمایا اور روحانی نعمتوں سے سرفراز ہوا اور ظاہری لذات کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ فرمایا اس سے بڑھکر کیا دولت ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ دونوں جہانوں کی نعمت سے اپنے بندے کو نوازے۔ وہ کیا ہی مردِ خدا ہوگا۔ یہ بات محال اور بعید از قیاس نہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو دنیا سے مالا مال کرے اور اس کے ساتھ نفسِ پاک اور دل متوجہ الی اللہ بھی عطا کرے۔ اور دین کی دولت سے مالا مال ہو۔ بات یہ ہے کہ اتقٰی اور پرہیز گاری کا تعلق انسان کی ہمت سے ہوتا ہے۔ جس درویش کے پاس کچھ نہیں ہے وہ کس چیز سے پرہیز گاری کرے گا۔ پرہیز گاری یہ ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود محض خدا کے لئے اور اتباع مصطفٰی کی خاطر نفسانی خواہشات سے باز رہے۔ اور ہر وقت رضائے خدا کو مدِ نظر رکھے۔ اُس شخص کی پرہیز گاری اور خواہشات سے باز رہنا عنداللہ بڑی فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت ایک مفلس کی پرہیز گاری کے۔ کیوں کہ فقیر کی پرہیز گاری جبری ہے۔ (یعنی مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے) اور امیر کی پرہیز گاری اختیاری اور قصدی ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا۔ایک دن تخت پر بیٹھے ہوئے اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور اپنا سر اور بازو ہلانے لگا جیسے کوئی شدید حسرت کے وقت ہلاتا ہے۔اس نے پھر اپنی ملکہ کی طرف دیکھا اور اُسی طرح سر اور بازو ہلانے لگا۔اس کے بعد اس نے اصطبل کی طرف دیکھا اور آبدیدہ ہوا۔جب ملکہ نے ماجرا دریافت کیا تو کہنے لگا کہ میں نے آسمان کی طرف منہ کیا تو لوح محفوظ پر لکھا دیکھا کہ میری موت قریب ہے اس لئے میں حسرت سے سر اور بازو ہلائے۔اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ آیا میرے بعد میری بیوی صبر کرے گی یا دوسرا شوہر کرے گی۔میں نے دیکھا کہ وہ صبر نہیں کرے گی بلکہ دوسرا شوہر کرے گی۔اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ یہ میرا ملک اور مملکت کس کے ہاتھ آئیگی اور میری بیوی کے ساتھ کون شادی کرے گا مجھے جواب ملا کہ یہ سب کچھ ایک حبشی کو ملے گا جو اس وقت اصطبل میں تمہارے گھوڑوں کی لید اٹھا رہا ہے اور تمہاری بیوی کے ساتھ بھی وہی شادی کرے گا۔اس وجہ سے میں آبدیدہ ہوا۔اس کے بعد بادشاہ نے اسی وقت اس حبشی کو طلب کیا اور نہا دھلا کر اسے شاہی لباس پہنایا اور ملک و تاج اور لاؤ لشکر اس کے حوالہ کر کے خلوت میں بیٹھ گیا۔یہ دیکھ کر خلقت جمع ہوگئی۔اس کی بیوی نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کر دیا۔اس نے جوابدیا کہ جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے ہو کر رہتا ہے۔میں کیا کرتا۔تھوڑی دیر کے بعد اسکا اجل آ گیا اور خلق خدا نے اُس حبشی سے بیعت کر لی اور وہ تخت پر بیٹھ گیا اور ملکہ سے شادی کر لی۔

اس کے بعد فرمایا کہ سلطان شمس الدین سام نے ایک کنیز بیش بہا قیمت دے کر خریدی اور اس کے ساتھ اس کی شدید محبت ہوگئی۔ جب اُس سے قریب ہونا چاہا تو کنیز کے خون جاری ہو گیا۔اور بادشاہ باز رہ گیا۔اس کا خیال تھا کہ زنانہ علت ہے۔ چند ایام کے بعد جب بادشاہ نے دریافت کیا کہ آیا خون خشک ہو گیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ ماہواری خون نہیں تھا بلکہ اسی وقت جاری ہوا تھا جب آپ نے مجھے چھوڑ دیا تو خون بند ہو گیا۔اب بادشاہ نے دوبارہ قریب ہونے کی خواہش کی تو پھر خون جاری ہو گیا۔غرض کہ چند بار یہی ہوتا رہا۔یہ دیکھ کر بادشاہ حیران رہ گیا اور اطباء کو جمع کر کے وجہ معلوم کرنا چاہی لیکن انہوں نے کہا کہ اگر کوئی مرض ہو تو ہم اس کا علاج کر سکتے ہیں۔غیبی امر ہے ہمارے پاس اس کا علاج نہیں ہے۔یہ کسی اہل دل سے دریافت کیا جائے۔لاہور میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام خواجہ زکی سختیاں گر تھا۔بادشاہ نے آدمی بھیج کر

ان سے معاملہ دریافت کرایا۔ انہوں نے مراقبہ کر کے بتایا کہ سلطان شمس الدین ولی اللہ ہے۔ خدا تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ اُسے خواہشات میں مبتلا کرے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت اس کی حقیقی بہن ہے۔ بادشاہ نے کنیز کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا کہ تو کس شہر کی رہنے والی ہے اس نے کہا کہ شہر شام کی رہنے والی ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ نے جب اس کے والد' والدہ' محلہ کا نام اور گھر کا محل وقوع وغیرہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کی حقیقی بہن تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ رادت خاندان غلامان میں سے ایک بادشاہ ہو گزرا ہے۔ عماد الملک اس کے عہد میں تھا۔ ایک دفعہ وہ پرانی دہلی میں مندہ دروازہ کے اندر اپنی مسجد کے قریب ایک عمارت بنوا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک چیل زندہ سانپ منہ میں لئے مزدروں کے مجمع پر مشغول پرواز ہے۔ بادشاہ نے ایک مزدور کو بلایا۔ اس وقت مزدور کی مزدوری دو پیسے ہوتی تھی۔ اس نے اس کو چھ آنے دے دئے۔ جب مزدور مجمع سے علیحدہ ہوا تو چیل نے وہ سانپ اس پر گرا دیا اور سانپ نے اسے ڈس لیا تو وہ فوراً مر گیا۔ اس مزدور کی والدہ روتی ہوئی بادشاہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ آپ نے میرے بیٹے کو مجمع سے باہر کیوں بلایا اس نے جواب دیا کہ میں کیا کرتا۔ چیل اس سانپ کو تمہارے بیٹے ہی کے لئے لائی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہر شب جمعہ بیوہ عورتوں اور غرباء و مساکین کے ہاں گشت لگاتا تھا اور ہر ایک کو دو دو چار چار روپے اور مٹھائی و طعام وغیرہ تقسیم کیا کرتا تھا۔ ان کے پاؤں پڑتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تمہارا غلام اور خدمت گار ہوں۔

جُمعہ ۲۹۔ ذیقعدہ ۸۰۲ھ

عملِ صالح اور اُسکی برکت

بعد نماز جمعہ عمل صالح اور اس کی برکت کا بیان ہو رہا تھا۔ فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف رکھتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کوئی حکایت بیان فرما دیں۔ چنانچہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں بارش آ گئی۔ انہوں نے بھاگ کر پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لی۔ تھوڑی دیر بعد اوپر سے کئی ہزار من پتھر کی چٹان گری جس سے غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب ان آدمیوں کی ہلاکت یقینی ہو گئی۔

انہوں نے کہا ہمیں چاہیے کہ اپنے اپنے اعمال صالحہ کو حضرت حق تعالیٰ میں شفیع لائیں تا کہ اس مصیبت سے نجات ملے۔ایک نے کہنا شروع کیا کہ میرے ماں باپ ضعیف تھے اور میں ان کی بہت خدمت کیا کرتا تھا۔اور بے حد عاجزی سے پیش آتا تھا کھانا پہلے انکو کھلاتا تھا بعد میں بچوں کو دیتا تھا۔ایک رات میری والدہ نے مجھ سے پانی طلب کیا میں کوزہ بھر کر اس کے پاس گیا لیکن اسے نیند آ گئی۔اس خوف سے کہ شاید میں واپس جاؤں اور وہ بیدار ہو جائے میں ساری رات پانی لئے کھڑا رہا۔رات کو سردی بہت پڑ رہی تھی جس کیوجہ سے کوزہ سخت سرد ہو چکا اور میرے ہاتھ ٹھٹھر گئے لیکن میں باز نہ آیا۔خداوندا اگر میرا یہ عمل تیری رضا کے مطابق ہو تو مجھے اس بلا سے نجات عطا کر۔اس سے وہ چٹان تھوڑی سی ہل گئی اور ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا ہوا۔دوسرے آدمی نے کہا کہ میرے گھر میں ایک دفعہ بکری نے بچہ دیا۔اس چیز کو لوگ منحوس سمجھتے تھے اور دستور یہ تھا کہ اسی وقت اسے ذبح کر دیتے تھے۔اگر بکری گھر سے باہر بچہ دیتی تھی تو اُسے گھر میں لا کر ذبح کرتے تھے میں اسے ذبح کرنا چاہتا تھا کہ ایک درویش نے آ کر خیرات مانگی۔ میں نے وہ بکری درویش کو دے دی۔اس نے یہ کہہ کر میرے گھر پر چھوڑ دی کہ جب سفر سے واپس آؤں گا تو لیتا جاؤں گا۔لیکن بہت مدت تک وہ واپس نہ آیا اور اس عرصہ میں بکری نے کئی بچے دے دئے۔حتٰی کہ بڑھتے بڑھتے ایک ریوڑ بن گیا۔ جب کافی عرصہ بعد وہ درویش آیا اور اپنی بکری طلب کی تو میں نے جواب دیا کہ اس بکری کا اب ریوڑ بن چکا ہے۔ یہ تمہاری امانت ہے لے جاؤ۔اس نے خیال کیا کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔اور کہنے لگا کہ فقیروں کے ساتھ مذاق کیوں کر رہے ہو میں نے کہا یہ مذاق نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔چنانچہ وہ درویش پورا ریوڑ لے کر چلا گیا۔یاالٰہی اگر میں نے یہ کام تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا اور نفس کا اس میں دخل نہیں تھا تو ہمیں اس غار سے باہر نکال۔اس سے وہ چٹان کچھ اور ہٹی اور سوراخ کچھ زیادہ ہو گیا۔تیسرے آدمی نے کہا ایک دفعہ قحط پڑا۔اس علاقے میں میرے سوا کسی کے گھر غلہ نہیں تھا اور ہر شخص آ کر مجھ سے ادھار یا قیمتاً غلہ لے جاتا تھا۔ایک خوب صورت عورت لینے آئی۔ مجھے نفسانی خواہشات نے مجبور کیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم غلہ مفت لے جاؤ لیکن میرا کام کر دو۔اس نے جواب دیا کہ میں خدا سے ڈرتی ہوں لہذا اپنے خاوند سے خیانت نہیں کروں گی۔ میں نے کہا تو پھر غلہ بھی نہیں ملتا۔وہ واپس چلی گئی۔دوسرے دن وہ

پھر آئی۔ اور انکار کر کے چلی گئی۔ تیسرے روز اس کے خاوند نے پھر اُسے بھیجا لیکن میں نے اُسے غلہ نہ دیا۔ کیوں کہ میری بات نہیں مان رہی تھی۔ چوتھے روز اس کے خاوند نے مجبور ہو کر اُسے اجازت دے دی کہ جاؤ جس طرح غلہ مل سکے لے آؤ۔ وہ آئی اور رضا مند ہوگئی۔ ہم دونوں نے کپڑے اتارے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے میں نے کہا کیا بات ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر چہ میرا خاوند بھوک سے مجبور ہو کر اس فعلِ بد پر راضی ہو گیا ہے۔ لیکن میں خدا سے ڈر رہی ہوں کہ میرے ساتھ کیا حشر کرے گا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ جب ایک عورت خدا سے اس قدر ڈر رہی ہے۔ اور شرم کر رہی ہے میں تو مرد ہوں میں عورت سے کیوں کر کم رہوں۔ چنانچہ میں اس کام سے باز آ گیا۔ اور اسے بہن کہہ کر بہت سا غلہ دیا اور معذرت کر کے رخصت کر دیا۔ خداوندا اگر یہ کام میں نے تیری رضا کی خاطر کیا تو ہمیں اس ہلاکت سے نجات عطا فرما۔ یہ کہنا تھا کہ چٹان پوری طرح سے دور ہوگئی اور ہم لوگ صحیح وسلامت باہر آ گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص کو بدوی پکڑ کر لے گئے اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں ہے بدوی نے کہا کس قدر ہے اس نے جواب دیا کہ پانچ سو درہم۔ بدوی نے کہا تو مردِ صادق ہے میں تجھ سے نہیں لیتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے حجاج بن یوسف کے آدمیوں سے بھاگ کر خواجہ حبیب عجمیؒ[1] کے مکان میں پناہ لی۔ وہ لوگ بھاگتے ہوئے خواجہ حبیب عجمیؒ کے گھر پر پہنچے۔ اور دریافت کیا کہ کیا حسن بصریؒ یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں آئے ہیں۔ اور حجرہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر حسن بصریؒ اس حجرہ کے اندر ہوتے تو یہ آدمی کبھی نہ بتاتا۔ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے باہر آ کر دریافت کیا۔ اے حبیب تم نے کیا کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے استاد میں نے آپ سے سنا تھا۔ کہ سچائی میں بھلائی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ سچ بتانے سے آپ کی جان بچ جائے گی۔

کمترین بندگان مؤلف کتاب جوامع الکلم عرض پرداز ہے۔ ان ملفوظات کو لفظ بلفظ اور حرف

---

[1] شرح۔ خواجہ حبیب عجمیؒ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور آپ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ اور سہروردیہ حضرت حبیب عجمیؒ اور خواجہ حسن بصریؒ کے واسطہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اور آپ حضرت سرورِ کونین فخرِ موجودات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔

بحرف حضرت مخدوم (بندہ نواز گیسودراز) نے جزو اٹھارہ تک مطالعہ فرمایااور ترکیب وسیاق وسباق کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔اور فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملفوظات میں نے خود لکھے ہیں۔ اس کے بعد جزو اٹھارہ کی بھی تصحیح فرمائی۔خداوند تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کمترین بندگان کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے۔اور یہ کام عظیم پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد حضرت اقدس نے یہ تین غزلیں مرحمت فرمائیں۔

غزل اوّل

۱۔ شعاع آفتاب مہر افروز | برآمد صبحگہ روشن تر از روز
۲۔ فروغ شمع از پروانہ پرسند | چہ گوید جز مزید و سوز بر سوز
۳۔بقدر ہر وجودے جامہ دوزند | بلاوَ غم لباس ماست در روز
۴۔ مرا زاں سروقامت روئے گلگوں | بہارے تازہ ہر بار است نوروز
۵۔ سپر سینہ است دل را تیر غمزہ | چگونہ جاں بَرد زاں ترک فیروز
۶۔ گزشتہ دی وفردا تا باید | بنقدِ وقت خوش مے باش امروز
۷۔ محمدؐ خیرہ کردا ست دیدہَ عقل | شعاع آفتاب مہر افروز

۱۔ آفتاب حقیقت کی ایسی شعاعیں صبح کے وقت جلوہ گر ہوئیں کہ جیسے سورج ظاہر ہوا اور روز روشن پیدا ہوا۔

۲۔ شمع کی تیزی اور گرمی کا حال پروانے سے پوچھو جو ہر وقت ہل من مزید اور سوز کا نعرہ لگا رہا ہے۔

۳۔ ہر شخص کے وجود کیلئے کپڑا تیار ہوتا ہے۔ ہمارے وجود پر صرف لباس غم ہی راست آیا ہے۔

۴۔ میرے لئے اس سروقد اور سرخ رویے کے وجود سے ہر روز نئی بہار ہے۔

۵۔ دوست کے تیر غمزہ کے سامنے میں ہر وقت سینہ سپر ہوں وہ میری جان کیونکر لے سکتا ہے۔

۶۔ کل رات اور کل دن کی بات چھوڑو میرے لئے ہر وقت نقد وقت اور خوش وقت ہے۔

۷۔ آفتاب حقیقت کی چمک ودمک سے محمدؐ (شاعر) کی آنکھیں چندھیا گئیں ہیں۔

غزل دوم

ا۔ مگر آواز خاست از قعر چاہے	زدہ است درد مند از سینہ آہے
۲۔ چومن مے باش درد آشام اور غمخوار	کہ من ہم زمیں نمط دارم کلا ہے
۳۔ مگر از آشیان وجفت دوری	تو اے قمری کہ مے نالی صباحے
۴۔ ترا من دوست مے دارم وگر ہیچ	نہ کردم من جز ایں دیگر گناہے
۵۔ چہ بر افتد ترا اے شاہِ خوبان	اگر باشد گدائے نیک خواہے
۶۔ اگر خوانی دیگر رانی تو دانی	ندارم من جز ایں دیگر پنا ہے
۷۔ محمدؐ جزورش دیگر درے نیست	ندا نم من جز ایں ہیچ راہے
۸۔ روم اکنوں کجا آوارہ اے دل	بکردہ مُو سفید و روسیاہے

ا۔ جیسے کنوئیں کی گہرائی سے آواز اٹھتی ہے اسی طرح میرے دردمند سینے سے آہ نکلتی ہے۔

۲۔ اے قمری نالاں شاید تو اپنے آشیان سے دور ہے یا اپنے جفت سے جدا ہے کہ اس قدر آہ و نالہ میں مبتلا ہے۔

۳۔ اے مخاطب تو بھی میری طرح غم و درد کے پیالے نوش کر کیونکہ مجھے بھی اسی وجہ سے تاج و کلاہ کی دولت ملی ہے۔

۴۔ اے دوست میرا گناہ یہی اور صرف یہی ہے کہ میں نے تجھ سے محبت کی ہے۔

۵۔ اے شاہِ خوباں تیرے شان میں کیا کمی آ جائے گی۔ اگر تو ایک گدائے بے نوا کو اپنی بارگاہ میں جگہ دیدے۔

۶۔ تو مجھے پاس بلائے یا بھگا دے میں درِ دولت کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

۷۔ اے محمدؐ (شاعر) میرے لئے تیرے در کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے اس راستے کے سوا مجھے کوئی اور راستہ معلوم ہی نہیں۔

۸۔ اے دوستِ اب جبکہ میرے بال سفید اور چہرہ سیاہ ہو چکا ہے۔ اب کہاں جا سکتا ہوں۔

غزل سوئم

۱۔ دلبرے نیست بے تو یک پسرے بیدلے نیست ہمچو من دگرے

۲۔ ہمہ کس روئے خوب دارد دوست اہل دل رابود دگر نظرے

۳۔ نقد مارا بدل بہ نسیہ مکن درد نقد است وصل در خطرے

۴۔ قصہ عشق احسن القصص است فہم ایں سرے کجا کند بشرے

۵۔ مادرش راہمیں ازل نامند مثلِ عیسٰی ندارد او پدرے

۶۔ عشق در اجتہاد نُعمان نیست شافعی را نہ شد ازو خبرے

۷۔ ماہ راہ قامت بلند ے نیست سرو را نے سرے نے کمرے

۸۔ سروِ من ماہ رو بلند سر است دلبرے نیست ہمچو او دگرے

۱۔ اے محبوب دلبری میں نہ کوئی تیرا شریک ہےاور بے دلی میں نہ میرا شریک ہے۔

۲۔ ہر شخص خوبصورت چہرے کو درست رکھتا ہے۔لیکن اہل دل کے لئے اور نظر ہے۔

۳۔ میرے نقد عشق کا بدلہ بے پرواہی سے نہ دو میرا دردِ عشق نقد ہےاوراس کا بدلہ وصل ہے۔

۴۔ عشق کا قصہ بہترین ہے۔ جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

۵۔ میرا عشق ازلی وابدی ہے۔جس کا عیسٰی علیہ السلام کی طرح باپ نہیں۔ بلکہ عشق پیدا کردہ نہیں بلکہ ازلی ہے۔

۶۔ مسئلہ عشق نہ امام ابوحنیفہ سے سلجھایا جا سکتا ہے نہ امام شافعی سے۔

۷۔ لوگ چاند کو خوبصورت اور سرو کو بلند قامت کہتے ہیں حالانکہ چاند کا چہرہ ہے لیکن بلند قامت سے محروم ہےاور سرو کا قد ہے لیکن سر اور کمر نہیں رکھتا۔

۸۔ میرا محبوب ان دونوں صفات سے متصف ہے۔یعنی بلند قامت بھی ہےاور حسین چہرہ بھی رکھتا ہے۔

صعوبت آخرت

قوت القلوب[1] میں لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو کسی نے بارہ سال انتقال کے بعد

[1] مصنفہ حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ۔

خواب میں دیکھا کہ گویا ابھی کسی مہم سے فارغ ہوئے ہیں اور غسل کر کے پوشاک زیب تن کی ہے۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو فرمایا کہ مرنے کے بعد بارہ سال سوال و جواب ہوتا رہا اور اب فراغت ہوئی ہے۔ صاحب قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ جب اَعدلِ خلق (یعنی سب سے بڑے عادل) کا یہ حال ہے۔ دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ کسی نے ہمارے خواجہ (خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کو وصال کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اگر ہم جوانی میں عبادت نہ کرتے تو حال دگرگوں تھا اس کمترین بندگان نے عرض کیا کہ آپ کا یہ قول حضرت جنید بغدادیؒ کے قول کے مطابق ہے۔ کہ **ضَاعَتُ تِلْکَ العبارات فنیت تلک الا شارات و انبذت تِلک العلوم و ما نفقنھا الّا رکعات وقت سحر** (میرے تمام نکات و اشارات ضائع گئے تمام حقائق و معارف رائیگان گئے۔ تمام علوم وفنون بے کار گئے مجھے کسی چیز سے کوئی فائدہ نہ ہوا سوائے اُن چند رکعتوں کے جو میں صبح کے وقت ادا کرتا تھا) یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہاں دونوں اقوال کا مفہوم ایک ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی یہ غزل لکھوائی۔

۱۔ دلم' را ابتلا شد با جوانے	زغمزہ اش ندارد کس امانے
۲۔ بیک چشمک بپا زد شیوہ چندان	فرو بالا کند ہر دو جہانے
۳۔ لبِ لعلش بہ بین خوں نوش تر کے است	جگر خوار است ہر دم دل ستانے
۴۔ صدف را در شکم دو سلک لولو	لب و دندانش ہستند دُر فشانے
۵۔ دلم از دست تنہائی بجاں شد	چگویم بلکہ افتادم بجائے
۶۔ غیورم منٰ برجائی است یارم	کجا جویم ندارد او مکانے
۷۔ زچشم مست او غلطیدہ خلقے	برآمد برطرف از وے غفانے
۸۔ محمدؐ پیر گشتی توبہ کن	نظر بازی رفیق آرد نشانے

۱۔ میرا دل ایسے محبوب سے جکڑ گیا جس کے تیرِ غمزہ سے کوئی شخص محفوظ نہیں۔

۲۔ ایک ہی جنبشِ چشم سے ایسی قیامت برپا کرتا ہے کہ جس سے دو جہانے تہ و بالا ہیں۔

۳۔ اس کے لبِ لعل کو دیکھو کیسے خونخوار ہیں۔ خوں خوار نہیں بلکہ جگر خوار اور دل خوار ہیں۔

۴۔ اس کے دانت ایسے ہیں جیسے صدف میں موتی لڑیاں اور جواہرات کا خزانہ۔

۵۔ میرا دل غم تنہائی کی وجہ سے بے حد پریشان ہے بلکہ جان نکل رہی ہے۔

۶۔ میں غیرت مند ہوں لیکن میرا محبوب ہر جائی ہے یعنی ہر شخص سے محبت کرتا ہے۔ میں اُسے کہاں تلاش کروں وہ لامکان ہے۔

۷۔ اس کی چشمِ مست سے سارا جہاں کانپ رہا ہے اور ہر طرف سے آہ وفریاد سنائی دے رہی ہے۔

۸۔ اے محمدؐ تو اب بوڑھا ہو گیا ہے توبہ کر کیوں کہ اس عمر عشقبازی اچھی نہیں لگتی۔

عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ طعام کھانے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو نور کھاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو طعام کھاتے ہیں۔ تیسرے وہ جو گھاس کھاتے ہیں۔ جو لوگ یادِ خدا اور عبادت کی نسبت سے کھاتے ہیں نور کھاتے ہیں۔ جو لوگ بقائے جسم کی خاطر کھاتے ہیں وہ طعام کھاتے ہیں۔ جو محض شہوت رانی اور ہوا، ہوس کی نسبت سے کھاتے ہیں گھاس کھاتے ہیں (یعنی جانور ہیں)

یکشنبہ یکم ذی الحجہ ۸۰۲ھ

امام ابوحنیفہؒ کا نسب وشرف

چاشت کے وقت امام اعظم ابوحنیفہ کوفیؒ کے نسب و بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا امام اعظم ان سادات[1] میں سے تھے جن کی والدہ حضرت امام جعفر صادقؓ کو وضو کرایا کرتی تھیں۔ اور جس قدر پانی بچ رہتا تھا پی لیتی تھیں۔ یہ اُسی پانی کی برکت ہے کہ ایسا بیٹا آپ کے بطن سے پیدا ہوا۔ ذالک فضل اللّٰہ یُوئیہ مَنْ یشاء (یہ حق تعالیٰ کا فضل وکرم جسے چاہے عطا کرتا ہے) یہ غزل بھی آپ کی ہے۔

غزل

۱۔ جاناں دل من پئے جوانے   در ہر خم موئے او جہانے

۲۔ مقتول لبے است قاتل است کم   ہر لعل لبش را گمانے

۳۔ ہر لعل لبت سیاہ خامے است   از موت و حیات ما نشانے

---

[1] سادات بمعنی سردار یا راہنمائے قوم۔

۴۔ ہر خورد ز عمر نیک بختے با یار عزیز یک زمانے
۵۔ گر آیدم خلوتے میّسر یاذوق و فراعت دامانے
۶۔ ابوالفتح مدام بادہ مے نوش کزمستی اش پیر باشد جوانے

۱۔ میرا دل ایسے جوان کے ساتھ لگ گیا ہے۔ جس کی زلفوں کے ہر خم میں ایک جہاں گرفتار ہے۔
۲۔ دوست کے لب لعل کا یہ کمال ہے کہ ہزاروں جان سے ہاتھ دھو رہے ہو۔
۳۔ محبوب کے لب لعل پر ایک سیاہ خیال ہے۔ جس پر ہماری موت وزیست کا انحصار ہے۔
۴۔ اس خوش بخت نے زندگی کا مقصد حاصل کر لیا جسے اپنے محبوب کے ساتھ اکی لمحہ صحبت ملی۔
۵۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر مجھے بھی محبوب کے ساتھ ذوق وشوق اور فراغت کے ساتھ خلوت مل جاتی۔
۶۔ اے ابوالفتح تو ہمیشہ شراب وصل کے پیالے نوش کرتا رہا کیونکہ اس شراب کی مستی میں بوڑھا بھی جوان کے برابر ہوتا ہے۔

غزل

۱۔ گر چہ پیر فرتوتی کہن ساز محمدؐ با جوانے عشق منے باز
۲۔ کنارش گیرد در بر کردہ مے دار بہشتی کردہ باحق باش ہمراز
۳۔ بدل ذردیدہ فیض ان جواں گیر بہ پنہائی حریفے کردہ دم ساز
۴۔ صفت پیری چو آہن سردباش بہ آتش عشق گرمش ساز گداز
۵۔ بدل کن ضعف پیری رابقوت جوانے باش سرمست و سرافراز
۶۔ جوانے را ببرکن ایھاالشیخ کشیدہ سینۂ پانۂ بصد ناز
۷۔ بہنہ سینہ با سینہ و لب بلب بگیر از وے نفس چوں نفخ اعجاز
۸۔ ابوالفتحا! ہمین است عاقبتِ چیز ترا با بہشتیاں کردند انباز

۱۔ اے محمدؐ (شاعر خوف) اگر چہ تو بوڑھا ہو چکا ہے۔ جوانِ مست شباب کے ساتھ عشق بازی کر۔
۲۔ محبوب کو بغل میں لے کر مضبوط پکڑے رکھ اور بہشتی بن کر حق کے ساتھ ہمراز ہو جا۔
۳۔ محبوب کو دل میں رکھ کر اس سے فیضان حاصل کر اور چھپے چھپے اس سے راز و نیاز جاری رکھ۔

۴۔ بڑھاپا جب لوہے کی طرح سرد ہو جائے تو اُسے آتشِ عشق سے نرم و گرم کر۔

۵۔ ضُعفِ پیری کو جوانی میں بدل دے اور ایک مست اور سرفراز جوان بن کر رہ۔

۶۔ اس کے بعد اے شیخ تو جوان بن کر سینہ تان لے اور ناز کے ساتھ زمین پر قدم رکھ۔

۷۔ لب پر لب اور سینہ سے سینہ لگا کر دوست کے نفسِ رحمانی سے دم بدم بہرہ ور ہو۔

۸۔ اے ابوالفتح عاقبت کار یہی ہے کہ تجھے حق تعالیٰ بہشتیوں کا ساتھی بنادے۔

دوشنبہ ۲۔ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

حضرت خاتونِ جنّت کی عظمت

عصر کے وقت حضرت بی بی فاطمہؓ کی عظمت کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا رسالہ فضیہ ابواللیث میں صاحب عرائس[1] لکھتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہوتے تھے اور کسی وجہ سے غم دور نہ ہوتا تھا تو آپ حضرت بی بی فاطمہؓ کے سَر مبارک کو سونگھتے تھے جس سے آپ کی گرانیٔ طبع دور ہو جاتی تھی اور فرحت حاصل ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت بی بی عائشہؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شبِ معراج میں ایک سیب دیا گیا جس کے کھانے سے مجھے بے حد فرحت اور خوشی محسوس ہوئی۔ اس کے بعد جب بی بی فاطمہؓ پیدا ہوئیں تو آپ کے جسم میں اُسی سیب کی خوشبو منتقل ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا سَر سونگھنے سے مجھے فرحت حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اُس رسالہ میں صاحب عرائیس نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن حضرت بی بی فاطمہؓ کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ایک دن ان کو ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے تو دروازہ بند تھا جب آپؐ نے آواز دی تو اندر سے حضرت بی بیؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کروں کوئی کپڑا نہیں ہے کہ پہن کر باہر آؤں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے ہاں کوئی چادر یا بچھونا بھی نہیں ہے جسے اوڑھ کر باہر آؤ۔ انہوں نے اندر سے جواب دیا کہ ایک بچھونا ہے جسے اوپر لوں تو ٹانگیں ننگی ہوتی ہیں اور ٹانگیں ڈھانپوں تو اوپر کچھ نہیں رہتا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اندر پھینکی اور فرمایا کہ اسے اوڑھ کر باہر آؤ۔ جب آپ

---

[1] عرائس البیان ایک تفسیر ہے جس کے مؤلف شیخ روزبہان بقلی شیرازی ہیں۔

باہر آئیں تو آنحضرت ﷺ نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ لیکن حضرت بی بی فاطمہ ﷺ سنتی جاتی تھیں اور جواب نہیں دیتی تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے آواز نہیں نکلتی۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر دکھایا کہ میں نے بھی بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے۔ اگر پتھر نہ ہوتا تو میں بھی بات نہ کر سکتا۔ اسی دوران جبرائیل نے آ کر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چونکہ آپ کے اہل بیعت فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں یہ تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابی ہے اسے لے لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ خزانہ لے کر کل قیامت کے دن میرے بال بچے حساب و کتاب میں گرفتار ہوں۔ یہ سن کر حضرت جبرائیل واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ چابی لے لیں آپ کی آل اولاد سے کوئی حساب و کتاب نہیں ہوگا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مشورہ فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جب یہ دولت بے حساب مل رہی ہے تو قبول فرمالیں تا کہ اہل بیت مصائب سے نجات پائیں اس کے بعد آپ نے حضرت جبرائیل سے مشورہ کیا۔ انہوں نے سر نیچے جھکا دیا۔ اس بات کا اشارہ تھا کہ تواضعِ فقر بہتر ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابن ابی قحافہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ایک دن کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں تا کہ جب روزی ملے تو بارگاہِ رب العزت میں اس کا شکر ادا کروں اور جب بھوکا رہوں تو اس کی بارگاہ میں تضرع وزاری سے پیش آؤں۔

اس رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت بی بی فاطمہؓ کی نماز کبھی نفاس کی وجہ سے قضا نہیں ہوئی تھی۔ آپ عام عورتوں کی طرح اس مصیبت میں مبتلا نہ تھیں بلکہ نفاس کا عرصہ بہت کم تھا۔ اور فارغ ہو کر وضو کرتیں اور نماز پڑھ لیتی تھیں۔ فرمایا جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیّت فرمائی کہ علیؓ مجھے غسل دیں اور کسی دوسری دوسری عورت کا ہاتھ مجھے نہ لگے۔ نیز میرا جنازہ بھی حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ اٹھائیں اور رات کی تاریکی میں مجھے دفن کر دیں تا کہ کسی کی نظر میرے جنازہ پر نہ پڑے۔ اور جس جگہ مجھے دفن کیا جائے وہاں سات قبریں بنائیں جائیں تا کہ میری قبر کو بھی کوئی معلوم نہ کر سکے اور یہ نہ کہے کہ یہ فاطمہؓ کی قبر ہے۔ چنانچہ آپ کی وصیت پر عمل کیا گیا اور آج تک کسی کو معلوم

نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے۔ جو کوئی آتا ہے سات قبروں کی زیارت کرتا لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی قبر کون سی ہے۔ آپ کی صورت مبارک آنحضرت ﷺ سے ملتی تھی۔ حتٰی کہ جب راستے میں جاتی تھیں تو لوگ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جا رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک سیّد نے عرض کیا کہ سنا ہے حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے فاطمہؓ علیؓ کو دے دی ہے جب ان کا عقد نکاح عالم ملکوت میں ہو گیا تو پھر دوسرے نکاح کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ جبرائیلؑ کا یہ پیغام اور تقدیر اور نوشتہ لوح محفوظ کے مطابق تھا اور وہ نکاح جو آنحضرت ﷺ نے پڑھا وہ اسی تقدیر کا ظہور تھا کیونکہ احکام شریعت پر پابندی لازمی ہے۔

نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ و نفسِ مطمئنہ

اس کے بعد نفسِ لمّارہ، نفسِ لوّامہ و نفسِ مطمئنہ [1] پر گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفسِ تین ہیں۔ نہیں نفس وہی ایک ہے لیکن مختلف حالات اور مختلف کوائف کی وجہ سے اس کی حالت بدل جاتی ہے اس لئے نام بھی بدل جاتا ہے۔ تمام نفوس دراصل نفس لمّارہ ہے جو مجاہدہ ریاضت اور تزکیہ نفس، تصفیہ اور تجلیہ [2] کے بعد لوّامہ ہو جاتا ہے اور پھر نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ وَمَا مَنْ مَو لُودٍ اِلّا وَقَدْ کُلِّ قَرِبَهٗ مِنَ الجنّ اِلَّا مَریَم وَ ابِنْهَا وَقِیلَ وَلَا اَنْتَ یَارَسول اللّٰه قال و لا انا الّا تغمّنَ فِیْ اللّٰه بِرَحمَتِهٖ فَانَبِی فَاَسلَم شَیْطَانِی وَاَنْتَ یا رسول اللّٰه قَالَ اَنَا اَیْضاً اِلّا اَنَّہٗ اَسلَم فَلا یا مرنی اِلَّابِخَیْرِ اَسلَم شَیْطَانِی)

رسول اللہ ﷺ کا نفس فطرتاً مطمئنہ تھا اور سوائے نیکی کے کسی کام کی دعوت نہیں دیتا۔ نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے وَمَا اُبَرِیٌٔ نفسی (اور میں نفس کی برات نہیں کرتا) کا مطلب بھی یہی ہے کہ

---

1 نفس لمّارہ اس وقت کہلاتا ہے۔ جب وہ سرکش ہوتا ہے اور برائی پر غالب ہوتا ہے۔ جب عبادت مجاہدہ کے بعد اس کا کچھ تزکیہ ہو جاتا ہے تو نفس لوّامہ کہلاتا ہے یعنی وہ نفس جو برا اغیال دل میں آنے پر انسان کو ملامت کرے جب مزید تزکیہ نفس ہو جاتا ہے تو نفس رام ہو جاتا ہے اور برائی کی بجائے نیکی پر غالب آ جاتا ہے جس سے انسان کو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اس لئے اُسے نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آیت الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سے یہی مراد ہے۔

2 تزکیہ نفس سے مراد ہے برے کاموں سے باز آنا تصیفہ قلب کا مطلب ہے نیک اوصاف کا پیدا ہونا اس کے بعد تجلّیہ ہے جس کا مطلب ہے صفات الٰہی کا انسان کے اندر جلوہ گر اور متجلّی ہونا ہے۔ تجلّیہ سے مراد ذاتِ حق میں فنا کا حاصل ہونا ہے جب ذات حق کے سوا سب کچھ مٹ جاتا ہے اور ذات ہی ذات رہ جاتی ہے۔

آپ کا نفس امارہ نہیں تھا بلکہ نفس مطمئنہ تھا۔ اسی طرح کلام پاک یا داؤدُ عادنفسک کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ تربیت مجاہدہ اور تصفیہ سے پہلے نفس امارہ ہوتا ہے۔ اس پر کسی نے دریافت کیا کہ تمام انبیاء علیھم السلام کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں نفس مطمئنہ ہے۔ اس نے پوچھا کہ پھر ان کی ذلّت کے کیا معنی۔ فرمایا انبیاء علیھم السلام کی ذلّت حق تعالیٰ کی صفت مہر کا نتیجہ ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی شخص اس کے سامنے اکڑ کر رہے بلکہ سب کے لئے یہ چاہتا ہے کہ عجز وانکسار سے پیش آئیں اور سر نیچے کیا رکھیں۔ اس وجہ سے اس نے ان کو نفس مطمئنہ عطا کیا ہے تاکہ اس کی صفات قدرت وقہر کے سامنے مغلوب رہیں اس کی طرف متوجہ رہیں۔ اس سے خائف رہیں اور رحمت کے امیدوار رہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ذلّت سے پہلے عرض کیا تھا کہ **اللھم لا تَغفرُ الخاطئین** (اے اللہ خطا کاروں کو معاف نہ کر) لیکن جب ذلّت کا شکار ہوئے تو عرض کیا کہ **اللھم اغفر المذنبین لعلی اکون فیھم** (اے اللہ گنہگاروں کو معاف فرما تاکہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں) حق تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد تم کو ذلت مبارک آئی ہے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا حضور ذلت کس طرح مبارک ہوسکتی ہے۔ فرمان ہوا کہ **تجیٔ متی قبل مجی المطیفیں و الا ن تجی مجی ایلی بین** (پہلے تو ہمارے پاس اطاعت گزار ہوتے ہوئے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر آتا تھا اب خطا کاروں کی طرح سر نیچا اور شکستہ ہو کر آتا ہے۔

آدم کی بعثت

اس کے بعد آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ جب انکو پہلے پہل دنیا میں بھیجا گیا تو کوہ سراندیپ[1] پر اترے۔ اور سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے جو فرشتے ان کے تخت کو اٹھا کر نیچے لے آئے انہوں نے فریاد کی خداوندا ہم آدم علیہ السلام کے گناہ کی بدبو سے تنگ آگئے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے اس کا قد چھوٹا کر دیا۔ یہاں تک کہ سات گز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد آدم کے دل میں آگ کا ایک شعلہ اٹھا انہوں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا آگ ہے۔ جبرائیل نے جواب دیا کہ اس کا نام بھوک ہے۔ چنانچہ جبرائیل بہشت میں سات دانے گندم کے لائے اور ہر دانہ نو سو درم کے برابر تھا۔ حضرت آدم نے کہا کیا میں ان کو کھاؤں۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا کہ

1 کوہ سراندیپ لنکا میں ہے اس پہاڑ کی چوٹی کا نام بھی (آدم کی چوٹی) ہے۔

نہیں بلکہ انکو کاشت کرو۔انہوں نے پوچھا کہ کس طرح کاشت کروں۔ جبرائیلؑ بہشت میں جا کر وہاں سے لوہا، لکڑی اور رسی اور بیل لائے ان کو جوڑ کر بیل کے کندھوں پر رکھا اور ہل چلانا سکھایا۔ حضرت آدمؑ نے ہل چلائے اس کے بعد جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ سات دانے زمین میں ڈال دیں۔ جب انہوں نے دانے زمین میں ڈالے تو فوراً اُگ آئے اور پک گئے اس کے بعد حضرت آدمؑ نے پوچھا کہ کیا انکو کھاؤں۔ جبرائیلؑ نے کہا نہیں بلکہ ان کو لے کر آٹا بناؤ۔انہوں نے پوچھا کہ کس طرح آٹا بناؤں۔ جبرائیلؑ نے دو پتھر اٹھا کر دئے اور آٹا بنانا سکھایا۔اب آدمؑ نے پوچھا کہ کہ میں آٹا کھاؤں۔ جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اسے پکاؤ۔ آدمؑ نے پوچھا کس طرح پکاؤں۔ جبرائیلؑ دوزخ میں جا کر آگ لائے اور آدمؑ کے ہاتھ میں دی جس سے آپ کے ہاتھ جل گئے۔اور نیچے پھینک دی۔ آگ دریا میں گر گئی۔ آدمؑ نے سات غوطے لگا کر آگ دریا سے باہر نکالی اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی۔اس کے بعد آدمؑ نے پوچھا کہ کیا اسے کھاؤں۔ جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ ہاں کھایئے۔ جب انہوں نے روٹی کھائی تو دل میں اور آتش پیدا ہوئی۔ جب جبرائیلؑ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اسے پیاس کہتے ہیں۔ جبرائیلؑ بہشت میں جا کر ایک پھاوڑہ لائے اور آدمؑ سے کہا کہ اس سے زمین کھودو۔ جب آدمؑ نے زمین کھودی تو پانی نکل آیا اور انہوں نے پیاس بجھائی اب آپ خوش بیٹھے ہی تھے کہ پیٹ میں اور آفت پیدا ہوئی اور جبرائیلؑ سے شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ یہ کہہ کر حق تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا۔اس کے بعد دو فرشتے آئے۔انہوں نے آدمؑ کے جسم میں دو سوراخ کئے ایک آگے ایک پیچھے۔اور ان کے جسم سے فضلہ خارج ہوا جس کی بو حضرت آدمؑ کے ناک میں پہنچی تو ستر سال روتے رہے۔اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو فرمان ہوا کہ **اِنّی جاعِل" فی الارض خلیفه** (میں زمین میں خلیفہ بھیجنے والا ہوں) اور اُسے بہشت میں بھیج دیا اب ظاہر ہے کہ وہ بہشت میں کیسے قرار پکڑ سکتے تھے۔تعالیٰ و تقدس **یَفعَلُ اللّٰہُ مَایَشَاءُ وَیحکم ما یُرید** (بلند اور پاک ہے وہ ذات جو چاہے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے۔)

چہار شنبہ ۴/ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

اہل دل کون ہیں

چاشت کے وقت اہل دل کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ صوفیاء میں سے اہل دل وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جو صوفی ہوا میں اڑتا ہے پانی پر چلتا ہے اور جس چیز کو ہاتھ لگاتا ہے سونا بن جاتا ہے وہ اہل دل نہیں ہوتا۔ اُسے دل کی خبر نہیں ہوتی۔ اس مضمون پر آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

سہل تستریؒ اہل دل نہ تھے

فرمایا کہ حضرت شیخ سہل عبداللہ تستریؒ وہ مرد ہے کہ دنیا میں صائم (روزہ دار) آئے اور صائم گئے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ جب رات ہوئی تو انہوں نے دودھ پینا شروع کیا۔ جب صبح صادق ہوئی تو پھر دودھ پینا ترک کر دیا اسی طرح جب انتقال ہوا تو روزہ دار تھے اور روزہ دار مرے آپ کا گھر خانہ سباع (درندوں کا گھر) کے نام سے مشہور تھا جہاں رات دن شیر اور بھیڑیئے آیا کرتے تھے ۔آپ کے مکان کے گرد گردش کرتے تھے اور آپکی خوشبو سونگھتے تھے۔ اس آمد و رفت کے دوران وہ کسی کو گزند نہیں پہنچاتے تھے۔ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ برادر ما سہل چنیں و چناں مرد یست ولیکن خبر از دل ندارد (ہمارے بھائی سہل بڑے مردِ خدا ہیں لیکن ان کو دل کی خبر نہیں ہے[1]۔

اہل بیت کا بلند کردار

اس کے بعد اہل بیت کے حسنِ خُلق کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ ایک کنیز نے حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں ریحان کی ایک شاخ پیش کی اور عرض کیا کہ **السلام علیک یا ابن رسول** ﷺ۔ آپ نے جواب دیا کہ **وعلیک السلام و انتِ عتیقته بوجهه الله** (تجھ پر بھی سلام ہو اور میں نے تجھے خدا کے واسطے آزاد کیا) لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایک ہری شاخ

---

[1] یعنی سب کچھ ہے مگر قلندر نہیں ہے۔ جو عشق مولا میں اپنا سب کچھ قربان کر دے نہ صاحب کشف ہو نہ طالب کرامات بلکہ خالصتہً طالب مولا ہو جسے اللہ کی چیزوں سے نہیں بلکہ اللہ سے محبت ہو۔

در مذہب عاشقاں قرارے دگراست — وی بادہ ناب را خمارے دگراست
آں معلم کہ در مدرسہ حاصل کرد — آں کار دگر و عشق کار دگراست

کے عوض اُسے آزاد کر دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جب کوئی تم پر سلام کہے تو اس کا بہتر طور پر جواب دو" فرمایا اس کے لئے بہترین سلوک آزادی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت امام حسنؓ اپنے خادم پر خفا ہوئے۔ خادم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **والکاظمین الغیض** (غصہ پر غالب آنے سے اللہ خوش ہوتا ہے) آپ نے فرمایا (اچھا میں نے تحمل کیا۔ خادم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے **والعافین عن الناس** (میرے دوست وہ ہیں جو لوگوں کی خطا معاف کرتے ہیں۔) آپ نے فرمایا میں نے تمہاری خطا معاف کی۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْن** (اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے) آپ نے فرمایا میں نے تجھے اللہ کی خاطر آزاد کیا۔

پنجشنبہ ۵۔ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

خدا کے دوست کی پہچان

دوستانِ خدا کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا جس شخص کا دل خدا کی طرف متوجہ اور نفس پاک ہے وہ مقربِ حق اور خدا کا دوست ہے خواہ وہ امیر ہے یا غریب' کاسب ہے یا تاجر' خان ہے' ملک ہے یا بادشاہ ہے اور اگر اس کو یہ دو چیزیں نصیب نہیں۔ تو خواہ کچھ ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ فرمایا ایک سال بصرہ میں خشک سالی ہوئی۔ شہر کے تمام بزرگ جن میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ' حضرت ثابت نہائیؒ' حضرت مالک بن دینارؒ حضرت محمد ابن سرینؒ بھی شامل تھے نمازِ استسقاء کے لئے باہر آئے اور سات دن تک نہایت عجز و انکسار کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ حضرت مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنے حجرہ کے ایک گوشہ میں بیٹھا تھا اور مصلے بچھا ہوا تھا۔ ایک آدمی آیا اور دوگانہ نماز پڑھ کر اس طرح مناجات شروع کی۔ "یاالٰہی یہ لوگ جو بارش کے طلبگار ہیں۔ سب دینِ محمدیؐ کے بزرگ ہیں۔ آج سات دن ہوئے ہیں۔ تیری درگاہ میں بارش کے لئے دعا کر رہے ہیں تو ان کی دعا قبول نہیں کر رہا۔ یہ دینِ محمدیؐ کی توہین ہے۔ غیر لوگ کہتے ہیں کہ اگر ان بزرگوں کی خدا کے ہاں کوئی قدر و قیمت ہوتی تو حق تعالیٰ ان کو اس طرح کبھی خوار نہ کرتا۔ تو بارش اس لیے نہیں دیتا کہ گناہ

گاروں سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ کون ہیں اوران کی تیری عظمت کے سامنے کیا ہستی ہے کہ توان سے انتقام لے۔ فضل کر، رحم کر، یہ لوگ مسکین ہیں۔ ان کو معاف کر اور بارش دے۔

جونہی اس نے یہ الفاظ منہ سے نکالے چاروں طرف سے ابر جمع ہونے لگا اور تھوڑی دیر میں ایسی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے۔ یہ کہہ کر وہ آدمی شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیخ مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کے پیچھے ہولیا۔ تاکہ معلوم کرسکوں کہ وہ کون ہے۔ جب وہ ایک گھر کے اندر داخل ہوا۔ تو میں واپس آ گیا۔ اس خیال سے کہ اب گھر دیکھ لیا۔ بعد میں آ کر اس بزرگ سے ملاقات کرونگا۔ بارش سے سارا جہان خوش ہو گیا۔ صبح کے وقت میں اس مکان پر آیا۔ تاکہ اس بزرگ کی قدم بوسی کروں۔ میں نے وہاں جا کر پوچھا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک سوداگر آیا ہوا ہے۔ جس کے پاس فروخت کرنے کے لئے ایک سو غلام ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید وہی سوداگر ہوگا جب اجازت لے کر اندر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہے اور اس کے گرد غلام دست بستہ کھڑے ہیں۔ لیکن یہ وہ آدمی نہیں تھا جسے میں نے رات کے وقت دیکھا تھا۔ خیر میں نے سوداگر سے پوچھنا شروع کیا۔ کہ آپ کیا سودا لائے ہیں۔ اس نے کہا ایک سو غلام لایا ہوں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید ان غلاموں میں سے کوئی بزرگ ہو۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ میں ایک غلام خریدنا چاہتا ہوں۔ مجھے تمام غلام دکھاؤ۔ اس نے سب کو بلا کر میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں نے ان کو گنا تو وہ ننانوے تھے۔ میں نے کہا کہ ایک آدمی کم ہے۔ سوداگر نے کہا ہاں وہ ایک کاہل اور حرام خور آدمی ہے کوئی کام نہیں کرتا۔ کہیں پڑا ہوگا۔ میں اسے خرید کر کے پشیمان ہوا ہوں۔ میں نے کہا میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ شاید مجھے پسند آ جائے۔ چنانچہ کافی گفت وشنید کے بعد وہ لوگ اس غلام کو میرے پاس لائے۔ میں نے دیکھ کر اسے پہچان لیا اور سوداگر سے کہا کہ میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں۔ قیمت بتایئے۔ سوداگر اور اس کے آدمیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ خواجہ ہم جھوٹ نہیں بول رہے ہیں۔ یہ آدمی بالکل بے کار ہے۔ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ہر وقت سوتا رہتا ہے۔ میں نے کہا کہ ان تمام عیوب کے باوجود میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں۔ قیمت بتاؤ۔ انہوں نے کہا اس کی قیمت ایک سو دینار ہے۔ میں نے ایک سو دینار دیکر اُسے خرید لیا اور اپنے ساتھ لایا۔ راستے میں اس نے کہا کہ اے خواجہ جو کچھ وہ لوگ میرے متعلق کہہ رہے ہیں بالکل صحیح ہے۔ آپ نے مجھے کیوں خریدا ہے۔ میں نے کہا

کیا آپ وہی نہیں ہیں جو اس رات مصلےٰ پر کھڑے ہو کر بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔ اور فوراً بارش ہوگئی اس نے کہا کیا آپ نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں نے کہا بالکل دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا اچھا اب خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا شکرانہ ادا کرنا چاہیے۔ اس نے مسجد کے ایک کونے میں دوگانہ نماز ادا کی اور سر سجدہ میں رکھتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ بندگانِ خدا کے احوال خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد یہ غزل لکھائی۔

غزل اوّل

۱۔ محمد عشقبازی خوش خصالے	شب و روز آں خیالِ خدو خالے
۲۔ غم فرزند و زن یک سو نہادہ!	نماندہ در دلش میلے نہ مالے
۳۔ اشارت بوسہ کردن چہ مقصود	عفاک اللہ خیالے ہست فالے
۴۔ ہمہ شب یادِ زلفِ ماہِ روئے	بہر صبحے دو چشمے بر جمالے
۵۔ چنیں سردے بدیں حسنے نمک زیب	نباشد درگلستانِ نہالے
۶۔ لب اودر خیال وہم ما نیست	ولیکن ہست جائے قیل و قالے
۷۔ محمد بوسہ زد او از کر بر خاست	نبو دست درمیان جز اجمالے

(۱۔ اے محمد (شاعر یعنی خود حضرت شیخؒ) عشقبازی کیا ہی اچھا کام ہے۔ رات دن محبوب کے خدوخال کا خیال ہے؟

۲۔ بال بچوں کا خیال دل سے نکال دیا ہے اور دل میں نہ کسی چیز کا خیال ہے نہ خواہش۔

۳۔ وس وکنار کا خیال بے کار ہے۔ خدا معاف کرے یہ خیال بہت مشکل ہے۔

۴۔ ساری رات اس ماہ رخ کی زلف کا خیال دل میں ہے اور ہر صبح نظر اس کے رخ زیبا پر ہے۔

۵۔ ایسا سرو قد محبوب اور ایسا خوش رو۔ (اس کی مانند تو باغ میں کوئی سرو نہ ہوگا۔

۶۔ اس کے لبوں کا بوسہ تو ہمارے وہم وگمان میں نہیں آ سکتا۔ البتہ اس کی تعریف میں دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔

۷۔ محمدؐ نے بوسہ دیا تو محبوب اٹھ کر چلا گیا۔ شاید درمیان میں کوئی غلط فہمی واقع ہوگئی ہے۔)

غزل دوم

ا۔ من سوختہ دل مرا جگر ہا   من ریختہ تن مرا خطر ہا

۲۔ از دستِ توائے جوان خود کام   در سینہ مرا بسے جگر ہا

۳۔ کشتی نہ برد زآہِ شبہا!   بدبخت رقیب بستہ در ہا

۴۔ ثابت قدمے نہ تو اے یار   بنگر بدرش فتادہ سر ہا

۵۔ بوسے زدمش بہ غصہ کا زید   دہنم شدہ بیں پراز شکر ہا

۶۔ دارم ہوسے کہ اندکے تو   خرامی و من کنم نظر ہا

۷۔ دیدم سگِ پاسبانِ ایں کو   ورنہ ہمہ شب کنم گزر ہا

۸۔ بخرام وبہ بیں تو مردماں را   مانند دو دست بر کمر ہا

(ا۔ میں سوختہ دل ہوں اور میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ میرا جسم پامال ہو چکا ہے اور خطرۂ جان لاحق ہے۔

۲۔ اے خودغرض محبوب تیرے ہاتھوں میرا جگر پارہ پارہ ہو گیا ہے۔

۳۔ میری آہِ شبی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کم بخت رقیب نے سب دروازے بند کر دیئے ہیں۔

۴۔ اے عاشق تو بھی عشق میں ثابت قدم نہیں ہے دیکھو تو سہی اس کے در پر کتنے سر کٹے پڑے ہیں۔

۵۔ میں نے محبوب کا بوسہ لیا تو غصہ سے بھڑک اٹھا۔ لیکن میرا منہ اب تک مٹھاس سے پُر ہے۔

۶۔ اے محبوب میری تمنا یہ ہے کہ تو ذرا باہر نکل کر سیر کرے اور میں تیرے حسن و جمال کا تماشا کرتا رہوں۔

۷۔ میں دوست کے کوچہ میں کتا (رقیب) دیکھ کر رک گیا ورنہ ساری رات وہاں بسر کرتا۔

۸۔ اے دوست ذرا باہر آ کر دیکھو تو سہی کہ کتنے عاشق درماندہ اور پریشان ہیں۔)

دوشنبہ ۹/ذی الحجہ

رویت باری تعالیٰ

چاشت کے وقت حضرت اقدس کے کچھ مرید آئے ہوئے تھے اور ہر شخص تجدیدِ بیعت کر رہا تھا اور آپ اُن کے حالات دریافت فرما رہے تھے۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق عرض کر رہا تھا اور آپ اِس کے مناسب حال اس کی طرف توجہ فرما رہے تھے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ کے دیدار

پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا رویت حق (دیدار) دولت عظیم اور مرتبہ بلند ہے اور جو حق تعالیٰ اپنے دوستوں اور مقربوں کو اسی دنیا میں عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لن ترانی [1]۔ یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کسی دوسرے کو بھی یہ دولت نصیب نہ ہو۔ کیونکہ دوسرے نبی کو حق تعالیٰ نے اس دولت سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کی امت کے لوگوں کو اتباع نبوی کی بدولت اس نعمت سے نوازا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لَنْ ترانیُ (تو نہیں دیکھے گا) کا مطلب یہ بھی ہے کہ تو ان جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی جیسا کہ عام محاورہ میں ہم ایک دوسرے کو دیکھنا کہتے ہیں۔ اس طریقے سے حق تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے۔ نہ تو دیکھ سکتا ہے نہ کوئی اور۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بندہ حق تعالیٰ کی محبت میں اپنے آپ سے باہر آتا ہے۔ تو حق تعالیٰ کے اپنے نور سے دیکھتا ہے نہ اس حالت میں کہ اس کی آنکھ حق تعالیٰ کو دیکھتی ہے بلکہ عبد کی تمام ذات بصر بن جاتی ہے اور کل ذاتِ حق کو اپنی کل ذات سے دیکھتا ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وُجُوہ" [2] یَوْمَئِذٍ نَاظِرَة اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَہ (اس روز ایسے چہرے ہونگے تو اپنے رب کا دیدار کریں گے)۔ یہاں حق تعالیٰ نے لفظ عیون (آنکھوں) استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ وُجُوہ" (چہرے) فرمایا ہے۔ یعنی ذات کا ذات دیدار کرتی ہے اس سے مراد بندہ کی ذات ہے (نہ کہ آنکھ) کسی نے خوب کہا ہے۔

همه چشمیم تا بروں آئی
همه گوشیم تا چه فرمائی

[1] تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ خطاب حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت فرمایا۔ جب انہوں رَبِّ اَرِنِیُ اُنْظُرُ اِلَیک کہہ کر دیدارِ الٰہی کی تمنا کی تھی۔

[2] قرآن حکیم میں لفظ وجہہ (جمع وجوہ) سے مراد مفسدین نے بھی "ذات" سے لی ہے۔ مثلاً آیۂ مبارکہ فَاَیْنَمَا تَوَلُّوْا فَثَمَّ وجہ اللہ (تم جہاں جس طرف دیکھو سب ذاتِ حق ہے) اور عارفین کے نزدیک "ذات" سے مراد روح ہے۔ لہذا آیہ وَجوہ" یومَئِذٍ نَاظِرَة میں جس دیدار کا اثبات آیا ہے۔ وہ ہے ذاتِ انسان یا روح۔ انسان کا ذات حق کو یعنی روح حق کو دیکھنا عرف عام میں اس قسم کے دیدار کو شہود یا مشاہدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو ایک انسان کو دوسرے انسان کو دیکھنے کی مانند نہیں ہے۔ لیکن ایک قسم کا لطیف ادراک ہے جو بندۂ مخلص کو فنائے نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ اکثر شیخ عبداللہ ملیانیؒ کی یہ رباعی پڑھا کرتے تھے

تاحق بہ دو چشم سر نہ بینم ہر دم   از پائے طلب نمے نشینم ہر دم
گویند خدا بہ چشم سر نتواں دید   آں ایشاں باشند چنیم ہر دم

(جب تک میں حق کو جسمانی آنکھوں سے نہ دیکھوں چین نہیں آتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جسمانی آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ یہ ان کا خیال ہے میرا مشاہدہ وہی ہے۔ جو میں نے کہا ہے۔

اے محبوب ہم تیرے دیدار کے لئے ہمہ تن آنکھ بن گئے ہیں اور تیرا حکم سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہیں) مثلاً آفتاب کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی جب تک آفتاب کے نور سے مدد نہ لے۔ چنانچہ آفتاب کو بھی آفتاب ہی سے دیکھا جاتا ہے۔ آفتاب آنکھ کو کہتا ہے۔

اَنتَ تَدعیٰ اَنیِّ مرئیک ولستَ ترانیٰ اِلّا بیٰ اَمَا تستحیٰ وشمتک الحیاء (اے آنکھ تو دعویٰ کرتی ہے کہ میں آفتاب کو دیکھتی ہوں لیکن یہ تو نہیں جو مجھے دیکھتی ہے بلکہ میرے نور کی استمداد سے دیکھتی ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی) دیکھو یہاں تجھے شرم دلائی گئی ہے۔ پس آفتاب کا یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ **لَنْ ترانیٰ ای بذا تک ونفسکَ** (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی اپنی ذات اور نفس سے)اس وجہ سے جو کوئی آفتاب کو دیکھتا ہے اس کے نور کی مدد سے دیکھتا ہے۔ نہ کہ اپنے نفس سے۔

رویتِ آخرت

آخرت میں بھی اسی طریقے سے رویت باری تعالیٰ ہوگی۔ بہشت میں کوئی شخص حق تعالیٰ کو اپنی آنکھ کے نور سے نہیں دیکھے گا۔ جبتک وہ آنکھ حق تعالیٰ کے نور سے منور اور اسکی ذات کے فیض سے مستفیض نہ ہوگی۔ نیز اس کا سارا جسم دیکھے گا نہ کہ صرف آنکھ۔ اسی دنیا میں رویت حق کے سوال پر ہمارے فقہا بھی فرقہ معتزلہ سے اتفاق کرتے ہیں۔ اور ناممکن قرار دیتے ہیں۔ البتہ آخرت میں رویت حق کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ بھی بطریق الوجود وفرضیت صرف ایک بار مشاہدہ حق ممکن سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تمام اہل بہشت حق تعالیٰ کو اس کے پورے جمال وکمال ولطافت سے مشاہدہ کریں گے لیکن پھر بھی لوگ کھانے پینے اور مباشرت سے باز آ کر عاشق نہیں بنتے۔ اگر فقہاء اور معتزلہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کس دولت سے محروم ہیں۔ خدائے برتر و بزرگ کی قسم ان کا زہرہ آب ہو جائے (یعنی پتہ پانی بن جائے)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک صوفی نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے شکایت کی کہ تیس سال سے ریاضت ومجاہدہ میں منہمک ہوں۔ لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی دوست صلح پر آمادہ نہیں ہوتا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا اچھا آج رات خوب کھاؤ اور پاؤں لمبے کر کے سو جاؤ۔ وہ مرید مطیع وفرمانبردار تھا۔ اس نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ساری رات سوتا رہا۔ اسی رات خواب میں حق تعالیٰ کی

زیارت ہوگئی۔ اور فرمان ہوا کہ اس راہزن سے کہو کہ میرے دوستوں کی راہزنی کیوں کرتا ہے[1]۔ صبح کے وقت جب اس نے جا کر حضرت شیخ ذوالنون مصریؒ سے ماجرا بیان کیا تو آپ پر گریہ طاری ہوا اور کہنے لگے کہ جب میں نے دیکھا کہ اطاعت سے اس کا کام نہیں بنتا تو ممکن ہے جنگ سے کام بن جائے۔ لیکن اس قسم کا علاج زہر سے علاج کرنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ اطباء لا مرض کا زہر سے کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ اگر شفا ہوگئی تو درست ورنہ مرض کی مصیبت سے تو نجات حاصل کر لے گا۔

عاشق کا مرتبۂ بلند

اس کے بعد عاشق کے مرتبہء بلند کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا ہر وہ شخص عاشق کہلانے کا مستحق نہیں ہے جو حسین چہرہ دیکھ کر عاشق ہو جائے۔ عشق ایک بے بہا دولت ہے جو خوش بخت بندگان خدا کو نصیب ہوتی ہے۔ قحط کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام ہفتے میں ایک بار خلقت کو اپنا دیدار کرا دیتے تھے۔ جس سے پورے سات دن لوگ ان کے حُسن و جمال کی محویت سے بھوک اور پیاس محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود یوسفؑ کا زلیخا کے سوا کوئی عاشق نہ تھا۔

حج العاشقین

فرمایا دین کے معاملات میں سے مسئلہ حج میں عشق کا زیادہ تعلق ہے۔ اس وجہ سے کہ عاشق صادق کی لیے ترک اہل وعیال، مال و دولت، وطن گھر بار عیش وطرب ضروری ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

ترک جاہ و بذل و مال، و ننگ و نام
در طریق عشق اول منزل است

(راہِ عشق میں جاہِ وجلال، مال و دولت اور ننگ و ناموس کا ترک کرنا پہلی منزل ہے) اور یہ خاصۂ حج ہے کیونکہ حج میں سفر کرنا پڑتا ہے اور سفر میں گھر بار اہل وعیال سب کا ترک لازم آتا ہے۔

ہوائے کعبہ چناں مے دواندم بہ نشاط
کہ خارہائے مغیلاں حریرے آید

(زیارت کعبہ کی خوشی میں میں ایسا دوڑا کہ راستے کے کانٹے ریشم محسوس ہوتے تھے)

[1] یعنی عبادت سے کیوں محروم کرتا ہے۔

جب عاشق حرمِ معشوق کے قریب پہنچتا ہے اور مشاہدہ جمال دوست کرتا ہے تو لازماً دنیاوی لذات سے پرہیز کرتا ہے اور احرام باندھ لیتا ہے۔ غسل نہیں کرتا۔ خوشبو نہیں لگاتا۔ کسی جاندار کو نہیں مارتا، غرضیکہ تمام ناپسند امور ترک کر کے ہمہ تن یادِ دوست میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور حرم کے اندر غایت شوق میں والہانہ طور پر ادھر ادھر دوڑتا ہے۔ کبھی کوہ صفا پر چڑھ جاتا ہے۔ کبھی کوہ مروہ پر جاتا ہے۔ کبھی آہستہ چلتا ہے۔ کبھی دوڑ کر کسی مقام سے گزر جاتا ہے۔ میدان عرفات پر وقوف کرتا ہے۔ جبل رحمت پر جاتا ہے۔ منیٰ میں جولانی کرتا ہے۔ غرضیکہ غایت شوق میں ہمہ تن دوست میں منہمک ہے۔ طواف کرتا ہے۔ سَر منڈواتا ہے یا بال کٹواتا ہے۔ شیطان کو پتھر مارتا ہے۔ قربانی کرتا ہے اور ذبح کیوقت یہ دعا مانگتا ہے۔ **اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ فِدَائی لَحمها بِلَحْمِیْ دَمُهَا بِدَمِی وَعظمها بعظمی** (الٰہی یہ جان تجھ پر فدا ہے۔ اس کا گوشت میرے گوشت کی بجائے، اس کا خون میرے خون کی بجائے اور اس کی ہڈیاں میری ہڈیوں کی بجائے)۔ جب ان قربانیوں کے بعد وصالِ دوست میسر ہوا تو اب دوست اپنے لطف و کرم سے عاشق کو نوازتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تو میرے گھر میں آیا ہے۔ تم ہمارے مہمان ہو تین دن بیٹھ کر خوب کھاؤ پیو۔ ان ایام میں روزہ مکروہ ہے۔ اگر مہمان میزبان کا کھانا نہ کھائے اور اس سے اجتناب کرے تو ضرور میزبان رنجیدہ خاطر ہوگا اور اس سے راضی نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایام عید اور تشریق میں روزہ حرام ہے۔ فرمایا کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے حقائق سلمٰی میں دیکھا ہے کتاب کے مصنف نے یہ کلمات شیخ ابو بکر شبلیؒ سے بعینہٖ نقل کئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ دو اشعار وصفِ عشق میں پڑھے۔

العقل عقيلةُ الرجال

العشق محالةُ العقال

والعقل يقول لا تخاطر

والعشق يقول لا تبال

(یعنی عقل لوگوں کا پابند ہے اور عشق اس بند کو کھولنے والا ہے۔ عقل کہتا ہے کہ اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈال، عشق کہتا ہے کہ خطرات سے محروم نہ رہ۔)

کسی نے خوب کہا ہے۔

عقل گوید شش جہت حدیست بیرون راہ نیست
عشق گوید ہست را ہے رفتہ ام من بارہا

(عقل کہتا ہے چھ طرفوں کے بغیر کوئی راستہ نہیں عشق کہتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی ایک راہ ہے جو میں کئی بار چل چکا ہوں)

ظہر کی نماز کے بعد خستہ حال لوگوں کی خبر گیری کی فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا ہمارے شیخ علیہ الرحمتہ (حضرت خواجہ نصیر الدینؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ایام حج میں ایک بزرگ حطیم کعبہ میں مشغول تھے کہ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے پوچھا کہ اس سال حج میں کتنے آدمی آئے ہیں۔ دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ اور چند ہزار آدمی آئے ہیں۔ پہلے فرشتے نے دریافت کیا کہ ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کسی کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ پہلے فرشتے نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے لوگ بے فائدہ آئے اور سب کچھ ضائع کر کے چلے گئے۔ دوسرے فرشتے نے کہا کہ لیکن ایک ایسے شخص کی برکت سے سب کا حج قبول ہوا کہ جو حج پر بھی نہیں آیا۔ اور اس شخص کے نام پر حج مبرور اور حج مقبول لکھا گیا ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ آخر وہ کون شخص ہے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ جوتے مرمت کرتا ہے۔ اس کا نام خواجہ عبداللہ ہے اور بغداد میں رہتا ہے۔ یہ سُن کر وہ بزرگ بغداد آیا ہے۔ تا کہ عبداللہ موچی سے ملاقات کرے کہ کس عمل کی برکت سے گھر بیٹھے اس کا حج قبول ہوا ہے۔ جب اس سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ اگر آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جو کچھ میں پوچھوں آپ سچ سچ بتا دیں گے تو میں آپ کو ایک عظیم الشان خوشخبری سناتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے خوشخبری دو جو کچھ تم پوچھو گے سچ بتاؤں گا۔ اس بزرگ نے کہا کہ میں حطیم کعبہ میں مشغول تھا کہ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے پوچھا کہ اس سال کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ویسے تو کسی کا حج قبول نہیں ہوا لیکن ایک شخص بغداد میں رہتا ہے۔ جوتے مرمت کرتا ہے اور عبداللہ نام رکھتا ہے۔ اس کی برکت سے سب لوگوں کا حج قبول ہوا ہے۔ حالانکہ وہ حج پر بھی نہیں گیا اور اس نے اپنے نام پر حج مبرور و مقبول لکھا گیا ہے۔ اب خدا کے واسطے مجھے بتائیں کہ آپ نے کیا عمل کیا ہے کہ جس کی بدولت یہ سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے کوئی عمل

نہیں کیا سوائے اس کے کہ اس سال میں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا اور روپیہ پیسہ اور زادِ راہ جمع کر لیا کہ اتفاق سے میری بیوی ہمسایہ کے گھر آگ لینے گئی۔ میری بیوی حاملہ تھی اس نے دیکھا کہ ہمسایہ کے گھر میں کوئی چیز پک رہی ہے۔ اس نے پوچھا کہ آج آپ لوگوں کے یہاں کیا پک رہا ہے انہوں نے جواب دیا کہ کتوبر کا گوشت پک رہا ہے۔ حاملہ عورتوں کو ہر چیز کی خواہش ہو جاتی ہے میری بیوی نے اس سے تھوڑا سا سالن طلب کیا اور کہا کہ جب آپ لوگ کھانا کھائیں تو تھوڑا سا میرے لئے بھی بھیج دینا۔ انہوں نے کہا اچھا۔ لیکن کافی وقت گذر گیا اور ان کے گھر سے کچھ نہ آیا۔ میری بیوی نے مجھ سے شکایت کی کہ دیکھو میں نے ان لوگوں سے تھوڑا سا گوشت طلب کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اقرار کے باوجود نہیں بھیجا۔ میں نے جا کر اس ہمسایہ سے گلہ کیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ ہم لوگ تین دن سے فاقہ میں ہیں۔ آج بیت الخلا میں ایک کبوتر مرا پڑا پایا۔ ہم نے اسے پکا کر کھایا ہے اور تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا کہ تمہارے لئے وہ حرام تھا[1]۔

یہ سن کر میں نے سارا حج کا سرمایہ اور زادِ راہ ان لوگوں کے حوالہ کر دیا اس کے سوا میں نے کوئی عمل نہیں کیا۔ یہ سن کر اس بزرگ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ واقعی یہ ایسا عمل ہے کہ اس کی برکت سے آپ کو یہ دولت نصیب ہوئی۔

اس کے بعد ایک شخص نے تعویذ کے لیئے عرض کیا تو آپنے خادم سے فرمایا کہ قرآن مجید لاؤ۔ جب وہ قرآن مجید لے آیا تو آپ نے اس ناچیز سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے تعویذ لکھ کر رکھا تھا۔ نکال کر اس کو دیدو۔ میں نے بہت تلاش کیا۔ لیکن نہ پایا۔ اس کے بعد آپ نے نیا تعویذ لکھ کر دیا جو اس طرح تھا۔

اللہ

اللہ اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے تعویذ کی علامت یہی ہے۔ (کہ اللہ کا نام ہوتا ہے)

اللہ

تعویذ کی برکت

اس پر آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیأ کی خانقاہ میں موجودہ باؤلی کھودی گئی تو اس کا پانی نمکین نکلا۔ خواجہ اقبال خادم نے عرض کیا کہ حضور پانی نمکین نکلا

[1] اُن لوگوں کے لیے اس لیے حلال تھا کہ تین دن کے فاقہ کے بعد حرام چیز حلال ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے۔

ہے اگر میٹھا ہوتا ہے تو خلق خدا کو بہت فائدہ پہنچتا۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں سماع میں ہوں تو یاد دلانا۔ ایک دن جب آپ سماع سن رہے تھے تو خواجہ اقبال نے جا کر کان میں کہا کہ باؤلی کا پانی نمکین ہے۔ آپ نے فرمایا قلم دوات لاؤ۔ جب قلم دوات لائی گئی تو آپ نے ایک تعویذ لکھ کر دیا کہ جاؤ اور باؤلی کے پانی میں اسے دھوڈالو۔ جب تعویذ دھویا گیا۔ تو پانی اس قدر میٹھا ہو گیا کہ سب لوگ خوشی سے پینے لگے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے تعویذ کی بھی ایک علامت تھی۔ اور کمترین بندگان اور خدمتگاران خلق یعنی یہ کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ اکثر لوگ جس نیت سے آتے تھے اور جو حاجت طلب کرتے تھے۔ حضرت مخدوم (حضرت بندہ نوازؒ) ہر شخص کو خواہ وہ بادشاہ ہو علماء مشائخ میں سے ہو یا عام آدمی ہو۔ یہی تعویذ اوپر لکھا جاچکا ہے عطا کیا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے بھی یہی روایت کرتے تھے۔

مختلف اوقات میں جو غزلیں آپ نے کہیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

غزل

۱۔ امروز ماہِ من بطریقے برآمد است — گویا کہ آفتاب ز مشرق برآمد است

۲۔ سلطانِ خوبرویاں سالارِ دلبراں — حسن وفریب وزیب نمک چاکر آمد است

۳۔ از صحبتش میسر جرے نمے شود — آئندہ ناز نیئہ خلقش سرآمد است

۴۔ انکار درد عشق و محبت کسے نکرد — اِلّا کہ زادِ و بوم کِسے از خراست

۵۔ یارانِ عشقباز یکے تحفہ بشنوید — سیمیں تنے بہ نقرہ وز دراآمد است

۶۔ اسرارِ دردِ عشق ابوالفتح رابہ پرس — کہنہ درد مندبل عاشق تر آمد است

۷۔ مرغ دلم بدامِ محبت اسیر شد — یازاد ہوانگیزد و رفتہ برآمد است

(۱۔ آج میرا چاند (محبوب) اس انداز سے باہر آیا ہے کہ گویا مشرق سے آفتاب طلوع ہوا ہے۔

۲۔ میرا محبوب حسینوں کا بادشاہ اور محبوبوں کا سردار ہے کہ حسن وزیبائی جس کے غلام ہیں۔

۳۔ اس کی صحبت میں کسی کو صبر وقرار نہیں اور خلق خدا اس کے ناز وکرشمہ سے عاجز آ گئی ہے۔

۴۔ دردِ عشق ومحبت کا انکار کسی نے نہیں کیا سوائے اس شخص کے جو خر ہے۔

۵۔ اے یارانِ عشقباز ایک خوشخبری سن لو۔ وہ یہ کہ محبوب سیم تن سونے اور چاندی کے ساتھ آیا ہے۔
۶۔ دردِ عشق کے رموز ابوالفتح سے پوچھو کیونکہ وہ کہنہ مشق دردمند عاشق زار ہے۔
۷۔ میرے دل کا طائر دام محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ اب تاب پرواز باقی نہیں ہے۔

غزل

۱۔ شادی بہ روز گار جوانان عشق باز فارغ زبودو نابود واز خویش بے نیاز
۲۔ دل بر یکے نہادہ ونہ از دیگر ے خبر گاہے بہ ذوقِ بوسہ وگاہے بدر دکاز
۳۔ گاہے گنارو بوسہ گاہے درافتاد عشاق را از حسرت دلہا شدہ گداز
۴۔ بت راچہ ے پرستی اے مشرک پلید ابروئے یارمن بہ بین آں سمت کن نماز
۵۔ عین العیان بہ بنی درخم گہ دو ابرو یک صورت حقیقت در پردۂ مجاز
۶۔ با لولوئے پریشاں درگوشۂ گلستان سازد بہ ایں ترانۂ ابوالفتح راچہ ساز
۷۔ خانہ خراب کردی پے جعد شہسوارے اے سیّد محمد اے گیسوئے دراز

(۱۔ جوانانِ عشق باز اپنے عشق ومحبت میں اس قدر خوش ہیں کہ وہ کسی کے ہونے یا نہ ہونے بلکہ اپنے آپ سے بھی بے پرواہ ہیں۔
۲۔ انہوں نے ایک محبوب سے دل لگالیا ہے اور باقی کسی کی خبر نہیں کبھی وہ بوس وکنار میں محو ہیں اور کبھی دردِ ہجر ہیں۔
۳۔ عشاق کی یہ حالت ہے کہ کبھی تو بوس وکنار کرکے اور کبھی حسرت دیدار میں دل کباب ہوئے جاتے ہیں۔
۴۔ اے مشرک پلید تو بت پرستی کرکے کیا کریگا۔ میرے محبوب کو دیکھ اور اسکے محراب ابرو کو سجدہ کر۔
۵۔ محبوب کے خم ابرو میں عین ذاتِ حق ظاہر ہے اور وہی حقیقی صورتِ حجاز میں ظاہر ہے۔
۶۔ اے سید محمد گیسودراز تم نے اپنے محبوب کی زلفِ پریشان سے واسطہ رکھ کر اپنا خانہ خراب کردیا ہے۔
۷۔ زلفِ پریشان کے ساتھ ابوالفتح کے نالہ وفریاد کے ساتھ کونسا ساز ہے جو پورا اتر سکتا ہے۔

غزل

۱۔ ابوالفتح حدیث عشق کم کن! اگر دستے دید اینجا قدم کن

۲۔ زلعلِ شکر یں لطفے بفرما! سپش ایں جعد راگیر و ستم کن

۳۔ تو وعدۂ کشتنم کر دی ہلا زود ولیکن ہم بدست خود کرم کن

۴۔ اگر مانی بدیدے چہرۂ او۔ کنوں توبہ ز تصویر صنم کن!

۵۔ ملولی محرمی یارے نداری! محمد مونس خود درد و غم کن

۶۔ ہوائے ابر بارانِ است بوالفتح شرابے با کبابے راہم کن

۷۔ لب اوہم شراب وہم کباب است تو بوسہ کاز یکبارہ صنم کن

۸۔ نگنجد عشق در تحریرو تقرر تو کلکِ قیل و قال از سرِ قلم کن

(۱۔ اے ابوالفتح عشق کے متعلق باتیں کم کر اور عملی طور پر اس کوچہ میں گامزن ہو جا۔

۲۔ اے محبوب پہلے اپنے لب لعل سے عاشق زار پر کرم فرما۔ اس کے بعد اپنی زلف پہنچان لے۔ جسقدر جی چاہے ظلم کر۔

۳۔ اے دوست تو نے مجھے قتل کرنے کا قصد کیا تھا لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے مبارک ہاتھوں سے یہ کام انجام دے۔

۴۔ اگر شہرۂ آفاق مصور مانی بھی میرے محبوب کا چہرہ دیکھ لیتا تو صنم سازی سے توبہ کر لیتا۔

۵۔ اے محمد تُو اس غم میں ہے کہ تیرا کوئی محرم راز دوست نہیں ہے بہتر ہے کہ تو اپنے دردِ عشق کو مونس بنالے۔

۶۔ اے ابوالفتح اگر تجھے ابر باراں (موسم بہار) کی خواہش ہے تو شراب (ساقی کی لب) اور کباب (دل سوختہ) جمع کر لے۔

۷۔ محبوب کے لب شراب بھی ہی اور کباب بھی۔ بس اب بوسہ و کنار میں مشغول ہو جا۔

۸۔ حدیثِ عشق نہ تحریر میں سما سکتی ہے نہ تقریر میں بس تو قلم توڑ اور خاموش ہو کر بیٹھ جا۔

غزل

۱۔ بس جعد وسرین آن ستم گار یک بار نمود روئے اے یار

۲۔ از لعل لبش کہ مے چکان است سر مست شدیم بلکہ ہشیار

۳۔ دانیم ذوق مے و مستی! کردیم زتوبہ دیدہ توبہ حد بار

۴۔ گر ہست ہوائے کشتنِ ما مارا تو بدست ہجر سپار

۵۔ من سر بنہم تو تیغ مے ران لیکن بہ ہزار ناز و انکار

۶۔ آہستہ تری برآں سبک تر تا گیرم ذوقِ مدد بسیار

۷۔ ہر دو ابدی شوند محمدؐ مے میرد و مے زید بہر بار

۸۔ افسانہ شنید محمدؐ بامحنت ِ درد و غم گرفتار

۹۔ تو ہر چہ کنی بہ دیدہ و سَر دارم دلکے ولے وفادار

۱۰۔ ایں عالم پُر ز خوبرویاں الحق کہ بہ پیش تست اقرار

(۱۔ محبوب کی زلف بھی کسقدر ستم گر ہے صرف ایک بار دیدار کا یہ حال ہے۔

۲۔ اس کے لب لعل سے کیا شراب ٹپکتی ہے کہ جس سے ہم بدمست بھی ہوئے ہیں اور ہوشیار بھی۔

(ہوشیار اس لیے کہ محبوب حقیقی کے قرب میں محویت بھی حاصل ہوتی ہے اور عرفانِ ذات وصفات بھی

۳۔ چونکہ ہمیں ذوق سرمستی معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توبہ سے ہم نے توبہ کر لی ہے یعنی مے پرستی اختیار کی ہے۔

۴۔ اے دوست اگر مجھے قتل کرنے کا ارادہ ہے تو تیغ ہجر سے یہ کام کرو۔

۵۔ میں سر نیچے رکھتا ہوں اور تم تلوار چلاؤ۔ لیکن ناز و انداز سے یہ کام کرنا کہ مزہ آئے۔

۶۔ تلوار آہستہ چلاؤ تا کہ درد سے مجھے زیادہ لطف حاصل ہو۔

۷۔ میرے ہر بار مرنے اور ہر بار زندہ ہونے سے میری یہ دونوں حالتیں ابدی ہو گئی ہیں۔

۸۔ اے محمد گیا تو نے یہ افسانہ سنا ہے کہ دردِ عشق میں تو گرفتار ہو چکا ہے۔

۹۔ اے دوست تو جسقدر ظلم و ستم کرنا چاہے میرے سر اور آنکھوں پر ہے کیونکہ میرا ایک دل ہے جو وفادار ہے۔

۱۰۔ سارا جہان حسینوں سے پُر ہے اور تمام محبوب تیرے سامنے اقرار عجز کرتے ہیں۔)

غزل

۱۔ دلبستگی است جاں مارا با خانہ گیسوئے تو یارا

۲۔ ہر کس بہ تعلقِ گرفتار مارا پس جعد تو سوارا

۳۔ شفتالو کی دو سہ بہ فرما از لعل حیات بخش مارا

۴۔ مانی کہ بنائے چہرہ بازانِ است حیرانست زنقش تو نگارا

۵۔ من منکر عشق را چگویم گاولیست خریست سنگ خارا

۶۔ فریاد ز دستِ تست ہر بار اے ستمگار روز گارا

۷۔ سروے زتو دلفریب و زیبا در باغ نیست و در محارا

۸۔ از فضلِ خدا مرا است معشوق زو دیدم صورتِ خدارا

۹۔ زاں سرِو قبا پوش و مہرو بوالفتح کیست شرمسارا

(۱۔ اے میری جان! تیری زلف پیچاں میں میرا دل پھنس کر رہ گیا ہے۔

۲۔ ہر شخص کسی نہ کسی تعلق میں گرفتار ہے ہمارے لیے تو تیری زلف کافی ہے اے میرے شہسوار۔

۳۔ اے دوست دو تین مرتبہ اس لب جان بخش سے ذرا میری پرورش فرمایئے گا تو کیا ہوگا۔

۴۔ مانی جو شہرہ آفاق مصور ہے وہ بھی تیرے نقش و نگار دیکھ کر حیران ہے۔

۵۔ منکرِ عشق کو میں کیا نام دوں، گائے کہوں، گدھا کہوں یا سنگِ خارا کہوں؟

۶۔ اے ستمگار جہاں تیرے ظلم سے پناہ مانگ رہا ہوں۔

۷۔ تجھ جیسا دلفریب اور خوب رو سرو قامت محبوب نہ کسی باغ میں ہے نہ صحرا میں۔

۸۔ خدا کے فضل و کرم سے مجھے ایسا محبوب ملا ہے کہ جس کے اندر حسن ازلی جلوہ گر ہے۔

۹۔ اس محبوب سرو قد، قبا پوش ماہ رو سے اے ابوالفتح کون شرمسار ہے۔

دوشنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

العلم حجاب الاکبر کے معنی

ظہر کے وقت ایک سائل نے العلم حجاب الاکبر (علم سب سے بڑا حجاب ہے) کے معنی

دریافت کئے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ بعض کا قول ہے حجاب اللہ الاعظم (اللہ کا حجاب سب سے بڑا ہے)۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ کل ماسوای (یعنی تمام موجودات) حجاب ہیں ذاتِ حق پر یعنی جو کچھ خدا کے سوا ہے۔ ذاتِ حق پر حجاب یعنی پردہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنے حجابات ہیں سب قبیح اور مذموم ہیں۔ لیکن علم کا حجاب نہایت لطیف، حسین، ممدوح اور مقبول ہے اور اس سے رہائی بہت مشکل ہے لیکن دوسرے حجابات مثل حسد، کینہ غیض وغضب وغیرہ صاف ظاہر ہیں۔ اور ہر شخص ان کی مذمت کرتا ہے۔ ان سے نجات حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ بخلافِ علم کے جو بہت اچھی چیز ہے۔ اس لئے اس سے نجات نہایت مشکل ہے اسی وجہ سے علم کو حجابِ اکبر کہا گیا ہے۔ اس علم سے مراد۔ علم صرف ونحو، علم تفسیر، حدیث وفقہ نہیں ہے۔ اس سے مراد علم باللہ ہے۔ یعنی علم ذات و صفات باری تعالیٰ جو دلیل و برہان سے نہیں بلکہ مشاہدہ اور معائنہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس علم کا براہ راست حق تعالیٰ سے حاصل ہونا بغیر کسی واسطہ کے یہی حجاب اکبر ہے اہل اللہ کے ہاں اس علم کے سوا کسی اور علم کو علم نہیں کہتے۔ اس وجہ سے کہ وہ علم مجازی ہوگا نہ کہ حقیقی۔ اور قابل تغیر بھی ہوگا۔

اس لیے براہ راست جو علم حاصل ہوگا۔ وہ حجاب ہوگا۔ بلکہ حجاب اکبر ہوگا۔ کیونکہ اس سے نکلنا بے حد مشکل ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ **استخلاءُ الطاعة ثمرة الوُحُشة عن الطاعة** (طاعت کا محال ہونا طاعت سے وحشت کا ثمرہ ہے۔) خدا تعالیٰ کی طاعت بھی غیر خدا ہے پس طاعت کا محال ہو جانا۔ خدا تعالیٰ سے وحشت اور سب سے بڑی بدنصیبی ہے[1]۔

---

[1] اس ملفوظہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو مقولہ ہے ''العِلم حجاب الاکبر'' اس علم سے مراد علوم اسلامیہ مثل علم صرف ونحو، علم حدیث، تفسیر وفقہ نہیں ہے بلکہ علم باللہ یعنی علم ذات وصفات باری تعالیٰ ہے۔ جہاں تک علم ذات کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ مرتبہ ذات میں نہ علم ہے، نہ اسم ہے نہ حرف ہے نہ سمت ہے نہ اشارہ ہے محض ذات ہی ذات ہے اور تنزیہہ کا مقام ہے تمام اوصاف وصفات سے بری اور معرّا ہے اس لیے اگر کوئی یہ سمجھے کہ مجھے علم ذات حاصل ہے تو یہ محض دھوکہ ہے اور حجاب ہے جہاں تک علم صفاتِ الٰہیہ کا تعلق ہے یہ علم ضرور ہے لیکن اسقدر وسیع ہے کہ اس کا دعویٰ محال ہے اور ناممکن ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ **العجز عن درک الادراک** اسی طرح کسی کا یہ قول ہے کہ ایں قدر دانستم کہ ہیچ ندانستم یعنی اس قدر معلوم ہوا کہ معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص علم صفات ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ عارف نہیں کہلائے گا۔ بلکہ محجوب کہلائے گا۔ یعنی اس کے سامنے حجاب حائل ہے۔ کیونکہ اس کا یہ علم نہ ہوگا۔ بلکہ حجاب ہوگا۔ کیونکہ اس پر قناعت کر کے وہ مزید منازل علم سے محروم رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے **مَا عَرَفْنَاک حق معرفتک** (اے اللہ ہم نے تیری معرفت کے مطابق تیرا علم حاصل نہیں کیا جو بالکل محال اور ناممکن ہے۔

چہار شنبہ ۱۹/ذی الحجہ ۸۰۲ھ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار

عشاء کی نماز کے وقت رسول خدا ﷺ کی سیر یعنی رفتار کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ کی رفتار خراماں ہوتی تھی۔ آپ پاؤں مبارک زمین سے اٹھا کر چلتے تھے۔ کانہ یخدرُ من حبب یعنی جیسے کوئی بلندی سے نیچے اتر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پاؤں گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے بلکہ ایک پاؤں اٹھا ہوا ہوتا تھا اور ایک زمین پر ہوتا تھا۔ آپ خراماں اور تیز رفتاری سے چلتے تھے۔ حتٰی کہ صحابہ کرام پیچھے دوڑتے ہوئے جاتے تھے۔ اور آپ تک کوئی نہ پہنچ سکتا تھا خواہ کتنی کوشش کرے۔ سب پیچھے سے آپ کو دیکھتے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ خود سکون کے ساتھ جاتے تھے۔ اور صحابہ کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔ سید الانبیا خیر الاولین وآخرین سینہ تان کر چلتے تھے۔ غرضیکہ جو اوصاف حسنہ دنیا میں پائے جاتے سب آپ کی ذات گرامی میں بدرجہ اتم وکمال موجود تھے۔ یہ سن کر کمترین بندگان نے یہ شعر پڑھا۔

شیوہ و شکل و شمائل حرکات و سکنات
آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

(شکل وصورت، حسن وخوبی، حرکات وسکنات جو تمام محبوبوں میں پائے جاتے ہیں وہ تمام تو تنہا رکھتا ہے۔) نیز یہ پڑھا کہ **لَيْسَ على الله بمستنكر ان يجمع العالم فی واحدٍ** (اللہ تعالیٰ کی لیے یہ بعید نہیں کہ سارے جہان کو ایک شخص واحد ہی جمع کر دے[1]۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کمالات کے باوجود کفار بد بخت نے کیا بازی لگائی اور کیا کیا اور کسقدر ایذا رسانی کی انہوں نے گالیاں دینے

---

[1] سارے عالم کو ایک شخص واحد میں جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خلاصہ ہے پوری کائنات کا۔ جو کچھ کائنات میں بالتفصیل موجود ہے وہ انسان کے اندر بالا جمال موجود ہے۔ اس لیے کائنات کو عالم کبیر (MACROCOMS) اور انسان کو عالم صغیر (MICROCOSM) کہا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے حقیقت محمدیہ کو پیدا فرمایا جسے تجلی اول اور تعین اول کہا جاتا ہے۔ اور پھر حقیقت محمدیہ سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اول ما خلق الله نوری و خلق کل شی من نوری (سب سے پہلے حق تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا اور میرے نور سے سارا جہان پیدا فرمایا۔ اس لئے آپکی ذات ستودہ صفات میں ساری کائنات پنہاں ہے اور آپ خلاصہ کائنات ہیں۔

سے گریز نہ کیا۔ تیر اور تلوار لے کر مقابلہ پر اتر آئے۔ زدو کوب تک نوبت پہنچادی۔ گلہ گھونٹا۔ دھکے دیے اور کئی قسم کے دکھ دیے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ راستے میں ابو جہل بد بخت مل گیا اس نے دوڑ کر آنحضرت ﷺ کو ایسا دھکا دیا کہ آپؐ منہ کے بل گر پڑے اس بد بخت نے چند بار لات ماری اور چلا گیا۔ ابولہب کی کنیز ثوبیہ نامی جس نے پہلی رات آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا پاس کھڑی غمزدہ ہو رہی تھی۔ حضرت امیر حمزہؓ اکثر شکار پر رہتے تھے۔ راتیں جنگل میں بسر کرتے تھے اور وہیں کھاتے پیتے تھے۔ اور کئی کئی روز بعد گھر آتے تھے۔ اتفاق سے وہ اُس روز جنگل سے واپس آ رہے تھے۔ ثوبیہ نے ان کو دیکھ کر فریاد کی کہ اے حمزہ تجھے معلوم بھی ہے کہ آج ابو جہل نے آنحضرت ﷺ سے کیا سلوک کیا ہے۔ جب انہوں نے ماجرا دریافت کیا تو اس نے بتادیا کہ ابو جہل نے پہلے آنحضرت ﷺ کو زور سے دھکا دیا جس سے آپؐ منہ کے بل گر پڑے اور پھر لاتیں مار کر چلا گیا۔ یہ سن کر حضرت امیر حمزہؓ غضبناک ہو کر حرم کعبہ میں آئے اور ابو جہل کو وہاں بیٹھا دیکھ کر حملہ کر دیا اور خوب زدو کوب کی یہاں تک کہ اس کا سر اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ ابو جہل نے حیران ہو کر پوچھا کہ مجھے کیوں مار رہے ہو۔ آخر میں نے کیا جرم کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے محمدؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ابو جہل نے کہا اگر تم سن لو کہ وہ کیا کہتا ہے تو اسے قتل کر ڈالو گے۔ حضرت امیر حمزہؓ نے کہا جو کچھ وہ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ قریش کے لئے یہی تسلیم کرنا مشکل تھا کہ محمد ﷺ سچے ہیں۔ چنانچہ جونہی حضرت امیر حمزہؓ کے منہ سے یہ کلمات نکلے کہ حضرت محمد ﷺ نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے تو فوراً دوڑتے ہوئے رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ اے محمدؐ میں نے آپ کا دین قبول کیا ہے۔ اب آپ جو حکم دیں میں تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے ان کو کلمہ طیبہ پڑھایا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے امیر حمزہؓ کو بھی عجیب انکسار کی دولت سے نوازا تھا کہ چچا ہوتے ہوئے آنحضرتؐ کے تابع فرمان ہو گئے اور آپؐ کے غلاموں میں شمار ہونے لگے۔

اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب شیر خوار تھے تو حارث وحلیمہؓ آپ کو پرورش کی خاطر اپنے قبیلے میں لے گئے۔ ایک دن یہ ہوا کہ آپؐ اچانک غیب ہو گئے۔ حارث وحلیمہؓ نے بہت تلاش کیا۔ لیکن آپ کا کہیں پتہ نہ پایا۔ آخر عصر کے وقت آپ تن تنہا نہایت کمزوری اور خوف کی حالت میں جنگل سے نمودار ہوئے۔ جب انہوں نے پوچھا کہ آپ کہاں گئے تھے تو فرمایا کہ میں کھیل رہا

تھا کہ دو آدمی آئے اور فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر میرا سینہ چاک کیا۔ انہوں نے میری انتڑیاں باہر نکال لیں طشت اور آفتابہ ان کے پاس تھا۔ انہوں نے میری انتڑیوں کو دھو کر نور سے پر کر دیا اور سینہ میں رکھ کر پھر سے سی دیا۔ چنانچہ آپ نے جب پیراہن اٹھا کر دکھایا تو سلائی کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔ آپ اکثر کھیل کود کے دوران محویت کی حالت میں کہہ دیتے تھے کہ میں نبی آخر زمان ہوں۔ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے۔ میں وہ ہوں کہ دین عیسیٰؑ کو باطل کروں گا۔ اور دینِ موسیٰؑ کو محو کروں گا۔ بتوں کو توڑ دوں گا۔ اور سب پر فتح پاؤں گا۔ حارث اور حلیمہؓ جانتے تھے آپ رئیس مکہ حضرت عبدالمطلب کے پوتے اور حضرت عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ آپ صحرا میں اکیلے رہتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں۔ جس سے سارا جہان آپکا دشمن ہو جائے گا۔ اگر کسی نے آپکی جان پر حملہ کر دیا تو ہم کیا جواب دیں گے اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فوراً مکہ پہنچا دیا۔

پنجشنبہ ۲۰/ ذی الحجہ

چاشت کے وقت ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور آپ کا دیدار ہمارے لیے باعث خیر و برکت ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے اعتقاد پر منحصر ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص محض خیر ہوتا ہے۔ لیکن جب شخص اس سے شر کی توقع کرے تو شر ہی سے پیش آتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک آدمی محض شر ہوتا ہے لیکن اس سے خیر کی توقع کی جاتی ہے۔ تو خیر ہی سے پیش آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کا دیدار جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کرتے تھے خیر و برکت کے منتظر رہتے تھے اور خیر و برکت ہی پیش آتی تھی۔ لیکن ابو جہل ملعون صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کا رخ انور دیکھتا تو اسے (نعوذ باللہ) فال بد تصور کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ کوئی برائی پیش آئے گی۔ فرمایا ایک دفعہ صحرا میں ایک قافلہ جا رہا تھا۔ جس کے ساتھ ایک بزرگ سفر کر رہے تھے۔ لیکن وہ بزرگ کسی وجہ سے قافلے سے علیحدہ ہو گئے اور راستہ بھول گئے۔ جب پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو موت یقینی ہو گئی۔ اب وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے۔ اس نے سنا تھا کہ جب کوئی پیاس کی وجہ سے مرتا ہے تو موت سے پہلے اس کی آنکھوں سے چند قطرے پانی کے نکلتے ہیں اور پھر مر جاتا ہے وہ اُن قطروں کی انتظار میں تھا

کہ اچانک ایک سانپ نے حملہ کر دیا۔

سانپ کو دیکھ کر اس بزرگ نے دوڑنا شروع کر دیا اور سانپ ان کے پیچھے ہولیا نہ سانپ اتنا تیز دوڑتا تھا کہ ان کو جا لے نہ اتنا کم رفتار ہوتا تھا کہ وہ بزرگ بھاگنا ترک کر دیں۔ رفتہ رفتہ وہ ایک پہاڑی کے قریب پہنچے اور جب پناہ لینے کی خاطر پہاڑ پر چڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں پانی کا ایک بڑا تالاب ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو سانپ بھی غائب ہے۔ انہوں نے تالاب پر جا کر خوب پانی پیا اور ہاتھ منہ دھو کر دیکھا تو اپنے قافلہ کو بھی پاس ہی قیام پذیر پایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس بزرگ نے سانپ کو دیکھا تو اس سے خیر کی توقع کی تھی۔ اس کے بعد آپ نے یہ تین غزلیں املا کرائیں۔

غزل

۱۔ مسلمان مرا فریاد فریاد نہ کرد است آں جواں گاہے دلم شاد

۲۔ ہمہ کس درخوشی و ذوق و مستی مرا مادر برائے درد و غمزاد!

۳۔ زتو جوروستم تسلیم از من قضا را ایں چنینی تقدیر برافتاد

۴۔ زمن لذّت دشنام خوباں پریشاں شد ہمہ تسبیح و اوراد

۵۔ مرا از آتشِ ہجراں اُمید است کہ سوزد و سازد تا بہر باد

۶۔ غباری افتد و شاید دراں در بدیں دولت شود جاں از غم آزاد

۷۔ چناں از سقفِ چشم ے فتد آب ہے ترسم فرد افتدزِ بنیاد!

۸۔ عفاک اللہ ز درد و محنت و غم سلام اللہ محمد راست یزداد

(۱۔ اے مسلمان بھائیو میرے دل سے ہر وقت فریاد نکلتی ہے کیونکہ میرے محبوب نے کبھی بھی میرا دل خوش نہیں کیا۔

۲۔ ہر شخص خوش ہے اور ذوق و مستی میں جھوم رہا ہے لیکن میری ماں نے مجھے درد و غم کے لئے جنا ہے۔

۳۔ اے دوست تیری طرف سے ہر وقت جور و ستم ہے اور میری طرف سے تسلیم و رضا ہے شاید یہی مرا مقدر تھا۔

۴۔ محبوب کے جور و ستم سے میرا یہ حال ہے کہ اوراد اور وظائف سب برباد ہو گئے ہیں۔

۵۔ مجھے ڈر ہے کہ آتش عشق مجھے جلا کر خاک کردے گی اور خاک کو بھی ہوا میں اڑا دے گی۔
۶۔ ممکن ہے کہ جب میری خاک ہوا میں اڑے اس وقت مجھے دردِ عشق سے نجات مل جائے۔
۷۔ میری آنکھوں سے اس قدر پانی جاری ہے کہ شاید میری ہستی کی بنیاد ہی بہہ جائے۔
۸۔ زہے دردِ محبت اور غم کہ محمدؐ جان سلامت نہ لے جا رہا ہے۔

غزل

۱۔ برد دل را جوانِ سادہ زاد عقل را کند عشق از بنیاد
۲۔ ہر کجا عدل است انصاف نیست در شرع عشق جز بیداد
۳۔ لعل شریں بکام خسرو دہ کوہ شیریں سپار بر فرہاد
۴۔ مرغ در دام عشق گر افتاد زیں قفس کے بگردد او آزاد
۵۔ نیست امید زیست وخاستنش ہر کہ او تیرِ عشق خورد افتاد
۶۔ ہر کہ اورا شود مزید جمال درد اندوہ من شود یزداد
۷۔ ذوقِ وشنام یار برد ز من راحتِ ذکر لذت اوراد
۸۔ اے محمد بجز تو کیست دگر بندۂ وقت از جہاں آزاد

(۱۔ اس نوجوان محبوب نے دل لے لیا اور اس کے عشق نے عقل کو تباہ کر دیا۔
۲۔ ہر جگہ عدل و انصاف ہے لیکن قانون عشق میں ظلم ہی ظلم ہے۔
۳۔ لب لعل کو خسرو پرویز کے حوالہ کر اور شرین کا پہاڑ فرہاد کو دے۔
۴۔ مرغ دل جب دام عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے تو رہائی ناممکن ہو جاتی ہے۔
۵۔ جس نے تیر اتیرِ عشق کھایا زندگی سے ناامید ہوا۔
۶۔ جونہی محبوب کے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے میرا درد و غم بڑھتا ہے۔
۷۔ دوست کے جور و ستم کی لذت کے سامنے راحت ذکر اور لذت اوراد ماند پڑ گئی ہے۔
۸۔ اے محمد تیرے سوا اور کون ہے خوش وقت ہو جا اور جہاں سے آزاد ہو کر رہ۔

غزل

۱۔ آں سادہ کہ ہست خواجہ زادہ دین و دل من بہ باد دادہ

۲۔ او را ہمہ روز نیست کارے جز گشتن باغ و نوش بادہ

۳۔ اں مغبچہ را ہر کہ دیدہ! زنار بہ بستہ بر کشادہ

۴۔ ایدوست ہم شود میسر من گردم خاک در فتادہ

۵۔ گر عاشق پارسا است و زاہد او منحرف از طریق و جادہ

۶۔ بوالفتح اگر تو عشق بازی! بربند گلوئے خود قلادہ

۷۔ انکار بدست یار بسیار ہر سو کہ برد برد کشادہ

۸۔ در کعبہ و در کلیسا ہم رو! اخلاص دریا وداع دادہ

(۱۔ اس محبوب سادہ مزاج نے جوامیر زادہ ہے میرا دل ودین برباد کرڈالا ہے۔

۲۔ اسے سارادن سوائے باغ کی سیر اور شراب نوشی کے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔

۳۔ اس محبوب کو جوکوئی دیکھتا ہے ہرقوت زنار لگائے ہوئے اور آغوش کشادہ نظر آتا ہے تا کہ دلوں کا شکار کرے۔

۴۔ اے دوست میری خواہش ہے کہ تیرے کوچہ کی خاک ہواور میں اس پر پڑا رہوں۔

۵۔ جو عاشق پارسائی اور زہد کا دم بھرتا ہے یقین جان کہ وہ طریقت سے منحرف ہے۔

۶۔ اے ابوالفتح اگر تو عاشق صادق ہے تو گلے میں اس کی غلامی کا طوق ڈال لے۔

۷۔ دوست انکار کا عادی ہے جدھر دیکھو آزاد پھر رہا ہے۔

۸۔ تم چاہو تو کعبہ کے اندر جاؤ یا کلیسا کے اندر' اخلاص اور ریا کو الوداع کہہ دو۔)

یکشنبہ ۲۳/ذی الحجہ

زیارتِ اہل دل

ظہر کے وقت اہلِ دل کی زیارت کا ذکر ہورہا تھا۔فرمایا ایک دن ایک بزرگ قبرستان میں سے گزر رہے تھے۔کیا دیکھتے ہیں کہ اہل قبور کے درمیان شور برپا ہے۔انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ

یہ کیا شور مچا رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک ہفتہ ہوا۔ یہاں سے حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کا گذر ہوا۔ انہوں نے ہمارے لیے ایک فاتحہ پڑھی۔ ہم اب تک اس کا ثواب آپس میں بانٹ رہے ہیں لیکن ختم نہیں ہوتا۔ شور کی یہی وجہ ہے۔

عذاب قبر میں تخفیف کی وجہ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول خدا ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان دو قبروں والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ جس گناہ کی وجہ سے ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ ان کے لیے اس کا ترک کرنا کوئی مشکل بھی نہ تھا۔ ان میں سے ایک پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا لوگوں کی غیبت کرتا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک درخت سے ہری ٹہنی توڑ کر قبروں پر رکھ کر فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی۔ ان پر عذاب ہلکا ہوگا۔ اس کے متعلق بعض علماء کا تو یہ خیال ہے کہ تر گھاس کا ذکر ہوتا ہے۔ اس لیے عذاب کم ہوتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ وتقدس نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شیٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ.

(کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو۔) لفظ شے میں خشک و تر دونوں شامل ہیں۔ اس لیے صرف ہری شاخ کے ساتھ تسبیح منسوب کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ لیکن تخفیفِ عذاب کی حقیقی وجہ معجزہ نبی ہے۔ بس آپ نے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ جب تک یہ شاخ ہری رہے عذاب میں کمی کی جائے۔ کمترین بندگان (سید اکبر حسینی جامع ملفوظات) عرض پرداز ہے کہ کتاب شرح مصابیح جس کا نام میسرہ ہے میں لکھا ہے کہ تخفیف عذاب کی اصل وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے دعا کی تھی اور یہ کہنا کہ تر شاخ چونکہ ذکر کرتی ہے اس کی برکت سے عذاب کم ہوتا ہے یہ قول اہل علم کے لیے ناقابل قبول ہے۔

فضائل حضرت ابو طالبؓ

اس کے بعد حضرت ابو طالبؓ رسول خدا ﷺ کے چچا کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ نوشیرواں نے کونسا عدل کیا تھا اور حاتم طائی نے کونسی سخاوت کی تھی۔ کہ ان پر عذاب تخفیف ہو۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ایسے تابوت میں ہیں کہ جس کے اندر آتش دوزخ نہیں پہنچ سکتی۔ بات یہ ہے کہ نوشیرواں کا عدل اس زمانے کے جابر اور ظالم بادشاہوں کے مقابلے میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اور حاتم طائی کی سخاوت سرزمین

عرب کے قحط اور غربت کی وجہ سے زیادہ مشہور ہو گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابو طالبؑ کے عذاب میں تخفیف کی وجہ ان کی وہ امداد تھی جو رسول خدا ﷺ سے انہوں کی۔ اگر چہ یہ امداد بھی خدا کی مہربانی سے تھی۔ تاہم امداد ضرور تھی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ تن تنہا تمام امراء و رؤسائے عرب کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اگر حضرت ابو طالبؑ ان کی امداد نہ کرتے تو کام بہت دشوار ہو جاتا۔ ایک دن عرب کے تمام اکابر جمع ہو کر حضرت ابو طالب کے گھر آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا درخواست ہے۔ انہوں نے کہا کہ قریش عرب میں تم ایک خوبصورت، خوب سیرت، عقلمند اور تنومند جوان پسند کر لو۔ ہم اس کو آپ کے حوالے کر دیں گے اور آپ اس کو اپنا بیٹا بنا لیں اور باپ کی طرح اس کو ہر قسم کی جائیداد میں بھی وارث بنالیں لیکن محمد کی مدد کرنا چھوڑ دو۔ ہم جانیں اور وہ۔ حضرت ابو طالب نے جواب دیا کہ تم بھی عجیب لوگ ہو۔ کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی شخص نے اپنوں کو ترک کر دیا ہو اور غیر کو اپنا بنا لیا ہو۔ یہ سُن کر وہ واپس چلے گئے۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ محمدؐ (نعوذ باللہ) کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد ابو طالب جو چاہے کرتا پھرے۔ جب یہ بات حضرت ابو طالب کو معلوم ہوئی اُس وقت رسول اللہ ﷺ غارِ حرا میں مشغول بحق تھے۔ آپ کو بہت فکر لاحق ہوئی۔ اس روز اتفاق سے آنحضرت ﷺ نے بھی واپس آنے میں کچھ دیر لگا دی تھی۔ حضرت ابو طالب کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خدانخواستہ دشمنوں نے شرارت نہ کی ہو۔ چنانچہ انہوں نے بنو ہاشم کے نوجوانوں کو جمع کر کے بیت اللہ میں اس غرض سے بھیجا کہ قریش کے تمام سردار وہاں جمع ہیں ان کے سروں پر ننگی تلواریں لے کر کھڑے ہو جاؤ اور انہوں نے کچھ آدمی غار حرا کی طرف دوڑا دیئے تا کہ آنحضرت ﷺ کو بحفاظت گھر لے آئیں۔ لیکن ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جب آپ صحیح سلامت گھر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد حضرت ابو طالب تلوار گردن میں ڈال کر بیت اللہ میں تشریف لے گئے اور اکابر قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اے سردارانِ قریش تم نے دیکھ لیا کہ میں بنو ہاشم کے جوانوں کو ننگی تلواریں دے کر تمہارے سروں پر کھڑا کیا تھا۔ یاد رکھو اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سن کر قریش نے کہا کیا کیا جائے یہ مصیبت ٹلنے کی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت علیؑ کی والدہ فاطمہؓ سے حضرت ابو طالب سے کہا کہ ہمارا بیٹا علی محمد کے پاس دیوانہ وار بیٹھ کر اس کی عجیب و غریب باتیں سنتا رہتا ہے ممکن ہے کہ قریش طیش میں آ کر

ان کو نقصان پہنچائیں اور ہمارا بیٹا اس کی وفاداری میں مارا جائے اور سارے جہان میں ہماری بدنامی ہو جائے۔ بہتر یہ ہے کہ علیؓ کے پاس جا کر اس کو محمد کی صحبت سے علیحدہ کرو۔ چنانچہ ابوطالب غار حرا کی طرف روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں مشغول ہیں۔ یوں ہوتا تھا کہ پہلے حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے اور حضرت زیدؓ پہاڑ پر بیٹھ کر نگہبانی کرتے تھے۔ اس کے بعد زیدؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے اور حضرت علیؓ پہاڑ پر بیٹھ کر دیکھتے رہتے تھے۔ جب حضرت ابوطالب وہاں پہنچے تو حضرت علیؓ رسول خدا ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوطالب نے پوچھا کہ اے محمدؐ یہ کیا کر رہے ہو۔ آپؐ نے جواب دیا کہ اسے نماز کہتے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ بھی۔ چچا جان یہ نہایت ہی اچھا مذہب ہے آپ ضرور اسے قبول کریں۔ انہوں نے پوچھا کہ اس دین میں کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کل قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے۔ حضرت ابوطالب نے کہا۔ ہوگا۔ آپؐ نے جواب دیا کہ قیامت کے دن لوگوں کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔ ان میں سے جو لوگ اس دین پر ہونگے۔ ان کو بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ بہشت کسے کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بہشت کی صفت بیان فرمائی۔ اور پھر فرمایا کہ جو شخص اس دین پر نہ ہوگا۔ اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ دوزخ کیا چیز ہے۔ آپ نے دوزخ کی کیفیت بیان فرمائی۔ اس کے بعد حضرت ابوطالب نے اپنے آباؤ اجداد کا حال دریافت کیا۔ اور پوچھا کہ کیا عبدالمطلب بھی دوزخ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ہاں جو کوئی بھی ہو اگر وہ اس دین میں نہیں ہے دوزخ میں ہو گا۔ یہ سن کر حضرت ابوطالب نے کہا کہ اے محمد ﷺ تم سچ کہتے ہو۔ یہ دین بہت اچھا دین ہے جاؤ۔ اس کو ظاہر کرو۔ اور کسی سے نہ ڈرو جو کوئی مخالفت کرے گا منع کریگا۔ میں جانوں اور میرا کام۔ اس کے بعد حضرت ابوطالب نے اپنے بیٹے حضرت علیؓ سے کہا کہ بیٹے یہ اچھا دین ہے اسے قبول کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابا جان میں نے یہ دین قبول کرلیا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا کیا۔ مبارکباد۔ نیز حضرت بی بی خدیجہؓ کے نکاح کے وقت بھی حضرت ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کی بہت تعریف کی کہ بہترین جوان ہے اور سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہے۔ لیکن آخر وقت تک اسلام کی دولت سے محروم رہے اور یہی کہتے رہے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور دین حق کی جس

قدر مدد کی تو ان کے عذاب میں تخفیف کیوں نہ ہوتی اور ان کے حق میں رسول خدا ﷺ کی دعا برائے تخفیف عذاب کیوں نہ کرتے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے یہ غزل اِملا کرائی۔

غزل

۱۔ شراب عشق را لعل تو پیمان است — بہر کہ پُر دہی سَر مست و حیران است

۲۔ سرِ زلف کہ دام صید دلہا است — جہان سر گشتہ دیوانہ پریشان است

۳۔ لب لعل وسیہ خالے براں لب — درین صورت جمال کفر و ایمان است

۴۔ تو در عیش و خوشی احسنت انصاف — مرا گوئی دردت جائے درمان است

۵۔ ترا با من ہمیں عکس و عداوت — مرا دل ہر نفس اے یار خواہان است

۶۔ بلائے من دریں پیری و گر نیست — مگر کہ دل گرفتار جوانان است

۷۔ محمد پیر شد عیش ہمیں است — ہمیں با کودکان در گوئے و چوگان است

(۱۔ شراب عشق ترے لب لعل کے جام میں ملتا ہے جسے تو نے جام پر کر دیا مست ہوا۔

۲۔ لب لعل اور اس پر سیاہ خال کیا ہے کفر و ایمان دونوں عروج پر ہیں۔

۳۔ تیری زلف کیا ہے دلوں کو گرفتار کرنے کا جال ہے جس سے سارا جہان پریشان اور حیران ہے۔

۴۔ کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے کہ تو خود تو عیش و خوشی میں ہے اور مجھے یہ فرمان ملے کہ درمان مت طلب کرو کیونکہ تمہارا درد ہی درمان ہے۔

۵۔ تجھے میرے ساتھ ہر وقت مخاصمت اور مخالفت ہے لیکن میرا دل ہر وقت تیرا مشتاق ہے۔

۶۔ بڑھاپے میں میری سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ میرا دل محبوبان عالم کے عشق میں گرفتار ہے۔

۷۔ محمد بوڑھا ہو گیا لیکن حسینان جہان کی عشقبازی سے باز نہیں آیا[1]۔

---

[1] بوڑھاپے میں عشق مجازی بہت نادر چیز ہے کیونکہ اس وقت عوام بھی یہ کام چھوڑ دیتے ہیں اور اولیاء اللہ عشق حقیقی میں غرق ہو جاتے ہیں۔ البتہ جن بلند مرتبہ حضرات کو مقام جامعیت حاصل ہے۔ یعنی بیک وقت فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں وہ محبوبان مجازی میں حسن حقیقی کے جلوے دیکھ کر عشق مجازی کی طرف بھی مائل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بہت نادر چیز ہے۔ تاریخ اسلام میں صرف تین بزرگ آخری عمر میں مجاز پرست رہے ہیں۔ شیخ اوحد کرمانیؒ، شیخ فخر الدین عراقیؒ اور شیخ احمد غزالیؒ۔

در کوے خرابات مغازا بہ برم — در مجلس طامات جواں رابہ برم
من ہر چہ کنم مرا رواست ولیک — شیخے است محمد بلے من تذویرم

پنجشنبہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

نحوست دنیا

عشاء کے وقت ایک درویش کے ساتھ دنیا کی محبت کی نحوست پر گفتگو فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا جمال الدین ہانسوی یعنی حضرت شیخ قطب الدین منور کے دادا حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ الاسلام کی حیات ہی میں وصال پا چکے تھے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے بیٹے مولانا برہان الدینؒ کو لوگ حضرت بابا فرید الدینؒ قدس سرہٗ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ حضور یہ مولانا جمال الدین کے بیٹے ہیں۔ جس طرح آپ نے والد پر نظر کرم فرمائی تھی بیٹے پر ہو جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ نظر جو ہمارے پاس تھی۔ اب نہیں رہی یہ سن کر حاضرین رونے لگے کہ حضور یہ بات آپ نے کیوں کہی۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ آپکی نظر ہر روز تیز تر ہو رہی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ جس روز بادشاہ نے ہمارے پاس آ کر چاندی کی بوری پیش کی اور ہم نے قبول نہ کی نہ ہی ہمارے متعلقین میں سے کسی نے قبول کی تو اس نے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو آپ کے دروازے پر آپ کے نام سے یہ چیز خیرات کر دوں۔ کیونکہ وہ بہت پریشان ہو رہا تھا میں نے اجازت دے دی۔ اس واقعہ کے بعد میری نظر جو تھی۔ وہ نہیں رہی۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے یہ غزل لکھوائی:

۱۔ شیریں بہ خسرو آب دہ فرہاد را سنگسار کن	وملت بخاصان بخش شد ما را خصوصی افکار کن
۲۔ خاطر پریشان مے رَود جمع آمدم لطفے بکن	گیسوئے سر پیچیدہ را بکشاہ برہنجار کن
۳۔ نشیدہ مارسیہ دعوہ قتالے میکند	بنما سر گیسو خود افسوں گری درکار کن
۴۔ بر طور موسیٰ بودہ ام برکوہ لبنان گشتہ ام	چنیاں سر حلقین راپس ہر دو زیر بار کن
۵۔ خود سرو رآں یا کجا با تو برابر ایستد	گر گل بشوخی رخ کند او راقرین کار کن
۶۔ گر حسن با حسان خود پیرایۂ زیبا شود	از ما ہمہ جرم و خطا تو رحمتی ایثار کن
۷۔ گر پرتو چہرہ بری ابوالفتح را سایہ فگن	دیوانہ شد اے ساحرابتِ روم را احضار کن

جُمعہ مبارک ۲۸/ذی الحجہ ۸۰۲ھ

نمازعشا کے بعد اہل دنیا کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا لوگوں کا عجب حال ہے کہ خوار رہتے ہیں، مردار مرتے ہیں شرمسار اٹھتے ہیں اساری عمر شکم پروری اور لباس فاخرہ زیب تن کرنے میں ضائع کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ساری عمر نفس پروری کرنا خواری کی زندگی بسر کرنا ہے چونکہ ایسی زندگی میں تصفیہ قلب حاصل نہیں ہوتا لازماً مردار ہو کر مرتا ہے اور جب مردار ہو کر مرتا ہے تو یقیناً قیامت کے روز شرمسار ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ زندگی بھی بہت بڑی قیمتی چیز ہے جو شخص کسی مرتبہ کو پہنچا اسی زندگی کی بدولت پہنچا۔ اگر انبیاء اور اولیاء عمر عزیز کو لہو ولعب میں گزار دیتے تو برباد ہو جاتے۔ فرمایا ایک بزرگ تھے جو خلق سے بالکل علیحدہ رہتے تھے اور کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات غمگین رہتے تھے۔ ایک دفعہ شہر میں ایک واعظ آئے۔ لوگوں نے اس بزرگ سے کہا کہ اگر آپ بھی اس کے پاس جائیں تو کوئی حدیث سن لیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول خدا ﷺ کی طرف سے ایک حدیث ملی ہے۔ اور تیس سال سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن اب تک یہ بات میسر نہیں آئی۔ وہ حدیث یہ ہے **ان من جزء اسلام المرء ترک ما لا یعنیہِ۔**

(بے کار باتوں کا ترک کرنا جزو اسلام ہے) اور میرے نزدیک میرے خدا کے سوا ہر چیز بے کار ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس حدیث پر عمل کر کے رہوں گا۔ اس کے بعد دوسری احادیث کی طرف متوجہ ہوں گا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے یہ غزل لکھوائی۔

۱۔ گر بار سرِ زلف تو نہ نازم چکنم ۔۔۔ در باغم سوز تو نہ سازم چکنم

۲۔ از یار اگر بلا رسد ے شاید ۔۔۔ چوں بوسہ زنم اگر نہ کازم چکنم

۳۔ دربستہ اگر بایار بازے شنیم ۔۔۔ گرداں طرف نہ فرازم چکنم

۴۔ گر دست رسد کہ سر نہم درتہ پا ۔۔۔ اکنوں نہ کہ خود بخود فرازم چکنم

۵۔ آں سرو توئی کہ سبزہ آرد بار ۔۔۔ گو سرو بگو یدمَن درازم چکنم

۶۔ گر گویدم خواجگاں فلاں بندہ ہست ۔۔۔ آنگہ چہ سرزد کہ در گزارم چہ کنم

۷۔ محمود اگر نے خرد بندۂ خود ۔۔۔ بوالفتح اگرچہ من ایازم چہ کنم

۸۔ گفتم بغلط بری نمک دارد خود شرمندہ شوم ہمیں گدازم چکنم

(ا۔ اگر میں تیری زلف پر ناز نہ کروں تو کیا کروں اور تیرے غم کے ساتھ خوش نہ ہوں تو کیا کروں۔

۲۔ اگر دوست سے کوئی مصیبت پہنچے تو اسے چوم کر سر پر نہ رکھوں۔ تو کیا کروں۔

۳۔ اگر دوست کے ساتھ خلوت نصیب ہو جائے تو اس کی زلف کی طرف ہاتھ نہ اٹھاؤں تو کیا کروں۔

۴۔ اگر مجھے تیرے قدموں کے نیچے سر رکھنے کا موقعہ مل جائے تو میرا سر خود بخود بلند نہ ہو تو کیا ہو۔

۵۔ اے دوست تو وہ سرو ہے کہ سبزہ لاتا ہے اگر سرو بلند کا تماشا نہ کروں تو کیا کروں۔

۶۔ گر خواجہ کہے کہ اے فلاں تو میرا بندہ ہے تو پھر اس بندگی میں فنا نہ ہو جاؤں تو کیا کروں۔

۷۔ اگر محمود (سلطان حقیقی) اپنے بندہ کو بندہ نہ بنائے تو ابوالفتح جیسا ایاز کیا کرے۔

اس کے بعد اپنی یہ رباعیات لکھوائیں۔

۱۔ رباعی

ا۔ پے شمع رُخے اگر نسوزم چکنم صد پارہ دل شدہ نہ دوزم چکنم

۲۔ چوں عکس وی نہ مہر در چشم آید اے مردم اگر نمے فروزم چکنم

(ا۔ محبوب کے شمع جسے چہرہ پر پروانہ کی طرح نہ جل جاؤں تو کیا کروں اور اپنے سو ٹکڑے دل کو اکٹھا نہ کروں تو کیا کروں۔

۲۔ جب اس آفتاب کا عکس میری آنکھوں میں پڑتا ہے تو شمع کی طرح روشن نہ ہو جاؤں تو کیا کروں۔

۲۔ رباعی

ا۔ از درد فراق اگر نہ نالم چکنم شب و روز اگر نہ در خیالم چہ کنم

۲۔ ے گوئی باتو امٗ نہ ام ہرگز دور در عین حضور بے وصالم چہ کنم

(ا۔ دردِ فراق کی وجہ سے گریہ نہ کروں تو کیا کروں رات دن تیرے خیال میں نہ رہوں تو کیا کروں۔

۲۔ اے دوست تو کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ دور نہیں ہوں۔ اب عین حضوری میں اگر مہجوری محسوس کروں تو کیا کروں۔

شرح: عین حضوری میں فراق کا یہ مطلب ہے کہ جن حضرات کے اندر آتشِ عشق کے بے پناہ شعلے

ہر وقت بھڑکتے رہتے ہیں۔ تو وہ قرب وحال کی خواہ جتنی منازل طے کریں مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ هَلْ مِنْ مَّزِيْد کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں۔

اس لئے ان کے لیے قرب بھی ہجر بن جاتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما　　چہ قیامتے کہ نمے رسی ز کنار ما بکنار ما

روز شنبہ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ قدس سرہ کے فضائل

اشراق کے وقت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ قدس سرہ کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جس وقت میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں شرف بیعت حاصل کیا آپ کی عمر تقریباً ستر برس تھی۔ میری کم سنی کے باوجود آپ مجھ پر اس قدر مہربان تھے کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس سے اکثر لوگ حسرت کرتے تھے اور بعض کو تعجب ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب دہلی میں وبا پھیل گئی تو موت عام تھی۔ غسال مردوں کو غسل دے دے کر تنگ آ گئے تھے۔ ہمارے محلے میں کئی گھروں کو تالے لگ چکے تھے۔ کوئی نہ کوئی تھا جو چراغ جلائے۔ میں بھی اسی وبا میں مبتلا ہو گیا اور زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ عورتوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔ میری والدہ نے میرے بھائی کو حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا تاکہ بیماری کی اطلاع دی جائے۔ حضرت شیخ اشراق کے وقت مصلّے پر تشریف رکھتے تھے۔ میرے بھائی کو دیکھتے ہی آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے بھائی کا کیا حال ہے۔ میرے بھائی کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور حضرت اقدسؒ کے قدموں پر گر گیا۔ حضرت شیخ نے ان کو اٹھا کر پوچھا کہ ہمارا سیّد کیسا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر گھر جا کر ان کو زندہ دیکھ لوں تو بہت خوش قسمتی ہو گی۔ حضرت شیخ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر فرمایا جاؤ۔ اپنی والدہ کو ہمارا سلام کہو اور اطمینان دلاؤ کہ اگر تمہارے لڑکے کو کچھ ہو جائے تو میں ضامن ہوں۔ وہ زندہ رہے گا۔ اور صحت یاب ہو جائے گا۔ میرے بھائی خانقاہ سے نکل کر باہر گئے تو حضرت اقدس نے پھر طلب کیا۔ اور فرمایا کہ راستے میں خواجہ جہاں کی بازار سے دو چیتل کا چرائتہ خرید کر لیتے جانا اور اپنے بھائی کو پلاؤ۔ میں دوڑتا ہوا گیا اور چرائتہ خرید کر گھر لے گیا اور باہر سے کان لگائے کہ شاید اندر سے رونے کی آواز تو نہیں آ رہی ہے۔ اندر گیا تو

عورتوں کو اسی طرح اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ مجھے دیکھ کر دوڑتی ہوئی آئیں اور پوچھا کہ حضرت نے کیا فرمایا ہے۔ میں نے انہیں حضرت اقدس کی خوشخبری سنائی۔ اور اپنی والدہ کو سلام بھی کہا۔ سب نے سن کر آہ بھری اور کہا کہ اب اس کی زندگی کی کیا امید ہے۔ پھر بھی حضرت کا فرمان سر آنکھوں پر ہے۔ میں نے چرائتہ کا سفوف بنا کر والدہ کو پلانے کے لیے دیا تو سب عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ تو گلاب اور شربت پلانے کا وقت ہے۔ نہ کہ تلخ دوا کا۔ بھائی نے سختی سے کہا کہ جس طرح حضرت شیخؒ نے فرمایا ہے وہی کیا جائے تا کہ یہ حسرت نہ رہ جائے کہ شیخؒ کے حکم پر کسی نے عمل نہ کیا۔ میں پڑا یہ سب گفتگو سن رہا تھا۔ حضرت شیخؒ کا نام سن کر میں نے پوچھا کہ تم لوگ کیا کہہ رہے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ شیخؒ نے چرائتہ پینے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا پھر سوچ کیا رہے ہو فوراً دے دو۔ چنانچہ انہوں نے پانی میں بھگو کر چرائتہ مجھے پلایا۔ سبحان اللہ! اس قدر کڑوی دوا تھی لیکن لذت اس میں آب حیات کی تھی۔ دوا کے پیتے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بخار جاتا رہا اور چند روز کے بعد کمزوری کے سوا باقی کچھ نہ رہا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے شیخؒ نے فرمایا کہ میری صحت کے لیے دعا کرو۔ چنانچہ میں اس کام مشغول ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ دعا مانگ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کی صحت کے لیے۔ اس وقت آپ نے بہت مہربانی کر کے فرمایا کہ اچھا مانگو جو کچھ مانگ سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنے شیخؒ کی موجودگی میں اس دنیا سے اٹھا لے۔ یہ سن کر آپ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا کہ میں بھی یہی آرزو رکھتا تھا کہ اپنے شیخؒ کے سامنے مَروں۔ لیکن میری تمنا پوری نہ ہوئی پھر مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ میں نے تعمیل کی۔ لیکن مجھے اس دن سے یقین ہو گیا کہ حضرت شیخؒ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور مجھے ان کی جدائی برداشت کرنا پڑے گیا۔•

رسول خدا ﷺ کا پسینہ اور خوشبو

اس کے بعد خراسان، عرب اور ہندوستان کے عطریات کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عرب میں سب سے زیادہ خوشبو رسول اللہ ﷺ کا پسینہ مبارک میں تھی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ حجراتِ مستورات میں ایک حجرہ میں سو رہے تھے۔ آپ کی پیشانی

مبارک پر پسینے کے قطرے جمع ہو گئے تھے۔ جب ام المومنین نے پیشانی سے پسینہ اٹھانے کی کوشش کی تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپؐ نے پوچھا کہ اس پسینہ کو کیا کرو گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ کے پسینے کو خوشبو بنا کر رکھوں گی۔ کیونکہ اس خوشبو سے بہتر دنیا میں کوئی خوشبو نہیں ہے۔

حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ کے فضائل

اس کے بعد حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ یہ دونوں جگر گوشان علیؓ ندی کے کنارے جا رہے تھے۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی غلط طریقے سے وضو کر رہا تھا۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم دونوں چھوٹے ہیں ہم کس طرح ایک بوڑھے آدمی کو وضو غلط کرنے سے کہیں کہ تم کو وضو کرنا نہیں آتا۔ انہوں نے بوڑھے کے پاس جا کر کہا کہ ہم وضو کرتے ہیں آپ دیکھ کر بتائیں کہ کون وضو صحیح کرتا ہے اور کون غلط۔ یہ کہہ کر دونوں نے وضو کرنا شروع کیا۔ جب وضو ختم ہوا تو بوڑھا دوڑ کر ان کے قدموں میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ فرزندانِ رسول ﷺ آپ دونوں وضو کرنا جانتے ہیں لیکن میں نہیں جانتا۔ اب آپ نے مجھے وضو کرنا سکھا دیا۔

روز یکشنبہ ۳۰/ذی الحجہ ۸۰۲ھ

ماہ محرم کی پہلی شب کی نماز

محرم کی پہلی شب کو عشاء کی نماز کے بعد یہ بندہ ماہ محرم کے چاند کی مبارک باد پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ آج رات چھ رکعت نماز نفل اس ترکیب سے پڑھانا کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے اور ہر رکعت کے بعد سبحان اللہ الملک القدوس آخر تک تین بار پڑھا جائے۔ جاؤ خود پڑھو اور دوسروں کو پڑھاؤ۔

روز دوشنبہ۔ یکم محرم الحرام ۸۰۳ھ

عصر کے بعد گریہ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا پہلے مجھے بہت رونا آتا تھا۔ لیکن جب سے آیہ کریمہ **وَجَاء اباهم عشاء يبكون**۔ (یوسف علیہ السلام کے بھائی عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے' کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول دیکھا ہے کہ رونا اٹھارہ قسم کا ہوتا ہے۔ ان میں سے صرف ایک کی بناء خلوص پر ہے باقی کی نفاق اور مکر پر ہے تو اس

دقت سے رونا کم کر دیا۔ پھر لکھا ہے کہ **اذا وکب الرجال النفاق عیناہ البکا** (جب آدمی منافق ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں رونے لگتی ہیں۔) یہ دیکھ کر میں نے کوشش کی کہ کم رویا جائے کیونکہ گریہ کے رموز و اسرار سے آگاہ ہونا مشکل بات ہے۔ لہٰذا چپ رہنا بہتر ہے۔

روز سہ شنبہ۔ ۲ محرم الحرام ۸۰۳ھ

بزرگان کے لیے ناداری اور فراوانی برابر ہے

ایک دفعہ کسی شخص نے ہیبت خان کو خبر کر دی کہ حضرت مخدوم کی خانقاہ میں مالی تنگی ہے۔ انہوں نے ایک تھیلی روپوں کی بھیج دی۔ حضرت اقدسؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ہیبت خان کو میری دعا پہنچا دو اور کہہ دو کہ یہ مال اس شخص کو دیا جائے جس نے میری تنگ دستی کی آپکو خبر دی ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں اکثر تنگدستی میں مبتلا رہتا ہوں اور بعض اوقات صبح سے شام تک میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور کبھی اللہ تعالیٰ اس قدر دیتا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اگر یہ نہ ہو تو میں درویش کیسے کہلاؤں۔ جس رات کو میں فاقہ سے گزارتا ہوں تو وہ میرے لیے عید کی خوشی لاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ دروازہ سبندہ کے متصل ایک بڑے برج میں عبادت میں مشغول تھے۔ کئی روز سے فاقہ تھا۔ کئی روز تک آپ کو کوئی چیز میسر نہ آئی اور فاقہ تک نوبت پہنچ گئی جب ایک طالب علم کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے چند چھوٹے لڑکوں کو مطلع کر دیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک بزرگ رہتے ہیں جو کئی روز سے فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کھانا پکوا کر حضرت شیخ کے پیش کیا۔ آپ نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے لیے پانی طلب فرمایا۔ ہاتھ دھوتے وقت غیب سے آواز آئی کہ کھانا لانے والے نابالغ ہیں۔ کہتے ہیں کہ طعام کھلانے والا مرد بالغ ہونا چاہیے۔

کھانا لانے والے نے ہاتھ دھلاتے ہوئے عرض کیا کہ خدا رحمت کرے اس شخص پر جس نے ہمیں اطلاع دی کہ آپ فاقہ کر رہے ہیں آپ نے پوچھا کہ تمھیں کس نے بتایا۔ انہوں نے کہا ایک طالب علم نے ہمیں خبردار کیا کہ ایک بزرگ فاقہ میں مبتلا ہیں۔ اس لیے ہم کھانا لائے ہیں۔ لیکن آپ نے کھانے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ سُن کر ہیبت خان کے آدمی نے قسم کھا کر کہا ان

کو کسی آدمی نے حضرت اقدس کی تنگدستی کے متعلق خبر نہیں دی بلکہ انہوں نے کسی اور نیت سے یہ رقم ارسال کی ہے اس کے بعد اس آدمی نے عرض کیا کہ حضور میرے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی میرے لیے دعا کریں۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ اور معذرت فرما کر رخصت کر دیا۔

پنجشنبہ۔ ۴ محرم الحرام ۸۰۳ھ

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو پوشیدہ رکھتا ہے

مجلس میں اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے دوستوں کو اس طرح پوشیدہ رکھتا ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ فرمایا قیامت کے دن حق تعالیٰ اپنے بعض دوستوں کو نور کے صندوقوں میں بند کر کے دوزخ کے تہہ میں ڈال دے گا اور اُن کے متعلق کسی کو علم نہیں ہو گا کہ کہاں ہیں۔ اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ ان کو معلو ہو گا یا خدا کو معلوم ہو گا لیکن دوزخ میں ان کو عذاب نہیں ہو گا[1] نیز فرمایا کہ تاریخ عرائس میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سلیمانؑ نے فرشتہ خازنِ بحر سے کہا کہ مجھے عجائبات بحر سے کچھ دکھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ آپ حق تعالیٰ سے یہ درخواست کریں۔ کیونکہ مجھے بھی اس کا علم نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سمندر میں سے ایک بہت بڑی صندوق ایک حجرہ کی مانند نمودار ہوئی اور اس میں سے ایک نوجوان سفید پوش نکلا جس کے رخسار سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ اس نے آتے ہی پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ کیا سمندر کے باسی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا کہ میں دریا کا باشندہ نہیں ہوں تم بتاؤ کہ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میری ایک بوڑھی ماں تھی جس کی میں نے بہت خدمت کی۔ اس نے دعا کی کہ خدایا میرے بیٹے کی رحلت کے وقت اس کو ایسی جگہ پر رکھو جہاں پر کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ وہ سوائے تیرے نہ کسی کو جانے نہ دیکھے اور نہ کسی کا محتاج ہو۔ خداوند تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ ہوا یہ کہ ایک دن میں سمندر کے کنارے جا رہا تھا کہ یہ صندوق دیکھی جب وہ ساحل سمندر پر پہنچی تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس کے اندر جا کر دیکھوں کہ کیا ہے۔ جب میں اندر گیا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور صندوق سمندر کی تہ میں چلی گئی۔ اب کئی سال گذر چکے ہیں کہ میں اس سمندر میں ہوں۔ ظلمات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا لیکن عبادت میں مشغول ہوں۔

[1] کیونکہ آتش عشق آتش دوزخ پر غالب ہے۔

ایک قولِ حضرت جنیدؒ کی تشریح

فرمایا: حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔ کہ "پائے او بوسم کہ درین کار قدم بہ دورغ نہادؔ" (میں اس شخص کے قدم چومتا ہوں جس نے اس کام میں یعنی طریقت میں جھوٹا قدم رکھا) فرمایا اس قول کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کام کی عظمت اس کے دل میں ہے اور ایک بڑی چیز اور عظیم کام سمجھ کر اس کے لیے کوشش کرتا ہے اور جدوجہد کرتا ہے اور تکلف کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے[1]۔ دروغ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس نے شروع میں ریاکاری سے کام لیتے ہوئے اس راستے میں قدم رکھا۔ لیکن پھر اس کو لذت حاصل ہوئی کہ اس کی نیت صادق ہوگئی اور پھر خلوص دل سے عبادت کرنے لگا۔ یعنی بدی کی نیت سے نیک نیتی کی طرف آیا پھر واپس نہ جاسکا[2]۔

اس مضمون کے مطابق آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔ فرمایا کہ فوائد الفواد میں لکھا ہے۔ ایک نوجوان کسی عورت پر عاشق ہوگیا۔ اس عورت نے کہا میرا تمہارے ساتھ آنا ناممکن ہے البتہ ایک طریقہ ہے اگر تو اختیار کرے تو پھر میں آجاؤں گی۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ ہمارے محلے کی مسجد میں مقیم ہو جاؤ اور خوب عبادت کرو۔ اور زہد و تقویٰ اختیار کرو۔ میرا شوہر، خسر اور بھائی اور والد سب نیک لوگ ہیں اور نیک لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور معتقد ہو جاتے ہیں اور ان کے غلام بن جاتے ہیں۔ میں ان سے اجازت لے کر تمہارے پاس آؤں گی اور وہ مجھے واپس طلب نہیں کریں

---

[1] یعنی اپنی ہیچ مقداری کو مدنظر رکھتے ہوئے پھر بھی اس عظیم الشان ہستی کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ جس طرح حضرت یوسفؑ کو خریدنے کے لیے جب بڑے بڑے امراء اور روساء جمع ہوئے تو ایک بے کس بڑھیا بھی مٹھی پر روئی ہاتھ میں لے کر خریدار کے طور پر پہنچ گئی اس خیال سے کہ زیارت تو ہو جائے گی۔

[2] اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کی بری نیت سے آنے والا نیک نیت سے آنے والے کی نسبت کیوں زیادہ پسند ہے کہ اس کے قدم چوم رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دروغ کے پہلے معنی لیے جائیں تو بلاشبہ خدا تعالیٰ کو عظیم اور ناقابل حصول اور اپنے آپ کو ہیچ معذور سمجھنے والا اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو حصول حق کو آسان اور معمولی چیز سمجھتا ہے اگر دروغ کے دوسرے معنی لیے جائیں کہ ریاکاری سے اس راستے میں داخل ہوا۔ یعنی پہلے بُری نیت تھی پھر نیت صادق ہوگئی تب بھی وہ شخص نہایت قابل قدر ہے کیونکہ بد تھا احساس بدی اس کے دل میں تھا لیکن اس پستی کے باوجود وہ حق تعالیٰ کی عظمت کا قائل ہوگیا۔ بخلاف اس شخص کے جو شروع سے نیک خیال تھا اور نیک خیال ہو کر حق تعالیٰ کی عظمت کی طرف آیا۔ چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب ایک بہت بڑا اسلام کا مخالف دشمن اسلام قبول کرتا ہے تو زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اس کی زیادہ قدر و منزلت ہوتی ہے بہ نسبت ایک عام نیک روش انسان کے جو اسلام قبول کرتا ہے ایک کٹر وہابی کا صوفی ہونا غیر وہابی کی نسبت زیادہ شاندار معلوم ہوتا ہے۔

گے۔اس شخص نے اس تجویز پر عمل کیا اور اسی نیت سے آ کر مسجد میں بیٹھ گیا۔حتیٰ کہ وہ خلق خدا میں مشہور ہو گیا اور مقبول ہو گیا۔اسی عورت کا خاوند' بھائی اور والد بھی اس کے معتقد ہو گئے۔اس نے لوگوں سے اس بزرگ کی زیارت کی اجازت طلب کی۔لیکن خدا کی قدرت دیکھو اس آدمی کو حق تعالیٰ نے اس طرح اپنی طرف جذب کیا کہ اسے کسی غیر کی خبر تک نہ رہی۔جب وہ عورت آئی جو عین خلوت کی حالت میں تھی اس نے یاد دلایا کہ میں وہی عورت ہوں جسے تم چاہتے تھے۔اور جس کے لیے اس مسجد میں مقیم ہوئے اور زہد و تقویٰ اختیار کیا۔اسے یاد آ گیا اور کہنے لگا کہ اے عورت تو سچ کہتی ہے۔اسی نیت سے مسجد میں آیا تھا۔لیکن عبادت کی لذت میرے دل میں اس قدر گھر کر گئی ہے کہ اب اس سے باز نہیں آ سکتا۔اب میری حق تعالیٰ سے لَو لگ گئی ہے اور غیر کی محبت میرے دل میں نہیں رہی۔اب تو جا کر اپنا کام کر' مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔مجھے خدا تعالیٰ نے اور قسم کی نعمت عطا فرمائی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ شروع میں اس کی نیت بَد تھی۔لیکن یاد الٰہی کی برکت سے اس کی کایا پلٹ گئی۔اور نیت بد نیکی میں تبدیل ہو گئی۔اور حق تعالیٰ نے اسے اپنے ساتھ اس قدر مشغول کر دیا کہ غیر کی پرواہ نہ رہی۔

اس کے بعد فرمایا کہ مال بن دینارؒ تیس سال تک دمشق کی جامع مسجد میں محلہ اوقاف کے تحت متولی رہے۔جامع دمشق کا متولی مال و دولت میں بادشاہ سے کم نہیں ہوتا تھا وہ سارا دن تلاوت' نماز اور تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔جب رات ہوتی تو عشاء کی نماز کے بعد اپنے اپنے یاروں کے ساتھ باہر جا کر ساری رات شراب و رباب میں مشغول رہتے تھے اور ہر وہ کام کرتے تھے جو اس مجلس کے لوگ کرتے ہیں۔صبح سویرے مسجد میں آتے تھے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ایک رات حسبِ معمول اپنے دوستوں کے ساتھ شراب و رباب میں مشغول تھے کہ رباب سے یہ آواز آنے لگی۔"یا مالک ' یا مالک اَن لا تَتُوب (اے مالک' اے مالک تُو توبہ کیوں نہیں کرتا) یہ سُن کر مالک بن دینارؒ نے فوراً صدقِ دل سے توبہ کر لی اور یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔ خدا کی قدرت دیکھو' اسی روز بادشاہ اپنے امراء و وزراء کے ساتھ مسجد کی تولیت کا وقف نامہ لایا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔یاد رہے کہ وقف نامہ ہمیشہ سب سے بڑے نیک اور متقی کو دیا جاتا ہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے اس فرمان کے حصول کے لیے تیس سال

مکروفریب سے کام لیا ہے اور جھوٹی عبادت کی ہے۔ آج میں اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو کر دل اس کے حوالہ کر چکا ہوں۔ اور غیر اللہ سے بالکل بیزار ہو چکا ہوں۔ اب مجھے اس فرمان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو اور کاغذات کسی اور کو دے دو۔ غرضیکہ بادشاہ نے جس قدر کوشش کی انہوں نے ایک نہ سُنی اور بقیہ عمر یادِ الٰہی میں بَسر کر دی۔ حتّٰی کہ اپنے کام کو اختتام تک پہنچایا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے اس قول کا یہی مطلب ہے۔

"اتجمُوا علی اللّٰہ ھجوم الکٰذبین فَاِنَّ الصِّدق مقُطّعة")

ہمہ اوست کا بہانہ بنا کر ترک شریعت کا حشر

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا جو "ہمہ اوست" کا بہانہ بنا کر شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ حضرت اقدس نے اس مضمون پر جو تقریر فرمائی اس کا فارسی متن یہاں درج کیا جاتا ہے تا کہ ناظرین حسب استعداد اس کے معانی سمجھ سکیں۔ اس کے بعد اس کا اردو ترجمہ اور تشریح کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا۔

'مسلمنا ہمہ اوست یعنی ہمو است' کہ صورتِ بہشت را از رحمت

خویش پیدا نمود و بیا فرید و ہمو است کہ صورت دوزخ از

قہر خویش نمودار گردد بیآ فرید و نیکی پیدا کرد و بدی پیدا کرد

قہر را بقہر باز آورد کہ نسبت با او دارد و لطفے با لطف کہ

جنس میل بجنس خود برد صفت رضا در نیکی آمد کہ منبعِ

اولطف رحمت است و صفت کراہیت و غضب و سخط در

بری آمد کہ منشا او قہر است پس اے مردِ حق و

نادان و گرفتار ہوا میں مقدار اندیشہ کن کہ از توچہ مے آید

بَدی یا نیکی، ہرچہ ہستی ہماں باشی وہم پداں باز گردی ۔ د

ختم کار توہم بداں باشد فکُلَ میسُر" لِمَا خِلقَ لهُ........

قہر ے و دوزخے میسر بکار ہائے است ولطفے و بہشتے موقف

بکار ہائے رحمت و لطف است با ہمہ عرفان و با ہمہ دانش

کہ ترا با خدائے خود باشد ازیں دوصفت بیروں نتوانی آمد سیو ھے

کہ وجود ندارد و متحمل نہ باشد وبہشت جز بہ باتباع پیغامبر مانیت وہر چہ

خلاف اوست بداست۔ وبہشت جز بہ نیکی نیاید کہ لطف جز در

باب لطفے نیست نہ برد۔ جہانے از عارفان خدا۔ باشد

کہ در دوزخ باشند۔ عذاب دوزخ کشند و بنالند و بزارند و باو

ہم دانند کہ ہمواست کہ ایشانرا عذاب مے کند واو تعالیٰ گوید آرے

منم کہ شمارا عذاب میکنم۔ ایں نباشد چنانکہ مرد ایں ہمواست

وہم از دے واند کذا لک در

دوزخ ہمیں مثال مے واں۔ از وہمو بدانند و بسوزند وہیچ

ازاں عذابے کہ کافراں وجاہلاں مے شود کم بدیں عارفان نباشہ

عرفان خلاص از آتش دوزخ جز باتباع نبی صلعم نباشد بیانے کہ

کردیم ہمہ مسائل شرح وامور اخروی ودعوت وبعثتِ نبیؐ باہمہ معارف

وحق راست وہیچ اشکالے نماند''۔

ترجمہ: ''ہم نے مانا کہ مسئلہ ہمہ اوست صحیح ہے۔ یعنی وہی ہے جس نے صورت بہشت اپنی (صفت) رحمت سے پیدا فرمائی اور ظاہر کی۔ اور وہی ہے جس نے صورت دوزخ اپنی (صفت) قہر سے پیدا فرمائی۔ نیز نیکی پیدا فرمائی اور بدی پیدا فرمائی۔ پھر بدی کو قہر سے لیا کیونکہ اس سے نسبت رکھتی ہے۔ اور نیکی کو کرم سے نوازا کیونکہ ہر چیز اپنی جنس سے میل رکھتی ہے۔ اب اللہ کی رضا نیکی سے حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس کا منبع رحمت ولطف ہے اور اس کا غصہ اور غضب اور قہر بدی کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ وہ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ پس مردِ احمق، نادان اور گرفتار ہوا وہوس) اتنا تو سوچ کہ تجھ سے کیا فعل ظاہر ہوتا ہے۔ فعل نیک یا فعل بد۔

کیونکہ جو کچھ تو ہے وہی تجھ سے ظاہر ہوگا اور اسی کے مطابق تیرا خاتمہ ہوگا۔ جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ کام اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ عذاب دوزخ برے کاموں کا

نتیجہ ہوتا ہے اور بہشت کا عیش وعشرت نیکی کے کاموں کا نتیجہ ہوتا ہے۔تم اپنے تمام علم ودانش کے باوجود ان دوصورتوں کے سوا کوئی تیسری صورت خیال میں نہیں لا سکتے یہ ناممکن ہے۔اب نیکی کیا ہے اتباع شریعت کا دوسرا نام ہے۔اور بدی شریعت کی خلاف ورزی کا نام ہے۔اس لیے بہشت نیکی کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ لطافت کو لطافت لازم ہے۔اس لیے اصحاب علم و دانش ہی سے بے شمار دوزخ میں ہوں گے اور عذاب دوزخ برداشت کریں گے اور آہ و نالہ اور گریہ زاری کریں گے۔اب کیا یہ ہمہ اوست نہیں ہے۔جو اُن پر عذاب کر رہا ہے بلکہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں ہی تم پر عذاب نازل کر رہا ہوں جس طرح کسی نے کام کیئے اسی مطابق اس کا حشر ہوا لیکن ہے وہی ''ہمہ اوست'' اور یہی دوزخ ہے وہی ہمہ اوست ان کو جلا رہا ہے۔اور عذاب کر رہا ہے۔ چنانچہ جس طرح کافروں پر عذاب ہوگا۔اسی طرح ان اصحاب عقل و دانش پر ہوگا۔ جو ہمہ اوست کی آڑ میں شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔آتش دوزخ سے نجات سوائے اتباع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محال ہے۔اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ مسائل شریعت وامور اخروی، حقائق و مصارف طریقت سے علیحٰدہ نہیں ہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہیں اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔)

شرح: حضرت شیخ کے مندرجہ بالا بیان کا خلاصہ ومدعا ومقصد یہ ہے کہ یہ جو لوگ جن میں صوفیاء اور عالم لوگ بھی شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ''ہمہ اوست'' یا وحدت الوجود حق ہے تو پھر کون سا خدا اور کون مسجود اور کہاں کا عذاب اور کہاں کا ثواب۔وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ بے شک وجود باری تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کا وجود نہیں ہے۔ لیکن حضرت باری تعالیٰ بھی مختلف صفات سے متصف ہے۔ وہ رحمٰن بھی ہے۔اور قہار بھی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی صفت رحمت سے بہشت کو پیدا فرمایا اور اس کے حصول کا ذریعہ اعمال صالحہ کو بنایا جو پابندی شریعت کا دوسرا نام ہے۔اس طرح اس نے اپنی صفتِ قہر سے دوزخ کو پیدا فرمایا اور اعمال بد کو دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنایا۔یعنی اعمال خلاف شرع۔اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ اگر چہ مسئلہ ہمہ اوست حق ہے لیکن رحمت اور قہاری بھی اس کی صفات ہیں اور حق تعالیٰ کی کوئی صفت معطل نہیں رہتی۔ بلکہ ہر وقت اور ہر آن مصروف بکار رہتی ہے۔لہذا وحدت الوجود کے قائل کو ذاتِ حق کی صفت رحمت اور قہر کا بھی قائل ہونا پڑے گا اور اس کے ساتھ دوزخ اور بہشت کے وجود کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔اب چونکہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔انسان کے

اعمال صالحہ جو رحمت حق کی پیداوار ہیں بہشت کے مستوجب اور اعمال بد جو اس کی صفت قہر کا نتیجہ ہیں دوزخ کے سزاوار ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ نظریۂ وحدت الوجود یا ہمہ اوست کے باوجود پابندی شریعت سے گریز لازم نہیں آتا۔ اس بیان سے حضرت اقدس نے ثابت کیا ہے۔ کہ حقائق و مصارف طریقت کے لحاظ سے بھی پابندی شریعت ضروری ہے۔ اس لیے وہ نام نہاد صوفی جو ہمہ اوست کی آڑ میں خلاف شرع جرائم کرتے ہیں۔ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ یہ وہ بات ہے کہ خدا معاف کرے ''بالفاظ دیگر اصحاب طریقت کے لیے بھی پابندی شریعت ضروری ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

اب یہ احقر مترجم حقیقت وحدت الوجود یا ہمہ اوست پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ سب سے پہلے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ جو علمائے ظاہر کا خیال ہے کہ عقیدہ وحدت الوجود سے شریعت منہدم ہوتی ہے بالکل غلط ہے۔ وحدت الوجود یا ہمہ اوست سے جیسا کہ حضرت شیخ نے اوپر ثابت کیا ہے۔ شریعت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بلکہ عقیدت وحدت الوجود پر ایمان نہ رکھنے سے شریعت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامہ کی رو سے حق تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں لامحدود ہے اور اگر کائنات یا اشیاء کائنات کا ذاتِ حق کے سوا علیحدہ وجود تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ علماء ظاہر کا عقیدہ ہے تو حق تعالیٰ محدود ہو جاتا ہے یعنی کائنات میں نہیں ہے باقی ہر جگہ موجود ہے۔ جب کائنات اس سے خالی ہے تو پھر وہ لازماً محدود ہو جاتا ہے۔ بلکہ غیر مقلدین کے امام ابن تیمیہؒ نے تو اور بھی عقائد شریعت کو الجھا دیا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیاء کائنات تو درکنار خلا یا فضا میں حق تعالیٰ نہیں ہے بلکہ وہ اوپر کی جانب عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور کائنات کو دیکھ رہا ہے۔ جب انہوں نے یہ عقیدہ ظاہر کیا تو علمائے وقت نے ان پر کفر کے فتوے لگا دیئے کیونکہ ان کے اس عقیدہ سے ذاتِ حق کی تجسیم (یعنی جسم ہونا) لازم آتا ہے۔ حالانکہ ذات حق جسم سے مبرّا و پاک ہے۔ نیز اس عقیدے سے حق تعالیٰ کا محدود ہونا بھی لازم ہے جو کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام موصوف نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ جیل خانوں میں بسر کیا۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے ایسا فساد برپا ہوا کہ آج تک امت اس میں مبتلا ہے۔ امام موصوف

نے ذات حق کے متعلق اپنے نظریہ استواعلیٰ العرش کوشائد آیۂ پاک الرحمٰن علی العرش استویٰ سے اخذ فرمایااور اعلان کردیا کہ حق تعالیٰ اوپر کی جانب عرش پر بیٹھے کائنات چلا رہا ہے لیکن یہ خیال نہ فرمایا کہ عرش کے متعلق حق تعالیٰ نے دوسری آیات میں کیا فرمایا ہے۔ مثلاً آیت الکرسی میں ہے کہ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السمٰوٰتِ والْاَرْض (یعنی اس کے عرش وکرسی میں ساری کائنات شامل ہے۔) اس لیے آیہ پاک الرحمٰن علی العرش استویٰ کی رو سے بھی حق تعالیٰ کا ہر جگہ ہونا اور ہر چیز میں ہونا صحیح ثبات ہوا۔ یعنی ذاتِ حق کے سوا کسی شے کا وجود نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز کا وجود ظلی عارضی اور اعتباری (Relative) ہے۔ حقیقی نہیں ہے۔ اگر چہ علمائے اہل حدیث کی طرح علمائے دیو بند عقائد میں سخت ہوتے ہیں اور بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں پھر بھی مولانا اشرف علی تھانوی نے وحدت الوجود اور ہمہ اوست کو صحیح اسلامی عقیدہ قرار دیا ہے۔ وہ اپنے مجموعہ تقاریر علم و عمل لکھتے ہیں کہ ہمہ اوست کی لوگوں نے خوب گت بنائی ہے۔ اور ہندوؤں کے ہمہ اوست تک نوبت پہنچادی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی ہمہ اوست کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب چیز خدا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا سے کوئی چیز جدا نہیں ہے۔ مثلاً زید کا ہاتھ زید نہیں ہے لیکن زید سے جدا بھی نہیں ہے اسی طرح بت خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہے۔ اور بت پرستی اسی طرح مضحکہ خیز ہے جس طرح کوئی شخص زید سے قرض مانگے اور زید کے انکار کرنے پر زید کے ہاتھ کو مخاطب کر کے کہے کہ تو زید کی جیب سے مجھے ایک سوروپیہ نکال کردے دے۔ یہ ایک ناقص مثال ہے کیونکہ حق تعالیٰ چونکہ لیس کمثلہ شئی " ہے اس پر کوئی مثال صادق نہیں آتی۔ پھر بھی اس ناقص مثال سے وحدت الوجود کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

مولانا جامی کی تصریح

مولانا جامیؒ لوائح جامی میں یوں فرماتا ہے کہ مخلوق کا خالق کے ساتھ تعلق اس نوعیت کا نہیں ہے جیسا کہ جزو کامل کے ساتھ یا ظرف کا مظروف کے ساتھ بلکہ یہ تعلق صفت و موصوف کا ہے۔ اور لازم وملزوم کا جس طرح ایک کتاب اپنے مصنف کی صفت علم کا نتیجہ ہے اسی طرح یہ کائنات یا کل مخلوق بھی صفتِ تخلیق کا نتیجہ ہے۔ اب چونکہ صفت موصوف سے جدا نہیں ہے اس لئے کائنات

کا وجود خالقِ کائنات سے علیحدہ نہیں ہے۔ جیسے ایک کتاب مجازی طور پر مصنف سے الگ اور حقیقی طور پر مصنف میں شامل ہے اسی طرح کائنات بھی مجازی طور پر حق تعالیٰ سے علیحدہ ہے لیکن حقیقت میں ذاتِ حق میں شامل ہے۔ اگر علیحدہ قرار دیا جائے تو ذاتِ حق محدود ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کو محدود سمجھنا ہر فرقہ کے نزدیک کفر ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

بعض صوفیاء جن میں حضرت نقشبندیہ کی اکثریت شامل ہے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وحدت الوجود غیر اسلامی ہے اور وحدت الشہود شریعت کی رو سے صحیح ہے اور اس عقیدہ کو وہ لوگ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ نے اپنے بعض مکتوبات میں یہاں تک فرمادیا ہے کہ جو صوفی وحدتِ وجود کے قائل ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور جو وحد الشہود کے قائل ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ وحدت وجود اور وحدت شہود میں نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو نشقبندی مجددی ہیں اپنے رسالہ موسوم مکتوب مدینہ میں لکھتے ہیں کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مابین نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید نشقبندی مجددی بھی اپنی کتاب طبقات میں لکھتے ہیں کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں ہے ختم ہوا بیان وحدت الوجود اور اس کی شرح۔

مسئلہ قضا و قدر

اس کے بعد حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ مسئلہ اختیار (قدر) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ۔

او تعالیٰ و تقدس مارا و اختیار مارا آفرید۔ در آنچہ ماے کنیم
آن را در ازل تقدیر کرد و در ما آفرید۔ و دوزخ آفرید و اہل او
را آفرید۔ بہشت آفرید و اہل او را آفرید وجدان الم در ما پیدا آورد
و آتش را او گماشت و ایذا و تا ملے کہ در عقب آں پیدا آمد او آفرید
نالہ و زاری و گریہ کہ دوزخے کرد ہمہ از وشد۔ و کسے دیگر احتمال وجود ندارد

مبداء، ہم اوست و معاد، ہم اوست۔ اگر من بمثال بندہ ے بودم و او

بے مثال خوند کارے۔ او مرا کارے فرمودے

و من ے کردم و برآں عذاب کردے ہر آئنہ ظلم آمدے۔ ہر جا کہ کافریست

و مکابر لیت حجت ہمن است کہ اگر خدائے خواستی ما کفر نمے ورزیدیم

خدائے ما ایشاں در قیامت گوید۔ آرے آں ہم فن کردم ایں ہمہ من میکنم

ایں بداں و بسوز۔ و اگر از تو بتو چیزے باشد آں را ظلم نام بنہ و جفا بگو۔

اگر حقے داری دعویٰ آن بکن۔ اول منم، مبدا ہم منم و معاد و ہم منم۔

ترجمہ: حق تعالیٰ و تقدس نے ہمکو اور ہمارے اختیار کو پیدا فرمایا۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں اسے ازل میں مقدر فرمایا اور ہمارے اندر پیدا کیا۔ دوزخ کو پیدا فرمایا اور اہل دوزخ کو پیدا فرمایا۔ بہشت کو پیدا فرمایا اور اہل بہشت کو پیدا فرمایا۔ اس نے ہمارے اندر احساس الم پیدا فرمایا اور آگ کو متعین فرمایا اور جو نالہ و گریہ دوزخ نے کیا اسے پیدا فرمایا۔ اور کوئی دوسرا احتمال وجود نہیں رکھتا۔ مبداء بھی وہی ہے اور معاد بھی وہی ہے۔ مثال کے طور پر اگر میں کسی شخص کا غلام ہوں اور وہ میرا آقا ہے۔ اگر وہ مجھے کوئی کام کرنے کا حکم دے اور میں اس کے حکم کی تعمیل کروں اور اس پر وہ مجھے سزا دے تو یہ ہر صورت میں ظلم ہوگا جہاں کہیں کفر ہے یا شرک ہے اس کی حجت یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو کفر نہ ہوتا۔ خدا تعالیٰ ان کو قیامت کے دن کہے گا کہ وہاں وہ سب کچھ میں نے کیا اور یہ (یعنی سزائے قیامت) بھی میں کر رہا ہوں۔ یہ جان لو۔ اور جلتے رہو خواہ اس کا نام جفا رکھو یا ظلم کہو۔ اگر تمہارا کوئی حق ہے تو دعویٰ کرو۔ اول میں ہوں آخر میں ہوں۔ مبداء میں ہوں معاد میں ہوں۔

تشریح: حضرت شیخ کے مندرجہ بالا بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خالق بھی حق تعالیٰ ہے اور ہمارے اعمال و افعال کا خالق بھی وہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ "ہم نے تجھے پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے پیدا کیا۔" اسی طرح اس نے بہشت کو پیدا فرمایا اور دوزخ کو پیدا فرمایا اور اہل بہشت اور اہل دوزخ کو بھی اسی نے پیدا فرمایا۔ آگ کو بھی اسی نے پیدا فرمایا اور درد الم کا احساس بھی اسی کا پیدا کردہ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم سے اس نے برے اعمال کرا کر دوزخ کا مستحق بنایا تو یہ ظلم ہے۔ لیکن ظلم کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کی ملکیت میں تصرف کیا جائے۔ جب ہر کس ہر

چیز نیز دوزخ بہشت اس کی ملکیت ہے تو ظلم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اپنے ملک مُلک میں تصرف کرے تو یہ کہاں کا ظلم ہے۔ یہ مسئلہ قضا و قدر کا ایک جواب ہے جو بالکل صحیح ہے۔ کسی نے حضرت امام جعفر صادقؓ سے اس مسئلہ کی وضاحت طلب کی تو فرمایا کہ **اَلاُ بین الامرین** (یعنی حقیقتِ حال قدر اور جبر کے درمیان ہے) مطلب یہ کہ ایک لحاظ سے قدر ہے اور ایک لحاظ سے جبر ہے۔ عرفاء کا قول ہے کہ حقیقت میں جبر ہے اور مجازی قدر ہے۔ اس لئے وہ سزا کا مستحق بھی ہے۔ اور بخشش کا مستحق بھی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے میں چاہوں گا پکڑ لوں گا اور جسے چاہوں گا چھوڑ دوں گا۔ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ برے کام انسان خود کرتا ہے اور نیک کام اللہ کراتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مجموعہ ہے روح اور جسم کا۔ جب جسمانی خواہشات یعنی نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو آدمی برے کام کر بیٹھتا ہے اس میں حق تعالیٰ کا دخل نہیں ہوتا۔ لیکن جب روحانیت غالب ہوتی ہے تو وہ نیکی کا کام کرتا ہے اب چونکہ روح عالم بالا کی چیز ہے بلکہ حق تعالیٰ کا نور ہے جیسا کہ اس نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ **فَنفخۡتُ فیه مِنۡ رُوحی** (میں نے انسان کے اندر اپنی روح میں سے پھونکی) لہذا جب روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے بمصداق حدیث۔ **بی یَسۡمَعُ وَبِی یَبۡصِرُ وَبِی یَبۡطِش** (انسان نیک کام اللہ کی قدرت سے کرتا ہے نہ کہ اپنے غلبہ نفس سے لہذا جب برے کام نفسانیت سے کرتا ہے تو مستحق سزا ٹھہرا۔ اور جب نیک کام اللہ کی قدرت سے کرتا ہے تو جزا کا مستحق تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اسے جزائے خیر دیتا ہے یہ عدل نہیں ہے رحمت ہے۔ عدل یہ ہوتا ہے کہ نیک کام کی جزا کچھ بھی نہ ملتی اور برے کام کی سزا ملتی۔ ختم ہوئی تشریح از مترجم۔

قول انا الحق خلاف شرع نہیں ہے

اس کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضور انا الحق کا مطلب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس قول کی حقیقت سے لوگ آگاہ نہیں اور گمان کرتے ہیں کہ شاید یہ کلمات خلاف شرع ہیں۔ معاذ اللہ۔ یہ معنی نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حسین ابن منصورؒ اپنے آپ سے بیزار ہو گئے اور کسی صورت میں وہ خود خود نہ رہے۔ بلکہ حق تعالیٰ ان کے مظہر میں انا الحق کہہ رہے تھے۔ جیسا کہ قرآن

میں ہے کہ) حق تعالیٰ درخت کے مظہر میں حضرت موسیٰ سے کہہ رہے تھے کہ اِنی اَنَا اللّٰہ لَا اَلِہ اِلّا انا (بلاشبہ میں خدا ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں) اسی طرح حسین منصورؒ کے مظہر میں حق تعالیٰ نے بلا دہن و بلا زبان فرمایا انا الحق اور اس صورت اور ان حروف کو پیدا فرما کر خلق کو سنوایا لیکن اس کی حقیقت سے لاعلمی کی وجہ سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے' تختہ دار پر لٹکا دیا۔ لہذا یہ حسین منصورؒ کی طرف سے کوئی جرم نہ تھا۔ بعینہٖ اسی طرح احادیث قدس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے کلمات بیان فرمائے ہیں۔ مشائخ سے جو اس قسم کے کلمات سرزد ہوئے ہیں وہ غلبہ حال سے صادر ہوئے ہیں ان کی حقیقت ہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ کلمات حق تعالیٰ کے ہیں اور یہ صرف میری رائے نہیں ہے بلکہ عوارف المعارف میں بھی یہی لکھا ہے کہ حقیقت حال یہی ہے جو بیان ہو چکی ہے اس کے علاوہ لوگ مشائخ کے ان کلمات کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہم و گمان ہے۔ حلانکہ مشائخ کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔

دنیا کی زبوں حالی اور عاقبت کی خرابی

عشاء کی نماز کے وقت دنیا کی زبوں حالی' عاقبت کی خرابی اور قباحتِ اعمال کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا ہمارے خواجہؒ (حضرت خواجہ نصیر الدینؒ) فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ محمد غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اہل دنیا اور لذاتِ دنیا کی مثال اس حلوے کی سی ہے جس میں گرمی' نرمی' لطافت اور خوشبو کے ساتھ کچھ زہر بھی ملا دیا گیا ہو اور بھوکے لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے اور کھانا شروع کرنے والے ہوں کہ ایک مردِ خدا آ کر ان کو مطلع کرتا ہے اے لوگو یہ حلوہ مت کھاؤ اور اس کی چربی' لطافت اور خوشبو پر فریفتہ مت ہو جاؤ کیونکہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب بعض لوگ اس کی بات پر یقین کرتے ہیں اور حلوہ نہیں کھاتے بھوک پر صبر کرتے ہیں اور ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ یقین نہیں کرتے اور حلوہ کھاتے ہی مر جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ہوا و ہوس پیدا کی ہے۔ وہ نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ہلاکت سے بچانے کے لیے انبیاء علیہ السلام بھیجے ہیں جو ان کو ہلاکت سے متنبہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان کی بات مان لیتے ہیں اور حرص و ہوا پر قابو پا کر بھوک پر

صبر کرتے ہیں اور دوزخ کی آگ سے بچ جاتے ہیں لیکن بعض ان کی بات نہیں مانتے اور خواہشات نفسانی کے غلبہ میں آ کر گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور دوزخ مول لے لیتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ کتاب افسانہ میں لکھا ہے۔ کہ ایک تاجر نے کسی گاؤں میں جا کر کچھ شیشہ خریدا اور ایک مزدور کے سر پر رکھ کر گھر لے گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے مزدور کو چھ آنے دیئے۔ مزدور شیشہ نیچے رکھ کر سوچنا شروع کیا کہ اگر اس رقم کو خرچ کر دوں کو میرے پاس کچھ باقی نہیں بچے گا۔ یہ بہتر ہے کہ چھ آنے کا ایک مرغی کا چوزہ خریدوں۔ جب چوزہ بڑا ہو گا۔ مرغی بن جائے گی۔ مرغی انڈے دے گی جس سے بہت سے چوزے پیدا ہو جائیں گے۔ چوزوں کو پال کر بڑا کروں گا اور فروخت کر کے ایک بکری خریدوں گا۔ بکری بہت بچے دے گی۔ جب بچے بڑے ہوں گے تو ان کو فروخت کر کے گائے خریدوں گا۔ گائے بچے دے گی۔ بچے بڑے ہوں گے۔ ان کو بیچ کر مادہ گھوڑی خریدوں گا۔ جب گھوڑے بہت ہو جائیں تو ان کو فروخت کر کے غلام خریدوں گا۔ غلاموں کو تیراندازی اور تیغ زنی سکھاؤں گا۔ جس سے میرے پاس ایک بڑا لشکر جمع ہو جائے گا۔ اور بادشاہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دوں گا اور خود بادشاہ بن جاؤں گا۔ بادشاہ بن کر بہترین عورت سے شادی کروں گا جس سے شاہزادے پیدا ہونگے۔ شہزادوں کو تیر اور تلوار چلانا سکھاؤں گا۔ چوگان سکھاؤں گا۔ اگر ان کی ماں چوں و چرا کرے گی تو اس کے سینے پر لات ماروں گا۔ یہ خیال کرتے ہی شیشہ پر ایسی لات ماری کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ تاجر نے اس کے گلے میں کپڑا ڈال کر مارنا شروع کر دیا اور مطالبہ کیا مجھے میرے مال کی قیمت ادا کرو تب جانے دوں گا۔ اب اس کے تمام خیالی پلاؤ ختم ہو گئے اور دوسری مصیبت میں گرفتار ہو گیا اہل دنیا کی ہوا و ہوس اور لمبی چوڑی تجاویز اور تدابیر کا بھی یہی حال ہے۔

کرامت اولیاء

اس کے بعد بعض اہل اللہ کی کرامت کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ حضرت خواجہ علیہ رحمتہ نے فرمایا کہ سلطان علاؤ الدین جہاں سوز نے غزنی پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اور اپنے بھائی کو وہاں کا حکمراں مقرر کر کے واپس وطن چلا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد لوگوں نے جمع ہو کر اس کے بھائی پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور سارا علاقہ واپس لے لیا۔ جب سلطان علاؤ الدین کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے

غزنی پر دوبارہ حملہ کیا اور فتح کر کے شہر کو آگ لگادی جس سے سارا شہر جل کر راکھ ہو گیا۔ علاؤ الدین کو جہاں سوز اسی وجہ سے کہتے ہیں۔ اب بادشاہ کے لشکریوں نے آس پاس کے گندم کے کھیتوں میں گھوڑے چھوڑ دیئے جیسا کہ ان کی عادت ہے اور گھوڑوں نے فصل گندم کو پامال کر دیا۔ بادشاہ کے لشکر میں ایک ترک سپاہی تھا جس نے اپنا گھوڑا باندھ کر کھڑا کر دیا اور کھیت میں نہ جانے دیا۔ جب اس کے دوستوں نے دریافت کیا کہ تم اپنے گھوڑے کو کیوں بھوکوں مار رہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ یہ گندم رعایا کی ہے اور ہمارے لئے اس کا تباہ کرنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم تو ایسی باتیں کہہ رہے ہو گویا ولی اللہ ہو۔ ترک نے جواب دیا کہ اگر میں ولی اللہ ہوتا تو تمہارے لئے کون سی تعجب کی بات ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا تم ایسی بات کر رہے ہو کہ اگر پہاڑ کو کہو کہ اپنی جگہ چھوڑ کر چلے جاؤ تو وہ وہاں سے فوراً ہٹ جائے گا اس نے جواب دیا کہ واللہ! اگر پہاڑ سے کہوں کہ چلا جا تو وہ چلا جائے گا۔ یہ کہنا تھا کہ پہاڑ نے چلنا شروع کرد ۔ ترک نے کہا میرا مطلب یہ نہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں میں تو ویسے بات کر رہا تھا۔ یہ سنتے ہی پہاڑ اپنی جگہ پر رک گیا ایہ سن کر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضور ایسے ظالم بادشاہ کے لشکر میں اسے مردانِ خدا کیسے گزارہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خدا کے کام خدا ہی جانے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ کس وجہ سے بدکار بادشاہ کے ساتھ نیک لوگ نامزد کئے جاتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس حکایت کے مطابق حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ ایک دن آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ اے ابراہیمؒ تم نے بلغ کی بادشاہی کیوں ترک کر دی۔ اسے چھوڑ کر تمہیں کیا حاصل ہوا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا بیان سے باہر ہے۔ سب سے کم چیز یہ ہے کہ اگر میں ان پہاڑوں کو حکم دوں کہ یہاں سے چلے جاؤ تو چلے جائیں گے یہ کہنا تھا کہ پہاڑ حرکت کرنے لگے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بھی اس پہاڑ پر بیٹھے تھے۔ پتھر پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ میں نے تم کو چلنے کا حکم نہیں دیا۔ صرف بات کر رہا تھا تم اپنے مقام پر قائم رہو۔ یہ سنتے ہی پہاڑ رک گئے۔

دوشنبہ ۸/ محرم الحرام ۸۰۳ھ

قرب حق کے درجات سے محرومی خلق کے بیان میں

چاشت کے وقت اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ قربِ حق کے بلند درجات سے خلق اپنی دون ہمتی کی وجہ سے کس نعمت سے محروم ہے۔ اور کس طرح لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ اے برادران اور اے دوستان تمہارے پاس زن و فرزند، مال و دولت، جاہ، مرتبت، علم و زہد، اجتہاد، درس فتویٰ میں سے سب کچھ ہے لیکن افسوس کہ تم اپنے محبوب حقیقی سے محروم ہو۔ تمام عالم و فاضل لوگوں نے اس بات پر اکتفا کر لیا ہے کہ اس جہان سے ایسے کام کئے جائیں جن سے بہشت حاصل ہو اور دوزخ سے نجات ملے۔ لیکن قرب اور وصال حق تعالیٰ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ وہ کیا چیز تھی کہ جس کے متعلق خواجہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ہے کہ میں ایک سو تیرہ مشائخ کی خدمت میں کمر بستہ رہا۔ اور اپنے مطلوب کی باریابی کی درخواست کی لیکن سب نے یہی جواب دیا کہ اے بایزید جو چیز تم طلب کرتے ہو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ کیا چیز تھی جو ایک سو تیرہ مشائخ نہ سمجھ سکے۔ اور ابو یزیدؒ اس کا طالب تھا۔ ذرا اس کے متعلق بھی سوچنا چاہیے۔ تذکرہ[1] میں لکھا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا مجھے میرے رب کا دیدار کرا دیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے مرد! یہ بڑی بے ادبی ہے جو تم حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ رکھ رہے ہو۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰؑ نے یہی سوال کیا تھا تو ان کو جواب لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا) سننا پڑا۔ تجھے دولت حق کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ وہ دین موسیٰ تھا۔ یہ دین احمدؐ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو دیدار نصیب نہ ہوا اور اس وجہ سے ان کی امت کو بھی نہ ہوا۔ لیکن چونکہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو دیدار الٰہی نصیب ہوا ہے اس لئے آپکی امت کو بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا جائے۔ جب لوگوں نے اسکو دریا میں پھینکا تو وہ ایک غوطہ کھا کر پکارنے لگا کہ اے امام الغیاث (یا امام میری مدد کرو) حضرت امام نے فرمایا کہ اسے

---

[1] تذکرہ الاولیاء مصنفہ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ جو اصلی فارسی میں ہے۔ اب اس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔

دوسرا غوطہ دیا جائے' دوسرا غوطہ کھا کر اس نے وہی فریاد کی کہ اے امام مجھے بچاؤ! اس کے بعد حضرت امام نے فرمایا کہ اسے اور غوطہ دو۔ تیسرے غوطہ کے وقت آپ نے دریائے دجلہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اسے اور نیچے لے جاؤ۔ چنانچہ وہ دریا کی تہہ میں چلا گیا۔ جان نکلنے کو آئی تو فریاد کی کہ یارب الغیاث الغیاث (اے رب مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ) باہر آ کر کہنے لگا کہ اب مجھے میرا مطلوب مل گیا ہے۔ حضرت امام نے پوچھا کہ بتاؤ کیا حاصل ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جب تک مرا دل آپ کیساتھ لگا رہا۔ مجھے مطلوب حاصل نہ ہوا۔ جب میرا کام تمام ہونے لگا تو میرا دل آپ سے ناامید ہو کر خدا تعالیٰ سے جا ملا۔ یعنی جزو سے کل تک پہنچ گیا جس کی وجہ سے میرے دل میں ایک سوراخ نمودار ہوا اور اس سوراخ میں سے دیکھا تو حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ یہ سن کر حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اس سوارخ کی خوب نگاہ داشت کرنا سارا جہاں اس سوراخ کے نیچے ہے اب بتاؤ یہ حکایت صحیح ہے یا غلط۔ تمام حاضرین نے ایک آواز ہو کر کہا کہ یہ حکایت حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے تذکرہ الاولیاء میں بیان کی ہے۔ اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سب اپنے آپ کو اس مقصدِ اعلیٰ کے لئے قربان نہ کریں اور اپنی جان و مال کی بازی نہ لگا دیں تا کہ ان بلند مراتب تک رسائی حاصل کریں۔

اس کے بعد حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کی یہ حکایت بیان کی کہ جب اہل عرصات[1] نے حضرت خواجہ ابویزیدؒ کی زیارت کی تمنا کی تو ابویزیدؒ نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ خداوندا! میں نے تیرے سوا کسی کی پرستش نہیں کی۔ آج مجھے اس طرح بہشت میں بھیج کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو۔ میری صورت میں کئی ہزار فرشتے پیدا کر دے تا کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہ کہہ سکے کہ بایزید کون ہے۔

اس قسم کی حکایت حضرت اویس قرنیؓ کے متعلق بھی بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت اویس قرنیؓ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تو حق تعالیٰ نے ان کے ہم شکل کئی ہزار فرشتے بنا دئے تا کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اویسؓ قرنی کون ہے۔

اولیاء اللہ کا بیک وقت کئی مقامات پر موجود ہونا

اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ

[1] عرصات دوزخ اور بہشت کے درمیانی علاقے کا نام ہے۔

ایک دن آپ پندرہ مقامات پر بیک وقت موجود تھے۔ایک آدمی بیک وقت کئی مقامات پر کیسے حاضر ہوسکتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ ایک وقت میں ایک ہی مقام پر ہوتا ہے باقی مقامات پر ان کا دیکھا جانا صرف دکھاوا ہوتا ہے[1]۔ یہ خاص حروف کی وجہ سے ہوتا ہے شیخ ابن عربی بھی حروفِ خاص کے حامل تھے[2]۔جس کی وجہ سے لوگوں پر ان کا زبردست تصرف ہوتا تھا اور یہ کرامت دیکھتے تھے۔لیکن وہ خود ایک ہی مقام پر ہوتے تھے۔پندرہ مقامات پر موجود نہیں ہوتے تھے۔صرف ان کی صورت نظر آتی تھی اور یہ محض صورت نہیں ہوتی تھی بلکہ مکمل شخصیت میں جلوہ گر ہوتے تھے۔ بات کرتے تھے' کھاتے تھے' پیتے تھے اور تمام افعال بشری ان سے سرزد ہوتے تھے۔لیکن وہ خود نہیں ہوتے تھے ان کی جلوہ گری ہوتی تھی۔

اہل اللہ کے ہاں کیمیا کی کوئی قدر نہیں

اس کے بعد سیمیا اور کیمیا کا ذکر ہونے لگا۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس کوچے میں کسی بزرگ نے قدم نہیں رکھا جس کی کسی نہ کسی طرح آزمائش نہ کی گئی ہو۔ ہر شخص کے لیے ایک امتحان ہوتا ہے تا کہ اسے آزمایا جائے کہ آیا وہ طالب دنیا ہے یا طالب مولا ہے۔اگر وہ طالب دینا پایا جاتا ہے تو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی قبولیت نہیں ہوتی کیونکہ بندہ زر ہوتا ہے بندہ خدا نہیں ہوتا۔ جب آدمی طالب مولا نہیں ہوتا تو کئی طرح پر حق تعالیٰ اسے اپنا بنانا چاہتے ہیں کہ یہ میرا بندہ بن جائے۔اس لئے انسان کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی ان نوازشات سے غرّہ نہ ہو اور کسی قسم کی لغزش اس سے سرزد نہ ہو۔

اس مضمون کے مطابق حضرت مخدومؒ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔ کہ خواجہ فخر الدینؒ نام ایک شخص تھا جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا مرید تھا میرے شیخ (حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) نے فرمایا کہ خواجہ فخر الدینؒ عبادت گزار آدمی تھے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اودھ کے علاقے میں رہتا تھا اور روزانہ گھر سے باہر جا کر ایک باغ میں جس کا نام بُستانِ کافور تھا مشغول ہو جاتا تھا۔میرا داماد میرے ساتھ ہوتا تھا اور خدمت کیا کرتا تھا۔ سارا دن وہاں رہتا تھا اور نماز

---

1 جیسے ایک شخص جب کئی آئینوں کے سامنے آتا ہے تو اس کی اتنی صورتیں نظر آتی ہیں جتنے آئینے۔

2 یعنی خاص کلمات پڑھنے کے بعد ان سے یہ کرامت صادر ہوتی تھی۔ جیسے خاص اوراد پڑھنے سے کشف قبور اور کشف قلوب اور کشف واقعات ماضی و مستقبل ہوتا ہے۔

باجماعت پڑھتا۔ نماز شام کے وقت گھر آتا تھا۔ ایک دن بستان کافور میں ایک جوگی میرے پاس آیا اور چند روز وہاں رہ کر اس نے دیکھا کہ یہ آدمی نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ آخر میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ کیا بات ہے نہ کچھ کھاتے ہو نہ پیتے ہو۔ سارا دن اسی جگہ پر بیٹھے رہتے ہو۔ میں نے کہا کہ رات کے وقت جب گھر جاتا ہوں تو کھانا کھاتا ہوں اس نے کہا تمہارے چہرے سے تو کھانے پینے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اس نے اپنے تھیلے میں سے ایک دوائی نکالی اور میرے سامنے رکھ کر کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہے آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ آپ یہ چیز کسی غریب و مسکین کو دے کر اس کی امداد کر سکیں۔ میں نے وہ دوائی لے کر گھر میں ایک طاق کے اندر رکھدی۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ تم اس دوائی[1] پر توکل کر رہے ہو۔ اس لئے اٹھا کر باہر پھینک دی۔ جب حضرت خواجہ نظام الدینؒ کا وصال ہوا تو کچھ عرصہ بعد ہمیں مالی مشکلات کا سامنا ہوا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر وہ دوائی اب میرے پاس ہوتی تو کام آتی۔ اس خیال میں مست ہو کر میں مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ایک دراز قد آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے کہا اگر تجھے اس دوائی کی ضرورت ہے تو یہ لو۔ جب میں نے اس کے ہاتھ سے پڑیا لے کر کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی دوائی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ یہ گھاس فلاں پہاڑ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ تم جس قدر چاہو وہاں جا کر لا سکتے ہو۔ یہ سن کر میں نے وہ پڑیا زمین پر پھینک دی اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی کہ پھر اس قسم کی خواہش نہیں کروں گا۔ فرمایا یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ جس سے وہ اپنے دوستوں کو آزماتا ہے کہ شاید اس سے ان کے ایمان میں لغزش آ جائے۔ اور جس شخص سے اس قسم کی لغزش سرزد ہوتی ہے اسے زمرہ اولیاء سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے اور انوار و برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرے پاس اس قسم کے کئی جوگی آئے اور بیشمار عملیات کی پیش کش کی لیکن ہم نے ان سب کو ٹھکرا دیا۔ اس قسم کے واقعات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کے گھر کئی روز فاقہ رہا۔ کنیز فضہ نے حضرت بی بی

[1] یہ دوائی کیمیا کا کرشمہ تھا جس سے لوگ سونا بناتے ہیں۔

فاطمہؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو جنگل میں جا کر ایندھن لاؤں تا کہ ہماری مشکلات آسان ہو جائیں۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ کنیز نے باہر جا کر لکڑیاں جمع کیں اور سر پر اٹھا کر گھر لے آئی۔ اس کے ساتھ وہ تھوڑی سے مٹی اور گھاس بھی لے آئی۔ گھر آ کر اس نے مٹی میں پانی ڈال کر ایک پیالی سی بنالی اور پیالی میں اپنے ہاتھ کا زیور جو قلعی کا تھا ڈال کر آگ پر رکھا۔ جب قلعی پگھل گئی تو اس گھاس کا رَس نکال کر اس میں ملایا جس سے چاندی بن گئی۔ اور اس نے چاندی کو جا کر حضرت بی بی فاطمہؓ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا لائی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے کیمیا کا یہ عمل سیکھ لیا تھا اب چونکہ گھر میں تنگی تھی میرے دل میں خیال آیا کہ چاندی بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ کیونکہ یہ ہنر اگر آج کام نہ آیا تو کب آئے گا۔ حضرت بی بی فاطمہؓ نے فرمایا اچھا بازار جاؤ اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنوالاؤ۔ جب وہ چاندی کے ٹکڑے لائی تو آپ نے فرمایا کہ دس ٹکڑے فلاں کو دو' بیس فلاں کو دو' پانچ فلاں کو دو۔ حتٰی کہ ایک ٹکڑا بھی باقی نہ بچا۔ یہ دیکھ کر کنیز حیران رہ گئی۔ دوسرے دن بی بی فاطمہؓ نے فضہ سے فرمایا کہ تم پھر جنگل میں جاؤ اور لکڑی لے آؤ لیکن اس با فلاں پہاڑ کی طرف جانا' وہاں فلاں شکل کی ایک بوٹی ہے اسے توڑ کر لے آنا اور جس طرح تم نے پیالی بنا کر اس میں قلعی اور گھاس ڈال کر چاندی بنائی تھی۔ اسی طرح پھر عمل کرو کنیز نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ جب آگ جلائی گئی تو بی بی فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کے عصا سے لوہا الگ کر کے آگ میں رکھ دیا۔ جب پیالی کو کھولا گیا تو اس کے اندر سے خالص سونا برآمد ہوا۔ اس کے بعد آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ اس کے ٹکڑے بنوالاؤ۔ جب ٹکڑے بن گئے تو آپ نے فرمایا دس فلاں کو دو بیس فلاں کو' پانچ فلاں کو اور اپنے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا۔ یہ دیکھ کر کنیز نے عرض کیا کہ حضور جب آپ کے پاس اتنا بڑا ہنر ہے تو اس تنگدستی اور فاقہ میں کیوں مبتلا ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر ہم سونا بنانا شروع کر دیں تو جو کچھ ہم کو حق تعالٰی سے مل رہا ہے نہیں ملے گا۔ اگرچہ یہ عمل بے حد مفید ہے لیکن اس سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ دوستو! یہ سب بے کار اور باطل ہے اس کو کوئی ثبات نہیں ہے۔ جس قدر ہو سکے خداوند تعالٰی کو یاد کرو اور اُسی سے روزی طلب کرو یہ چیزیں فانی ہیں اور سوائے محرومی اور پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اور پھر یہ رباعی پڑھی۔

دنیا شدّاد قیصر و خاقاں را
دوزخ بد را بہشت مر نیکاں را
تسبیح فرشتہ را ثنا انسان را
جاناں مارا و جانِ ما جانان را

(دنیا شداد قیصر و کسریٰ کو چاہیے دوزخ بُروں کو بہشت نیکوں کو۔ تسبیح فرشتہ کو مبارک ہو اور ثنا انسان کو۔ ہمیں دوست درکار ہے میری جان دوست کو قبول ہو۔

نظرِ شیخ کی تاثر و برکات

اس کے بعد نظرِ شیخ اور اس کی تاثر و برکات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ جس شخص پر پیر کی نظر عنایت ہو جائے خواہ اس کا ظاہری حال کیسا ہو اس کی عاقبت بن جاتی ہے۔ اور بلند مراتب پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن وہ شخص جس پر پیر کی نظر شفقت نہیں خواہ وہ کتنا زاہد، متقی اور مجاہد ہو اس کی عاقبت اور انجام کار خاطر خواہ نہیں ہوتا اس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ اس مضمون کے مطابق ایک حکایت بیان فرمائی۔ کہ ہمارے شیخؒ کا ایک مرید جس کا نام خواجہ عطا اللہ تھا اسکو زہد و تقویٰ و مجاہدہ میں کمال حاصل تھا۔ بہت محنت سے کام کرتا تھا۔ اس نے حضرت شیخ کے کچھ ملفوظات بھی جمع کئے تھے لیکن حضرت اقدس کی اس پر چنداں نظر و شفقت نہ تھی۔ یہ دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ حضرت اقدس کے عدم التفات کی کیا وجہ ہے حالانکہ آپ دوسرے مریدین پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس پر زیادہ نظر کرم نہ تھی۔ حتّٰی کہ حضرت شیخ کا وصال ہو گیا۔ خواجہ عطا اللہ کچھ عرصہ شہر میں حسبِ دستور رہ کر سفر کعبہ پر روانہ ہو گیا۔ پہلے وہ سامانہ کے مقام پر پہنچا جہاں تاتار خان رہتا تھا۔ جب لوگوں نے اس کے سامنے خواجہ عطا اللہ کا ذکر کیا تو اس کے دل میں انکی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ تاتار خان نے خواجہ عطا اللہ کو کہلا بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیں گے یا میں آؤں۔ انہوں نے تاتار خان کے پاس یہ جواب لکھا **بِئْسَ الْفَقِيرُ مَنْ يَّاتِيْ بَابَ الامير ونعم الاميرُ مَنْ يَّاتِيْ باب الفقير**[1] بُرا فقیر وہ ہے جو امیر کے دروازے پر جائے اور اچھا امیر وہ ہے جو فقیر کے دروازے پر جائے) یہ دیکھ کر تاتار خان خود ان کے پاس گیا دورانِ ملاقات تاتار

[1] یہ حدیث شریف ہے۔

خان نے دریافت کیا کہ اب کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ زیارت بیت اللہ کا قصد کیا ہے۔ لیکن زادِراہ نہیں ہے۔ تاتار خان نے ان کو ایک ہزار روپے کا پروانہ لکھ کر دیا جو فوراً مل گئے۔ اس کے بعد خواجہ عطا اللہ گھر چلے گئے اور زیارت بیت اللہ کا ارادہ ترک کر کے شراب و کباب اور رنگ وراگ میں مشغول ہو گئے۔ حتّٰی کہ سارا مال ختم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پندرہ روز زندہ رہ کر رحلت کر گئے۔ اس کی عاقبت بد کا حال دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ اس کی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کی نظر کرم سے وہ محروم تھا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنی یہ غزل املا کرائی ؎

۱۔ دارو دلِ من از من جگرہا ‎ ‎ از جاں و تنم بسے حذرہا

۲۔ بارے کہ نہادہ ام بدیں تن ‎ ‎ من دانم و دل کجا وگرہا

۳۔ از کوزۂ دل شرر کہ برخاست ‎ ‎ ہفت در کہ ازاں پُر از سقرہا

۴۔ از دیدنِ خوب تو بہ حاشا ‎ ‎ من دارم بہ ہر طرف نظرہا

۵۔ بے روئے کیاست آں جوانمرد ‎ ‎ در کوئے اش کردہ ام گزرہا

۶۔ وقتے بہ غلط نگفت کیں کیست ‎ ‎ افروختہ مہر بر خطرہا

۷۔ آں جعد و سرین کہ دید استاد ‎ ‎ بر حسرتِ دوست برکمرہا

۸۔ ابوالفتح نہ پخت خام تر ماند ‎ ‎ کردہ است اگرچہ بس سفرہا

۹۔ با این کہ خراب و زاد وختہ است ‎ ‎ دارو دل من زمن جگرہا

(۱۔ میرے دل کو مجھ سے اور میرے جسم و جان سے بہت شکایت ہے اور رنجیدہ ہے۔

۲۔ عشقِ جاناں میں جو بوجھ میں نے اپنے اوپر ڈال رکھا ہے مجھے معلوم ہے اور میرے دل کو، باقی کسی کو خبر نہیں۔

۳۔ میرے کوزۂ دل سے جو آگ کی چنگاری نکل رہی ہے اس سے ہفت اقلیم میں آگ لگی گئی ہے۔

۴۔ اے محبوب تیرے دیدار کی خاطر میں چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہتا ہوں۔

۵۔ وہ ترکِ جوان مرد کسی کی رو و رعایت نہیں کرتا۔ اس کے کوچہ میں قدم تو رکھا ہے دیکھیں ہمارا کیا حال ہوتا ہے۔

۶۔ افسوس کہ دوست نے کبھی بھول کر بھی نہیں پوچھا یہ کون ہے جس نے میرے ساتھ دل لگایا ہے۔

۷۔ جس کسی نے اس کی زلف سیاہ کو دیکھا حیرت زدہ کمر پر ہاتھ رکھ کر رہ گیا۔

۸۔ افسوس کہ ابوالفتح ناقص رہا کامل نہ بن سکا اگرچہ جستجوہائے یار میں بہت بھاگ دوڑ کی۔

۹۔ اس خرابی' زبوں حالی' خستہ حالی کی وجہ سے میرے دل کو مجھ سے شکایت ہے۔

محبت کی علامت

اس کے بعد محبت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ ہمارے خواجہ قدس اللہ سرہ' فرمایا کرتے تھے کہ محبت کی علامت یہ ہے کہ خواب وخور (کھانا وسونا) رخصت ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ رخصت نہیں ہوتا بلکہ کم ہو جاتا ہے۔ آدمی جس قدر خواب وخور میں مشغول رہتا ہے اسی قدر دوست سے محروم رہتا ہے۔ فرمایا ایک نوجوان کسی عورت پر عاشق تھا۔ لیکن خلوت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن اس عورت نے کہلا بھیجا کہ آج رات میں نے اپنے شوہر سے باپ کے گھر جانے کی اجازت لے لی ہے۔ میری پالکی فلاں وقت فلاں کوچہ سے گزرے گی۔ اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔ کچھ دیر تمہارے ساتھ خلوت حاصل ہو جائے گی۔ وہ نوجوان ساری رات بیٹھا روتا رہا اور یہ رباعی پڑھتا رہا۔

در دیدہ بجائے خواب آب است مرا زیرا کہ بہ دیدنش شتاب است مرا

گویند کہ نُجسپ تا بخوابش بینی اے بے خبراں چہ جائے خواب است مرا

(میری آنکھوں میں نیند کی بجائے آنسوں ہیں اس وجہ سے کہ مجھے شوقِ دیدار دامن گیر ہے لوگ کہتے ہیں کہ سوجاؤ تاکہ محبوب کا خواب میں دیدار ہو جائے۔ اے بے خبر لوگو! جب میری نیند خراب ہو چکی ہے تو سونا کہاں کا)

لیکن تقدیر کا لکھا دیکھئے جوں ہی اس کے محبوب کی پالکی وہاں سے گزری اُسے اونگھ آگئی۔ جب بیدار ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ پالکی گذر گئی ہے۔ اب سوائے واویلا اور آہ فریاد کے اس کو کوئی کام نہ تھا۔ دوسری صبح حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ' کی مجلس وعظ تھی۔ وہ نوجوان مجلس میں شریک تھا۔ ایک آدمی نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ علامتِ محبتؒ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ جب دریائے محبت جوش میں آئے تو پھر پوچھنا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے محبت کا ذکر چھیڑ دیا اور آپ پر جوش وخروش طاری ہو گیا۔ سائل نے اٹھ کر دوسری بار عرض کیا کہ حضور محبت کی علامت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ محبت کی علامت یہ ہے کہ خواب وخور کم ہو جائے اور جس قدر خواب وخور میں مشغول ہو

گا اسی قدر محبوب سے محروم رہے گا۔ آپنے اس نوجوان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دیکھو یہ جوان ساری رات گریہ زاری میں مبتلا رہا اور رباعی پڑھتے جب آنکھ لگی تو وہی اونگھ اس کی محرومی کا سبب بنی۔

چہار شنبہ۔ ۱۰ محرم الحرام ۸۰۳ھ

یوم عاشورہ میں سماع

چاشت کے وقت آنے والوں کا ہجوم تھا۔ قوال جماعت خانہ میں آچکے تھے اور قوالی شروع ہو چکی تھی۔ بعض احباب قوالی سن رہے تھے۔ فرمایا آج عاشورہ کا دن ہے لوگ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کیلئے فاتحہ پڑھ رہے ہیں اور ماتم میں مشغول ہیں۔ آج کا دن مشکوک ہے آج قوالی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن واقعات کے غلبہ سے اکثر یہ بات بھول جاتی ہے۔ ایک دن میں اور مولانا علاؤ الدین احاطہ شیر خان میں عاشورہ کے دن سماع سن رہے تھے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ آج تو عاشورہ کا دن ہے۔ اسلئے اس بات پر مضبوطی سے قائم ہو جانا چاہیے کہ عاشورہ کے دن سماع نہیں سننا۔

اس کے بعد فرمایا کہ صوفیوں کے درمیان عام مشہور ہے کہ سماع بوقتِ مصیبت سنا جاتا ہے لیکن بہتر ہے کہ سنتِ مشائخ کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ صوفیوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پیر سے جدا ہو جائے یعنی طویل سفر یا موت کی وجہ سے تو فراق پیر میں آہ و فریاد اور گریہ و رقص کرنا چاہیے۔ باعثِ ثواب و خیر و برکت ہے۔ کیونکہ ہر کام میں پیر کو مقدم رکھنا چاہیے۔ اس طائفہ کا مقصود شہود جمال پیر ہے۔ جو شخص پیر کے مقام سے آگاہ ہو جاتا ہے بلند مراتب پر رسائی حاصل کرتا ہے۔ جو شخص اس سے محروم رہتا ہے۔ اعلیٰ درجات اور راہِ وصل سے محروم رہتا ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا سماع

اس کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے سماع کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ حضرت شیخ اگرچہ معمر اور ضعیف تھے لیکن سماع کے وقت اس زور سے اچھلتے' کودتے اور رقص کرتے تھے کہ کوئی قوی نوجوان بھی نہیں کر سکے گا۔ لیکن آپکے پاؤں کبھی نہیں پھسلا تھا سوائے ایک دفعہ کے کہ جب ہمارے گھر پر سماع ہو رہا تھا۔ اس روز قوال نے یہ شعر پڑھا۔

سگے دنبال آں محمل طفیلِ او دواں من ہم
منش لبیک میگویم گر او سگ راہمے خواند

(محبوب کی محمل کے پیچھے اس کا کتا جا رہا تھا اور میں کتے کے پیچھے جا رہا تھا۔ جب محبوب اپنے کتے کو آواز دیتا تھا تو میں لبیک کہتا تھا) اس پر آپکو حال آ گیا اور اٹھ کر اس زور سے دوڑے کہ کوئی شخص آپ تک نہ پہنچ سکا۔ اس وقت آپکا پاؤں پھسل گیا جس سے زمین پر بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے ہمیشہ بیٹھے بیٹھے وجد واضطراب کرتے تھے۔ البتہ جب کوئی اور صوفی وجد کی حالت میں کھڑا ہو جاتا تو اس کی تحریم کی خاطر آپ بھی کھڑے ہو جاتے تھے اور وجد کرتے تھے ورنہ بیٹھے رہتے تھے۔ آپ پر ہندی اشعار سے کم کیفیت طاری ہوتی تھی۔ لیکن فارسی اشعار سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا جس سے آپ کی دستار گر جاتی تھی اور مضطرب ہوتے تھے۔ آپ وجد کی حالت میں کپڑے نہیں پھاڑتے تھے۔ البتہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے سر سے ٹوپی اتار کر پھینک دی تھی۔ ہوا یہ کہ شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین قدس سرہ' کی خانقاہ میں آپ کے وصال کے بعد سماع ہو رہا تھا۔ جب یہ شعر پڑھا گیا تو آپ نے ٹوپی اتار کر زمین پر دے ماری۔

مجلسِ یار ہمان است وے یار کجا

(دوست کی مجلس تو وہی ہے جو ہوا کرتی تھی افسوسکہ دوست درمیان میں نہیں ہے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب ہمارے شیخ کا آخری سال تھا تو ہمیں آپ کے وصال کا علم ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں ایک وبا چل رہی تھی جس کی وجہ سے میرے جسم میں شدید درد اٹھا تھا۔ اور مجھے خون جاری تھا۔ ادھر حضرت شیخ کے ساتھ قوی تعلق ہونے کی وجہ سے یاد ستا رہی تھی۔ جب خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے صحت ہوئی تو چند روز کے بعد آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس روز ملک ابراہیم رئیس اقطاع کا سیوم تھا۔ مولانا زین الدین اور خانقاہ کے ملازمین سب اس کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اشراق کے وقت حضرت اقدس کی خانقاہ میں پہنچا تو خادم خانقاہ خواجہ بشیر میاں نے آپ کو میری اطلاع کی۔ آپ نے بے حد خوش ہو کر اندر طلب فرمایا اور مجھے دیکھتے ہی بلند آواز سے فرمایا اَلْحَمْدُ اللّٰہ ۔ میں نے سر زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے بہت توجہ فرمائی بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تکلیف تھی۔ عرض کیا کہ خلّہ کی بیماری ہو گئی تھی۔ اور خون جاری ہو گیا تھا۔ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوا اور فرمایا کہ بہت سخت

بیماری تھی۔ خدا تعالیٰ نے کرم فرمایا ہے کہ صحت ہوگئی ہے۔ جب کچھ عرض داشت کرنے کیا جازت چاہی تو فرمایا کہ اب آفتاب نکل چکا ہے۔ میں اشراق پڑھتا ہوں۔ تم بھی پڑھ لو اس کے بعد آجانا اور اطمینان سے بات کرنا۔ میں باہر آگیا اور حضرت اقدس نے نماز اشراق ادا کی۔ آپ کے فارغ ہوتے ہی آنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور قدم بوسی کرنے لگے۔ خواجہ بشیر نے عرض کیا کہ سید محمد بھی انتظار کر رہے ہیں اور زائرین بھی جمع ہیں۔ آپ نے فرمایا سید محمدؒ سے کہو کہ ذرا انتظار کرے۔ باقی لوگوں کو اندر آنے دو۔ آنے والوں میں قاضی عبدالمقتدر اور خواجہ محمود درویش سندیلہ بھی شامل تھے۔ یہ دونوں حضرات چونکہ حضرت شیخ کے عزیز تھے آ کر بیٹھ گئے۔ باقی لوگوں کو آپ جلدی رخصت کرتے رہے۔ حضرت اقدس نے ان سے فرمایا کہ سید محمد کو خلہ کی بیماری لاحق تھی جس سے خون جاری ہو گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے کرم فرمایا ہے۔ اب صحب یاب ہو گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر یہی بات دہرائی کچھ دیر بھی پھر وہی فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ دونوں باہر جا کر بیٹھ جائیں اور سید محمد گو اندر بھیج دیں۔ یہ بات شاید ان کو ناگوار گزری۔ قاضی عبدالمقتدر نے بمشکل تمام میرے پاس آ کر کہا کہ خوند سید! حضرت شیخ نے آپکو طلب فرمایا ہے اور ہمیں باہر بھیجد یا ہے۔ آپ جائیں یہ سنکر میں بالا خانہ کی طرف گیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں چند چیزیں عرض کیں جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور اپنے ہاتھ چہرہ مبارک سے لگا کر فرمایا۔ **اَلْحَمْدُ اللّٰہ رَبِّ العٰلمین** ۔ چند الفاظ اسی قسم کے اور فرمائے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ آپکا آخری وقت آ گیا۔ اس کے بعد آپ نے پھول اٹھا کر میرے دونوں ہاتھوں میں دئے۔ اور میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا کہ جو شخص تکلیف کو برداشت کرتا ہے کسی مطلب کے لئے کرتا ہے۔ اس موقعہ پر آپنے چند چیزیں بتائیں جن کے بیان کرنے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم نے قبول کیا۔ اب انکار کی کیا گنجائش تھی۔ عرض کیا کہ قبول ہے۔ اس کے بعد چند بار وہی کلمات دہرائے۔ آپ عام طور پر جو گفتگو فرماتے تھے اس کے جواب میں بندہ ہاں کر دیتا تھا۔ لیکن اس دن آپ اس زور سے اپنی بات منوا رہے تھے اور اس قدر غلبہ کر رہے تھے کہ پس و پیش کرنے کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ اور ہر بات قبول کرنا پڑی۔ پھر بازو پکڑ کر فرمایا کہ کیا تم نے قبول کیا۔ عرض کیا کہ حضور میں نے قبول کیا۔ نیز ان دو باتوں کی وصیت بھی فرمائی کہ یہ کہ ظاہری اوراد ترک نہ کرنا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ملاقات میں بندہ نے جو کچھ عرض کیا تھا اس سے

ظاہر ہوتا تھا کہ اوراد کی چنداں ضرورت نہیں رہی اس لئے آپ نے فرمایا کہ اوراد ترک نہ کرنا اور میری سنت پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا۔ اور میرا اتباع کرتے رہنا۔ دوسری بات یہ تھی کہ میرے متعلقین (رشتہ داران) کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ یہ بدھ کا واقعہ ہے۔ شب جمعہ کو آپ بیمار ہوئے اور دوسرے جمعہ کی شب وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعُون ۔ (نوٹ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نے آپکو خلافت عطا فرمائی اور اس کے متعلق دیگر ہدایات دیں)

پنجشنبہ ۱۱/ محرم الحرام ۸۰۳ھ

بے ثباتی دنیا

چاشت کے وقت دنیا کی بے ثباتی اور بے قراری کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا دنیا ایک افسانہ ہے اور اس کا حاصل بھی افسانہ ہے۔ جو شخص نیکی کرتا ہے لوگ اس کو نیکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں جو نعوذ باللہ برائی کرتا ہے لوگ اسے بُرا کہتے ہیں۔ داناؤں نے کہا ہے کہ لِیَکُنْ حدیثاً حَسَناً ذکرہ فانما لِلنّاس اَحادیث سب لوگ افسانہ سے زیادہ نہیں ہیں لہذا جہاں تک ہو سکے اچھا افسانہ بنو۔ اور ایسا کام کرو کہ دنیا میں تجھے لوگ نیکی سے یاد کریں۔

ایک خواب کی تعبیر

اس کے بعد ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ بندہ نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ حضرت اقدس ایک بلند مقام پر بیٹھے ہیں ایک اور بزرگ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں پانچ سپارے ہیں۔ وہ بزرگ کہتے ہیں۔ کہ یہ پانچ سپارے مجھے دے دیں۔ میں دور کھڑا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تم دونوں تقسیم کرلو۔ نصف تم لو اور نصف اس کو دے دو۔ چنانچہ انہوں نے نصف خود لے لئے اور نصف مجھے دیئے۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ تمہارا دین سلامت رہے گا اور مراتب دین سے تجھے حصہ ملے گا۔

تعبیر خواب کا اصول

اس سے تعبیرِ خواب کا ذکر چل نکلا۔ فرمایا خواب کی تعبیر اور قرآن سے فال نکالنا ایک ہی نوعیت کی چیزیں ہیں اخواب کی تعبیر بیان کرنا کافی مشکل ہے۔ اور سوائے الہام ربانی کے جو نیک بندوں کو

ہوتا ہے تعبیر بیان نہیں کی جا سکتی بایں ہمہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ فرمایا ایک دفعہ خواجہ حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا کہ گندگی کے ڈھیر پر برہنہ کھڑا رباب بجا رہا ہوں۔ اب وہ سخت حیران تھے کہ اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی نے حضرت شیخ محمدؒ ابن سیرین[1] کے پاس جا کر عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی کیا تعبیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج یہ خواب خواجہ حسن بصریؒ کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ فرمایا یہ دنیا گندگی کا ڈھیر ہے اور اس پر ننگا ہو کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے شر سے آزاد ہے۔ اور رباب بجانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اس فارغ البالی پر خوش وخرم ہے۔ ایک اور شخص نے حضرت شیخ محمدؒ ابن سیرینؒ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ فرِج زنان[2] اور دہن مرد ماں[3] پر مہر لگا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے تم موذن ہو۔ اس نے کہ جی ہاں میں موذن ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ رمضان شریف میں صبح کی آواز دینے میں جلدی مت کیا کرو بلکہ صبح صادق ہونے کے بعد دیا کرو تا کہ لوگ اپنی بیویوں سے علیٰحدہ ہو جائیں۔ قبل از وقت آذان دینے سے تم گویا فرج زنان پر مہر لگا دیتے ہو۔ اور تمہاری آذان سن کر چونکہ لوگ کھانا پینا بند کر دیتے ہیں۔ گویا تم ان کے منہ پر مہر لگا دیتے ہو۔

ایک آدمی نے خواب میں سفر جل (بہی دانہ) دیکھا اور حضرت محمدؒ ابن سیرین سے تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ تم سفر اختیار کرو گے۔ کیونکہ پہلا لفظ سفر[4] ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی

---

1 شیخ محمدؒ ابن سیرین بڑے بزرگ تھے خواجہ حسن بصریؒ کے ہمعصر تھے اور تعبیر خواب میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ کے والد سیرین نام ایک غلام تھے جو جنگِ تمرین میں چالیس عیسائی لڑکوں کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے۔ ان چالیس لڑکوں میں ایک لڑکا نُصیر نامی تھا جو مشہور مسلمان جرنیل موسیٰ بن نُصَیر فاتح ہسپانیہ کا والد تھا۔ غرضیکہ دونوں غلام بچوں کی پُشت سے ایسے مایہ ناز فرزندان اسلام پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام میں آفتاب بن کر چمکے۔ کتاب ''غلامانِ اسلام'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امت محمدیہؐ کے غلامان کن کمالات کے مالک ہوئے اور آفتاب بن کر خود روشن ہوئے اور دنیا کو بھی روشن کیا۔

2 عورتوں کی شرم گاہ۔

3 مردوں کے منہ۔

4 سفر جل میں اگر پہلا لفظ سفر ہے تو دوسرا جل جس کے سرائیکی زبان میں معنی ہیں چَل۔ ''یعنی سفر کو چل''۔ ''چل'' اور ''جل'' بھی ایک دوسرے کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ امیر خسروؒ جب ملتان کے علاقہ کی حدود ہو گئے تو انہوں نے اپنی کیفیت اس شعر میں بیان کی ہے۔

من کہ برسر نہ نہادہ بودم گل۔ برسرم تو برہ نہادند گفتند جُل (یعنی وزن میرے سر پر رکھ کر کہا ''چل'')

نے خواب میں دیکھا کہ چاند آسمان سے اتر کر میری گود میں آیا ہے اور میں نے اسے اٹھا کر آستین میں ڈالدیا ہے۔انہوں نے پوچھا کہ کیا تیری بیوی حاملہ ہے۔اس نے کہا جی ہاں۔آپ نے فرمایا کہ تیرے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا۔لیکن جلدی فوت ہو جائے گا۔چاند سے مراد بیٹا ہے اور آستین قبر کی مانند ہے۔آستین میں ڈالنے کا مطلب ہے قبر میں دفن کرنا۔ چنانچہ اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا جو ساتویں دن مر گیا۔ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ چاند پروین میں آ گیا ہے۔انہوں نے تعبیر یہ دی کہ وزیر مر جائے گا۔ چند روز کے بعد بادشاہ نے وزیر کو قتل کرادیا۔چاند سے مراد وزیر تھا اور پروین قبر کی شکل پر ہے۔(پروین ستاروں کے اس جھرمٹ کا نام ہے جن کو ثریا کہتے ہیں)

قرآن سے فال نکالنا

ایک شخص شیخ رکن الدینؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے۔آپ فال نکالیں کہ بچہ پیدا ہوگا یا بچی۔آپ نے قرآن مجید سے فال نکالی تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم برآمد ہوئی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بچہ پیدا ہوگا لیکن وہ زندہ نہیں رہے گا۔ کیونکہ بسم اللہ روانگی کے وقت کہا جاتا ہے جس سے مراد الوداع ہے۔ کہتے ہیں کہ بچہ پیدا ہوا لیکن جلدی مر گیا۔

حضرت امام حسینؓ کا خواب

ایک دن حضرت امام حسینؓ حرم نبویؐ میں تشریف رکھتے تھے۔آپ نے اپنے بھائیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ امیر معاویہؓ کا سر صحرا میں پڑا ہے اور اس کے پاس ایک کتا بیٹھا ہے آپ نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ امیر معاویہ جانے والے ہیں۔اوران کی جگہ یزید لے گا۔ بھائیوں نے کہا اگر یہ خواب سچا نکلا تو آپکو یزید کی بیعت پر مجبور کیا جائے گا۔پھر آپ کیا کریں گے۔آپ نے فرمایا کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کر سکتا ہوں جس کے ہاتھ بیت المال کا مال اور مستورات محفوظ نہیں ہیں۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ حاکم مدینہ سے طلبی کا حکم آ گیا۔ آپ نے فرمایا میری طلبی یزید کی بیعت کے لیے ہو رہی ہے۔آپ نے قاصد سے فرمایا کہ رات کو آؤں گا۔اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے اپنے عزیزوں سے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے یزید کی بیعت پر مجبور کر رہے ہیں لیکن میں اس کی بیعت نہیں کروں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کرنے کا

قصد کریں گے۔ اس لئے تم لوگ ہتھیار لے کر میرے ساتھ چلو اور باہر ٹھہر جاؤ جب میں یہ الفاظ کہوں۔ اُسْکُتْ یاعَدُ واللہ (خاموش رہو خدا کے دشمن) تو تم لوگ اندر گھس آنا۔ جب حضرت امام حسینؓ حاکم کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے یزید کا فرمان نکال کر دکھایا جس میں لکھا تھا کہ حسینؓ سے بیعت حاصل کرو۔ اگر بیعت کریں تو بہتر ورنہ اسے اسی جگہ پر قتل کر دو۔ حضرت امام حسینؓ نے بیعت سے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنے بھائیوں سے مشورہ کرنے دو۔ یہ جواب سنتے ہی حاکم نے آپ کو قتل کرنے کا قصد کیا ہی تھا کہ حضرت امامؓ نے بآواز بلند فرمایا اُسْکُتْ یا عدواللہ۔ یہ سنتے ہی آپکے بھائی اندر گھس گئے جس سے حاکم ڈر گیا اور حضرت امامؓ باہر آ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو مشورہ دیا کہ آپ مکہ معظمہ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ چند روز کے بعد مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تین مرتبہ قیامت آئی ایک وہ تھی جب رسول خدا ﷺ نے وصال فرمایا۔ دوسری قیامت وہ تھی جب حضرت علیؓ نے رحلت فرمائی تیسرا قیامت کا دن وہ تھا جب حضرت امام حسینؓ نے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

نجومیوں میں اختلاف کی وجہ

اس کے بعد فرمایا کہ مامون الرشید کے زمانۂ خلافت میں ایک آدمی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ بادشاہ نے اسے فوراً ایک کمرے میں بند کر دیا اور نجومیوں کو طلب کر کے دریافت کیا کہ اگر آج کوئی شخص کوئی دعویٰ کرے تو کیا وہ دعدہ سچا ہو گا۔ اور کیا اس کو کامیابی ہو گی۔ نجومیوں نے حساب کر کے کہا کہ اس کا دعویٰ سچا ہے اور اس کو کامیابی ہو گی۔ بادشاہ نے کہا بڑے نجومی ابو مشعر دمشقی کو طلب کیا جائے۔ ابو مشعر ان سب نجومیوں کا استاد تھا اس نے حساب کر کے بتایا کہ اس شخص کا دعویٰ باطل ہے اور اس کو کامیابی نہیں ہو گیا اس نے اپنے شاگرد نجومیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارا حساب بھی صحیح ہے۔ لیکن چند منٹوں کا وقفہ ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے دوسرے ستارہ کا اثر شروع ہو گیا۔ اور اس ستارہ کی خاصیت یہ ہے یہ سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ اس کے بعد اس دعویٰ کا باطل کرنے والے کو نکال کر قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس استاد نجومی نے کہا کہ تمہارے حساب میں کوئی غلطی نہیں ہے لیکن غلطی کا حکم لگ گیا ہے۔ کیونکہ جب ایک ستارہ دوسرے ستارہ سے اخذ فیض کرتا ہے تو اس کی کوئی حد و حساب نہیں۔ اور بہت اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہذا لازماً غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ایک آدمی نے عرض کیا کہ میری بیٹی کو بیعت میں قبول فرمائیے۔ حضرت مخدوم نے اپنا رومال جو دو گز کے قریب تھا لڑکی کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ پانی کا کوزہ لاؤ۔ جب خادم کوزہ بھر کر لایا تو آپ نے لڑکی کے والد سے فرمایا کہ مولانا آپ میرے نائب کے طور پر اپنی بیٹی سے کہیں کہ وضو کرے۔ جب اس نے وضو کر لیا تو آپ نے اس آدمی سے فرمایا کہ اپنی بیٹی کو کہو کہ اپنی شہادت کی انگلی آستین میں چھپالے اور ایک درم کے قریب ظاہر کر کے اسے پانی میں ڈبو دے۔ تم بھی یہی کام کرو۔ اور اس سے کہو کہ میں اس شیخ سے (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اور اس کے شیخ سے اور تمام مشائخ سلسلہ رضوان علیھم کے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ اپنی آنکھ اور زبان کی حفاظت کروں گی۔ شریعت کی پابندی کروں گی۔ اس سے پوچھو کہ کیا تم نے قبول کیا۔ وہ کہے کہ ہاں میں نے قبول کیا۔ اس پر عمل کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ کہو الحمد اللہ۔ اس کے بعد تکبیر کہو اور اس رومال کو اس کے سر پر ڈالو اور کہو کہ ایک دوگانہ نماز ادا کرے۔ جب اس پر عمل ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ لڑکی سے کہو کہ پانچ وقت نماز بلا ناغہ پڑھے۔ اور مغرب کی نماز کے بعد روزانہ چھ رکعت نماز (اوابین) ادا کرے۔ دو دو رکعت کر کے اور ہر رکعت میں بعد سورت فاتحہ سات بار سورت قل ھو اللہ ایک بار قل آعوذُ بَربِ الفلق اور ایک بار قل آعوذ برب الناس پڑھے۔ سلام کے بعد سجدہ میں جا کر تین مرتبہ یاَ حیَّ یاَ قیوّم ثَبِتُنی علی الایمان پڑھے۔ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ اور ہر رکعت میں بعد سورت فاتحہ دس بار قل ھو اللہ پڑھے۔ سلام کے بعد ستر بار یاَ وہابُ یا وہابُ پڑھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے۔ تیرھویں چودھویں اور پندھوریں تاریخ کو اور اکثر یا وہابُ اور استغفر اللہ کا ورد رکھے۔ زبان کو فحش کلامی سے باز رکھے۔ بلکہ فحش کلامی کی بجائے یہی تسبیحات پڑھا کرے اس کے بعد فرمایا کہ لڑکی سے کہو کہ کچھ رقم راہِ خدا میں خرچ کرے۔ کمترین بندگان نے (راقم الحروف) عرض کیا کہ راہِ خدا میں خرچ کرے۔ کیونکہ پیر کی خدمت میں پیش نہیں کر سکتی۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

ہاں اس کے لئے یہی کافی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مستورات کی بیعت کا یہی طریقہ مسنون ہے۔ حج الوداع کے وقت جب مستورات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیعت کے

لئے لایا جاتا تھا تو آپ اسی طرح بیعت کرتے تھے۔ یعنی پانی درمیان میں رکھا جاتا تھا اور اس کے اندر انگلی ڈالی جاتی تھی بوقت نماز عصر۔

جُمعۃ المبارک ۱۲/ محرم الحرام ۸۰۳ھ

حضرت شیخ مخدوم نے کمترین بندگان اور بھائیوں کے سامنے حسب ذیل شجرۂ خواجگان بیان فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ انبیا ء ابو القاسم محمد رسول اللّٰہ الہا شمی صلی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمتِ خواجہ اولیا ء ابو الحسن العلی الوصی الھاشمی

الٰہی بحرمتِ خواجہء ابو النصرا الحسن بصری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمتِ خواجہء ابو الفضل عیدالواحد بن زید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابو الفیض فضیل ابن عیاض

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ امان الارض سلطان ابراھیم ادھم البلخی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ امین الدین ابوھبیرہ البصری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابو ابراھیم اسحاق علود ینوری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابو ابراھیم اسحاق چشتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ قدوۃ الدین ابو محمد چشتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ناصح الدین محمد چشتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ قطب الدین مودود چشتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ حاجی شریف زندنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابوالانوار عثمان ہارونی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ معین الدین حسن السنجری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ قطب الدین بختیار وکیل الباب الاوشی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ فرید الدین گنج شکر حریقہ المجت المنسعوداجودھنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ سلطان العاشقین رحمت اللعٰلمین خواجہ نظام الدین محمد بدایونی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابراھیم الثانی نصیر الملت و الدین محمود اودھی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

الٰہی بحرمت خواجہ صدر الدین ابوالفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد بن یوسف الحسنی المقلب بگیسو دراز

مندرجہ ذیل غزل حضرت مخدوم کی ہے۔

۱۔ گر دادہ حق ترا فراغ است	امروز ہوائے کشتِ باغ است
۲۔ جز دلبر یا حکایت او	وہم است وخیال وہزل وبلاغ است
۳۔ وہ دیدن سوئے روئے اغیار	برسینۂ یار سنگ داغ است
۴۔ جز بر درِ تو سرے ندارم	بر کرسی و عرش ہم دماغ است
۵۔ مرغِ دل من بدام شخصے است	طاؤس بہ نسبتش کلاغ است
۶۔ ہم سروِ بلند پائمال است	ہم کبک براں خرام زاغ است
۷۔ ابوالفتح بہ نقدِ وقت خوش باش	گر دادۂ حق ترا فراغ است

۱۔ اگر خدا تعالیٰ نے تجھے فارغ البالی نصیب کی ہے تو تم باغ لگانے کی فکر میں ہو۔

۲۔ دوست یا ذکرِ دوست کے سوا جو کچھ ہے سب وہم' خیال' بے ہودہ اور بے کار۔

۳۔ غیر خدا کی طرف دیکھنا ایسا گراں گزرتا ہے جیسے سینے پر پتھر۔

۴۔ اے دوست میں نے تیرے در کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں رکھا اس لئے میرا دماغ عرش و کرسی پر پہنچ گیا ہے۔

۵۔ میرا طائرِ دل ایسے شخص کے قبضے میں ہے کہ گویا مور کے مقابلہ میں جنگلی کوّا۔

۶۔ اب حال یہ ہے کہ سرو بلند قامت پائمال ہے اور کبک سبک رفتار کوّے کے زیر اثر ہے۔

۷۔ اے ابوالفتح تم اپنے حال میں مست رہو جب تمہیں حق تعالیٰ فراغ دل عطا فرمائے۔

یکشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۸۰۳ھ

فضائل اہل بیتؓ

چاشت کے وقت فضائل اہل بیت کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا سید ابوالحسن جنیدیؒ سے ہم بارھویں پشت پر ہیں۔ آپ کا مزار قلعہ دہلی کے نیچے متصل شکاری دروازہ واقع ہے۔ آپ کے مزار مبارک پر شب جمعہ

ایک نور ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا اکثر ہمسائیگاں نے مشاہدہ کیا ہے۔ لوگ آپ کے مزار کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ شہید انار کے نام سے مشہور ہیں۔ وہاں انار کے پورے کثرت سے ہیں جو دھاگوں سے پُر ہیں۔ یہ دھاگے حاجت مند لوگ باندھتے ہیں اور تمام کی حاجات پوری ہو جاتی ہیں۔ فتح دہلی سے پہلے آپ نے سولہ مجاہدین کے ساتھ ہو کر دہلی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ رات قلعہ کے باہر بسر کی اور مشورہ کیا کہ صبح جانوروں کے قلوہ سے باہر جاتے وقت اندر گھس جائیں گے۔ چنانچہ یہی کیا اور کفار پر حملہ کر دیا۔ بے شمار ہندو مارے گئے۔ اور سولہ آدمی صحیح سلامت باہر آ گئے۔ انہوں نے گیارھویں کی رات بڑے دروازہ کے باہر قیام کیا اور ایک مسجد تعمیر کر کے آذان دی۔ اور صبح کی نماز ادا کی۔ دوسرے دن مویشی کے گزرتے وقت قلعہ کے اندر پھر گھس گئے اور لڑائی شروع کر دی۔ اس جنگ میں کثیر تعداد میں کفار مارے گئے۔ اور شہر میں شور عظیم برپا ہوا۔ اس کے بعد وہ دروازہ شکاری کے ذریعے باہر آ گئے۔ ہندوؤں نے باہر نکل کر بھاری تعداد میں حملہ کر دیا جس میں سید شہید ہو گئے۔ اور اُسی جگہ آپ کا مزار ہے۔ اس جنگ میں بھی بے شمار ہندو مارے گئے۔ بہر حال سیّد آلِ رسولؐ تھے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو گئے۔ لازماً مقربانِ حق اور مشفقان امت میں سے ہوں گے۔ واللہ علم بالصواب۔

دوشنبہ ۱۵/ محرم الحرام ۸۰۳ھ

چاشت کے وقت حضرت اقدس نے نہروالہ سے کھمبائت کی طرف سفر کیا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ بے شمار اکابر' مشاہیر' علماء امراء' ہمرکاب تھے۔ آپ نے موضع پائیں میں منزل فرمائی جہاں سے رخصت ہوتے وقت خلق خدا کا ہجوم تھا اور سب لوگ اس طرح رو رہے تھے کہ جس طرح بچے اپنے باپ کی موت پر روتے ہیں۔ اور یہی حال ہر منزل پر ہوا۔

یکشنبہ ۱۶/ محرم الحرام ۸۰۳ھ

فضائل بیعت

اکیس محرم کے دن آپ قصبہ اساول میں پہنچے جہاں آپ نے چار روز قیام فرمایا۔ وہاں بھی شہر کے تمام اکابر حاضر خدمت ہوئے۔ بیعت کے فضائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بیعت وہ چیز ہے جو قیامت کے دن دستگیری کرے گی اور آتش دوزخ سے بچائے گی۔ فرمایا

ہمارے شیخ کا ایک مرید تھا۔ جو بہت پریشان حال تھا۔ مرنے کے بعد عذاب کے فرشتے پہنچ گئے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت شیخ کی ٹوپی اس کے سر پر دیکھی تو ایک طرف کھڑے ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کس ٹوپی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت شیخ نصیر الدینؒ کی ٹوپی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس گئے اور عرض کیا کہ خداوندا اس کے سر پر شیخ نصیر الدینؒ کی ٹوپی ہے۔ ہم اس پر کیسے دست درازی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب تک درویش کو حضرت حق تعالیٰ سے اتنی توقع نہ ہو کہ جو شخص اس سے بیعت کرے گا۔ آتشِ دوزخ سے خلاصی پائے گا۔ اس کے لیے لوگوں کو بیعت کرنا حرام ہے۔ فرمایا خواجہ محمد نام ایک جوان تھا۔ جو حضرت شیخ کا خالہ زاد بھائی تھا اودھ کا رہنے والا تھا۔ اگرچہ حقیقی معنوں میں وہ آپکا خالہ زاد بھائی نہیں تھا اس نام سے مشہور تھا۔ وہ حضرت شیخ کا مرید تھا۔ ایک دن اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں آکر رونا شروع کیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا حضور مجھے دوزخ سے ڈر لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فکر مت کرو۔ جو شخص اس ضعیف کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے امید ہے کہ قیامت کے دن نجات پائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک جوان نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے پاس جا کر رونا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا کیا بات ہے کیوں روتے ہو۔ اس نے عرض کہ میرا باپ بڑا فاسق وفاجر تھا اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں اب اس کا کیا حال ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا وہ کبھی ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اس نے کبھی ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اس نے کبھی مجھے دیکھا تھا اس نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اس کا کبھی ہماری بستی غیاث پورہ میں گزر ہوا تھا اس نے جواب دیا کہ جی ہاں ایک دن وہ کسی کام کی خاطر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اس کیلئے یہی کافی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک درویش تھا جو لوگوں کو بیعت کرتا تھا۔ ایک دن وہ اس کام سے تنگ آکر ایک مسجد کی طرف روانہ ہو پڑا۔ وہاں ایک ابدال کا گزر ہوا۔ ابدال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے لیے اس کام سے باز آجاؤ۔ درویش نے کہا کہ کیا آپ اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ جو شخص آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے آتش دوزخ سے نجات پائے گا۔ انہوں نے کہا ہاں میں ضامن ہوں۔ اس کے بعد درویش گھر چلا گیا۔ اس کمترین بندگان (راقم الحروف) کا خیال ہے

کہ یہ حضرت مخدوم کا اپنا واقعہ ہے جو آپ نے کسی آدمی کا نام لے کر بیان فرمایا جیسا کہ ان حضرات کی عادت ہے کیونکہ آپ کئی بار یہ حکایت میرے سامنے تفصیل سے بیان فرما چکے تھے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا الہام

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ رات کے وقت چھت سے گر کر صحن خانہ میں جا پڑے۔ کنیزوں نے سمجھا کہ شاید کوئی چور ہے۔ لیکن جب نزدیک جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا کہ ان تین ایام کے اندر جو شخص مجھے دیکھے گا۔ بخشا جائے گا۔ اب میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ ڈولی منگواؤ تا کہ اس میں بیٹھ کر ادھر ادھر جاؤں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ بخشے جائیں۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو گھر پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر آپ کو جو چوٹ آئی تھی اس کا درد محسوس ہونے لگا۔ اور آپ نے آہ وفریاد شروع کی۔ آپ کے فرزند حضرت شیخ صدر الدینؒ نے عرض کی حضور لوگوں کے سامنے یہ نالہ وفریاد کیوں کر رہے ہیں۔ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دوں۔ یہ کہنا تھا کہ آپ رحلت فرما گئے۔ بعد میں لوگوں نے حضرت شیخ صدر الدینؒ پر الزام لگایا کہ آپ کی یہ بات بے موقعہ تھی۔ اس طرح بات نہیں کہی جاتی۔ جب یہ خبر حضرت شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ شیخ بہاؤالدینؒ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ان تین دنوں کے اندر دیکھ لے گا بخشا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو ہمیں دیکھے گا یا ہمارے مریدوں اور ان کے مریدوں کو دیکھے گا بخشا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ یہ بات ایسی ہے کہ گویا ایک بادشاہ کسی کو کوئی جاگیر عطا کرتا ہے اور فرمان شاہی میں یہ بھی لکھ کر دیتا ہے کہ اس جاگیر کے جملہ معاملات آپ کی مرضی کے مطابق ہوں گے۔ چنانچہ جب ایک بزرگ کو ولایت ملتی ہے تو ان کی ہر بات قبول ہوتی ہے۔ اب ایک شخص یہ التماس کرتا ہے کہ جو شخص مجھ سے بیعت کرے بخشا جائے۔ دوسرا شخص یہ التماس کرتا ہے کہ جو شخص مجھے دیکھ لے بخشا جائے گا۔ تیسرا شخص کہتا ہے کہ جو شخص میرے شہر میں رہتا ہے بخشا جائے چوتھا یہ کہتا ہے کہ جو شخص مجھے دوست رکھتا ہے بخشا جائے۔ پس ہر شخص جو آرزو کرتا ہے پوری ہوتی ہے۔

پنجشنبہ ۲۵/ محرم الحرام ۸۰۳ھ

لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو کے معنی

پچیس ماہ مذکوراساول سے کوچ کر کے قصبہ کابلہر میں قیام فرمایا۔عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ لَا اِلٰـــہَ اِلَّا ھُـــو کے کیا معنی ہیں۔یہ معنی سمجھانے کے لئے آپ نے میرے بھائی اور سید ابوالمعالی کو بھی طلب فرمایا۔اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ اس کی صفات عین ذات ہیں۔حضرت شیخ ابوالقاسم قشیریؒ کے قول کونہ وجودہ (اس کی کائنات اس کا وجود ہے) کا یہی مطلب ہے1۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

---

1 عارفین اکثر اس بات پر بحث کرتے رہتے ہیں کہ صفاتِ الٰہی عین ذات ہیں یا غیر ذات دوسرے الفاظ میں سوال یوں کیا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات جو حق تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا مظہر ہے آیا حق تعالیٰ کی عین ہے یا غیر اگر غیر کہا جائے تو ذاتِ حق کا محدود ہونا لازم آتا ہے یعنی کائنات میں نہیں ہے باقی ہر جگہ ہے اس لئے محدود ہو گیا اگر عین کہا جائے تو ساجد و مسجود کا فرق مٹ جاتا ہے۔اور شاید بت پرستی بھی جائز ہو جائے۔اسکی تحقیق کے متعلق علمائے ظواہر اور عارفین صوفیاء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بت پرستی کے جواز سے بچنے کیلئے عطائے ظاہر یہ فوراً یہ کہلاتے میں کہ مخلوقات خالق کی غیر ہے جس سے ذاتِ حق کا محدود ہونا لازم آتا ہے جو کفر ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو صفات کے عین ذات ہونے یا وحدت الوجود سے ہرگز بت پرستی جائز نہیں ہوسکتی۔کفار اور ہنود کا وحدت الوجود باہمہ اوست اور ہے اور اسلام کا اور ہے۔ہنود کے نزدیک ہر چیز خدا ہے اور قابل پرستش ہے۔اسلام میں ہر چیز خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں۔مثلاً زید کا ہاتھ زید نہیں ہے۔لیکن زید سے جدا بھی نہیں کہا جا سکتا۔اس لئے کائنات کی ہر چیز خدا نہیں ہے۔لیکن خدا سے جدا بھی نہیں کہی جاسکتی۔اسلام میں بت پرستی اس لئے حرام ہے کہ جیسے کوئی شخص زید کی بجائے زید کے ہاتھ سے کوئی چیز طلب کرے بالفاظ دیگر جزو کو کل کا مرتبہ دینا کفر ہے لیکن چونکہ حق تعالیٰ جز اور کل سے پاک اور منزہ ہے۔مولانا جامیؒ نے لوائح میں فرمایا ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق کے ساتھ نہ جز کے کل کے ساتھ تعلق کی مانند ہے نہ ظرف اور مظروف کا سا تعلق ہے بلکہ صفت و موصوف اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے۔یعنی کائنات حق تعالیٰ کی صفت ہے اور چونکہ صفت موصوف کا عین ہوتی ہے اس لئے مخلوق خالق کا عین ہے۔ صوفیاء کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ صفات اللہ ہی لاعینہ ولا غیرہ (اللہ کے صفات نہ اس کے عین ہیں نہ غیر) یعنی ایک لحاظ سے عین ہیں ایک لحاظ سے غیر جیسے آئینہ کے اندر عکس جو آپ کا عین بھی ہے اور غیر بھی۔عین اسلیئے کہ آپ کے ہٹ جانے سے عکس مٹ جاتا ہے۔غیر اس لئے کہ عکس پر مٹی ڈالنے سے آپ کے چہرہ پر مٹی نہیں پڑتی۔پس نقطہ نگاہ کا فرق ہے۔ایک لحاظ سے خلق عین خالق ہے اور ایک لحاظ سے غیر ہے۔جیسے شاعر کا کلام شاعر کا عین بھی اور غیر بھی۔اسی طرح قرآن کا مسئلہ ہے۔یہ صفت کلام ہے جو عین بھی ہے اور غیر بھی۔

"لُطفُه' قَهرُ ہ' قهرہ' لطفه' جلالَه' جماله ' جمالہ' جلالہ' اس قول کے دو معنی ہیں۔ایک یہ کہ صفات عین ذاتِ ہیں نہ کہ اعتباری ہیں۔دوسرے معنی یہ ہین کہ ایک ہی چیز ایک مقام پر قہر بن جاتی ہےاور دوسرے مقام پر لطف۔ بلکہ ایک شخص کے لئے قہر ہوتی ہے دوسرے کے لئے لطف۔مثلاً بارش کو لیجئے۔بارش مسافر کے لئے زحمت ہےاور کاشتکار کے لئے رحمت ہے۔اُسی بارش سے غلہ اُگتا ہےاور قحط سالی دور ہوتی ہےاوراسی بارش سے عمارتیں گرتی ہیں اور لوگ مرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر صفت ایک مقام پر رحمت ہےاوردوسرے پر زحمت۔اس کے بعد فرمایا کہ اس کو قلمبند کرلو تا کہ ضائع نہ ہو جائے۔

جمعۃ المبارک ۵/ ماہ صفر ۸۰۳ھ

نماز جمعہ کے بعد ایک نوجوان جس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا حاضر خدمت تھا۔اس بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جوانی بڑی قیمتی چیز ہے۔اس کو عبادت اور حصول درجاتِ قرب کا ذریعہ بنانا چاہیے۔آپ نے اس بارے میں کافی زور دار تقریر فرمائی۔ نیز آپ نے مشائخ عظام کے کافی حالات بیان فرمائے۔جن میں ان کی محنت جانفشانی' ساری عمر اتباع احکام الٰہی کے واقعات شامل تھے۔چونکہ یہ حالات سابقہ مجالس میں مذکور ہو چکے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ان میں سے ایک واقعہ جو حضرت اقدس اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔یہ تھا کہ بارہ سال کی عمر میں آپ ساری رات جاگتے تھے اور نیند کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ساری رات عبادت میں گزرتی تھی۔جب نیند تنگ کرتی تھی تو آپ کالی مرچ پیس کر اپنے پاس رکھتے تھے اور انگلی لعاب دہن سے تر کر کے کالی مرچ اپنی آنکھوں میں لگاتے تھے جس کی وجہ سے آنکھوں سے پانی جاری ہو جاتا تھا۔اور نیند بھاگ جاتی تھی۔

خواجہ گنج شکرؒ کی بچپن میں عبادت

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکرؒ بچپن میں جامع مسجد کھوتیوال میں نوافل میں مستغرق رہتے تھے جس کی وجہ سے لوگ آپ کو "قاضی بچہ دیوانہ" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ایک دن حضرت شیخ جلال الدین بتریزیؒ کھوتیوال پہنچے تو دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی درویش بھی رہتا ہے۔لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک بچہ ہے جو دیوانہ وار جامع مسجد میں پڑا رہتا ہے۔شیخ جلال الدینؒ آپ کی زیارت کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔اس وقت آپ عبادت میں مشغول

تھے۔ شیخ جلال الدینؒ نے آپ کو پاس بلا کر ایک انار دیا۔ چونکہ آپ کا روزہ تھا انار حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ صرف ایک دانہ جو زمین پر گر گیا تھا باقی رہ گیا اور آپ نے شام کے وقت اُسی سے افطار کیا۔ اس سے آپ کے حال میں مزید ترقی ہوئی۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ یہ ایک دانے کی برکت ہے اگر پورا انار کھا لیتا تو معلوم نہیں کیا ہوتا۔ جب آپ نے دہلی جا کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دانہ انار کی برکات بیان کیں تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ بابا فرید جو کچھ تھا اس ایک دانے میں تھا جو تمہارے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔

خضرؑ کا حسب ونسب

اس کے بعد حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے حسب ونسب کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا اکثر روایات سے یہی پایا جاتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔ یہ وہی ارمیا پیغمبر ہیں جنہوں نے بیت المقدس فتح کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ خضرؑ کا نام بلیا بن ملکا بن قانع بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ تھا۔ آپ کو خضرؑ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ ایک ریت کے خشک ٹیلے پر بیٹھے تھے جب آپ نے اپنے منہ سے فاخضرت کا کلمہ نکالا تو ٹیلہ سرسبز ہو گیا اس وجہ سے آپ کا نام خضرؑ مشہور ہو گیا۔ (خضرؑ بمعنی سبز) بعض کہتے ہیں کہ آپ ایک بادشاہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ بادشاہ کے مقربین نے اس سے کہا کہ آپ کا یہی ایک بیٹا ہے جسے کوئی ہنر نہیں آتا۔ بادشاہی کیسے کرے گا۔

بہتر ہے کہ آپ اسے کسی معلم کے پاس بھیج کر تعلیم دلائیں۔ بادشاہ نے شہزادے کے لئے ایک استاد مقرر کیا۔ راستے میں ایک زاہد رہتے تھے۔ خضرؑ استاد کی بجائے اس زاہد کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ سارا دن ان کی صحبت میں مشغول رہتے تھے۔ جو کچھ زاہد کرتے تھے۔ وہی خضرؑ کرتے تھے۔ اور دنیا اور اس کے کاموں کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ جوان ہو گئے۔ جب بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ان کو استاد کے پاس جانے سے منع کر دیا۔ اب وہ اپنے گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر مشغول ہونے لگے۔ وزراء نے بادشاہ سے کہا کہ آپ کا بیٹا بے کار ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ملک آپ کے خاندان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ کیونکہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور بادشاہی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے ایک بیٹا ہے۔ وہ بھی تارک الدنیا ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا تو

پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔وزراء نے کہا اس کی شادی کر دینی چاہیے تا کہ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر دنیا کی طرف توجہ کرے۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کی شادی ایک نہایت ہی حسینہ و جمیلہ لڑکی سے کر دی۔ جب دلہن ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ نماز میں مشغول تھے۔ پاس بیٹھ گئی۔نماز سے فارغ ہو کر اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔لڑکی نے کہا کہ آپ کے والد نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔انہوں نے کہا کہ آؤ میرے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔ان کی بات کا لڑکی کے دل پر کافی اثر ہوا۔اور وہ بھی ان کے ساتھ یاد خدا میں مشغول ہو گئی۔ کچھ عرصے کے بعد جب بادشاہ نے ان کا حال معلوم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی یاد خدا میں مشغول ہو گئی ہے۔اور شوہر کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے کہا کہ وہ لڑکی نا تجربہ کار تھی کوئی سمجھدار اور آزمودہ کار عورت تلاش کی جائے جو کسی حیلہ و بہانہ سے اسے اپنی طرف کھینچ سکے۔ چنانچہ اسی قسم کی عورت کو منتخب کر کے اندر بھیجا گیا۔خضرؑ نے پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا کہ مجھے آپ کے والد نے آپ کے لیئے بھیجا ہے۔انہوں نے کہا کیا تم میرے ساتھ بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو سکتی ہو۔ان کی بات کا اس عورت پر بھی گہرا اثر ہوا۔اور وہ بھی یادِ خدا میں مشغول ہو گئی۔ جب بادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا تو بادشاہ کے مقربین نے مشورہ دیا کہ کوئی بدکار، مکار، غدار اور تیز و طرار عورت بھیجنی چاہیے۔ چنانچہ یہی کیا گیا لیکن اس کی دال بھی نہ گل سکی۔اور وہ بھی یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئی۔ بادشاہ نے وزراء سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔انہوں نے کہا کہ اس کو کمرے میں بند کر کے باہر سے تالہ لگا دینا چاہیے۔اور کھانا پینا بند کر دیا جائے۔اس پر عمل کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد دیکھا تو وہ غیب تھے اس وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ وہ ولی تھے۔ نبی نہیں تھے[1]۔

حضرت الیاسؑ کے حالات

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام وہی الیاس ہیں جو پیغمبر ہیں۔اور بعلبک پر مبعوث ہوئے۔انہوں نے یونسؑ بن مستی کو زندہ کر کے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔اور خود خلق سے غیب ہو گئے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے آپ کو بے حد ستا رکھا تھا۔کہا جاتا ہے کہ ہوا میں اڑ گئے تھے۔اس لئے ان کو الیاسؑ بری اور خضرؑ کو خضرؑ بحری کہا جاتا ہے۔حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا خضرؑ زندہ ہیں۔

1 یعنی اگر نبی ہوتے تو خلق خدا میں رہ کر تبلیغ کرتے۔گم نہ ہو جاتے۔

آپ نے فرمایاہاں وہی خضرؑ زندہ ہیں۔ایک آدمی نے پوچھا کہ رسولِ خداﷺ کے قول لَو کَان الخضر وحَیاً لَزَرنی (اگر خضرؑ زندہ ہوتے تو میں ان سے ملاقات کرتا) کے کیا معنی ہیں۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کہتے ہیں کہ جب سکندر بادشاہ نے یاجوج وماجوج کے روکنے کے لئے دیوار تعمیر کی تو خضرؑ کو اس کی حفاظت پر تعینات کیا۔ جب رسول خداﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور ایک سو سال تک سوئے رہے۔اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہ ہوسکی کیونکہ آنحضرتﷺ کی زندگی ہی تریسٹھ سال تھی اور وہ ایک سو سال تک سوئے رہے۔احیاءالعلوم اور قوت القلوب میں ابراہیم تیمی سے روایت ہے کہ خضرؑ کی رسول خداﷺ سے ملاقات تھی۔اگر یہ کہا جائے کہ یہ روحانی ملاقات تھی تو فقہا روحانی ملاقات کو معتبر نہیں سمجھتے اور مندرجہ بالا روایت تمام مستند کتابوں میں موجود ہے۔اس لئے حدیث لَو کَان الخضَرَ وحَیاً لَزَرنی سے آنحضرتﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر خضرؑ بیدار ہوتے تو میں ان سے ملاقات کرتا کیونکہ عرب میں یہ محاورہ مشہور ہے کہ النوم رخت الموت۔(نیند موت کی بہن ہے)

شنبہ ۶/صفر ۸۰۳ھ

قلندروں کی رسومات وعادات

چاشت کے وقت ان لوگوں کا ذکر ہو رہا تھا جو ظاہری رسومات وعادات میں پھنس جاتے ہیں اور حقیقت سے دور رہتے ہیں۔فرمایا اس طبقہ کے لوگ قلندر،حیدری اور براتی وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں اور خود کو رسومات وعادات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔اور دوسروں کو عالمیان (یعنی عوام) سمجھتے ہیں۔لیکن دراصل وہ بے فائدہ اور بےکار رسومات میں اسقدر مشغول ہوتے ہیں کہ دائرہ تحریر وتقریر سے باہر ہیں۔احکام شریعت سے باہر ہوکر یہ لوگ رسومات میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور شریعت وطریقت وحقیقت کی برکات سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔مثلاً وہ اپنی خانقاہ میں تکیہ کسی کو نہیں دیتے سوائے اس شخص کے جو اعلیٰ نسب کا ہو ایسے شخص کو وہ "پوست بالا" (بلند نسب) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اور جب کسی کو تکیہ دیتے ہیں تو اس بات کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ دائیں طرف کیا رکھا جائے اور بائیں طرف کیا ہو۔آگے کیا ہو،پیچھے کیا ہو اور جو شخص ان باتوں کا لحاظ نہ رکھے اسے درویش نہیں کہتے نیز اس بات کا بھی خاص خیال کرتے ہیں کہ یہ سنکھ کس نے

عطا کیا ہے کچکول کس نے دیا' کہاں کہاں کی بھیک مانگی ہے' جس علاقے میں سفر کیا ہے وہاں کیا کیا دیکھا' اسی شہر کے مینار کیسے ہیں' وہاں کتنے مزارات ہیں' مساجد کیسی ہیں۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ یہ وہ خرافات ہیں جن کے ساتھ تحقیق اور اہل تحقیق کو دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ پرانی دہلی کی عیدگاہ کے پیچھے ایک درویش رہتا ہے۔ ایک دن اس نے کہا کہ میں نے ایک گنبد کے اندر دیکھا کہ ایک درویش بیٹھا سر پیٹ رہا ہے۔ آہ فریاد کر رہا ہے اور سینہ پیٹ رہا ہے۔ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا کہ تم کیوں اپنے آپ کو اتنی سزا دے رہے ہو۔ اس نے کہا بیٹے آؤ بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں اپنا حال سناتا ہوں۔ میں ایک سوداگر زادہ تھا اور بڑا مالدار تھا۔ میرے دل میں راہِ خدا اختیار کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور عوام کی عادات و رسومات کو ترک کر دیا۔ میں نے قلندروں کا گروہ دیکھا جنہوں نے سر اور ڈاڑھی منڈھوا رکھی تھی اور عوام کے رسم و رواج چھوڑ چکے تھے میں نے بھی ان کی صورت اختیار کر لی اور ان کے پاس چلا گیا۔ لیکن وہاں جا کر دیکھا کہ وہ لوگ اسقدر بے ہودہ رسم و رواج میں مبتلا ہیں کہ کوئی اور انہیں ہوگا۔ اب میں اپنے حال پر سر پیٹ رہا ہوں اور رو رہا ہوں کہ کیا کروں اور کہا جاؤں۔ تاکہ اس بلا سے نجات حاصل ہو۔

اس کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ طالبِ خدا کو رسم و رواج سے کیا کام۔ جو چیز اور جو کام ان کو خدا تعالیٰ سے قریب کرتا ہے وہ اس کو لازم پکڑتا ہے اور جو چیز اسے حق تعالیٰ سے دور کرتی ہے اسے ترک کر دیتا ہے۔ ورنہ وہ طالب صادق نہیں ہوتا۔

اس مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ابدالوں میں سے ایک درویش صحرا میں جا رہا تھا۔ راستے میں دیکھا کہ ایک شخص درخت کے نیچے بیٹھا ہے اسے معلوم ہو گیا وہ ولی اللہ ہے۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کے ساتھ ملاقات کروں۔ دائیں بائیں جا کر دیکھا لیکن ملاقات کا کوئی طریقہ نظر نہ آیا کیونکہ وہ بزرگ ذاتِ حق میں اسقدر مشغول تھے کہ کسی کی پرواہ نہ تھی۔ آخر وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اس خیال سے کہ جب سایہ ڈھل جائے گا تو سورج کی دھوپ سے ضرور یہ بزرگ اپنی جگہ بدل لیں گے اور ملاقات کا موقعہ مل جائے گا۔ جب آفتاب کا سایہ دور ہوا تو وہ بزرگ اٹھ کر دوسری جگہ پر جا بیٹھے۔ اس نے موقعہ پا کر اسلام علیکم کہا جس کا جواب انہوں نے اشارہ سے دیا اور پھر مراقب ہونے والے تھے کہ اس درویش نے موقعہ غنیمت جان کر عرض کیا کہ حضور ہم وہ لوگ ہیں کہ خدا سے جو کچھ طلب

کریں مل جاتا ہے۔انہوں نے سر اٹھا کر کہا کہ اگر تم کو خدا تعالیٰ سے ہر چیز مل جاتی ہے تو خدا سے یہ تمنا کرو کہ درخت کا سایہ تبدیل نہ ہو۔تا کہ میرا وقت ضائع نہ ہو اور میری مشغول میں خلل واقع نہ ہو۔

کاہلوں کا امتحان

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے کتاب مضاحک میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک شخص نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا کہ میں ایک معذور آدمی ہوں کاروبار نہیں کر سکتا خدا کے واسطے میرے لئے کوئی وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ کیا یہ چیز جائز ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ اس کا قطعاً جواز نہیں ہے۔ لیکن اس میں بدنامی کا ضرور اندیشہ ہے۔ اگر اس شخص کو کچھ نہ دیا گیا تو ملک میں مشہور ہو جائے گا کہ فلاں مفلس نے بادشاہ سے روٹی طلب کی لیکن محروم رہا۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو اسقدر روٹی دی جائے کہ پیٹ بھر جائے۔ چند دنوں کے بعد ایک اور آدمی درخواست کی کہ میں معذور ہوں بادشاہ نے اس کے لئے بھی روٹی مقرر کر دی اس کے بعد ایک اور آدمی آیا پھر اور آیا حتّٰی کہ کاہلوں کا تانتا بندھ گیا۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ ہم کہاں تک لوگوں کو کھانا کھلاتے رہیں گے۔ خزانہ خالی ہو جائے گا۔ ان لوگوں کا کوئی امتحان لینا چاہیے کہ واقعی معذور ہیں یا نہیں ان کی جائے رہائش کو آگ لگا دینی چاہیے جو شخص فی الواقع معذور ہے رہ جائے گا۔ باقی بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ یہی کیا گیا جب ان کے مکان کو آگ لگی تو سب لوگ بھاگ کر باہر چلے گئے صرف پانچ آدمی باقی رہ گئے۔ ایک نے کہا گھر کو آگ لگ گئی ہے۔ کیا کریں دوسرے نے کہا تمہیں بات کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ تیسرے نے صرف ہائے کہا' چوتھے نے منہ بنالیا اور پانچواں خاموش ہو کر پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر وزیر نے آگ بجھوا دی۔ اور ان پانچ آدمیوں کو سرکاری مہمان خانہ میں رکھ لیا۔ باقی سب کو بھگا دیا اس کے بعد فرمایا کہ طالبان خدا میں سے جو کوئی خدا تک نہیں پہنچتا ان کاہلوں سے کم نہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

نبیذ چند مرا دہ برائے مستی را — کہ سیر گشتم ازین زیرکی وہشیاری
نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گرد برو — ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

(اے ساقی مجھے ایسا نشہ عطا کر کہ مست ہو کر دانائی اور ہوشیاری کو خیر باد کہہ دوں اے میرے ہمراہی تو جا اپنا راستہ لے۔ تجھے سعادت نصیب ہو مجھے ناکامی کافی ہے) اس کے بعد آپ نے یہ غزل پڑھی ہے۔

۱۔ شادباش اے عاشق دیدار یار فارغ از نابود و بودِ روزگار
۲۔ غرقہ در دریائے مستی و خوشی است آنکہ او میگوں بسے دارو کنار
۳۔ ہرکہ باخوبان نشستہ خاستہ است از بر زہد و صلاح و رسم و عار
۴۔ جعدِ او دیدم رسیدہ پرسرین دہم بردم بر کہے بر رفتہ مار
۵۔ ہرچہ از پاراں رسد خوشتر بوَدَ گرچہ باشد محنت و درد و فگار
۶۔ جرعہ یابم اگر از جام عشق جان و دین و دل کنم بر وے نثار
۷۔ ایکہ پنم مے رہی از یاردل را بازدار باز لے آرم ولے بے یار آمد چکار
۸۔ ہر کہ نجوباں نشیند خیز دار جان و جہاں عاشق و دیوانہ گردد کم کند جرو قرار

(۱۔ اے دوست کے طالب خوش رہواور دنیا کے ہونے یا نہ ہونے کو برابر سمجھو۔
۲۔ جس شخص کے پاس شراب وحدت بہت ہے وہ مستی اور خوشی کے دریا میں خوش ہے۔
۳۔ جو شخص محبوبوں کی صحبت اختیار کرتا ہے زہد' طاعت' رسومات اور شرم ترک کر دیتا ہے۔
۴۔ جب میں نے محبوب کی زلف سیاہ کو سرین تک پہنچا ہوا دیکھا تو خیال ہوا کہ یہ سانپ ہے۔
۵۔ جو کچھ محبوب کی طرف سے ملتا ہے پسندیدہ ہوتا ہے خواہ محنت' درد اور زخم کیوں نہ ہو۔
۶۔ اگر مجھے محبوب کے عشق کا ایک قطرہ مل جائے تو دل دین اور جان قربان کر دوں۔
۷۔ اے ناصح تو مجھے نصیحت کرتا ہے کہ دل کو دوست سے باز رکھ میں اس پر عمل تو کروں لیکن پھر اس دل کو کیا کروں گا جو دوست کے ساتھ پیوست نہیں ہے۔
۸۔ جو شخص محبوبوں کی صحبت اختیار کرتا ہے جان اور جہان سے ہاتھ دھو کر دیوانہ بن جاتا ہے۔

یک شنبہ ۷/صفر ۸۰۳ھ

چاشت کے وقت آیہ پاک وَیَستَبدِلُ قوماً غیرَ کُم ثُمَّ لا یکونو اشالکُم۔ کے متعلق فرمایا کہ ایک دن منصور ابدال جو اُن تمام میں سے زیادہ عمر رکھتا تھا اور حضرت امیر المومنین امام حسینؓ کا مصاحب تھا اور آپکی شہادت کی خبر بھی وہی لایا تھا اور جنگ میں حضرت امامؓ کے سامنے موجود تھا۔ حکم ہوا کہ ہر پیشہ میں سے یعنی درزی' موچی وغیرہ میں سے چالیس آدمی جمع کرو اور صحرا کے آخری کنارے پر جو مسجد ہے وہاں لے جاؤ۔ لیکن ان کو کچھ نہ بتاؤ کہ کہاں جا رہے ہو۔

ابدال کا قطب جس کا نام عمران تھا صحرا میں سیر کے لیے نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی ہے۔ اس کے نزدیک جا کر پوچھا کہ تو کون ہے اس نے جواب دیا کہ میرا باپ ایندھن جمع کرنے کے لیے آیا ہے اور مجھے یہاں بیٹھا کر کہیں چلا گیا ہے۔ ابھی آ کر مجھے لے جائے گا۔

عمران کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اگر میرا تعلق طائفہ ابدال سے نہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ شادی کر لیتا۔ جونہی اس کے دل میں خیال گزرا اس کا پاؤں ایک پتھر سے لگ کر لڑکھڑایا اور نیچے گرتے ہی جاں بحق ہو گیا اسی طرح تمام چالیس ابدالوں کا حال ہو۔ اور منصور اکیلا رہ گیا۔ اس کے بعد منصور نے حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ فرمان ہوا کہ ان چالیس آدمیوں کو جو تم نے جمع کئے ہیں لے آؤ جب ان کو لے آیا تو ان ہلاک شدہ ابدال کی جگہ پر ایک ایک آدمی کھڑا کیا اور پھر دھکا دیکر ہر ایک کو روانہ کیا ایک ہفتہ کے اندر ان میں سے ہر ایک ولی کامل ہو گیا اور صاحب قدم صاحب دم، صاحب سِر، اور صاحب سروری اور صاحب بیان اور صاحب اشارات ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنے کمالات پر مغرور نہ ہو تمام کمالات حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ ذاتی قابلیت یا محنت سے۔ اس کے بعد حضرت مخدومؒ نے اپنی یہ غزل املا کرائی۔

۱۔ سرورا استاد بہتر چو تو رفتارے کنی	طوطیاں را بہ خموشی چوں تو گفتارے کنی
۲۔ ہر چہ بر ما مے کنی مے کن ہمہ مطلوب ماست	لیک یارا مے نشاید گرد گریارے کنی
۳۔ یار گر فرمود لطفے بوسہ را گشتی مجاز	حفظ حرمت را تنگ کازے و آزارے کنی
۴۔ ہر کہ در کوئے تو آید گاہ و بیگاہ بے ادب	حق او انصاف فرمودہ است سنگسارے کنی
۵۔ عقد ملکے بر سرو پس دعوۂ عشق ایاز	آہ محمود ایں بلا از عشق بیزارے کنی
۶۔ نے آنکہ غراں جواں مرد یست با جاہ و جلال	سر ہند بر آستان تو د تو خوارے کنی
۷۔ اے سپر لب را بپوش و برقعہ براوئے بکش	چند مردم زاہد را سرگشتہ مے خوارے کنی
۸۔ جعد را خوش بر سرین افگندہ اے خوش نگار	چند کسی را پس رواں کار درکارے کنی
۹۔ اے محمد عشق بازی را یکے رمزے کنی	ماہ در خور بنگری پس عکس انوارے کنی
۱۰۔ عشق آں صورت ندارد نقش آں مانی کند	عشق در ہر صورتے با فیض اظہارے کنی

(۱۔ اے محبوب سرو قد جب تو کبک رفتاری کرتا ہے تو سرو چمن حیران کھڑے رہتے ہیں اور تو بات

کرتا ہے تو تمام طوطیانِ سخن سنج خاموش ہو کر رہ جاتی ہیں۔

۲۔ اے دوست تو میرے ساتھ جو سلوک کرتا ہے کر لیکن کسی دوسرے کو دوست نہ بنانا۔

۳۔ اگر محبوب نے بوسہ و کنار کی اجازت دے دی تو تجھے لازم ہے کہ حفظ مراتب کرے اس کو سنجیدہ نہ کرے۔

۴۔ جو شخص تیرے کوچے میں بے وقت اور بے ادب ہو کر آتا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو سنگسار کیا جائے۔

۵۔ سر پر تاج شاہی رکھ کر اے محمود تو دعویٰ عشقِ ایاز کرتا ہے یہ عشق بازی کا شیوہ نہیں ہے۔

۶۔ اے محبوب جو شخص بھی جوشِ جوانی میں مغرور ہو کر آتا ہے تیرے در پر عجز و انکسار سے پیش آتا ہے۔

۷۔ اے محبوب اپنے لب لعل اور رخ انور کو چھپا لے ورنہ کئی زاہد و عابد ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

۸۔ اپنی زلفِ سیاہ کو کاندھوں پر ڈال کر جب تو مستِ خرام ہوتا ہے تو کئی عشاق پیچھے پیچھے ہو جاتے ہیں۔

۹۔ اے محمد عشق بازی میں ایک راز یہ شامل کر لے کہ چاند کو سورج کے اندر دیکھ اور انوار کا مشاہدہ کر یعنی حسن مجاز میں حسن حقیقی کا مشاہدہ کر۔

۱۰۔ عشق کی کوئی صورت نہیں ہے لہذا مصور مانی کیا تصویر اتاریگا۔ عشق ہر صورت میں خود بخود جلوہ گر ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد قاضی عین القضات 1 ہمدانیؒ کے فضائل بیان ہو رہے تھے۔

---

1 حاشیہ حضرت قاضی عین القضات ہمدانی بڑے بزرگ تھے لیکن آپ کی روش قلندرانہ تھی اس وجہ سے علمائے وقت اکثر اوقات آپکے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ ایک دن بادشاہ وقت کا اکلوتا بیٹا جو تخت و تاج کا وارث تھا فوت ہو گیا۔ جس سے بادشاہ کے غم والم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے تمام علمائے شہر کو جمع کر کے کہا کہ ہمارے رسول مقبول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل (میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کے ہم مرتبہ ہیں) چونکہ بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت عیسیٰؑ مردے زندہ کرتے تھے لہذا تم لوگ بھی میرا بیٹا زندہ کر دو ورنہ میں سب کو قتل کر دوں گا۔ اب علماء کرام حیران و پریشان تھے کہ کیا کیا جائے آخر سب مل کر حضرت قاضی عین القضاتؒ کے پاس گئے اور التجا کی کہ ہماری جان رہائی کرائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بادشاہ کے بیٹے کو زندہ تو کر دوں گا لیکن تم لوگ پھر فتوے لگا کر مجھے زندہ جلوادو گے۔ انہوں نے کہا کہ حضور یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ آپ ہماری جانیں بچائیں اور ہم اتنے نالائق ثابت ہوں کہ آپ کے خلاف فتاویٰ موت جاری کریں۔ یہ سن کر حضرت عین القضات علماء کے ہمراہ بادشاہ کے محل پر تشریف لے گئے اور شہزادہ کے پلنگ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا قُم بِاذنِي (اٹھو میرے حکم سے) یہ سنتے ہی شہزادہ زندہ ہو کر اٹھا بیٹھا۔ اب علمائے کرام کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ عالم ہم ہیں اور یہ مست قلندر دیوانہ اتنی بڑی کامیابی کا ملک بن جائے۔ آخر انہوں نے مل کر فتویٰ دیا کہ حضرت عیسیٰؑ جب مردوں کو زندہ کرتے تھے تو فرماتے تھے۔ قُمْ بِاذنِ الله (اٹھو اللہ کے حکم سے) لیکن عین القضات نے کہا ہے کہ اٹھو میرے حکم سے یہ صریحی شرک ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو زندہ جلایا جائے۔ جب زندہ جلایا گیا تو آپ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور آپ کے گھر سے یہ رباعی برآمد ہوئی کہ میں نے عشق الٰہی میں خود بخود زندہ جلائے جانے کی تمنا کی تھی اور وہ تمنا پوری ہو گئی۔

حضرت مخدوم نے فرمایا جب ان کو زندہ جلا دیا گیا تو ان کے گھر کی تلاشی لی گئی کہ شاید کوئی اور ملحدانہ کلمات برآمد ہوں تاکہ ان کو بھی جلا دیا جائے۔ ان کو ایک بوتل میں چند کاغذات ملے جن پر یہ رباعی لکھی ہوئی تھی۔

از دوست سہ چیز کم بہا خواستہ ایم　　با مرگ شہیدے ز خدا خواستہ ام

ما آتش وتفت و بوریا خواستہ ایم　　گر دوست ہماں کند کہ ماخواستہ ایم

(میں نے خدا سے شہادت کی موت مانگی ہے اور تین ادنیٰ چیزوں کی تمنا کی ہے اگر دوست مجھے یہ چیزیں عطا کردے تو کیا ہی اچھا ہوگا یعنی آگ، تفت (چونا) اور بوریا کا طلب گار ہوں)

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور قاضی عین القضاتؒ چھ ماہ ایک جگہ رہے 1 لیکن ایک اور درویش کہتے ہیں کہ میں اور قاضی عین القضت ایک دن سے کچھ کم وقت ایک مقام پر رہے اس کے بعد میں ان سے آگے نکل گیا 2 واللہ علم۔

یک شنبہ ۲۱/ صفر ۸۰۳ھ

ارباب ذوق سماع

عشاء کی نماز کے وقت ارباب ذوق سماع کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شیخ کا ایک صوفی مرید تھا اس کو ایک ہندی گانے ''او ہنوسہ مادیہ کھن شراما کرہوا'' پر حال آ گیا اور حجرے کا دروازہ بند کر کے یہ شعر پڑھتا تھا اور رقص کر رہا تھا۔ حجرے میں ایک صندوق پڑا تھا جس کے قفل کے پیچھے ایک نوک دار کیل تھا۔ حالتِ رقص میں وہ کیل اس کے پاؤں میں چبھ گیا اور خون نکلنے لگا۔ لیکن اس کو اس کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ کیل گوشت میں جاتے جاتے ہڈی تک پہنچ گیا جس سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جاں بحق ہو گیا کچھ دیر کے بعد جب لوگوں نے دیکھا کہ اندر

---

1 اس کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دونوں چھ ماہ ایک جگہ اکٹھے رہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ دونوں حضرات پر چھ ماہ تک ایک ہی کیفیت طاری رہی یعنی دونوں چھ ماہ تک مقام منصور (انا الحق) پر رہے۔

2 اس قول کے بھی وہی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایک دن کے لئے اس درویش پر مقام منصور طاری ہوا پھر اس سے آگے نکل گئے۔ کیونکہ مقام انا الحق آخری منزل نہیں ہے درمیانی منزل ہے۔ مقام انا الحق مقام فنافی اللہ اور فناء الفنا ہے اس سے اوپر اور مقامات میں مثلاً بقاباللہ اور عبدیت جو اسلام میں منزل مقصود ہے۔

سے نہ کوئی آواز آرہی ہے نہ در کھولتا ہے تو انہوں نے دروازہ توڑ دیا اور دیکھا کہ وہ رحلت کر گیا ہے۔ کیل اس کے پاؤں میں گھسا ہوا ہے اور سارا کمرہ خون سے بھرا ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ پر محفل سماع میں ایک شعر پر حال طاری ہوا۔ اور گھر سے باہر نکل گئے۔ اور مدہوشی کی حالت میں شہر سے باہر گنے کے کھیت میں جا پہنچے جو کٹ چکا تھا۔ اور نوک دار مونڈھی باقی تھی۔ حالت وجد میں آپ اس کھیت میں لوٹنے لگے جس سے سارا جسم کٹ کر خون جاری ہو گیا کا حتیٰ کہ آپ کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس موت کو موتِ سماع نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص جا رہا ہے اور اس پر دیوار گر جائے اور شہید ہو جائے۔ یہاں راستے پر چلنا اس کی موت کا سبب نہیں کہا جائے گا بلکہ دیوار کا گرنا اس کے لئے مہلک ثابت ہوا[1]۔

اس کے بعد غلبہ عشق اور عاشق کے محبوب پر جان قربان کرنے کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ علاقہ مالوہ کے موضع سیبرہ میں سات برہمن رہتے تھے جو آپس میں بھائی تھے ان میں سے ایک جس کا نام گنگا تھا۔ ایک فاحشہ عورت پر عاشق ہو گیا اس عورت کا نام سلہی تھا۔ جوشِ عشق میں آ کر اس نے اس عورت سے شادی کر لی۔ برہمنوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص اپنی قوم سے باہر شادی کرتا تھا اس کے ساتھ قطع تعلق کر لیتے تھے۔ چنانچہ تمام برہمنوں نے اسے برداری سے خارج کر دیا۔ لیکن وہ بھی عشق بازی سے باز نہ آیا۔ اور کلی طور پر ان سے علیحدہ ہو گیا اور وہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور پھر تیسرے گاؤں میں سفر کرنے لگا۔ ایک دفعہ راہزنوں نے حملہ کیا اور گنگا مارا گیا اس کے بھائیوں کو علم ہو گیا لیکن سلہی کو اس واقعہ کی کوئی خبر نہ ہوئی اس نے حسب معمول سرمہ سرخی لگائی اور ہار سنگار کر کے بیٹھ گئی جو لوگ اس کے قریب رہتے تھے۔ حیران تھے کہ سلہی کیا کر رہی ہے۔ حتیٰ کہ گنگا کا بھائی سلہی کے ہاں آیا۔ سلہی نے اس کی تعظیم کی وہ حیران تھا کہ ایک برہمن فاحشہ عورت کے گھر کیسے آ گیا ہے۔ سلہی نے پوچھا کہ آپ کا یہاں کیسے آنا ہوا

1 سماع میں وصال پانے کا شرف حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ قدس سرہٗ کو حاصل ہوا کہ جب قوالوں نے شیخ احمد جام کا یہ شعر گایا۔

کشتگان خنجر تسلیم را از غیب جانِ دیگر است

تو آپ پر وجد طاری ہو گیا اور چار دن وجد کرتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

باوجود اس بات کے کہ میری وجہ سے آپ لوگوں نے اپنے بھائی کو گھر سے نکال دیا ہے۔ آج میرے پاس کیوں آ گئے۔ اس نے جواب دیا کہ آج ہمیں آپ سے ایک کام ہے سلہی نے فریاد کی کہ گنگا تو نہیں مارا گیا۔ اس نے کہا ہاں مارا گیا ہے۔ سلہی نے کہا آپ کا مجھ سے کیا کام ہے۔ اس نے کہا گنگا کو اکیلا نہیں جانے دینا چاہیے سلہی نے کہ تم لوگ برہمن ہو۔ میرے ساتھ کیسے اکٹھا رہ سکتے ہو۔ گنگا کے بھائی نے کہا اگر بیوی شوہر کے ساتھ آگ میں جل جائے تو وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتی ہے۔ اب تمہارے لئے بہترین موقعہ ہے۔ سلہی نے کہا اچھا مجھے قبول ہے۔ لیکن مجھے زہر نہ دینا۔ ان لوگوں کے درمیان یہ دستور تھا کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ جلنے کے لیے تیار نہ ہوتی تو اسے پان میں زہر ملا کر کھلا دیتے تھے جس سے وہ یا تو مر جاتی تھی یا ذلیل وخوار رہتی تھی۔ اور اس سے ان کا ناموس رہ جاتا۔ گنگا کے بھائی نے کہا اچھا ہم تم کو زہر نہیں دیں گے۔ سلہی نے کہا تم جاؤ اور گنگا کے کپڑے ہتھیار اور دوسری چیزیں لے آؤ تا کہ ان کے ساتھ میں آگ میں جل جاؤں۔ انہوں نے جائے وقوعہ پر جا کر دیکھا تو کوئی چیز نہ ملی۔ اس تلاش میں چند روز گزر گئے۔ ادھر سلہی کھانا پینا چھوڑ کر اپنے عاشق کی راہ میں مرنے کو تیار بیٹھی تھی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا لیکن کچھ نہ پایا۔ ان لوگوں کے ہاں دستور تھا کہ جب بیوی شوہر کی خاطر جلنے کو تیار ہوتی تو اس کی کوئی نہ کوئی چیز مثلاً کپڑا جوتا یا لنگوٹ ساتھ لیکر آگ میں کودتی تھی اب برہمن حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔ آخر انہوں نے کہا اب چیکسیہ کرنا چاہیے۔ سلہی نے پوچھا کہ چیکسیہ کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہ ایک من دس سیر جو لیکر اس کا آٹا بنایا جائے اور آٹے سے گنگا کا پتلا بنایا گیا سلہی اسے گلے لگا کر آگ میں کود پڑی۔ واللہ اعلم۔

سہ شنبہ ۲۳/ صفر ۸۰۳ھ

شجرۂ مشائخ

چاشت کے وقت شجرۂ مشائخ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت مخدوم ندے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے خلافت امیر المومنین حضرت علیؓ کو عطا فرمائی اور امیر المومنین حضرت علیؓ سے امام حسنؓ امام حسینؓ حضرت حسینؓ بصری اور کمیل ابن زیادؒ کو ملی۔ حضرت امیر المومنین حضرت حسینؓ سے حضرت

امام زین العابدینؓ کو آپ سے حضرت امام محمد باقرؒ کو آپ سے حضرت امام جعفر صادقؒ کو آپ سے حضرت امام موسی کاظمؒ کو آپ سے امام علی موسیٰ رضاؒ کو آپ سے حضرت شیخ معروف کرخیؒ کو آپ سے حضرت سری سقطیؒ کو آپ سے حضرت جنید بغدادیؒ کو ملی۔ یہ سلسلہ سہروردیہ ہے۔ لیکن شجرہ چشتیہ حضرت امام حسن بصریؒ سے جاری ہوا ہے۔ اور شجرہ کبرویہ حضرت کمیل ابن زیادؒ سے جاری ہوا ہے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت کمیل ابن زیادؒ کو سب سے زیادہ اسرار و رموز اور حقائق و معارف معلوم ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو حضرت علیؓ کی طویل صحبت نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کمیل ابن زیادؒ سے خلق خدا کو سب سے زیادہ اسرار و رموز حاصل ہوئے ہیں۔

ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ۲۴/ تاریخ کو تھا۔ اس روز کھانے کے لیے ہریسہ کا انتظام کیا گیا تھا اور کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت مخدوم نے کاتب الحروف سے فرمایا کہ آج تعویذ حریز (جو حفاظت کے لیے مجرب ہے) لکھنا چاہیے۔ اس کے بہت سے نسخے لکھ لو بہت مجرب ہے۔ دہلی میں اس تعویذ کے بہت سے نسخے تھے۔ لیکن سب تباہ ہو گئے۔ ایک نسخہ ایک لڑکے کے گلے سے حاصل کیا گیا۔ اگر چہ اس کے بعض حروف مٹ چکے تھے۔ لیکن درستی کر لی گئی۔ وہ نسخہ یہ ہے۔

دعا۔ دعا. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُکَ الا مان و الا يمان يَكْفِىْ بِکَ عَيْشُنَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِىْ مصلح الدنيا وَالْاٰ خِرةِ واقضِ ذِيْنِى مِنْ خزَ انتکَ" يا اَجْوَد الاجْوَدِيْنَ بِرَحْمَتِک يَا اَرْحَم الراحمين اهيا. اَشرهيا آذُوْنِىْ اصبياوتَ يا مجلى عظابم الا مور يا حَىُّ يَاقَيُّوم يَحَىُّ حِين لا حيّى يا شفيقُ يا رَفيقُ اَنْتَ رَبِّى على التحقيق خَلَقْتَينىْ عَنْ كُلِّ مُضِيقٍ هِر منِ ولا اا يا حيىُّ يَاقَيُّومُ يَاحَكِيْمُ يَا جَلِيْلُ بِرَحْمَتِکَ يَا اَرْحم الراحِمِيْن وَسَلَّمْ تَسْلِيماً كَثِيْراً يَااَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن ط

اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ
اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ
اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ
اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ
اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ اللہ
اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ اللہ	اللہ اللہ	اللہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط یا حَیُّ یَا قَیُّوم یَا حَکِیم یَا جَلِیلُ برحُمتکُ یا ارَحم الرحمین

عصر کی نماز کے وقت یہ نقش اور دوسرا نقش جو درج ذیل مع کئی نسخوں میں لکھ کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نقش۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيم ط قُلۡنَا يَانَارُ كُونِى بَرۡدًا وَّ سَلَا مًا عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ

فرمان ہوا کہ میرے قرآن مجید میں رکھ دو۔ تعویذ کا اثر عظیم ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم کا دستور تھا کہ ہمیشہ تعویذ لکھ کر قرآن مجید میں رکھ دیتے تھے جب کوئی حاجتمند آتا تھا تو نکال کر دے دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں رکھنے سے اثر عظیم ہوتا ہے۔

جمعتہ المبارک ۲۶/ صفر

نماز جمعہ کے بعد اس آیت کا ذکر ہونے لگا۔ *لَھُمۡ مَا یَشَآؤن فیھا* ......فرمایا لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس میں اس کی رضا تھی۔ اس کے دوستوں نے کر کے چھوڑا۔ اس کی جزا یہ ملی کہ اس کے

بعد جو کچھ وہ چاہتے ہیں حق تعالیٰ کرتا ہے بلکہ مزید برآں بے حد وحساب عطا کرتا ہے۔ شیخ الاسلام فرید الدینؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا بندہ مسعود نے کیا۔ اب سالہا سال گزر چکے بندہ مسعود کہتا ہے خدا وہی کرتا ہے۔

دوشنبہ ۲۹/ صفر

کعبہ کے بغیر کسی کا طواف کرنا

عصر کی نماز کے وقت غیر کعبہ کے طوائف کا ذکر ہو رہا تھا۔ کمترینِ بندگان راقم الحروف نے یہ حدیث پڑھی۔ عن علی رضی الله عنه رَایتَ رَسُوْل اللّٰہ صلی الله علیه وسلم والحلاق یحلقهُ وَ اصحابه یطوف به حَوْله وَ یقصدُونَ اَن لا یَقعَ شعر علی الارض حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجامت بنوا رہے تھے حج الوداع کے دن اور آپکے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے گرد گھوم رہے تھے۔ اور یہ اہتمام اور قصد کر رہے تھے کہ آپ کا کوئی بال مبارک زمین پر نہ گرنے پائے[1]۔

شنبہ ۱ اصفر ۸۰۳ھ

اہل ظاہر بہشت کی طلب بھی ہوائے نفس کے لیے کرتے ہیں

آیہ پاک ذالک مَبلغهُمْ من العِلْمِ کے معانی بیان فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ جس شخص کی

---

1 اس حدیث سے صحابہ کرام کا آنحضرت ﷺ کے گرد گھومنا تو ثابت ہے لیکن یہ گھومنا طواف کی نیت سے نہیں تھا بلکہ بال جمع کرنے کی نیت سے تھا۔ لیکن غیر کعبہ کے گرد طواف کرنے کی ممانعت بھی کسی نص قطعی میں نہیں آئی۔ اگر طواف کعبہ کو عبادت کہا جائے تو یہ غیر خدا کی عبادت تصور ہوگی۔ جو جائز نہیں ہے۔ اگر طوائف کعبہ کو محض سنتِ انبیاء علیہم السلام اور فعل ادب واحترام قرار دیا جائے تو یہ بھی شرک نہیں ہوگا۔ ادب واحترام ہوگا۔ اب چونکہ ادب و احترام غیر خدا کے لیے بھی جائز ہے بلکہ شریعت میں والدین' استاد' انبیاء اولیاء اللہ کے ادب واحترام کی تاکید آئی ہے اس لیے مزارات یا مشائخ یا انبیاء واولیاء کے گرد طواف کرنا شرک نہیں ہوسکتا۔ ورنہ کعبہ کے گرد بھی طواف شرک ہوگا کیونکہ کعبہ بھی غیر اللہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کعبہ کے گرد طوائف کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب غیر اللہ کے طوائف کا حکم اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے تو پھر غیر اللہ کا طواف کرنے میں کیا امر مانع ہے نیز غیر اللہ کی عبادت اور سجدہ نصوص میں ممنوع ہے نہ کہ طواف' بوسہ دینا یا ادب واحترام کرنا غیر کعبہ کا طوائف شرک بالکعبہ کہ جاسکتا ہے۔ شرک باللہ ہرگز نہیں ہوسکتا اور شرک بالکعبہ کہیں ممنوع نہیں۔

یعنی روحانی ترقی اور مقامات قرب وحال سے اس کو حصہ نہیں ملے گا۔

ہمت لذت حسی سے تجاوز نہیں کرتی خواہ دینی ہو یا دنیاوی اس کو علم سے وہی کچھ حاصل ہو گا۔ اس سے زیادہ نہیں ملے گا[1] اگر آخرت کے طلبگار بھی ہوتے ہیں تو بہشت کے محلات اور قلیہ وحلوا کے لیے۔ اس سے بہتر ہے کہ کھلم کھلا دنیا کا طالب ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا۔

خم کہ کر دی پشت اے مست مقلد در رکوع

گر نہ درجنت امید قلیہ و حلواستی

(اے تقلید کے دلدادہ تو جو عبادت کرتا ہے اس لیے کرتا ہے کہ جنت میں قلیہ اور حلوا اور حور وقصور ملیں گے کیا یہ ہوائے نفس نہیں ہے) فرمایا افسوس ہے ناقصان عقل اور ناقصان دین پر کہ کلمہ لا الا الا اللہ بہشت کی خاطر پڑھتے ہیں۔ حالانکہ مردان خدا ایک بار کلمہ کے مقابلے میں ہزار بہشت قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔

اہل دنیا اور ان کا حسن معاملہ

اس کے بعد کچھ دیر تک اہل دنیا اور ان کے حسن معاملہ کا ذکر ہوتا رہا۔ فرمایا دنیا زہر کی مانند ہے اور کسی درویش اور اہل اللہ کامل جانا اس زہر کے لیے تریاق کا اثر رکھتا ہے۔ پھر جب وہ دنیا میں مشغول ہو گا تو اس کو نیک مصارف میں خرچ کرے گا۔ وہ شخص کیا ہی خوش بخت ہے جو دنیا دار ہے اور دنیا کو آخرت کے کاموں میں صرف کرتا ہے۔ اس کے لیے دنیا بھی ہے اور سعادت آخرت تھی۔

ایک درویش بادشاہ

اس مضمون کے مطابق آپ نے ایک قصہ بیان فرمایا۔ کہ ایک ابدال کسی شہر میں گشت لگا رہا تھا۔ ایک کوچے میں بچے کھیل رہے تھے۔ ان میں ایک لڑکا بڑا تھا اور قوی بھی تھا۔ باقی چھوٹے اور کمزور تھے۔ وہ کمزور بچے اس قوی لڑکے کو مار رہے تھے۔ اور اس پر ظلم کر رہے تھے۔ لیکن وہ صبر کے ساتھ سب کچھ برداشت کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ابدال نے دل میں کہا۔ کہ یہ جو بڑا اور قوی لڑکا کمزور لڑکوں سے مار کھا رہا ہے۔ یہ ضرور کسی حکمت کی وجہ سے ہے یا پھر کم ہمت اور بزدل ہے۔ آگے بڑھ کر پوچھا کہ یہ لوگ تمہیں کیوں مار رہے ہیں۔ تم تو ان سے بڑے ہو اور طاقتور بھی ہو۔

1 کیونکہ بہشت کے مزوں کی خاطر عبادت کرنا بھی نفس پرستی ہے۔

ان کو سزا کیوں نہیں دیتے۔لڑکے نے جواب دیا کہ اے درویش آپ کیا کہہ رہے ہیں۔جو کچھ یہ کررہے ہیں کیا یہ نیک کام ہے یا بد۔درویش نے کہا بد۔لڑکے نے کہا تو آپکا مطلب یہ ہے کہ میں بھی برا کام کرونگا۔اب درویش سمجھ گیا کہ لڑکے کا عمل حکمت پر مبنی ہے۔اس لیے صبر کررہا ہے۔ ابدال نے خیال کیا کہ جس کا بچپن میں یہ حال ہو کہ اس کا کام حکمت سے خالی نہیں۔بڑا ہو کر معلوم نہیں کیا بن جائے گا۔ذرا دیکھنا چاہیے کہ یہ لڑکا کیا بننے والا ہے۔چنانچہ اس نے اپنی باطنی آنکھ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا بادشاہ بنے گا۔درویش نے لڑکے سے پوچھا کہ تم لوگ کیا کام کرتے ہو۔اس نے کہا ہم اون کے نمدے بناتے ہیں۔اب درویش نے خیال کیا کہ مجھے اس لڑکے کے ہاں کوئی نشانی چھوڑنی چاہیے تاکہ کسی وقت اس کو یاد دلاسکوں۔چنانچہ اس نے لڑکے سے کہ اگر میں کچھ اون دوں تو کیا تم نمدہ بنادو گے۔اس نے کہا ہاں بنادیں گے۔اس نے پوچھا کب۔لڑکے نے جواب دیا کہ کل تک۔دوسرے دن جب درویش اس کے گھر پر گیا تو نمدہ تیار تھا۔مزدوری دے کر لے لیا اور اس کے ساتھ اپنے لنگوٹ سے کچھ چنے نکال کر لڑکے کو دیے کہ یہ تم کھاؤ۔لڑکے نے اندر جاکر مزدوری ماں باپ کے حوالہ کردی۔اور وہ چنے بھی تقسیم کردیے۔ والدین نے پوچھا کہ چنے کہاں سے لائے ہو۔اس نے کہا۔اس درویش نے دیے ہیں جو نمدہ لے گیا ہے۔انہوں نے خفا ہو کر کہا کہ درویشوں کی کوئی چیز نہیں کھانی چاہیے۔معلوم نہیں کیسے لوگ ہوتے ہیں۔لڑکے نے جواب دیا کہ آپ کا اس سے کیا تعلق۔چنانچہ اس نے تمام چنے لے کر خود کھا لیے کچھ عرصے کے بعد وہ درویش پھر اس شہر میں آیا اور اس کوچے میں جاکر معلوم کرنا چاہا کہ آیا وہ بادشاہ بن گیا یا نہیں۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ملک کا بادشاہ وہی ہے۔درویش کے دل میں خیال آیا کہ جاکر بادشاہ سے ملاقات کروں اور دیکھوں کہ آیا وہ اسی حکمت کا حامل ہے یا دنیائے دون نے اسے حال سے بے حال کردیا ہے۔درویش نے دریافت کیا کہ بادشاہ کی سواری جب نکلتی ہے تو وہ اکثر کس طرف جاتی ہے۔لوگوں نے کہا کہ فلاں طرف جاتا ہے۔درویش وہاں جاکر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا۔جب بادشاہ کی فوج وہاں پہنچی تو کھڑا ہو گیا۔جب بادشاہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے پہچان لیا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے پاس بلالیا اور اسکے کان میں کہا کہ کیا اب بھی نمدہ بنوانے آئے ہو۔درویش نے کہا کیا آپ وہی نمدہ بنانے والے ہیں۔بادشاہ نے

جواب دیا کہ جی ہاں میں وہی نمدہ بنانے والا بچہ ہوں۔ بلکہ اس سے بھی کم تر اور بدتر ہوں۔ یہ سن کر درویش نے کہا الحمدللہ۔ خدا تجھے ہر روز اس سے بھی زیادہ ترقی حال عطا کرے۔ اس کے بعد درویش نے کہا کہ میں آج رات آپ کے پاس آؤں گا۔ اور آپکے ساتھ ملاقات کروں گا۔ بادشاہ نے کہا۔ ابھی سوار ہو جائیے اور میرے ساتھ چلو۔ درویش نے کہا فکر نہیں۔ آپ جس جگہ ہونگے میں خود پہنچ جاؤں گا۔ درویش نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جن کے راستے میں کوئی چیز حائل اور مانع نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا جس طرح مرضی ہو یہ کہہ کر بادشاہ اپنے محل میں چلا گیا۔ مغرب کی نماز کے وقت درویش اس محل کے اندر پہنچ گیا۔ جہاں بادشاہ بیٹھا تھا۔ درویش سلام کر کے بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا میں کھانا لاتا ہوں اور ہم مل کر کھائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا ادرویش نے کہا کہ کھانا لانے کے لیے آپ خود کیوں جا رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں مخصوص کھانا کھاتا ہوں۔ جو دوسرا کوئی نہیں کھاتا۔ اس لیے مجھے خود جانا پڑتا ہے۔ بادشاہ نے حجرے کا دروازہ کھولا اور ایک پرانا خرقہ پہنا عصا ہاتھ میں لیا' اور باہر جا کر دو چار گھروں پر گداگری کر کے روٹی کے چند ٹکڑے لے آیا درویش نے کہا کہ یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں نے دیوار میں چند سوراخ نکال رکھے ہیں۔ ان سوراخوں سے خفیہ طور پر باہر نکل جاتا ہوں اور گداگری کر کے چند ٹکڑے روٹی کے لے آتا ہوں۔ یہی میری غذا ہے۔ جب بادشاہ اندر آیا تو لنگڑا رہا تھا۔ درویش نے پوچھا کہ لنگڑا کر کیوں چل رہے ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ آپکی برکت سے آج مجھے پاؤں پر کتے نے کاٹ لیا ہے اس لیے لنگڑا چل رہا ہوں۔ درویش نے کہا کہ یہ کیا برکت ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں نے حق تعالیٰ سے ایک چیز طلب کی تھی۔ فرمان ہوا کہ جس رات کتا تیرا پاؤں کاٹے گا تجھے وہ نعمت ملے گی۔ آج کتے نے مجھے کاٹ لیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کے آنے کی برکت ہے۔ اس کے بعد اس نے روٹی کے ٹکڑے درویش کے آگے رکھ دیئے۔ درویش نے جواب دیا کہ کئی سال گزر چکے ہیں کہ میں نے نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ لیکن یہ طعام ضرور کھاؤں گا۔ چنانچہ اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈال لیا اور الوداع کہی۔ بادشاہ نے کہا مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ درویش نے کہا کہ ہمیشہ دانشمند اور درویش کی عزت کیا کرو اور جو کچھ کوئی طلب کرے اسے دے دیا کرو۔ بادشاہ نے کہا

بہت اچھا۔ دوسرے روز طالب علموں کا لباس پہن کر وہ درویش بادشاہ کے پاس امتحان کی خاطر آیا لباس پھٹا پرانا تھا اور بالکل فقیر اور مسکین نظر آ رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کی تعظیم کی اور پوچھا کہ کیا کام ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایک غریب طالب علم ہوں۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ بادشاہ بن جاؤں۔ لہذا آپ بادشاہی مجھے دے دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ خدا تجھ پر رحمت کرے۔ جلدی آؤ۔ اور تخت پر بیٹھو۔ یہ لباس شاہانہ زیب تن کرلو۔ اور میری جان رہائی کرو۔ یہ سن کر وہ درویش فوراً اپنی اصلی صورت میں آ گیا اور کہنے لگا کہ میں وہی درویش ہوں اور تمہارا امتحان لینے آیا تھا تم اپنی بادشاہی پر قائم رہو۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے ملک میں عدل و انصاف قائم ہے۔ اس کے بعد اس کو بہت دعا دی اور چلا گیا۔

سلامتی غریبی میں ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ایک غریب دوسرے غریب کے پاس جا کر حاجت طلب کرتا ہے۔ چونکہ وہ غریب آدمی ہے اس کو کیا دے سکتا ہے اب وہ وہی حاجت لیکر امیر کے پاس جاتا ہے اور امیر اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ تم بتاؤ کہ ان میں سے افضل کون ہے۔ امیر یا غریب۔ لیکن امیر کے لئے صحیح طور پر مال خرچ کرنا اور نفسانی خواہشات سے بچنا بھی بہت مشکل ہے۔ اس لیے سلامتی کا راستہ غریبی ہی میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ **صَاحِبُ قمیصَین لا یَجِد حلاوت الایمان** 1 (جس کے پاس دو قمیض ہیں وہ حلاوت ایمان سے محروم رہتا ہے) دو قمیض والا آدمی ایک قمیض پہنتا ہے اور دوسری رکھ دیتا ہے۔ کہ جب پہلی قمیض ناکارہ ہو جائے گی۔ تو دوسری پہنوں گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ اعتماد ہے کہ میں اتنا عرصہ زندہ رہوں گا۔ لیکن مومن وہ ہے جو ایک پل کا اعتماد نہیں کرتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ حرم کعبہ میں ایک درویش رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کو چار سو دینار کسی جگہ سے مل گئے انہوں نے فوراً ساری رقم راہِ خدا میں خرچ کر دی جب شام کو افطار کا وقت آیا تو صحرا میں جا کر روزہ افطار کرنے کے لیے کوئی گھاس یا نرم جڑ تلاش کرنے لگے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ ابھی تو

---

1 سبحان اللہ! اس قدر بلند قول ہے کہ ایک تو درویشی کی برکت سے حقیق معنوں میں حلاوت ایمان نصیب ہو دوسرے یہ کہ اس قدر عظیم ایثار اور قربانی کی وجہ سے معاشرہ کس قدر خوشحال ہو جائے گا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا الفقر فخری۔ (فقر میرا فخر ہے) فقر سے مراد ظاہری غربت اور باطنی استغناء ہے۔ دراصل غنی وہ ہے جو اللہ کے ساتھ غنی ہے۔ یعنی مقام قرب الی اللہ حاصل ہے۔

آپ کو اس قدر مال ملا تھا۔ اور اب افطار کے لیے گھاس پھوس تلاش کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نماز مغرب تک زندہ رہ جاؤں گا تو ضرور افطار کے لیے کچھ رقم بچا لیتا۔

چھپ کر باتیں سننا گناہ ہے

اس کے بعد فرمایا چوری سے چھپ کر دوسروں کی باتیں سننا گناہ ہے۔ اور مصیبت لاتا ہے۔ فرمایا شیخ حسین بن منصور حلاج کے پیر حضرت شیخ ابو عثمان مغربیؒ نے آدم و ابلیس کے راز میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ اور اسے اپنے مصلےٰ کے نیچے رکھتے تھے۔ ایک دفعہ جب شیخ وضو کی خاطر باہر تشریف لے گئے تو خادم سے فرمایا کہ خبر دار حلاج کا بیٹا یہ رسالہ نہ لے جائے چونکہ ابن حلاج ہمیشہ اس رسالہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ موقع پا کر اٹھا لیا۔ جب شیخ کو واپس آ کر معلوم ہوا کہ رسالہ غائب ہے۔ خادم سے فرمایا کہ حلاج کا بیٹا لے گیا ہوگا۔ خادم نے کہا جی ہاں وہی لے گیا ہے۔ شیخ نے غصہ میں آ کر فرمایا کہ وہ دن دور نہیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور اسے تختہ دار پر لٹکایا جائے گا۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گذرا اس کے ساتھ وہی واقعہ ہوا۔

پرندوں کی آواز سمجھنا

اس کے بعد منطق الطیر یعنی پرندوں کی آواز سمجھنے کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ قصبہ اسادل سے آگے نہروالا کی جانب ایک گاؤں ہے۔ ہم وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ قحط سالی کا زمانہ تھا اور خوراک کی قلت کی وجہ سے بے شمار مویشی مر رہے تھے۔ یہی حال تقریباً مواضعات کا تھا ہر جگہ جانور مرے پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ لوگوں کا اس قدر نقصان ہو گیا ہے۔ اس علاقے کا کیا بنے گا۔ ظاہری صورت حال تو یہ تھی۔ عین اسی وقت میں نے دیکھا کہ کوّے ان مردہ جانوروں پر بیٹھے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں اور کچھ کوّے جمع ہو کر بیک زبان یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے ہمارے لئے رزق وسیع کر دیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ خدائے تعالی کے مختلف بندگان ہیں اور مختلف جہان اور حکمتیں ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ (واللہ اعلم)

پنجشنبہ ۱۶/ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

فراغِ وقت کی دولت

ظہر کی نماز کے بعد چند صوفی حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فراغتِ وقت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ اس بارے میں کافی زور دے کر بات کر رہے تھے۔ ایک صوفی نے عرض کیا کہ میرا حجاز مقدس کے سفر کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ تمہیں سفر حجاز کی مشکلات کا علم بھی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں لیکن یہ سفر فراغ وقت کے لیے کرنا چاہتا ہوں۔ بیت اللہ شریف میں چند یوم فراغت سے رہ کر خدا کی عباد ت کروں۔ آپ نے فرمایا اگر تجھے فراغ کی قدر ہوتی اور فراغ وقت کی دولت تجھے نصیب ہوتی تو خانہ کعبہ کی ہزار زیارت ترک کر کے ایک لحظہ فراغ دل سے اپنے خداوند تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو جاتا۔ کیونکہ مشاہدہ حق مشاہدۂ خانہ کعبہ سے افضل ہے۔

بفراغِ دل زمانے نظر ے بہ ماہ روے

بہ از انکہ چتر شاہی ہمہ عمر وہا و ہوے (حافظ)

(خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ فراغِ دل سے ایک لحظہ محبوب کے رخ انور پر نظر کرنا اس سے بہتر ہے کہ ساری عمر بادشاہی کروں اور شان و شوکت سے رہوں)

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت جنید بغدادیؒ خانہ کعبہ کی زیارت کو جا رہے تھے۔ انہوں نے سنسان بیابان میں ایک نوجوان کو دیکھا جو بیحد مغموم بیٹھا تھا انہوں نے پوچھا کہ اے جوان تو اس بے آب و گیاہ بیابان میں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ پر ایک حال طاری ہوا تھا۔ جو اس جنگل میں مجھ سے جاتا رہا ہے۔ اب میری کمر ٹوٹ چکی ہے اور پاؤں مفلوج ہو چکے ہیں۔ یہاں سے اٹھ کر کیسے جا سکتا ہوں۔ آپ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں اگر قبولیت کا لمحہ ملے تو میرے حال پر ایک نظر کر دینا شائد میری کھوئی ہوئی نعمت مجھے مل جائے۔ خواجہ جنید نے یہ بات قبول کر لی۔ جب طواف کعبہ کے دوران خواجہ جنیدؒ پر حال طاری ہوا تو اس نوجوان کی درخواست یاد آئی۔ اس پر ایک نظر ڈالی جس سے اس کا کام بن گیا۔ اور وہ حالت واپس آ گئی۔ جب آپ واپسی کے سفر پر وہاں سے گزرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان اب تک وہاں بیٹھا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اب کس لئے بیٹھے ہو۔

اس نے جواب دیا کہ اے جنید! آپکی برکت سے مجھے میری دولت مل گئی ہے جب میں نے دولت کے گم ہونے کی جگہ کو نہ چھوڑا تھا تو دولت کے واپس مل جانے والے مقام کو کیسے ترک کرسکتا ہوں۔

شنبہ ۱۸/ربیع الاوّل

شرح آیہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْن

چاشت کے وقت حضرت مخدوم آیہ مبارک کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ شَاْنٍ کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے۔ فرمایا ایک بادشاہ تھا اس نے اپنے وزیر سے اس آیت کے معنی دریافت کیے۔ وزیر خاموش ہوگیا اور کہنے لگا کہ مجھے کچھ مہلت دیجئے۔ اس کا کل جواب دونگا۔ گھر جا کر اس کے متعلق ہر شخص سے دریافت کیا اس کے ایک حبشی غلام نے کہا کہ میرے دل میں ایک معنی آیا ہے شاید صحیح ہے۔ وزیر نے کہا اچھا بیان کرو۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے سامنے بیان نہیں کروں گا۔ اگر آپ مجھے بادشاہ کے پاس لے جائیں تو پھر بیان کرونگا۔ وزیر اس غلام کو بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے کہا کہو کیا معنی ہیں۔ اس نے کہا کہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ شَاْنٍ کا مطلب یہ ہے کہ یُعِزُّ ذَلِیْلًا وَیُذِلُّ عَزِیْزًا وَیُمَرِّضُ صَحِیْحًا وَیُصِحُّ سُقِیْمًا یَفْقِرُ غَنِیًا وَیَغْنِیُ فَقِیْرًا) ذلیل کو عزت بخشتا ہے۔ معزز کو ذلیل کرتا ہے تندرست کو بیمار کرتا ہے' بیمار کو تندرست کرتا ہے' غریب کو امیر بناتا ہے اور امیر کو غریب کرتا ہے) یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور وزیر کو حکم دیا کہ وزارت کا لباس اس کو زیادہ اچھا لگتا ہے اتار کر اس کو پہناؤ۔ جب وزیر نے اس غلام کو وزارت کی خلوت (پوشاک) پہنادی تو وہ کہنے لگا کہ **خواجہ ھذا ایضًا من شیون اللّٰہ**[1] (اے خواجہ یہ بھی اللہ کی شانوں میں سے ایک شان ہے) فرمایا یہ حکایت میں نے اپنے حضرت شیخ سے سنی تھی بعد میں کشاف میں دیکھی تو بعنیہ یہی تھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شیخ کی بیان کردہ اکثر حکایات کتب معتبر میں درج ہیں فرمایا روایتِ صوفیاء کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کہ اس کے لیے کتب معتبر میں اصول تلاش کئے جائیں (اس کے بعد آپ نے اپنی یہ دو غزلیں املا کرائیں۔

---

1 یعنی یہ بھی خدا کی شان ہے کہ آپ سے وزارت لیکر مجھے دے دی ہے۔

غزل

۱۔ تو از سر تا قدم حسن و نازی فریضہ گشت ما را عشقبازی

۲۔ ہمہ عالم اسیر جعد تو گشت تر از بید نگارا سرفرازی

۳۔ سرانِ سردارانِ را بر درت سر ضرورت خاست از تو بے نیازی

۴۔ ترا چون نظیرے نیست دیگر: سزد برشکلِ خوبِ خود نبازی

۵۔ بنا شدزیورے زیبا ترائے یار! برائے دلبرے از دل نوازی

۶۔ محمد رانظر جز برخدا نیست پندار عشق بازی او مجازی

۷۔ محمد را مداں محمود غزنی تو خود راہم مپنداری ایازی

۸۔ محمد را محبت قصد و الحال است تو از سرتا قدم حسنی و نازی

۹۔ رسد برمہ کسے کبر و کرشمہ سزد برسرو بستانی کرازی

۱۰۔ قمر بالا است بالائے ندارد کجا ہست آں سرودیں ترک تازی

(۱۔ اے محبوب تو سر سے لیکر قدم تک حسن اور ناز ہے اس لیے ہم پر تیرا عشق فرض ہو گیا ہے۔

۲۔ سارا جہاں تیری زلف کا اسیر ہے تو سب کے سامنے سَر بلند ہے۔

۳۔ تمام سرداروں کے سَر تیرے قدموں پر ہیں۔اور تجھ سے شانِ بے نیازی ٹپک رہی ہے۔

۴۔ جب تیرا کوئی ثانی ہی نہیں ہے تو لازم آتا کہ تو اپنے آپ پر فریفتہ ہو جائے۔

۵۔ اے دوست تجھ سے خوبصورت کوئی زیور نہیں ہے تا کہ تجھ سے محبت کی جائے اور دل لگایا جائے۔

۶۔ محمدؐ (شاعر) کی نظر خدا پر ہے لہذا اس کا عشق حقیقی ہے مجازی نہیں ہے۔

۷۔ محمد کو تم محمود غزنوی مت سمجھو وہ طالبِ ایاز نہیں بلکہ طالبِ خدا ہے۔

۸۔ محمد کے دل میں دوست کی محبت موجزن ہے اس وجہ سے کہ تو سراپا حسن ہے۔

۹۔ میرے چاند تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے کیونکہ سرو گلستان بھی اس کے سامنے خم ہے۔

۱۰۔ میرا چاند اس قدر اونچا ہے کہ اس سے اونچا کوئی نہیں۔اس کے سامنے سرو چمن اور ترک تازی کی کوئی حیثیت ہے۔)

غزل

۱۔ شبے با ماہ روئے خوش غنودم — ہمہ شب درکنار و بوسہ بودم

۲۔ لبے بالب بہم چسپیدہ ماندہ! — ہمہ سینہ بہ سینہ باز سودم

۳۔ چہ لذت داشت آں دشنام کو داد — کہ گاہ انتساف از وے شنودم

۴۔ درافتادے میاں ماگذشت است — مرا گفت آن بدمن مے شنودم

۵۔ دراں حالت محمد را بہ سپرسند — مغ، ترسایا مسلم جھودم

۶۔ منِ اُو اُو من درمیانہ — بحکم الوقت در رقص و سرودم

۷۔ ابوالفتحا گر ازآں خرامی — شبے با ماہ روئے خوشی غنودم

(۱۔ آج رات محبوب کے ساتھ خوب شب باشی ہوئی اور ساری رات بوسہ و کنار میں گذری[1]۔

۲۔ لب کے ساتھ لب اور سینے کے ساتھ سینہ لگا ہوا تھا۔

۳۔ دوست کی گالی گلوچ میں بھی خوب لذت تھی اور بہت سے ناہموار باتیں سننے میں آئیں۔

۴۔ غرضیکہ ہمارے درمیان کافی جھگڑا رہا۔ لیکن تھا صرف ایک طرفہ وہ گالی دیتے جارہے تھے اور میں سُن رہا تھا۔

۵۔ اس حالت میں لوگ محمد (شاعر) سے پوچھتے ہیں کہ آیا تو برہمن ہے، عیسائی ہے، مسلم ہے یا یہودی ہے۔

۶۔ میں دوست ہوں اور دوست میں فرق مٹ گیا ہے لیکن پھر بھی بحکم مجاز میں درمیان میں رقص کررہا ہوں۔

۷۔ اے ابوالفتح اگر تو حقیقت سے نکل کر اقلیم مجاز میں خرام کرے تو پھر کہہ سکتا ہے کہ آج رات میں محبوب سے ہمکنار رہا۔

---

1 یہ ساری غزل واردات ومکشوفات باطنی پر مبنی ہے لیکن زبان مجاز کی اختیار کی گئی ہے۔ کیونکہ اقلیم حقیقت کی کوئی زبان ہی نہیں جیسا کہ غالب نے کہا

ہر چند کہ ہو مشاہدۂ حق میں گفتگو — بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

اب رہا سوال یہ کہ بوسہ و کنار جو مجاز کی اصطلاحات ہیں حقیقت پر کیسے محمول کئے جاسکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ مقام فنافی اللہ میں اگر چہ محویت اور استغراق فی الذات ہوتا ہے بعض سطحوں پر محبوب حقیقی کے حسن و جمال کی جلوہ گری بھی سالک کو نصیب ہوتی ہے اور گوناگوں تجلیات، ناز و انداز اور عشق وغمزہ سے نوازا جاتا ہے۔ ذاتِ حق میں فنا و بقاء کی وارفتگیوں اور حسن و جمال کی شوخیوں کو صرف وہی جانتے ہیں جن کو اس سے واسطہ ہوتا ہے۔

جمعۃ المبارک ۲۴/ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

استقامت توبہ کے بیان میں

نماز جمعہ کے بعد استقامت توبہ پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا صوفیاء کا قول ہے کہ اگر کسی شخص کو حرم میں احتلام ہو جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو توبہ میں استقامت نصیب نہیں ہوئی[1]۔ (یعنی پکی توبہ نہیں ہوئی۔)

سماع میں ضبط کا کمال

اس کے بعد صوفیاء کے حالتِ سماع میں ضبط کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ صوفیاء کے متعلق مشہور ہے کہ سماع میں ان کو کوئی خبر نہیں ہوتی۔ لیکن صوفیاء کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ اگر سماع کے وقت صوفی کی مٹھی میں سرسوں ہو اور اگر اس میں سے ایک دانہ گر جائے اور اُسے علم نہ ہو سکے تو وہ صاحب حال، صاحب وقت (صاحب وجد) اور صاحب ذوق نہیں ہے[2]۔ واللہ اعلم بالصواب

شنبہ ۲۵/ربیع الاوّل

چاشت کے وقت مومن کے تحفظ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ مومنین کو سلامت رکھے مرد عاقل مومن کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ چند دنوں میں یہ جسم کہاں ہوگا۔ اور قبر میں اس کی کیا حالت ہوگی۔ اور قیامت کا حساب و کتاب کس طرح دے گا۔ اگر اس قسم کا محاسبہ کرے تو لازماً وہ گناہوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ روزانہ اپنے ہر فعل اور ہر عمل کا محاسبہ کرے کہ آج کتنے گناہ کئے اور کتنے نیکی کے کام کئے ہیں۔ نیز اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس زندگی کا خاتمہ ہونا ہے۔ اور اس خوبصورت جسم نے خاک میں مل جانا ہے۔ اس کے سارے اجزا علیحدہ علیحدہ

---

1 احتلام کا ہونا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ خیالات میں اب تک پختگی نہیں آئی اور بیداری میں نہیں تو نیند میں
2 صوفیاء کرام اگرچہ سماع میں حال مست نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ مستی اور بے خودی شراب یا بھنگ کے نشے کی طرح مکمل لاشعوری پیدا نہیں کرتی بلکہ ان کو اس حالت میں ذات حق میں فنا یا بقا حاصل ہوتی ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کے ساتھ فنا حاصل ہو یا بقا دونوں صورتوں میں شراب کی سی لاشعوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جہاں شراب اور بھنگ کا نشہ دماغ کو مردہ کر دیتا ہے۔ شربتِ وصل کا نشہ اس کی تمام قویٰ کو الٹا زیادہ اجاگر اور قوی تر کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی قوت سمع و قوت بصر پہلے سے بھی زیادہ قوی ہو کر بہت دور کی چیزوں کا ادراک کرنے لگتی ہے۔ ارتکاب جرم ہو گیا۔

ہو جائیں گے اور اگر چہ ناز اور نعمت سے ساری عمر اس کی پرورش کی ہے۔ ایک دن یہ کیڑوں کی خوراک بن جائے گا۔ اور گل سڑ کر خاک میں مل جائے گا۔ اس لئے اب وقت ہے کہ عاقبت اندیشی کرے اور فانی چیز سے پرہیز کرے اور ایسے کام کرے جو باقی رہنے والے ہوں۔ تا کہ وہی کام اس وقت اس کے کام آئیں جب جسم فنا ہو جائے گا۔ فرمایا یہ بات بالکل ظاہر، صاف اور یقینی ہے۔ اور کسی کو اس میں شک نہیں کہ دینی کام دنیاوی کاموں سے زیادہ اہم، زیادہ ضروری اور زیادہ مفید ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جب دنیا کے کاموں میں کوئی خسارہ آتا ہے تو آدمی اس قدر واویلا کرتا ہے، روتا ہے، فریاد کرتا ہے۔ کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ لیکن اگر نماز قضا ہو جائے یا کوئی گناہ کا کام ہو جائے۔ مثلاً کسی کی غیبت کی ہے جھوٹ بولا ہے۔ کسی پر جھوٹا الزام لگایا۔ کسی کی چغل خوری کی ہے یا کوئی اور غیر شرع فعل کا مرتکب ہوا ہے اور مسلسل گناہ پر گناہ کر رہا ہے۔ تو ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ حالانہ عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ گناہوں پر توبہ اور استغفار کرے اور عہد کرے کہ پھر یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ زبان سے توبہ کر لیتا ہے لیکن جب موقعہ ملتا ہے جو کچھ جی میں آتا کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صدق دل سے توبہ نہیں کی تھی اور صرف زبان سے لفظ توبہ کہہ دیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ داؤد طائیؒ عین دوپہر کے وقت سخت گرمی میں گرم زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور حالت نزع میں تھے۔ ایک شخص نے آپ کو اس حال میں دیکھ کر عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو دیوار کے سائے میں لے جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ جی تو یہی چاہتا ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ اچھا میں آپ کو اٹھاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں خود چل سکتا ہوں اس نے کہا تو پھر آپ کیوں نہیں جاتے۔ فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ آخر عمر میں میں نفسانی خواہشات کی وجہ سے چند قدم اٹھاؤں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر چہ دین کی داد یہی ہے۔ جو حضرت داؤد طائیؒ نے دی لیکن آج کون ہے جو یہ کام کر سکتا ہے۔ ذرا سوچنا چاہیے کہ یہ چیز حاصل کرنے کے لئے کس طرح ہاتھ پاؤں مارنے چاہیں اس کے بعد آپ نے یہ چند غزلیں املا کرائیں۔

غزل

۱۔ نمے دانم کہ آں بدخو بریں دل تا چہا بازد — سوارہ مست لے آید سمند حسن مے تازد

۲۔ غبار از سینہ مے خیزد و جاں از درد مے سوزد — مگر آن شہسوار من بہ میدان گوئے لے بازد

۳۔ ہمہ عالم نظر دارد بجاہ و مالِ خود آخر — چہ عیب است گر جوانِ من بحُسنِ خویش مے نازد

۴۔ تعالیٰ اللہ نگار من چناں موزون و زیبائے — تو اند جز خدائے من چنیں نقش دگر سازد

۵۔ لب لعل وسیہ خالے حبش یا روم یکجا شد — زہے مسکین دل بیدل دو لشکر یک طرف دارد

۶۔ اجازت بوسہ گر یابد محمد عاشق بیدل — ہمیں معذور مے دارش زمستی گر بش کا زد

(۱۔ معلوم نہیں کہ محبوب بدخو نے میرے دل نازک پر اس قدر ظلم کیوں روا رکھا ہے۔ کہ مست گھوڑے کی طرح مجھ پر چڑھائی کر رہا ہے۔

۲۔ سینے سے غبار اٹھ رہی ہے۔ اور جان درد سے جل رہی ہے۔ لیکن وہ شہسوار ذرہ بھر ترس نہیں کرتا ظلم پر ظلم ڈھائے جا رہا ہے۔

۳۔ ہر شخص اپنے مال وجاں پر ناز کرتا ہے اس میں کیا عیب کہ میرا محبوب اپنے حسن و جمال پر ناز کرے۔

۴۔ سبحان اللہ میرا محبوب اس قدر حسین و جمیل ہے کہ صرف خداوند تعالیٰ ہی اس جیسا اور نقش پیدا کر سکتا ہے۔

۵۔ لبِ لعل کے ساتھ خالِ سیاہ یکجا ہو گیا گویا حبشی رومی کے ساتھ مل بیٹھا۔ اب میرے مسکین دل کو دو دشمنوں کا سامنا ہے۔

۶۔ اگر محمد جیسے عاشق و بیدل کو بوسہ کی اجازت مل جائے تو اسے معذور رکھا جائے اگر لب و لعل کو کچھ تکلیف پہنچے۔

غزل

۱۔ ترا از حال من آگہ نباشد — سبیل درد را ہم رہ نباشد

۲۔ کسے را کو ہدایت عشق کرداست — ہے گمراہ را بد راہ نباشد

۳۔ بیاید خود اَدَد بے موجب عشق — ولے در عاشقی یک رہ نباشد

۴۔ جفائے یار برچشم و سرماست — زجور یار نالہ رہ نباشد

۵۔ بدیں شکل و روش سردے ندیدم ‏ چنیں حسن و نمک درمہ نباشد

۶۔ بجان و دل اگر حکمے کند یار ‏ حریف سوز غم را نہ نباشد

۷۔ چہ کوہ دارد زنخدانِ تو یارا ‏ بداں غورے بہ بابل چہ نباشد

۸۔ بعاشق ہر چہ از معشوق آید ‏ بجز بخ بخ بجز خہ خہ نباشد

۹۔ اگر طوفان آتش سربر آرد ‏ بتاب او تنے چو کہ نباشد

۱۰۔ محمد نیستی مردان عشقش ‏ دورئے درد تو جز وہ نباشد

(۱۔ اے دوست تجھے میرے درد کا حال معلوم نہیں ہے۔اس لئے درد کی اب کیا دوا ہو سکتی ہے۔

۲۔ جس کسی کو عشق کی ہدایت حاصل ہے اگر وہ گمراہ ہو بدراہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ محبوب خود بخود آتا ہے۔اور خود چلا جاتا ہے۔رہ عشق میں کوئی مقرر بات نہیں ہے۔

۴۔ دوست کا جور و جفا سر آنکھوں پر۔کون ہے جو جفائے دوست کی چارہ جوئی کرے۔

۵۔ اپنے محبوب کی شکل وصورت کا کوئی محبوب نہ دیکھا یہاں تک کہ چاند میں بھی وہ حسن وملاحت نہیں۔

۶۔ اگر دوست جان ودل کا حکم بھی کرے تو کیا مجال کہ کوئی انکار کرے۔

۷۔ میرے محبوب کا چاہ زنخدانِ اس قدر گہرا کہ بابل میں بھی کوئی کنواں اتنا گہرا نہ ہوگا۔

۸۔ عاشق کو جو کچھ معشوق کی طرف سے پیش آتا اس پر سوائے خندہ پیشانی کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

۹۔ جب طوفان آتش عشق سر پرآ گیا تو کیا ہوگا۔کیونکہ میرا وجود تو ایک گھاس کے تنکے سے زیادہ نہیں ہے۔

۱۰۔ اے محمد تو مرد عشق نہیں ہے۔تیرے درد کی دوا دوست کی طرف سے واہ واہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

غزل

۱۔ شاد اے عاشق دیدار یار ‏ فارغ از نابود و بود روزگار

۲۔ غرقہ در دریائے مستی وخوشی است ‏ آنکہ او میگوں لبے دارد کنار

۳۔ ہر کہ باخوباں نشستہ خاستہ است ‏ از سرِ زہد وصلاح و رسم و عار

۴۔ ہر چہ از یاراں رسد خوشتر بود ‏ گر چہ باشد محنت و درد و فگار

۵۔ جرعہ یابم اگر از جام عشق ‏ جان و دین و دل کنم بروے نثار

۶۔ گر ترا با سرد بالائے فتد پست گردد زیر پالش شد غبار
۷۔ جعداد دیدم محمد برسرین وہم بردم برگہے بر رفتہ مار

(ا۔ اے محبوب کے دیدار کے عاشق بہت خوش قسمت ہو کہ دنیاوی مال دو دولت کے ہونے اور نہ ہونے سے فارغ ہو۔
۲۔ جس خوش نصیب کو محبوب کا بوس و کنار حاصل ہے۔اس کی خوشی اور مستی کی کوئی انتہا نہیں۔
۳۔ جس شخص کو محبوبوں کی صحبت نصیب ہوگئی وہ زہد و طاعت اور رسوماتِ دین سے عاری ہو گیا۔
۴۔ جو کچھ محبوب سے پیش آئے مبارک ہے۔خواہ مصیبت، درد اور زخم کیوں نہ ہو۔
۵۔ اگر مجھے جام عشق سے ایک گھونٹ مل جائے تو اس پر جان و دل اور دین قربان کر دوں۔
۶۔ محمد (شاعر) نے محبوب کی زلفیں دیکھیں رانوں تک پھیلی ہوئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کالا سانپ ہے۔

غزل

۱۔ ترا حق داد روئے پُر جمالے مرا بخشید عشقِ پر کمالے
۲۔ زحسنِ خویش آنگہ بر خوری تو کہ عشقِ من زتو خواہد و نالے
۳۔ بدیں حسن و نمک نازو کرشمہ نمے بینم بتو دیگر مثالے
۴۔ ترا ناز و کرشمہ داد چنداں کہ مارا برد از حالے بحالے
۵۔ بست باریک بس نازک تنک تر ندارد احتمال قیل و قالے
۶۔ اگر کردی اشارت بوسۂ لعلش یقین کشتے نماندے احتمالے
۷۔ سوال بوسہ از لعل لب شاہ محالے ہست بل فرض محالے
۸۔ درخت سرو و نخل و نیشکر ہم نباشد ہمچو بالایش مثالے
۹۔ محمد در جبلت عشق بازم نمے آید فرض دیگر خصالے

(ا۔ اے محبوب تجھے حق تعالیٰ نے کمال حسن عطا کیا ہے۔اور مجھے کمال عشق عطا کیا ہے۔
۲۔ تو اپنے حسن و جمال سے اس وقت سرفراز ہوگا جب مجھے دولت وصل سے سرفراز کرے گا۔
۳۔ یہ حسن و جمال، یہ ناز و کرشمہ، بخدا تری مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

۴۔ تجھے حق تعالیٰ نے اس قدر حسن وناز وکرشمہ عطا کیا ہے کہ مجھے حال سے بے حال کر دیا ہے۔

۵۔ محبوب کے لب اس قدر باریک اور نازک ہیں کہ حسن کے متعلق کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں۔

۶۔ اگر محبوب نے مجھے بوسہ کا اشارہ کر دیا۔ تو مجھے اس کی مہر ووفا کا یقین ہو جائے گا۔

۷۔ محبوب کے لب ولعل کے بوسہ کا سوال اگر چہ محال نظر آتا ہے۔ لیکن فرض محال ہے۔ حقیقتاً محال نہیں کیونکہ محبوب مہربان اور باوفا ہے۔

۸۔ میرے محبوب کا قد رعنا سرو کی مانند ہے۔ یا نخل کی یا نیشکر کی غرضیکہ اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

۹۔ اے محمد تو پیدائشی طور پر عاشق ہے تجھ سے سوائے عشق ومحبت کے اور کوئی خصلت ظاہر نہیں ہوتی۔

غزل

ا۔ یک جرعہ مے بجام ماکن	یک بار لبے بکام ماکن
۲۔ ساقی قدحے بدست ما دِہ	یک چشمک زن مدام ماکن
۳۔ گز بر گزری ببام آں شاہ	وے یاد یکے سلام ماکن
۴۔ آہستہ تری بگوش بدخواں	گستاخی مکن ببام ماکن
۵۔ اے شاہد غیب یک کرشمہ	بس ہر دو جہاں بکام ماکن
۶۔ دشنام دہی تو چاکراں را	مخصوص بدیں بنام ماکن

(ا۔ اے محبوب شراب وصل کا ایک گھونٹ میرے پیالے میں ڈال اور لب ولعل کا ایک بار بوسہ عطا کر۔

۲۔ اے ساقی شراب وصل کا پیالہ میرے ہاتھ میں دے اور ایک نظر عنایت مجھ پر ہمیشہ رہ جائے۔

۳۔ اے بادصبا اگر تیرا گذر اس شاہ خوباں کے کوچہ میں ہو تو میرا سلام عرض کرنا۔

۴۔ لیکن یہ سلام آہستہ سے عرض کرنا تاکہ گستاخی نہ ہو۔

۵۔ اے شاہد حقیقی بس ایک کرشمہ دکھا کر مجھے دو جہاں کی دولت سے سرفراز کر۔

۶۔ اے محبوب تو خادموں کو گالی دیتا ہے۔ لیکن یہ دولت مجھے عطا کر۔

غزل

ا۔ امروز آں نگار جمال دگر نمود	عارض زدہ وسمہ و پردہ زرخ کشود
۲۔ یک خندی کشادہ وجہاں راحیات داد	یک چشمکے بہ بست جہاں رانمک فرزد

۳۔ رخسانہ گلبن است بش شکر لطیف ——— اے اہل دل بگوئے تو بر مصطفےٰ درود

۴۔ سوز فراق شمع رخ جان و دل بسوخت ——— پروانہ وش برآرد آتش ز سینہ دود

۵۔ ہر جا کہ ہست اہل دلے مبتلاء اوست ——— ہر جا کہ خوب روئے او را کند سجود

۶۔ خال رخش کہ دید کہ از دین خود نہ گشت ——— ترسا بشود مسلماں مسلم شود جھود

۷۔ یک بوسہ کہ یافت ازاں لعل میچکاں ——— مستاں بگشت ہر دم در رقص و در سرور

۸۔ گر اہل ہند بیند ترک خطا ختن را ——— از دین بت پرستی توبہ کند ہنود

۹۔ از قامتش چہ پُرسی سرویست راست او ——— جعد و سرین چگویم مارے بکوہ جود

۱۰۔ یک چشمک نہانی جوالفتح راجہ بخش ——— پے کوری رقیب علی الرغم آں حسود

(۱۔ آج اس محبوب نے نیا روپ دکھلایا۔ رخ انور پر وسمہ تھا اور چہرے سے برقعہ اٹھایا ہوا تھا۔

۲۔ اس کے ایک تبسم نے سارے جہاں کو زندہ کر دیا اور ایک کرشمہ ناز نے ساری خلقت کو رام کر لیا۔

۳۔ محبوب کا رخ گلاب کا پھول اور اس کا لب و لعل شکر بیز ہیں اے اہل دل مصطفےٰ پر درود بھیجو کہ اس کی بدولت یہ پیکر جمال وجود میں آیا ہے۔

۴۔ محبوب کے آتشیں چہرے نے جان و دل کو جلا کر خاک بنا دیا اور پروانے کی طرح دل سے آگ نکل رہی ہے۔

۵۔ جہاں بھی کوئی اہل دل ہے۔ اس کے عشق میں مبتلا ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی حسین ہے۔ میرے محبوب کے آگے سجدہ ریز ہے۔

۶۔ جس کسی نے اس کے چہرہ پر خال سیاہ دیکھا آتش پرست ہے۔ تو مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہے۔ تو یہودی بن گیا۔

۷۔ جس کسی کو اس کے شراب آلودہ لبوں کا بوسہ نصیب ہوا۔ وہ دائمی مست ہو گیا۔ اور رقص و وجد میں مشغول ہوا۔

۸۔ اگر کوئی ساکن ہند میرے ترک بتازی کو دیکھ لے تو بت پرستی سے توبہ کر کے اس کا غلام ہو جائے۔

۹۔ اس کے قد کا حال کیا پوچھتے ہو وہ تو سرو چمن ہے۔ اس کے زلفوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے پہاڑ کا سانپ۔

۱۰۔ اے دوست اپنے عاشق ابوالفتح پر ایک نظر عنایت ہو جائے تو رقیب آتشِ حسد میں جل مرے گا۔

غزل

۱۔ کف پایت ہلالے یا جلالت ۔ لعلت لعلت شراب بے ملالت

۲۔ حکایت امرد شاب احسن الوجہ ۔ نباشد جزو جودت را مثالت

۳۔ جہاں تابود خوباں نیز بودند ۔ نبودست ہیچ خوبے برکمالت

۴۔ نباشد سرو را این حسن و رفتار ۔ نباشد قامتے پر اعتدالت

۵۔ بسے حور و پری دیوانہ تو ۔ بے اِنس و ملائک ہم در خیالت

۶۔ دمے بے تو جہاں حاش للّٰہ ۔ زمانے بے تو بودن در خجالت

۷۔ مر آں علمیکہ کہ روئے یار نمود ۔ مخواں علمے کہ ہست عین جہالت

۸۔ شبے با ماہ روئے خوش غنودم ۔ محمدؐ بودہ در ذوق خیالت

(۱۔ اے دوست تیرے پاؤں کی پشت ماہ نور کی طرح پر جلال ہے۔ اور تیرا لب لعل مجسم شراب ہے۔ لیکن بلا ملامت۔

۲۔ اگر بہترین اور حسین ترین محبوب نوجوان دیکھنا ہو تو تیرے وجود سے بہتر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

۳۔ اگرچہ آفرینش جہاں سے محبوبوں کا وجود آ رہا ہے۔ لیکن جو کمال حسن و جمال تجھے حاصل ہے کسی کو نہیں۔

۴۔ سرو چمن کو بھی تجھ جیسا حسن و رفتار نصیب نہیں اور کوئی قد آپ کے قد کی طرح اعتدال پر نہیں ہے۔

۵۔ بیشمار حوریں اور پریاں تجھ پر فریفتہ ہیں اور بے شمار انسان اور ملائک تجھ پر نثار ہیں۔

۶۔ یہ ممکن نہیں کہ ترے سوا یہ جہاں ایک لمحہ بھی رہ سکے تیرے سوا ایک لمحہ بھی مصیبت ہے۔

۷۔ وہ علم جس سے دوست کا چہرہ نصیب نہیں ہوتا علم نہیں جہالت ہے۔

۸۔ رات اس ماہ وش محبوب کے ساتھ خوب بسر ہوئی اور محمدؐ ساری رات اس ذوق میں مست رہا۔)

چہار شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۸۰۳ھ

مشائخ کا حسن خُلق اور اجتناب از مکروہات شرع

مشائخ کے خلق کے ساتھ حسن معاشرت اور مکروہات شرع سے اجتناب پر گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا

ایک دفعہ سلطان تغلق نے ہمارے شیخ کی خدمت میں ایک طعام کا خوانچہ سونے چاندی کے برتنوں میں رکھ کر بھیجا۔ شہر کے شیخ الاسلام (مفتی اعظم) کو بھی ساتھ بھیجا۔ بادشاہ کا سونے چاندی کے برتنوں میں طعام بھیجنا ایک قسم کا امتحان تھا۔ اگر کھانے سے انکار کرتے ہیں تو بادشاہ بے ادبی کا الزام دیکر ظلم کرے گا۔ اگر کھاتے ہیں تو بادشاہ کہے گا۔ کہ غیر شرع کام کیا ہے۔ جب طعام آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے کچھ نہ کہا اور دستر خوان بچھا کر سالن سونے کے برتن سے نکال کر روٹی پر رکھ لیا اور کھانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر مفتی اعظم جو کھانا لائے تھے واپس چلے گئے۔ اور بادشاہ کے پاس جا کر ماجرا بیان کیا اور کہا کہ وہ (حضرت شیخ) شریعت کے بڑے پابند ہیں کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔

اس لئے وہ دونوں یعنی بادشاہ اور مفتی اعظم حضرت شیخ کو پھانسنے میں ناکام اور مایوس ہو گئے۔

اولیاء اللہ کے ہاں و آخرت کی قدر کیا ہے

اس کے بعد اولیاء اللہ کے نزدیک دنیا و آخرت کی قدر و قیمت پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ ایک دن سلطان الاولیاء حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ مکہ مکرمہ کے قریب ایک جنگل میں جا رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درویش ایندھن کا گٹھا ایک طرف رکھ کر نماز پڑھ رہے ہیں آپ کو نور باطن سے علم ہو گیا کہ یہ ولی اللہ ہیں پاس کھڑے ہو گئے۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو آپ نے سلام کر کے دریافت کیا کہ یا خواجہ اگر کسی شخص کے دل میں دنیا کا خیال آئے تو اس پر کیا واجب ہے۔ اور آخرت کا خیال آئے تو کیا واجب ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر دنیا کا خیال آئے تو وضو کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ حقیر اور فانی ہے۔ اگر آخرت کا خیال آئے تو غسل واجب ہے۔ کیونکہ وہ باقی اور دائم ہے۔ نیز اس کی طرف سب کو دعوت بھی دی گئی اس لئے آخرت کے متعلق دل میں خطرہ کا آنا گناہ عظیم ہے۔ اور غسل واجب آتا ہے۔

مراتب طالبان دنیا

اس کے بعد طالبان دینا کے مراتب پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ طالبانِ دنیا کی کئی قسمیں ہیں ایک قسم راغب دینا کی ہے۔ جو مصلحتاً ظاہری طور پر اس کی مذمت میں کرتا ہے۔ دراصل وہ راغب اور طالب دنیا ہے۔ فرمایا حقائق سلمٰی میں لکھا ہے کہ ایک شخص رابعہ بصریؒ کے سامنے دنیا کی پر زور مذمت کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا جاؤ تم بھی طالبِ دنیا اور راغب دنیا ہو ورنہ اس کا اتنا ذکر

نہ کرتے کیونکہ جس چیز کی محبت تمہارے دل سے مٹ چکی ہے۔ تمہارا دل ہرگز اس کی مذمت میں مشغول نہیں ہوگا۔ چونکہ تمہارا دل اس کی مذمت میں مشغول ہے۔ اس لئے لازماً اس کی محبت تمہارے دل سے ابھی تک نہیں نکلی بالفاظ دیگر تو طالب و راغب دنیا ہے۔

بذل وسخاوت

اس کے بعد بذل وسخاوت پر گفتگو ہونے لگی فرمایا لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ **البخیلُ مَنْ یُعْطِی عندالسوال** (بخیل وہ ہے جو سوال کے وقت عطا کرے) بلا سوال اور بلا طلب نہ دے۔ فرمایا ایک شخص نے حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کے پاس جا کر کہا کہ میں حاجتمند ہوں مجھے کچھ عنایت کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں ایک وضو کا لوٹا ہے۔ جس کی قیمت چند درہم ہے۔ اگر یہ تجھے دے دوں تو خلقِ خدا تیرا اور میرا پیچھا نہ چھوڑے گی تم یہ لے کر فلاں راستے سے نکل جاؤ اور میں لوگوں سے کہوں گا کہ ایک شخص زبردستی میرا لوٹا اٹھا کر دوسری طرف چلا گیا۔ اس لئے تم کو کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔ چنانچہ یہی کیا گیا وہ شخص لوٹا لے کر ایک طرف نکل گیا اور شیخ نے اپنے آدمیوں کو دوسری طرف مشغول کر دیا۔

شفاعت اولیاء

اس کے بعد شفاعتِ اولیاء برائے گناہ گاران پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا اگر ولی اللہ چاہیں تو موت کے بعد گناہ گار کی شفاعت کر سکتے ہیں۔ پہلے وہ میت کے حال پر نظر کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اس کی کیا حالت ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا سارا جسم سیاہ ہے۔ اور آنکھیں سبز، چہرہ سیہ پیٹ پھولا ہوا ہے جیسا کہ پانی میں ڈوبی ہوئی میت کا ہوتا ہے۔ تو وہ جان لیتے ہیں کہ وہ شخص اس دنیا سے بے ایمان ہو کر گیا ہے۔ اس کے حق میں کوئی شفاعت کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ لاعلاج مرض کی طرح۔ اس لئے اسکے واسطے وہ کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اگر دیکھتے ہیں کہ میت کی پیشانی پر رائی کے دانہ کے برابر سفیدی ہے۔ یا جسم پر کوئی سفیدی کا دانہ ہے۔ تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا ایمان باقی ہے۔ اور شفاعت کے قابل ہے۔ اس کی شفاعت کرتے ہیں اور وہ دوزخ سے خلاصی پاتا ہے۔

غیرتِ مشائخ

ظہر کی نماز کے بعد غیرت مشائخ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا جس شخص کا مرشد غیور ہے۔ اس کا خدا

حافظ ہے۔ایسی حالت میں تو بڑے مریدین قابل اور طالبان صادق کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔
حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے ہاں کسی مرید کی تربیت نہ ہوئی اور نہ کسی مقام کو پہنچا۔ کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں سات سو سے زائد مریدین گوشہ نشین تھے۔ لیکن آپ نے کسی کو منزل مقصود تک نہ پہنچایا۔ایک دن جب حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے آپکے سامنے اس بات کی شکایت کی کہ مولانا بہاء الدینؒ آپ یہ کیا کرر ہے ہیں۔تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم نہیں۔ان کے لئے یہی بہتر ہے۔چنانچہ آپ کے فرزند حضرت شیخ صدر الدینؒ کی تربیت شیخ جلال الدین تبریزی کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔اور مقامات پر پہنچے۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے وصال کے بعد نومن سونا آپکے سرزند کو ورثہ میں ملا۔ دیگر اجناس اور مال علیحدہ تھا۔لیکن شیخ صدرالدینؒ نے سب کچھ ایک دن میں راہ خدا میں دے دیا۔اور ایک لنگی باندھ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ فاقہ پر فاقے کئے۔اور عسرت سے زندگی بسر کیا اور اپنے والد ماجد کا تمام جاہ وجلال ترک کر دیا۔شیخ صدر الدینؒ کے بیٹے شیخ رکن الدینؒ تھے۔آپ بارہ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔آپ کے مریدین اور خویش واقارب کا خیال یہی تھا کہ والد کے بعد آپ ہی کو مسند خلافت پر بیٹھنا چاہیے۔ایک دن حضرت شیخ صدر الدینؒ بیٹھے تھے کہ آپکی دستار سامنے پڑی تھی۔شیخ رکن الدین

---

1 حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے یہ خلعت مولانا مغیث کو طنزاً عطا فرمائی کیونکہ انہوں نے رسالہ لکھا اور حضرت اقدس کے وجد وحال کا ذکر کیا لیکن اس شعر کو حقیقت پر محمول نہ کر سکے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق حقیقت پر محمول کرنے سے خدا پر جور و جفا لازم آتا ہے لیکن مولانا مغیث کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ جور و جفا سے مراد یہاں حق تعالیٰ کی صفت قہاری کا ذکر ہے۔ یا محبوب حقیقی کی اس چھیڑ چھاڑ کو بیان کیا گیا ہے۔ جو عشاق کے ساتھ از راہ محبت وانس نہ از راہ ظلم وستم روا رکھی جاتی ہے۔ یہ حقیقت پر محمول کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

2 چونکہ مولانا مغیث کے لئے دوسرے اشعار پر حضرت اقدس کے وحد وحال کا سمجھنا مشکل تھا۔اس لئے ان کو طلب کر کے پوچھا کہ کہو اب تم کیا کہو گے۔ ان اشعار کو بھی آسانی سے حقیقت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ میکدہ سے مراد شراب وحدت اور استغراق سے فنافی اللہ مراد ہے۔ طبل بجانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آج رات محبوب حقیقی کے قرب ووصال اور حسن وجمال کے خوب مزے لئے۔ دوسرے شعر میں مُغ بچہ میخوارہ سے مراد محبوب حقیقی اور ساقی ہے۔ مغ بچہ سے مراد نہایت درجہ حسن وجمال پیکر اور مے خوارہ کا مطلب ہے شراب سے مست محبوب۔ شراب سے مست اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ محبوب بھی عاشق کی طرح شراب محبت سے سرشار ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

عشق اوّل در دل معشوق پیدا مے شود:

نیز الہامات غوث الاعظمؒ میں سے پہلا الہام یہ ہے:۔ یاعبد القادر خیر اطالب انا و خیرا المطلوب الانسان (حق تعالیٰ نے فرمایا بہترین طالب میں ہوں اور بہترین مطلوب انسان ہے) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے بجا طور پر مولانا مغیث کو ڈانٹ دی۔ایک شاعر نے محبوب حقیقی کے بارے میں یہ شعر کہا ہے۔

که خود مست است و مستان را خبر گیرد

جو بچے تھے نے دستار اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ حاضرین نے چاہا کہ ان کے سر سے دستار اٹھالی جائے۔ لیکن حضرت شیخ صدر الدینؒ نے فرمایا کہ رہنے دو اس کو میری دستار باندھنے کا حق ہے۔ چنانچہ شیخ کے وصال کے بعد مسند خلافت پر آپ بیٹھے۔ جب آپکی عمر بارہ سال تھی[1]۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کا ایک مرید تھا جس کا نام فرید تھا وہ آپ کے زیر تربیت تھا۔ ایک دن اس نے شیخ سے کہا کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے لئے غیب سے طعام کا خوانچہ اترا ہے۔ مولانا برہان الدینؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسی باتوں سے تو درویشوں کو غیرت آتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیچارہ ایک ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے خواجہؒ کے مریدین میں سے جو شخص غیب سے شیخ کا یا خلافت یا ولایت کا اشارہ پاتا۔ یا آپکو کسی طرح سے محسوس ہوتا کہ مرید کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ہو رہا ہے تو آپ اس سے بالکل ناخوش ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ بلا تم پر کیسے نازل ہوگئی ہے۔ چنانچہ آپ اُسے جملہ نعمتوں سے محروم کر دیتے تھے۔ اور تمام قابلیتوں سے باہر رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ میں نے ساری عمر اس قسم کی ہر بات سے پرہیز کیا بلکہ صرف وہ چیز ظاہر کی جس کے ساتھ حضرت اقدس کا تعلق ہوتا تھا۔ مثلاً آپ نے یہ عطا فرمایا۔ یہ بات کہی۔ یہ نعمت بخشی، اور غیبی واردات میں سے جن میں حضرت خواجہ کا ذکر نہ ہوتا تھا۔ اس کا ذکر نہیں کرتا تھا۔ اس خوف سے کہ آپ کے دل میں کیا خیال پیدا ہو۔ سوائے ایک واقعہ کے کہ جب میں چھوٹا تھا۔ اور حضرت خواجہ نے مجھے ابتدائی مشغولی تعلیم فرمائی تھی۔ رمضان المبارک کی اکیس تاریخ تھی۔ میں گھر میں مشغول تھا۔ میری والدہ پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب ان پر نیند کا غلبہ ہوا تو فرمانے لگیں کہ اے محمد تم نے بچپن میں کیا کھایا پیا ہے۔ اور دنیا میں کیا حاصل کیا کہ پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھاتے نہ پانی سیر ہو کر پیتے ہو۔ تم بچپن میں اپنے آپ کو ان مجاہدات سے جلا رہے ہو میرا دل ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ خدا کے لیے میری منت مان لو اور ذرا نیند کر لو۔ اس زمانے میں میرے لئے سونا بلائے جان تھا۔ لیکن والدہ کی بات کو رد نہ کیا اور جا کر بستر پر لیٹ گیا میں کیا بتاؤں جو کچھ مجھے ملا۔ اُسی رات ملا۔ اور آج تک میری

[1] اگر کوئی یہ کہے کہ بارہ سال کی عمر میں خلافت کی استعداد کیسے پیدا ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ مادرزاد ولی کے لئے یہ کام مشکل نہیں ہے۔

یہی حالت ہے اور آج جو کچھ میں تمہارے سامنے بنا بیٹھا ہوں۔ یہ ساری نعمت اسی رات نصیب ہوئی۔ صبح اٹھ کر میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا۔ میں بچہ تھا۔ مجھے آداب معلوم نہ تھے۔ میں نے تمام واردات حضرت اقدس کے سامنے بیان کر دی حضرت اقدس نے فرمایا الحمدللہ رب العلمین ۔اور دونوں ہاتھ اپنے رخسار مبارک پر پھیرے۔ اگر چہ جو بات میں نے کہی تھی۔ نازک تھی لیکن بچپن کی وجہ سے آپ نے درگذر فرمایا اور مجھ پر جس قدر عنایت اور کرم فرمایا کرتے تھے۔ اس پر قائم رہے۔ میں آپ کی خدمت میں اس قدر احتیاط کرتا تھا کہ کبھی دستار باندھ کر آپکی خدمت میں حاضر نہ ہوا اس خوف سے کہ ممکن ہے آپکے دل میں کیا خیال پیدا ہو۔ اور نہ ہی میں نے آپ کی زندگی میں کوئی رسالہ یا کتاب تصنیف کی۔ لیکن آپ کے وصال کے بعد میں نے کتابیں بھی لکھیں' تقریریں کیں۔ حضرت شیخ کے طریقے پر دستار بھی باندھی۔ اور نشست و برخاست شیخ کے طریقہ پر روا رکھی۔ یہ دیکھ کر میرے دوست مولانا علاؤالدین نے کہا تم نے یہ چیزیں شیخ کے وصال کے بعد شروع کیں ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ حضرت شیخ کی برکت سے یہ تمام چیزیں مجھے ان کی زندگی میں بھی حاصل تھیں لیکن آپکی عزت وحرمت کیوجہ سے ان چیزوں سے بیزار رہتا تھااور ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس خوف سے کہ ان کے دل میں کیا خیال آ جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کے خلیفہ سید نصیر الدینؒ ایک دفعہ سماع سن رہے تھے۔ اور اپنے شیخ کی موجودگی میں رقص کر رہے تھے۔ اور کود رہے تھے۔ شیخ ایک طرف کھڑے تیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے اسی وقت دل میں کہا کہ شیخ کی یہ نظر اچھی نہیں ہے۔ شیخ نے گھر آ کر فرمایا کہ یہ سید نصیر الدین عجیب رقاص ہے۔ اور خوب پاؤں مارتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے اندر ان کے پاؤں میں درد اٹھا اور اسی مرض میں جاں بحق ہو گئے ۔اور اس روز کے بعد سماع میں انہوں نے کبھی رقص نہ کیا تھا۔ نہ مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ اور نہ وہ کبھی دو پاؤں پر کھڑے ہو سکے اس مرض کے دوران جب ان کی طبع پرسی کے لئے گیا تو انہوں نے بہت عجز و نیاز سے التجا کی کہ حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کریں کہ کل حضور نے کرم فرما کر جو طعام بندہ کے پاس ارسال فرمایا اس کے کھانے سے مجھے بہت افاقہ ہوا ہے۔ اسی طرح کرم فرماتے رہیں۔ مجھے اپنی ولایت میں پناہ دیجئے میں نے حضرت شیخ کی

خدمت میں عرض کیا انہوں نے فرمایا کہ موت اور حیات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے دل میں کہا کہ اب سید نصیر الدین کے بچنے کی امید نہیں ہے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر رحلت کر گئے۔ اسی طرح عثمان سیاح جو شیخ رکن الدینؒ کے مرید تھے وہ بھی شیخ کے سامنے سماع میں وجد کر رہے تھے۔ اور شیخ اس کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد وہ کبھی مجلس میں حاضر نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پنجشنبہ یکم ربیع الآخر ۸۰۳ھ

بہترین لباس نزد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث کا بیان ہو رہا تھا۔ کہ اَحَبُّ الثِّیَابِ الی رسول اللہ القمیص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہترین لباس قمیص ہے۔) فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قمیص پہننے سے ایک دم سارا جسم ڈھک جاتا ہے (خاص کر عرب کی قمیص میں یہی خاصیت ہے۔ کیونکہ لمبی ہوتی ہے۔) لباس کی باقی چیزوں مثلاً دریا دستار وغیرہ میں یہ خاصیت نہیں ہے۔ اس لئے آدابِ لباس میں یہ چیز شامل ہے۔ کہ غسل کے بعد سب سے پہلے پیراہن پہننا چاہیے اس کے بعد جامہ آزار (تہ بند یا شلوار) اور دوسرے کپڑے پہننے چاہیں۔

علمائے ظواہر کا جہل

اس کے بعد اس مضمون پر گفتگو ہونے لگی کہ علمائے ظاہر صوفیاء کرام کے احوال و مواجید سے کس قدر جاہل ہوتے ہیں۔ فرمایا ایک دفعہ حضرت شیخ کی خانقاہ میں سماع ہو رہا تھا۔ حضرت خواجہؒ کو اس شعر پر کمال ذوق پیدا ہوا۔

جفا ہر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی

قلم بر بیدلاں گفتی نخواہم راندہم راندی

(اے محبوب تو نے کہا تھا کہ عاشقوں پر ظلم نہیں کروں گا۔ لیکن پھر بھی ظلم کیا۔ نیز تم نے کہا تھا کہ عاشقوں پر قلم نہیں چلاؤں گا۔ لیکن پھر بھی چلایا)

مولانا مغیث شاعر نے اس مجلس کی تمام روئیداد ایک رسالہ میں قلم بند کی اور اس شعر کے متعلق لکھا کہ اسے کسی صورت میں حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر جور و جفا کی نسبت

خدائے تعالیٰ سے کی جائے تو کفر لازم آتا ہے۔اس قسم کے اور کلمات بھی انہوں نے اس رسالہ میں جمع کئے۔ مولانا معین الدین عمرانی نے جا کر یہ رسالہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے مولانا مغیث کو بلا کر وہ رسالہ ان کو دیا اور دستار اور لنگی کی خلعت دے کر واپس بھیج دیا۔ لیکن کوئی بات نہ کہی۔اب مولانا مغیث کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ عنایت کس وجہ سے ہو رہی ہے[1]۔

دوسرے روز سماع ہوا تو حضرت خواجہؒ کو ان اشعار پر حال آ گیا اور خوب رقص فرمایا۔

ما طبل فغانہ دوش چہ بے باک زدیم   عالی علمش برسرِ افلاک زدیم

از بہرِ یکے مُغ بچۂ میخوارہ   صد بارہ کلاہِ توبہ برخاک زدیم

(ہم نے رات میکدہ کا نقارہ خوب زور سے بجایا اور اس کا جھنڈا خوب بلند کیا ایک مے خوار ساقی کی خاطر ہم نے سو بار توبہ کی اور توڑ دی) کافی اضطراب کے بعد حضرت شیخ بالا خانہ پر تشریف لے گئے۔اور مغیث کو طلب فرمایا۔مولانا مغیث جلدی سے اوپر گئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ہاں مولانا اب لکھو کہ یہ کیا بات تھی۔یہ کہہ کر آپ نے ان کو واپس بھیج دیا[2]۔

---

1 حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے یہ خلعت مولانا مغیث کو طنزاً عطا فرمائی کیونکہ انہوں نے رسالہ لکھا اور حضرت اقدس کے وجد و حال کا ذکر کیا لیکن اس شعر کو حقیقت پر محمول نہ کر سکے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق حقیقت پر محمول کرنے سے خدا پر جور و جفا لازم آتا ہے لیکن مولانا مغیث کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ جور و جفا سے مراد یہاں حق تعالیٰ کی صفت قہاری کا ذکر ہے۔یا محبوب حقیقی کی اس چھیڑ چھاڑ کو بیان کیا گیا ہے۔ جو عشاق کے ساتھ از راہ محبت وانس نہ از راہ ظلم وستم روا رکھی جاتی ہے۔یہ حقیقت پر محمول کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

2 چونکہ مولانا مغیث کے لئے دوسرے اشعار پر حضرت اقدس کے وجد و حال کا سمجھنا مشکل تھا۔اس لئے ان کو طلب کر کے پوچھا کہ کہو اب تم کیا کہو گے۔ان اشعار کو بھی آسانی سے حقیقت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔میکدہ سے مراد شراب وحدت اور استغراق سے فنا فی اللہ مراد ہے۔طبل بجانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آج رات محبوب حقیقی کے قرب و وصال اور حسن و جمال کے خوب مزے لئے۔دوسرے شعر میں مُغ بچہ میخوارہ سے مراد محبوب حقیقی اور ساقی ہے۔مغ بچہ سے مراد نہایت درجہ حسن و جمال پیکر اور مے خوارہ کا مطلب ہے شراب سے مست محبوب۔شراب سے مست اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ محبوب بھی عاشق کی طرح شراب محبت سے سرشار ہوتا ہے۔کسی نے خوب کہا ہے۔

عشق اوّل در دل معشوق پیدا مے شود

نیز الہامات غوث الاعظمؒ میں سے پہلا الہام یہ ہے:۔ یاعبد القادر خیر الطالب انا و خیرا المطلوب الانسان (حق تعالیٰ نے فرمایا بہترین طالب میں ہوں اور بہترین مطلوب انسان ہے) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے بجا طور پر مولانا مغیث کو ڈانٹ دی۔ایک شاعر نے محبوب حقیقی کے بارے میں یہ شعر کہا ہے۔

کہ خود مست است و بستان را خبر گیرد

عصر کی نماز کے بعد غیب سے رونما ہونے والے واقعات کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا بعض اوقات عالم غیب سے کسی پر کوئی شاہد ظاہر ہوتا ہے اور ان کے مابین ہم کلامی کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ گفتگو دوسرے لوگ بھی سن سکتے ہیں خواہ وہ اہل ہوں یا نہ ہوں۔ برادرم سید یوسف اطال عمرہٗ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کنیز کھڑی حضرت مخدوم کو وضو کرا رہی تھی۔ کہ ایک بزرگ غیب سے ظاہر ہوئے اور آپ کو سلام کیا۔ حضرت مخدوم نے سلام کا جواب دیا۔ اور کچھ دیر دونوں حضرات کے درمیان گفتگو ہوتی رہی جسے میں نہ سمجھ سکی۔ اس کے بعد وہ بزرگ غیب ہو گئے۔ کمترین خدمت گاران راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت مخدوم کے متعلق اس قسم کے واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر ان کو قلمبند کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب وجود میں آ جائے گی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بہت بڑا کتا جو جسامت میں گدھے کے برابر تھا۔ ہمارے بالا خانے سے اتر کر صحن میں آ گیا۔ میں نے اسے بہت دھتکارا لیکن وہ باز نہ آیا اور کھڑا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ غیب ہو گیا۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ شہر پر ایک بلائے عظیم نازل ہونے والی ہے جو کسی وجہ سے نہیں ٹل سکے گی۔ اور شہر تہ و بالا ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں نے اعلان کر دیا کہ شہر میں کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ تھوڑے عرصہ بعد مغلوں کا حملہ ہوا۔ جس سے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اگرچہ میرا طریقہ یہ نہیں کہ جو کچھ عالم غیب سے نظر آئے لوگوں کے سامنے بیان کروں لیکن یہ واقعہ میں نے بہ بانگ دہل خلق خدا کے سامنے بیان کر دیا تا کہ ہر شخص اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ سوچ سکے۔ اور کسی دوسرے شہر یا علاقے میں چلا جائے۔

۱۳/ ربیع الآخر ۸۰۳ھ

ظہر کی نماز کے بعد برادرم سید یوسف اطال اللہ عمرہٗ نے خواب میں دیکھا کہ میں اور میرا بھائی (راقم الحروف) بیٹھے شراب نوشی کر رہے ہیں اس اثنا میں ایک شخص نے آ کر مجھے ایک کتاب دی اور میں بیدار ہو گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کے علاوہ دولتِ علم سے بھی سرفراز ہو گے۔ اس سے محروم نہیں رہو گے۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ استاد کے سامنے بیٹھا سبق پڑھ رہا ہوں۔ سامنے شاید ایک نعت کی کتاب ہے یا کتاب کے کسی لفظ کے معنی لغت میں دیکھ رہا ہوں۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ہر جگہ اللہ اللہ لکھا ہوا ہے اور کوئی لفظ نہیں ہے۔ جب میں نے اس کا ذکر حضرت اقدس سے کیا تو فرمایا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ تعلیم بند کر دو۔ اس کے بعد سب اللہ اللہ ہی ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ سیف الدین باخرزیؒ ہر رات کتاب کے دو جز تصنیف کر کے سوتے تھے۔ ایک رات وہ دو جز ولکھ کر سو گئے۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو جو کچھ لکھا تھا مٹ گیا ہے۔ اور ہر جگہ اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس کی تعبیر انہوں نے یہ سمجھی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تقریر وتحریر ترک کر دو اور حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے تصنیف وتالیف کا کام چھوڑ دیا۔ اور مشغول بحق ہو گئے۔

حق پرستی میں خلوص

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کرنے کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ جو لوگ دوزخ کے خوف اور بہشت کی طمع کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔ وہ ء خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے دوزخ اور بہشت کی پرستش کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کسی دوسرے مقصد کی خاطر عبادت کرتے ہیں وہ اپنے اس مقصد کی پرستش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی پرستش نہیں کرتے۔ فرض کرو زید کسی آدمی کے سر سے پگڑی لیکر بھاگ جاتا ہے۔ اور وہ آدمی زید کے پیچھے دوڑتا ہے۔ تو وہ دراصل اپنی پگڑی کے پیچھے دوڑتا ہے۔ زید کے پیچھے نہیں دوڑتا۔ عاشق اپنے معشوق کے پیچھے نہیں دوڑتا بلکہ اپنے دل کے پیچھے دوڑتا ہے۔ جو معشوق کے قبضہ میں ہے۔ لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے اس خیال سے کہ اللہ اس کا معبود ہے۔ اور وہ اس کا عابد تو وہ فی الحقیقت خدا کی پرستش کرتا ہے۔ درمیان میں کوئی اور مطلوب یا مقصود نہیں ہوتا۔ اس خیال سے کہ وہ اس کا بندہ ہے۔ اور بندہ کو سوائے بندگی کے اور کوئی کام نہیں خدا اس کا آقا ہے۔ اور آقا کے ساتھ سوائے اطاعت کے اور کوئی کام نہیں۔ اگر وہ رحمت کرتا ہے تو راضی ہے۔ رحمت نہیں کرتا تو بھی راضی ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ حضرت صہیبؓ کے متعلق یہی خبر دیتے ہیں.

نِعَم الْعَبْد صُهیب لَوْ لَمْ یَخفَ اللّٰه لَمْ یَوْ صِیه (صہیب نیک بندہ خدا ہے اگر خدا کا خوف نہیں کرتے تو گناہ بھی نہیں کرتے) یہاں لفظ لَو کے معنی ان کے ہیں۔ ان معنوں میں وہ کہ میرا معبود ہے اور میں اسکا عبد۔

رابعہ بصریؒ کا خلوص عبادت

فرمایا ایک دفعہ رابعہ بصریؒ ایک ہاتھ میں پانی کا لوٹا اور ایک ہاتھ میں آگ لئے غلبۂ حال میں نکلیں۔لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ اس آگ سے آٹھوں بہشت جلا دوں۔اور پانی سے آتشِ دوزخ بجھا دوں تا کہ کوئی شخص دوزخ کے خوف سے اور بہشت کی طمع سے عبادت نہ کرے۔ بلکہ سب خدا کی پرستش کریں۔

شنبہ ۱۷ ربیع الثانی ۸۰۳ھ

مشائخ کا ادب

عشاء کی نماز کے وقت مشائخ کے ادب پر گفتگو ہو رہی تھی۔فرمایا مشائخ کا کما حقہ ادب بجالانا اس قدر مشکل اور کٹھن ہے کہ دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ بلکہ انسان کی حدِ امکان سے باہر ہے لہذا ان کی صحبت سے دور رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر ان حضرات کا کرم شامل حال نہ ہوتا کوئی شخص ان کے عتاب سے نہ بچ سکتا لیکن چونکہ یہ حضرات صفات الٰہیہ سے متصف ہوتے ہیں۔بحکم سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلٰى غَضَبِيْ (میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔)اس لئے خطا کار کے حال پر رحم کرتے ہیں لیکن بعض اوقات صفتِ قہر سے بھی متصف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایکدفعہ ایک شخص شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں اس ہیئت میں حاضر ہوا کہ زلفیں بنی ہوئی تھیں۔اور دستار کاندھے پر رکھی تھی۔ (از راہِ تفاخر) آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیسے سر تن سے جدا کر کے درویشوں کے سامنے آتے ہو۔زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ بادشاہ نے اسے قتل کرا دیا۔

فرمایا ایک دفعہ مولانا محمود معلم مسجد رواتِ ہمارے خواجہؒ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے کہ جبہ کی ایک آستین میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا اور ایک خالی لٹک رہی تھی۔ حضرت شیخ نے فرمایا مولانا کس وضع سے ہمارے سامنے آئے ہو۔ یہ کہنا تھا کہ ان کے ہوش اُڑ گئے۔ بہت کوشش کی دوسرے آستین میں ہاتھ ڈال لیں۔لیکن گھبراہٹ میں ہاتھ کہاں ڈالتے تھے۔اور جاتا کہاں تھا۔ان کی یہ حالت دیکھکر حضرت اقدس کے خادم خواجہ ابراہیم نے عرض کیا کہ حضور مولانا محمود جبہ اتار کر وضو کر رہے تھے۔جب میں نے اچانک اطلاع دی کہ حضرت شیخ طلب فرمارہے ہیں۔

تو فوراً اسی حالت میں چلے آئے۔ یہ سن کر آپ نے اسے معاف کر دیا۔ اور فرمایا کہ جاؤ آستین درست کرلو۔ یہ سن کر وہ واپس چلے گئے اور معافی ہوگئی۔

اس کے بعد یہ اس بات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ کہ بعض اوقات صوفیاء کو آنے والے واقعات کی اطلاع غیب سے ہو جاتی ہے۔ تا کہ وہ اسی مطابق کام کر سکیں۔ فرمایا حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ قدس سرہٗ کے ایک دوست نے آ کر حضرت اقدس کی خدمت میں شکایت کی۔ دس ماہ ہوئے حاکم شہر نے میری بیوی کو اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔ مجھے بیوی سے محبت ہے۔ اور اس کے بغیر میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ باہر جا کر بیٹھ جاؤ وہ جا کر باہر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے اس کے پاس کھانا بھجوایا۔ لیکن اس نے شور مچایا کہ بیوی کے بغیر کھانا کیسے کھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے کہنے پر عمل کرو اور کھانا کھالو۔ اس نے کھانا کھایا۔ جب شام کی نماز کا وقت آیا تو وہ پھر بے قرار ہوگیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا صبر کرو اور فکر مت کرو۔ اس اثناء میں دہلی سے ایک نویسندہ کا حکم گرفتاری موصول ہوا۔ وہ شخص دوڑا ہوا حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری جان کی رہائی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر جاتے ہی تمہاری جان رہائی ہو جائے بلکہ ایک مکان اور ایک کنیز بھی انعام میں مل جائے تو کیا تم وہ کنیز اس شخص کے حوالہ کر دو گے۔ اس نے کہا جی ہاں مجھے قبول ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ حضور میں کنیز کو لے کر کیا کروں گا۔ مجھے تو اپنی بیوی درکار ہے۔ آپ نے فرمایا تم خاموش رہو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں قبول کرلو۔ جب وہ نویسندہ دہلی گیا تو حاکم نے اس کو مکان اور کنیز دے دی جب بیوی گم کردہ شخص نے اس کنیز کو دیکھا تو فوراً دوڑ کر اس کے پاس گیا اور خوش ہو کر کہنے لگا۔ کہ یہ تو میری اپنی بیوی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہؒ کو واقعات کا پہلے علم ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ کنیز قبول کر لینا۔

فضیلت خلوت و گوشہ نشینی

ظہر کی نماز کے وقت فضیلت خلوت و گوشہ نشینی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے جو لذت اور ذوق خلوت اور عزلت (گوشہ نشینی) ویرانے اور صحرا میں رکھا ہے کسی چیز میں نہیں ہے۔ اور جو مصیبت اور بلا خلق خدا کے مابین رہنے میں ہے وہ دائرہ تحریر اور تقریر

سے باہر ہے۔فرمایا مولانا وحید نام ایک درویش تھے۔ جو احاطہ آوانسیہ کے قریب علاقہ جہاں پناہ میں رہتے تھے۔اس زمانے میں وہاں آبادی نہیں تھی۔اور وہ چھپر ڈال کر گزارہ کر رہے تھے ان کے پاس ایک کنیز تھی۔ جس کا نام لکھماں تھا۔اور انکے دو دوست تھے۔جن میں سے ایک بقال تھا دوسرا درزی خواجہ وحید حضرت شیخ فریدالدینؒ کے خلیفہ تھے۔بعض کہتے ہیں کہ شیخ صدرالدین کے خلیفہ تھے ایک اور روایت کے مطابق وہ شیخ سلیمانؒ کے خلیفہ تھے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ حضرت شیخ فریدالدینؒ کے خلیفہ تھے۔جب حضرت خواجہ نظام الدینؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے مزار پر حاضری دینے کے لئے جاتے تھے۔تو مولانا وحیدؒ کو ملنے بھی جایا کرتے تھے۔ اور اس ملاقات سے آپ بے حد خوش ہوتے تھے۔اور کبھی کبھی ان کے یہاں سماع بھی سنتے تھے۔ ان کی ایک خادمہ تھی۔اس کو حکم دیتے تھے کہ چند سیر کھچڑی تیار کرو اور گھی بھی ساتھ لاؤ تا کہ ہم محفل سماع منعقد کریں۔ان مجالس میں وہ اپنے دو دوستوں کو بھی شامل کرتے تھے۔اور گھر کے دروازے بند کر کے خوب سماع سنتے تھے۔سماع کے بعد اگر کوئی شخص آ کر کہتا تھا کہ یا خواجہ میں قوالوں کو کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں تو وہ اجازت دے دیتے تھے۔ جب کوئی شخص پانچ روپے دیتا تو آپ ناخوش ہوتے تھے۔لیکن دس روپے سے خوش ہو جاتے تھے۔اس کے بعد کھچڑی نکال کر دوستوں کو بھی کھلاتے اور قوالوں کو بھی۔ایک دن حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان کو ملنے کے لئے تشریف لائے لیکن وہ گھر پر نہ تھے۔خادمہ نے کہا حضور وہ فلاں باغ کی طرف گئے ہیں۔آپ اس باغ میں تشریف لے گئے۔وہ وہاں ان دونوں دوستوں کے ساتھ سماع میں مشغول تھے۔حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے آنے پر سماع بند ہو گیا اور مولانا وحیدؒ نے آپ سے کہا کہ مولانا نظام الدینؒ آپ کو کس نے کہا ہے کہ یہاں آ کر ہماری مجلس خراب کرو۔اگر بادشاہ یا اس کے حکام اور شاہزادگان کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ مجھے دربار میں طلب کریں گے اور مجھے پریشان کریں گے۔حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا اچھا پھر نہیں آؤں گا۔اس سے وہ خوش ہو گئے اور پھر سماع شروع کر دیا۔اس کے بعد فرمایا کہ قصبہ خسرو خان میں حضرت خواجہؒ کے لئے ایک لاکھ اور کمترین کے لئے دس ہزار نذرانہ آتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب نذرانہ آیا تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں اس مال کو کیا کروں گا۔ مجھے تو ایک چتیل کافی ہے۔خسرو خان کے بھائی صوفی خان نے جن کے ذریعے نذرانہ آتا تھا۔بہت التجا کی کہ

قبول فرمالیں لیکن آپ نے ہرگز قبول نہ کیا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا محفل سماع میں خرچ کیا جائے۔ جب صوفی خان نے جا کر اپنے بھائی خسرو خان کو اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوئے اور شامیانے' قندیل اور سائبان کا انتظام کیا گیا اور کئی روز تک قسم و قسم کے کھانے تقسیم ہوتے رہے۔ جب لوگوں کا ہجوم مولانا وحیدؒ کے گھر کے قریب سے گذرا تو انہوں نے کنیز سے پوچھا کہ یہ کیا شور ہے۔ اس نے کہا آپ نے اس روز سماع طلب کیا تھا۔ یہ وہی چیز ہے۔ صوفی خان آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا وحیدؒ کو غصہ آیا اور عصا لے کر ان کے پیچھے دوڑے کہ تم لوگوں نے میرے گھر پر یہ شور اور تماشا کیوں بنا رکھا ہے۔ صوفی خان اپنی دستار منہ پر دے کر رونے لگے لیکن حضرت خواجہ برابر ان کے پیچھے دوڑتے اور گالی دیتے رہے۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ سبحان ایسے درویش بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔ جن کو یہ فکر لاحق رہتی ہے۔ کہ ہمارے گھر پر بہت لوگ آئیں اور بہت ہجوم ہو اور وہ درویش بھی ہیں جو چاہتے ہیں ان کے ہاں کوئی نہ آئے۔ لیکن آج ایسے لوگ نہیں رہے۔ آج کل یہ تنازعات چل رہے ہیں کہ فلاں رئیس فلاں درویش کے گھر پر کیوں گیا اور میرے پاس کیوں نہ آیا فلاں کے پاس وہ زیادہ نذرانہ لے گیا اور ہمارے پاس کم لایا۔ اب ان لوگوں کے متعلق کیا کہا جائے۔ فرمایا میری والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ آج کل درویشی کہاں ہے۔ یہ درویشی نہیں ہے کہ تکیہ لگا کر بیٹھ جائیں تا کہ لوگ نذرانے لائیں اور ہم خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ والدہ نے فرمایا کہ تمہارے والد کہا کرتے تھے۔ کہ اگلے زمانے میں صوفیا حضرات بھنگ کی دکان پر جا کر جوائین کھاتے تھے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ بھنگ کھا رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی نہ آئے۔ اور وہ فراغ دل سے یادِ خدا میں مشغول رہیں۔ سات سات دن آٹھ آٹھ اور دس دن تک ان کے پیٹ میں نصف سیر طعام بھی نہیں جاتا تھا۔

جوانمردی کیا ہے

فرمایا خواجہ حمدون قصار جو فرقہ ملامتیہ کے سردار ہیں ایک دفعہ ایک عیار (بدمعاش) سے کہنے لگے کہ جوانمردی کیا ہے۔ اس نے کہا اپنی جوانمردی بتاؤں یا آپ کی۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں بتاؤ۔ عیار نے کہا کہ میری جوانمردی یہ ہے کہ اپنے کام سے باز آ کر آپکا کام کروں۔ اور

آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ میرا لباس پہن کے اپنا کام کریں۔ عیار کی بات کا آپ پر بہت اثر ہوا اور فوراً لباس درویش اتار کر لباس عیاری زیب تن کر لیا اور ملامت اختیار کی۔

اسرار باری تعالیٰ اور اس کے مشاہدہ جمال وجلال سے خلق کی محرومی

اس کے بعد اسرار باری تعالیٰ اور اس کے مشاہدہ جمال وجلال سے خلق خدا کی محرومی کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا سبحان اللہ! درویشوں کو کیا دولت نصیب ہے اور خلقت کس محرومی اور غفلت میں مبتلا ہے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ ذرا بھر ایسی دولت کی طرف توجہ نہیں کرتیا اور بیکار کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ فرمایا اہل اسلام اور تمام کتب سماوی کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام محبت سے بالاتر اور افضل تر کوئی مقام نہیں ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کو افضل الانبیاء کا خطاب نہ ہوتا۔ مقام محبت میں محب اور محبوب میں دوئی نہیں ہے نہ ظاہری نہ خیالی بلکہ حقیقی یگانگت اور اتحاد ہے۔ اور یہ یگانگت اور وحدت نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ آپ کے اتباع اور حق تعالیٰ کے لطف وکرم سے اس دولت کے قطرات دوسروں کے قلوب کو بھی سیراب کرر ہے ہیں اااور یہ قطرات ایسے ہی ہیں کہ ان کے مقابلہ میں دریا بھی کچھ نہیں ہیں۔ جو شخص ان قطرات کا طالب ہے۔ اور اپنے آپ کو اپنے مرشد کے ساتھ جو محبؔ بھی ہے اور محبوب بھی، عاشق بھی اور معشوق بھی، منسلک کر دیتا ہے۔ ان کے فرمان کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور اپنے اختیار کو مطلقاً ترک کر دیتا ہے۔ اور جو مراقبات کہ مرشد تعلیم کرتے ہیں بجالاتا ہے۔ اور ہر جس کام سے منع کرتے ہیں ان کو ترک کر دیتا ہے۔ شراب محبت اس کی حلق میں بھی ضرور ڈالا جاتا ہے۔ بشرطیکہ نفس کو پاک رکھے (یعنی معاصی اور وساوس سے گریز کرے) اگرچہ شراب محبت کے قطرات نہیں بلکہ خمہا اور دریا سے اس کو سیراب کیا جاتا ہے۔ اس کی سیری نہیں ہوتی (بلکہ ھَلْ مِنْ مزید کے نعرے لگا تا ہے۔) اور جس سے نہ اسے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے نہ ملامت۔

معشوقہ کے بچھو کے کاٹے سے عاشق کے پاؤں میں درد

اس کے بعد فرمایا کہ میرے بڑے بھائی ایک عورت پر عاشق ہو گئے۔ ایک رات اس عورت کے بچھو نے کاٹ لیا۔ وہ ساری رات درد سے روتی رہی۔ اس کے ساتھ میرے بھائی کی یہ حالت تھی کہ وہ بھی پاؤں کے درد میں ساری رات مبتلا رہے اور عین اُسی جگہ درد تھا جہاں عورت کو

بچھو نے کاٹا تھا۔ دوسرے دن جب عورت کو درد سے نجات ملی تو میرے بھائی کا بھی درد جاتا رہا۔

زلیخا کے خون سے یوسفؑ کا نام لکھا گیا

اس کے بعد فرمایا ایک دفعہ زلیخا نے حجام کو فصد خون کے لئے طلب کیا۔ جب حجام نے اسکا خون نکالا تو خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا تھا۔ نقشِ یوسف بن جاتا تھا۔ (یعنی لفظ یوسف لکھا جاتا تھا) فرمایا کہ جب یہ اثر عشقِ مجازی میں ہے تو عشق حقیقی میں اس سے کم کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کوئی انسانیت ہے کہ حق پرستی کا دعوہ کرو اور حق کی بندگی چھوڑ کر اپنے نفس کی بندگی شروع کر دو۔ اور پھر بزعم خود کہتے پھرتے ہو کہ میں بندہ خدا ہوں۔ کتنا بڑا مذاق اور کتنی بڑی محرومی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو خفیہ اشارات اور راز و رموز کی حکایات میں کہا جاتا ہے کہ حضرت صہیبؓ حضرت سلیمانؓ حضرت بلالؓ نے افضل الصحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے در پر جا کر کہا کہ تَعالَوُا انوٗ مِنُ ساعَۃً (آ وَ ایک لحظہ کے لئے ہم مسلمان ہو جائیں) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ کیا میں مسلمان نہیں ہوں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اَنُتُم المئومنون بِرَبّ کعبہ (خدا کی قسم تم مسلمان ہو) اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ پھر یہ موالی لوگ کیوں میرے دروازہ پر آ کر کہتے ہیں۔ تَعالَوُا انوٗ مِنُ ساعَتہ ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی مراد دوسرے ایمان سے ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ دریافت نہ کیا کہ وہ ایمان کیا ہے۔ اور نہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم لوگ شراب کہاں پیتے ہو اور بدمستی کہاں کرتے ہو۔ اپنی سواری پر مضبوط ہو کر بیٹھو۔ فرمایا یہ سب عجیب و غریب حکایات ہیں۔ جن کی کوئی سند نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے شیخؒ کی اکثر مجالس میں مشائخ کے حالات ان کے معاملات مجاہدات اور اخلاق کا ذکر ہے۔ عشق و محبت کم بیان گیا گیا ہے۔ میں سولہ سال حضرت اقدس کی خدمت میں رہا ہوں۔ ان میں سے دس مجالس بھی ایسی نہ ہوں گی جن میں عشق و محبت کا ذکر ہو۔ اور پھر یہ دس مجلس بھی پوری عشق و محبت کے موضوع پر نہیں ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں عوام کے فہم و ادراک سے بالاتر ہوتی ہیں۔ جب عشق و محبت کے موضوع پر گفتگو فرماتے تھے تو ایک جملہ کہہ کر

اپنے حال میں گم ہو جاتے تھے۔ اور کچھ افاقہ ہونے پر دریافت فرماتے تھے۔ کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ جب حاضرین مجلس یاد دلاتے تھے تو ایک جملہ کہہ کر پھر حال میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ اور آبدیدہ ہو کر عالم محویت میں چلے جاتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ کیا راز ہے جو اس حدیث میں ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ الفاظ کے معنی ہیں وہ یہ کہ

جب اہل جنت اور اہل دوزخ کو کئی سال گذر جائیں گے تو حق تعالی جبرائیل کو بھیجیں گے کہ جا کر ان کو میرا سلام کہو جب جبرائیل وہاں جائیں گے تو نہ اہل جنت کو پائیں گے اور نہ اہل دوزخ کو۔ جبرائیل دوبارہ حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جا کر عرض کریں گے کہ خداوند! مجھے تو وہ دونوں گروہ کہیں نظر نہیں آئے۔ سلام کس پر کہوں۔ خدا تعالیٰ فرمائیں گے کہ انسان میرا راز تھا اور میرے ساتھ واصل ہو گیا ہے) سبحان اللہ کیا بازی گری تھی یہ کھیل تماشا خود پیدا کیا اور پھر اسے بند کر لیا۔ عجیب حالت ہے۔ اور عجیب اشارات۔ محدثین حضرات نے اس حدیث پر نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے راوی حضرت عمر بن عاصؓ ہیں۔ ان کی روایت غیر معتبر ہے۔ اس اثنا میں ایک سید پابوسی کے لئے آئے۔ آپ نے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا ایک دیہات میں پڑا زندگی کے دن مجبوراً گزار رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا عجیب بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے تجھے تمام تعلقات سے آزاد کیا ہے۔ نہ بیوی ہے۔ نہ بچے نہ ماں ہے نہ باپ۔ تم یادِ خدا میں کیوں مشغول نہیں ہوتے۔ تجھے کیا مجبوری ہے کہ دیہات میں پڑا زندگی ضائع کر رہا ہے۔ اور اس قدر نقصانِ عظیم برداشت کر رہا ہے۔ لوگ تجھ پر صد افسوس کرتے ہیں اور تو اس سے غافل ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ دہلی میں قحط ہوا۔ ایک پہلوان نے ایک بقال (کریانہ) کی دکان پر جا کر ان چیزوں کو گھورنا شروع کیا جسے پہلوان لوگ استعمال کرتے ہیں۔ پہلے اس کی نظر آٹے پر پڑی بقال سے پوچھا کہ کیا یہ آٹا تمہارا ہے۔ اس نے کہا ہاں میرا ہے۔ اس کے بعد گھی کو دیکھ کر کہا کیا یہ گھی تمہارا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میرا ہے۔ شکر دیکھ کر پوچھا کہ یہ تمہاری ہے۔ اس نے کہا ہاں میری ہے۔ ایندھن دیکھ کر پوچھا کہ یہ ایندھن بھی تمہارا ہے۔ اس نے کہا ہاں میرا ہے۔ پہلوان نے کہا تو پھر تم اس کا مالیدہ بنا کر کیوں نہیں کھا لیتے۔ اب تمہارا (اس سید کا) حال اس بقال کا سا ہے اور لوگ اس پہلوان کی مانند

ہیں جو بقال کے مال کی تمنا میں ہیں اور بقال اپنے مال سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

پنجشنبہ ۲۲/ربیع الثانی ۸۰۳ھ

۲۲/ماہ ربیع الثانی ۸۰۳ھ کو شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ' کا عرس تھا۔ اور خلقت کا ہجوم تھا۔ وِداع کے وقت فرمایا کہ دنیا میں یہ اجتماع وافتراق' عزت وذلت فقر وغنا بھی عجیب کھیل ہے۔ چند یوم یا چند ساعت کے لئے لوگ ایک کام پر متفق ہو کر جمع ہو جاتے ہیں۔ جب وہ کام ہو جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے گھر چلا جاتا ہے اور وہ بزرگ جس کے گرد اتنے لوگ جمع ہوئے تھے تن تنہا رہ جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی عزت بادشاہی مشائخیت سے بالاتر نہیں ہے۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ حضرت شیخ کی خانقاہ میں جب کوئی عرس یا کوئی اور اجتماع ہوتا تو عصر کی نماز کے وقت شیخ صدر الدینؒ اور مولانا علاؤ الدین مجھے بلاتے تھے۔ میں ان سے کہتا تھا کہ آپ لوگ جو مجھے یہ عزت بخشتے ہیں مشائخیت سے بالاتر کوئی عزت نہیں ہے۔ اور ہمارے خواجہ کی عزت سے کسی کی عزت زیادہ نہیں ہے۔ حاصل عزت یہ ہے کہ کسی مصلحت کی خاطر آپ مجھے بلاتے ہیں اور جب وہ مصلحت پوری ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی راہ لیتا ہے۔ اب ایک عقلمند اور سمجھدار آدمی اس چیز کو کیا وقعت دے سکتا ہے۔ اور اس کی کیا قدر کرتا ہے۔ دنیاوی عزت جس قدر بھی ہو اس کا انجام وبال ہے۔ یہ ہیں غیبی جواہرات جو ایک سال کی مدت میں جمع ہو سکے ہیں ااور جن کا حضرت مخدومؒ نے کئی بار ملاحظہ فرمایا ہے۔ اور یہی ان کی صحت کی سند ہے اور

الحمد اللہ علی ذالِک

تمام ہوئے ملفوظاتِ حضرت بارفعت' مقتدائے ارباب شریعت' مرتضی اصحاب طریقت' ہادی سالکانِ سبیل حقیقت' دلیل ساعیان معرفت' مظہر آثار احدیت منظر انوارِ صمدیت' کاشفِ استارِ وجود مطلق' رافع اعطیہ حقیقت حق' سیاح انہار اطوارِ ولایت' غواصِ بحار اسرار نبوت' محبوب ملک حق مبین' صدر الملتہ والدین' قطب الاقطاب' عظیم الالقاب' جعفر ثانی' ابوالفتح' سید محمد بن یوسف الحسینی گیسودراز قدست اسرارہ' الکریم۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ چشتیاں ہرگز نمیرد

مصنف کی دیگر کتب

پنج پیر

عظمت اہل بیت رسول

روحانیت اسلام

مقام گنج شکر

مشاہدہ حق

مکتوبات قدوسیہ

اقتباس الانوار

مرآۃ الاسرار

مقابیس المجالس

شرح کشف المحجوب

Islamic sufism

The Kashful Mahjub

The Magnificent Power Potential of Pakistan

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور